یوسف عزیز مگسی

اور

بلوچستان ریفارمز موومنٹ

ہماری سیاسی جدوجہد

ڈاکٹر سلیم کرد

بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

عدالت روڈ، کوئٹہ

(c) All rights are reserved.

اے کتاب ءِ درائیں حقّ گوں بلوچی اکیڈمی ءَ انت۔

بیدئے بلوچی اکیڈمی ءِ رضا ءَ کسّ ایشی ءِ مواداں چاپ کُت نہ کنت۔

(انٹرنیٹ ایڈیشن)

یوسف عزیز مگسی اور بلوچستان ریفارمز موومنٹ

ڈاکٹر سلیم کرد

2018ء

ISBN # 978-969-680-041-5

نہاد: =/200

بلوچی اکیڈمی ءَ اے کتاب ذکی پرنٹنگ پریس کراچی ءَ چاپ کتگ۔

تُم کو خفی عزیز ہے، ہم کو جلّی عزیز
عارِض کا گُل تمھیں، ہمیں دِل کی کلی عزیز

لفظِ بلوچ مہر و وفا کا کلام ہے
معنی ہیں اس کلام کے یُوسف علیؔ عزیزؔ

مولانا ظفر علیؔ خان

انتساب

اُن عظیم ہستیوں کے نام !

جن کی خدمات علاقہ، زبان، نسل اور ذات پات سے بالاتر

عالمگیریت کی لڑی میں پروئی ہوئی ہیں اور مشعل راہ بھی

فہرست

عنوان	صفحہ
سرحال ...... عزیز بگٹی	16
یوسف عزیز کا فکری پس منظر ...... ڈاکٹر کہور خان	20
حرف اوّل ...... ڈاکٹر سلیم کُرد	28
باب اوّل......تعارفی خاکہ وقبل از یوسف علی	31
میر یوسف عزیز مگسی (تعارفی خاکہ)	31
قبل از یوسف علی عالمی و علاقائی صورتحال	36
''میر ٹلن خان'' کی تحریک	39
بلوچ طلباء کی پہلی تنظیم	40
باکو کانفرنس میں بلوچ انقلابیوں کی شرکت	40
میر عبدالعزیز کُرد کا مشاہدہ	42
انجمن اتحاد بلوچستان کا قیام	44
خان محمود خان	45
خان بہادر شمس شاہ	49
باب دوئم......خاندان تعلیم و تربیت، مشاہدات وعازم سیاست	52
میر یوسف عزیز کا خاندان	52
میر یوسف عزیز کی تعلیم و تربیت	53
انگلینڈ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی خواہش	54
حالات و واقعات کا مشاہدہ	54
فریاد بلوچستان	55
یوسف عزیز کی گرفتاری وسزا	57
رہائی اور انجمن کی قیادت	58
باب سوئم......شمس گردی	61

61	سیاسی بھونچال، ریاستی جبر و مگسی ہجرت !
62	انجمن کا ہنگامی اجلاس
63	شمس گردی کی اشاعت
64	عرض حال
65	تمہید
68	قبائلی آزادی کی پامالی
70	کسانوں پر مظالم
74	حقوق ملازمت میں رعایا کشی
76	نظام عدل میں ابتری
78	تعلیم کا فقدان
80	خزانہ کی بربادی
84	ریاست قلات کے آئندہ نظام حکومت کا خاکہ
87	شمس گردی کا حرف آخر
88	**باب چہارم ...... بعد از فوتگی خان محمود خان**
88	خان محمود خان کی فوتگی
88	والئی ریاست کی جان نشینی پر انجمن کا اجلاس
89	وزیر اعظم شمس شاہ کی برطرفی
89	خان اعظم جان کی تاج پوشی و گورنر جنرل کا مشورہ
90	خان صاحب کے تیور بدلے
91	**باب پنجم ...... بلوچ کانفرنس کا پس منظر اور جیکب آباد کانفرنس**
91	بلوچستان ڈے منانے کا اعلان
92	ملتان اجلاس آل انڈیا بلوچ کانفرنس کا اعلان
93	بلوچ کانفرنس کی تیاریاں
97	صدارت کے لئے میر علی نواز تالپور کے نام پر اتفاق
98	مضمون نویسی پر انعامات

99	محلاتی سازشیں اور دفاع کانفرنس
99	بلوچ کانفرنس کے رہنماؤں کے بیانات
101	مولانا ظفر علی خان کا پیغام
102	عیدگاہ بنا کانفرنس گاہ
102	کانفرنس سے قبل سب جیکٹس کمیٹی کا اجلاس
103	بلوچ کانفرنس میں نمائندوں کی آمد
104	قائم مقام صدر کی نامزدگی
104	ممبران سب جیکٹس کمیٹی کی نامزدگی
105	بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس
105	کانفرنس کا پہلا دن
106	میر علی نواز خان تالپور والئی خیر پور کی صدارتی تقریر
111	کانفرنس کا دوسرا دن
112	کانفرنس کا تیسرا دن
113	کانفرنس کا چوتھا دن
114	کانفرنس میں اکابرین کی تقاریر
114	تقریر حاجی محمد عثمان بلوچ
114	تقریر سردار غلام رسول خان قرائی بلوچ
114	تقریر میر مٹھا خان مری
114	تقریر میر محمد امین خان کھوسہ
115	میر یوسف عزیز کا خطاب
116	تقریر خان عبدالصمد خان اچکزئی
117	تقسیمِ انعامات
117	کانفرنس کی قراردادیں ومطالبات
122	خواتین کے حقوق کے حوالے سے قراردادیں
125	تعلیم کے حوالے سے قراردادیں

کانفرنس کی معاشی قراردادیں	128
دیگر قراردادیں	130
ایگزیکٹو بورڈ کی تشکیل	134
کمیٹیوں کی تشکیل	137
باب ششم...... بعداز کانفرنس سرگرمیاں و تادیبی کارروائیاں	140
عبدالعزیز کُرد کی ملازمت سے برخاستگی	140
میرعبدالعزیز کُرد و شہباز خان نوشیروانی کی گرفتاری	140
ماسٹر محمد حسین عنقا سے تفتیش	141
ماسٹر پیر بخش نسیم تلوی کو شوکاز نوٹس	141
میرعبدالعزیز کرد کا احتجاج	141
ماسٹر پیر بخش نسیم تلوی کا لورالائی تبادلہ	142
بلوچستان میں تادیبی کارروائیوں کی ابتداء	142
ملازمین کی برطرفی کے خلاف احتجاج	143
روزنامہ زمیندار کی بندش و یوسف علی	144
آل انڈیا مسلم کانفرنس کا دعوت نامہ	145
سبی، جیکب آباد، کراچی اور لاہور کا دورہ	145
آل انڈیا مسلم کانفرنس میں شرکت	145
عرضداشت بخدمت وزیر قانون ہند	146
وائسرائے ہند (گورنر جنرل) کو درخواست	147
لاہور میں بلوچ اور بلوچستانی مسلم سٹوڈنٹس کا مشترکہ اجلاس	147
میر یوسف علی خان مگسی کی سبی سے کوئٹہ آمد	149
میر یوسف عزیز کی کوئٹہ سے سبی روانگی	149
میر یوسف علی خان کو مشروط پیشکش	149
سبی سے سکھر روانگی	149
وائٹ پیپر پر خان صمد خان صدر بلوچ کانفرنس کا موقف	150

150	لاہوراورڈھاڈرکادورہ
150	کوئٹہ کادورہ
150	فضل حسین کا(Mat calfe) کومراسلہ
151	میر یوسف علی کادورہ مستونگ
151	میرعبدالعزیز کرد کی کوئٹہ آمد
152	**باب ہفتم ......مسودہ کمیٹی وتجاویز**
152	مسودہ کمیٹی کے اجلاس کادعوت نامہ
152	۳۰ر جون ۱۹۳۳ء کے اجلاس کی کارروائی
153	زمیندار کے وفد کی کوئٹہ آمد
154	مسودہ کمیٹی کا اجلاس فیصلے اورقراردادیں
157	عطامحمد مرغزانی کاعہدے سے معذوری کااظہار
158	اصلاحات کے لئے تجاویز
167	**باب ہشتم......حیدرآبادکانفرنس کے اجلاس کی تیاریاں**
167	حیدرآباداجلاس بتاریخ ۲۸ر ستمبر ۱۹۳۳ء کادعوت نامہ
167	حیدرآباد ۲۸ر ستمبر ۱۹۳۳ء کے اجلاس کی کارروائی
170	کانفرنس کی صدارت
170	علی نواز تاپورصدر بلوچ کانفرنس کی اپیل
171	جیکب آباداجلاس
171	خان عبدالصمد خان کاپیغام
172	حیدرآبادکانفرنس کے پمفلٹ وپوسٹرز
173	**باب نہم......حیدرآبادکانفرنس**
173	دوسرا سالانہ بلوچ کانفرنس حیدرآباد، دسمبر ۱۹۳۳ء
173	۲۶ر دسمبر ۱۹۳۳ء کی کارروائی
174	خطبہ صدارت میرعلی نواز تاپور
175	سیکریٹری رپورٹ

جلسہ گاہ میں پمفلٹ کی تقسیم	175
پروفیسر حبیب اللہ کی تقریر	175
قرارداد	175
سب جیکٹس کمیٹی کے ممبران کی نامزدگی	176
تقریر مولوی احسان احمد	177
تقریر شیخ عبدالمجید لالا رام MLC	177
تقریر یوسف علی خان مگسی	178
۲۷ دسمبر ۱۹۳۳ء کی کارروائی	178
عہدیداروں کا انتخاب	179
ایگزیکٹو کمیٹی کا انتخاب	179
ورکنگ کمیٹی کا انتخاب	180
قراردادیں	180
نواب محراب خان بگٹی کا تعاون	184
حیدرآباد کانفرنس کے تمام اجلاسوں میں شرکت کرنے والے زعماء	184
باب دہم ......سرگرمیاں بعد از حیدرآباد کانفرنس	185
سندھ مگسی ایسوسی ایشن کا قیام	185
بلوچ کانفرنس وسندھ کے مسلم رہنماؤں کا اجلاس	185
خان عبدالصمد خان اچکزئی کا پریس انٹرویو	186
سر فضل حسین کے نام یادداشت	187
سندھ کے مسلم رہنماؤں سے گفت وشنید	189
پریس سے میر عبدالعزیز کرد کا شکوہ	189
مجلس احرار ہند کا یوسف عزیز سے مشاورت کا فیصلہ	189
عبداللہ ہارون کا اسمبلی میں خطاب	190
باب یازدہم ......منصب نوابیت واصلاحات	191

میر یوسف عزیز ذہنی الجھن کا شکار	191
سیاسی کارکنوں میں ہیجانی کیفیت	191
سرداری کا مسئلہ اور انجمن کا اجلاس	192
منصب نوابیت	192
عظیم تعلیمی وفلاحی منصوبے	195
سورج کا شہر	198
یوسف عزیز کی سٹیٹ کونسل میں نمائندگی	200
باب دوانزدہم...... بلوچ میڈیا	203
قومی اخبارات کا اجراء	203
بلوچستان جدید ودیگر اخبارات کا اجراء	204
پر مغز انقلابی مضامین کا سلسلہ	209
گرفتاریوں پر امین کھوسہ کا اظہار خیال	211
باب سیزدہم...... ریاستی جبر	218
گرفتاریاں، تادیبی کارروائیاں اور صدائے احتجاج	218
میر عبدالعزیز کرد کی بھوک ہڑتال	219
بلوچستان میں گرفتاریوں پر اہلیان کراچی کا احتجاج	220
کراچی جلسہ	222
شکار پور جلسہ	223
بلوچ رہنماؤں کا ممبران اسمبلی کو برقیہ	223
اسمبلی میں عبداللہ ہارون کی تقریر	224
گرفتاریوں کی مذمت	226
بلوچستان میں جبر اور بربریت کی پالیسی	227
سرکاری ملازمین کیخلاف تادیبی کارروائیاں	228
حکومتی سرکلر و برطرفیاں	228
خان عبدالصمد خان کے خلاف محاذ	229

حصولِ وزارت عظمیٰ کی بھاگ دوڑ	230
بلوچ رہنماؤں کا مہاتما گاندھی سے رابطہ	230
باب چہاردہم ......سیاسی روابط	232
برصغیر کے سیاسی رہنماؤں سے رابطے	232
علامہ محمد اقبال اور یوسف عزیز	232
اقبال اور بلوچستان	234
عبداللہ ہارون اور بلوچستان	235
احسان دانش	236
بلوچستان اور مولانا ظفر علی خان	237
باب پانزدہم......عازم انگلستان، واپسی وشہادت	242
عازم انگلستان	242
یوسف علی کو صدمہ	244
انگلستان سے واپسی	245
جھل کا خفیہ دورہ	248
نظر بندی	248
شہادت	248
باب شانزدہم ...... پرنٹ میڈیا	350
کانفرنس کی تشہیر	250
آل انڈیا بلوچ کانفرنس اور قلات سٹیٹ	250
میر عبدالعزیز کرد وشہباز خان نوشیروانی کی گرفتاری	255
بلوچ کانفرنس کا ایگزیکٹولسٹ	255
یوسف عزیز کے سیاسی دورے	255
یوسف عزیز کی سبی آمد	256
زمین جنبد نہ جنبد گل محمد	256
وزیر اعظم گل محمد کے حق میں مضمون	257

258	بلوچستان میں اصلاحات (یوسف کا مضمون)
260	بلوچستان میں عمومی پسماندگی
261	حیدر آباد کانفرنس پر تبصرہ
262	عبداللہ ہارون بلوچ عوام کا ہمدرد
263	بلوچستان کو اصلاحات دینے سے حکومت ہند کا انکار
265	حکومت بلوچستان کے متشددانہ اقدامات پر تبصرے
265	میر عبدالعزیز کرد کو پانچ سال قید
267	بلوچستان کے دقیانوسی نظام حکومت کی کرشمہ سازی
268	خان عبدالصمد خان اچکزئی کی گرفتاری
269	سرداران بلوچستان نمائشی پُتلیاں ہیں
271	رپورٹ جائنٹ سلیکٹ کمیٹی
272	اصلاحات بلوچستان کی مشکلات
279	رپورٹ جائنٹ پارلمینٹری سلیکٹ کمیٹی اور اخبارات
280	ہندوستان کا سب سے زیادہ مجبور و مظلوم علاقہ
284	بلوچستان کے ساتھ انصاف کیا جائے
287	سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون کے استفسارات
290	بلوچستان کی قومی تحریک کی رفتار حکومت کیلئے لمحہ فکریہ
293	بلوچستان کے مسئلہ پر حکومت کو شکست
294	سرداران بلوچستان کی خدمت میں
292	بلوچستان کے فوری مطالبات
296	انجمن کا مستونگ اجلاس
296	مجوزہ اصلاحات کا خاکہ
298	اصلاحات کے موضوع پر امین کھوسہ کا خط
300	ملک فیض محمد یوسفزئی کا تجزیہ

باب اودہم......نظریات اہداف وسرداری سے معزولی	301
میر یوسف عزیز مگسی کے نظریات	301
یوسف کی جدوجہد کے اہداف	304
سرداری سے معزولی	306
باب اژدہم ......مکاتیب وشاعری	309
مجاہد اعظم یوسف علی خان کے بصیرت افروز مکاتیب	309
مکتوبات بنام محمد امین کھوسہ	310
مکتوبات بنام مولانا عبدالکریم صاحب	369
میر یوسف عزیز مگسی کی شاعری	405
باب نوزدہم......معصوم خواہشات	428
ادھورا عشق	428
ادھوری خواہش	430
ادھورا مشن	433
نئی روایت	435
عظمتِ کتاب	437
قانونِ جرگہ میں تبدیلی	439
تکمیلِ انسانیت	441
قول	451
وصیت	453
باب بیست ......لمحہ فکریہ	455
حرفِ آخر	459
تصاویر	463
شجرۂ یوسف عزیز مگسی	

☆☆☆

سرحال

بلوچستان میں بیرونی حاکمیت کے خلاف جدوجہد ہمیشہ مزاحمت کی صورت میں رہی ہے۔ ارغونوں سے لیکر ایرانیوں اور پھر انگریزوں سے لے کر پاکستانی ڈکٹیٹروں تک مزاحمت کی یہی کیفیت رہی نہ مارنے والے تھکے اور نہ مرنے والے بے دم ہوئے۔ انگریز دور حکمرانی میں یہ جدوجہد پہلی جنگ عظیم تک اسی شکل میں جاری رہی۔ مری علاقے اور جھالاوان کی لڑائیاں اسی سلسلے کی کڑی تھی، لیکن اس کے بعد اس جدوجہد نے ایک نئی شکل اختیار کر لی۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران سویت یونین کا قیام اور اس کے فوری بعد افغانستان کی آزادی، ہندوستان میں تحریک خلافت اور کانگریس کی بھرپر تحریک کے اثرات بلوچستان تک بھی پہنچ چکے تھے۔ اس سے متاثر ہوکر بلوچستان میں سیاسی جدوجہد کے حوالے سے ایک نئی تحریک کا آغاز ہوا۔ میر عبدالعزیز کرد اور اس کے بعض ساتھیوں نے ایک بلوچ سماجی تحریک کی بنیاد رکھی۔ اسی دوران میر یوسف عزیز مگسی کو محض اس جرم پر کہ بلوچستان کے بارے میں اس کا ایک مضمون لاہور کے اخبار ''مساوات'' میں شائع ہوا، گرفتار کر کے مستونگ جیل میں ڈال دیا۔ وہیں اس کا رابطہ میر عبدالعزیز کرد سے ہوا، اور اس نے بلوچ تنظیم میں شمولیت کا فیصلہ کیا اور جیل سے رہائی کے بعد اس کے اعلانیہ صدر بن گئے۔ باقی تمام تفصیل اس کتاب میں موجود ہے۔

ریاست قلات کو اس وقت اگرچہ رسماً ایک آزاد حیثیت حاصل تھی لیکن خان محمود خان کی بے حسی اور بے عملی کے باعث اس پر انگریز حکومت کا تعینات کردہ وزیراعظم اس پر انگریزی حکمرانی قائم رکھا ہوا تھا۔ انجمن اتحاد بلوچ اس صورت حال کو بدل دینا چاہتا تھا۔

میر یوسف عزیز مگسی، اس کے رفقاء اور تنظیم نے جدوجہد کی وہ اسی سلسلے میں تھی اس کی تفصیل ڈاکٹر کرد کی کتاب میں موجود ہے۔ اس سلسلے میں جیکب آباد (خان گڑھ) اور حیدر آباد میں ''بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کا انعقاد ہوا جس میں سیاسی، قبائلی، معاشرتی، معاشی، تعلیمی اور خواتین کے متعلق اصلاحات کے مطالبے کئے گئے۔

ڈاکٹر سلیم کرد کا تعلق اسی خانوادے سے ہے جس نے بلوچستان میں سیاسی تحریک کی بنیاد رکھی ۔ وہ زمانہ طالب علمی سے بلوچ تاریخ ، سیاست اور سماج و معاشرت سے نہ صرف دلچسپی رکھتے ہیں بلکہ وہ اس سے عملاً وابستہ رہے ۔ بڑی بات یہ ہے کہ وہ ایک ہی منزل اور سمت کے راہی رہے ۔ کسی چوراہے پر آ کر نہ تو وہ بھٹکے اور نہ ہی راستہ بدلا ۔ اس ضمن میں اسے بہت سی مشکلات کا بھی شکار ہونا پڑا۔ اس کے مضامین اکثر و بیشتر مختلف اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں ۔

کچھ عرصہ پیشتر وہ میرے پاس میرے گھر آیا جس پر مجھے بے حد خوشی ہوئی ۔ ڈاکٹر کرد نے مجھے بتایا کہ اس نے میر یوسف علی خان مگسی کے بارے میں ایک کتاب تحریر کی ہے اور یہ کہ میں اس کا مطالعہ کر کے اس کے بارے میں کچھ تحریر کروں پہلے تو اس بات پر خوش ہوا کہ وہ خود بلوچستان کے معاملات کے بارے میں بہت کچھ جاننے کے باعث وہ یقیناً تحقیقی کتاب ہوگی اور اس کا مطالعہ کر کے اس کا سر حال لکھنا میرے لئے ایک اعزاز کی بات ہے۔ اس نے کتاب کا مسودہ مجھے دیتے ہوئے بتایا کہ ابھی اس کی کوئی ترتیب نہیں ہے۔ جب میں نے گھر میں اس کا مطالعہ شروع کیا کہ اس میں کوئی ترتیب اور ربط نہیں تھا۔ کئی صفحات شاید پرنٹ ہونے سے رہ گئے تھے۔

عید الفطر کے بعد وہ کتاب کا کمپوزر شدہ مسودہ لیکر میرے پاس لے آیا اور اس ضمن میں کچھ باتیں بھی ہوئیں ۔ مطالعے کے بعد اس ضمن میں کچھ تحریر کرنے کے لائق ہوگیا۔

محترم ڈاکٹر سلیم کرد نے میر یوسف عزیز مگسی کی زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کیا ہے اس کا بچپن ، خاندانی حالات ، ادبی اور سیاسی خدمات کا کوئی پہلو تشنہ محسوس نہیں ہوتا۔ مجھے اس کے مطالعے کے دوران یہی محسوس ہوا کہ میں خود اس دور کا ایک عملی حصہ بن چکا ہوں۔ ایک پوری تاریخ میرے سامنے تھی۔ میر یوسف عزیز مگسی کے بارے میں اکثر و بیشتر ملک محمد پناہ اور میر مٹھا خان مری سے کافی باتیں سنتا رہتا تھا۔ ایک قبائلی سردار ہونے کے باوجود اس نے جس طرح اپنی قوم کے بارے میں سوچا ، یہ اس کے تدبر اور عظمت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اس دور میں اگر تین چار بلوچ قبائلی سردار میر یوسف عزیز مگسی کے ہم فکر اور ہم سفر ہوتے تو شاید بلوچستان کی صورت حال اس وقت بدل چکی ہوتی ۔

ڈاکٹر سلیم کرد نے میر یوسف عزیز مگسی کی زندگی کے ہر پہلو کا مکمل احاطہ کیا ہے اس ضمن میں کچھ تحریر کرنے کی انہوں نے کوئی ضرورت نہیں چھوڑی ۔ میں صرف کچھ تجزیہ ہی کر سکتا ہوں ۔

میر یوسف عزیز مگسی نے صرف چھ سال کے عرصے کے دوران جو سیاسی اور اصلاحی تحریک چلائی اس نے اس قدر جڑ پکڑ لی کہ بلوچستان کی آئندہ سیاست اور تحریکوں پر ہمیشہ اس کے اثرات نظر آئے ۔

چالیس ، پچاس ، ساٹھ اور ستر کی دہائیوں کی تحاریک اسی بلوچی قومی تحریک کا تسلسل تھیں یہاں اس حقیقت کا اظہار

ضروری ہے کہ میر یوسف عزیز مگسی کی تحریک بنیادی طور پر بلوچ اصلاح یا زیادہ سے زیادہ بلوچستان میں تبدیلیاں لانے کی تحریک تھی۔ مجھے اس میں کسی بھی مرحلے پر سوشلزم کی انقلابیت نظر نہیں آتی۔ وہ اکثر و بیشتر اپنے آپ کو بلوچ اور مسلمان کہتا ہے۔

وہ کانگریس سے بھی کم ہی متاثر تھے۔ قیام لندن کے دوران انہوں نے البتہ سوشلزم کا کچھ مطالعہ ضرور کیا۔ وطن واپسی کے بعد انہیں اس کا موقع ہی نہیں ملا کہ وہ ان خطوط پر اپنا کوئی لائحہ عمل طے کرتے۔ مجھے ایک مرتبہ ملک محمد پناہ نے بتایا تھا کہ میر یوسف علی مگسی واپسی کے بعد ابھی اپنے رفقاء سے آئندہ کا لائحہ عمل کے بارے میں مشاورت کر رہے تھے کہ مئی 1935ء کے زلزلے نے اس بطل جلیل کو ہم سے چھین لیا۔

ان کی جدوجہد پر نظر ڈالی جائے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ بلوچ قبائلی نظام کے ہر شعبے میں اصلاح چاہتے تھے۔ دونوں بلوچ کانفرنسوں کی قرار دادوں سے یہی بات سامنے آتی ہے۔ وہ آخر نواب سر اسد اللہ خان رئیسانی، ہز ہائی نس والئی خیر پور میر علی نواز تالپور، نواب حبیب اللہ خان نوشیروانی (جس نے دھوکے سے نورا مینگل جیسے بلوچ مجاہد کو گرفتار کر کے انگریز حکمرانوں کے حوالے کر دیا تھا) کے بھائی نوابزادہ میر شہباز خان نوشیروانی نواب محراب خان اور دیگر ایسے مراعات اور خطاب یافتہ سرداروں کے جھرمٹ میں آخر کس طرح انگریز حکمرانوں کے خلاف کوئی موثر جدوجہد کر سکتا تھا گو کہ اس کی صفوں میں میر مٹھا خان مری، میر عبدالعزیز کرد، ملک فیض محمد، محمد حسین عنقا، ہاشم غلزئی اور نسیم تلوی جیسے مخلص لوگ بھی شامل تھے۔ کسی سوشلسٹ انقلاب کی بجائے ان سے اصلاح احوال کی توقع ضرور کی جا سکتی تھی۔ اس لئے انہیں ایک بہت بڑا مدبر اور مصلح قوم سمجھا جا سکتا ہے۔ وہ ریاست قلات کے نظام اور قبائلی معاملات کی زبردست اصلاح چاہتے تھے۔

یہ دونوں بھائی یعنی نواب گل محمد خان زیب مگسی اور نواب یوسف علی خان مگسی بلوچ قوم کے دو ہیرے تھے۔ باشعور، مخلص اور حساس، ان کی سوچ اور فکر و نظر کی وسعتوں کے سامنے سرداری کی تنگ گھاٹی کو ایک شعوری قید کی حیثیت حاصل تھی۔ عقاب کے سامنے کوے کی پرواز کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے۔ اس لئے دونوں نے سرداری چھوڑنے میں کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا۔ نواب گل محمد زیب نے سرداری سے الگ ہوتے وقت اس کا اظہار اپنے ایک شعر میں اس طرح کیا ہے......

مراد سلطنت را ترک کردم بہر درویشی

چو ابراہیم ادھم ملک و سامان دادم و رفتم

جب نواب یوسف علی خان مگسی کو سیاسی جدوجہد کے حوالے سے قبیلے کی سرداری سے الگ کر دیا گیا۔ تو اس نے فوراً اپنے نام سے نواب اور مگسی کے حروف ہٹا کر اپنے آپ کو صرف یوسف عزیز بلوچ لکھنا اور کہلانا شروع کیا لیکن بلوچ تحریک سے الگ نہیں ہوئے۔ اس کا یہ شعر اسی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے۔

بلوچستانیو! جس وقت تم مجھ کو پکارو گے

مجھے سر باز پاؤ گے مجھے جانباز پاؤ گے

ڈاکٹر سلیم کرد کی کتاب محض یوسف عزیز بلوچ کی زندگی کا احاطہ نہیں کرتا بلکہ اس دور کی بلوچ تاریخ کا تذکرہ بھی ہے۔

خان محمود خان کے بارے میں عام طور پر جو باتیں زبان زد عام تھیں ان میں سے بعض کو تحریری شکل دیکر یہ بات سامنے لائے کہ خان محراب خان شہید کا جانشین ایک کیسا سوزواور جوکر بن بیٹھا تھا۔ گویا صورت حال یہ بنی

انقلاب روزگار آں حد بالائی گرفت

بر مقام شیر غُرّا خوک صحرائی نشست

بلوچوں کا ایک المیہ یہ ہے کہ یہاں پر جبر وتشدد انگریزی دور حکومت سے زیادہ پاکستانی ڈکیٹٹروں کے دور میں ہوا ہے۔

ڈاکٹر سلیم کرد چونکہ اس دور کے عینی شاہد رہے ہیں۔ میری خواہش ہے کہ وہ اس بارے میں بھی ایک کتاب مرتب کریں۔

عزیز بگٹی

شال، بلوچستان

02-08-2016

یوسف عزیز مگسی کا فکری پس منظر

ڈاکٹر سلیم کُرد عہد حاضر کے بلوچ اور بلوچستان کی سیاست میں نہ صرف ایک سرگرم کارکن رہے ہیں۔ بلکہ بلوچستان کے تقریباً نصف صدی کی سیاست اور سیاسی تاریخ کے کئی واقعات اور حوادث کے چشم دید گواہ بھی ہیں۔

ڈاکٹر سلیم کُرد بلوچستان، خاص کر بلوچ سیاسی تاریخ کے حوالے سے ایک مستند حوالے کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ بلوچستان کی سیاسی تاریخ پر ڈاکٹر صاحب کی گہری نگاہ ہے۔اولین سیاسی قائدین سے لے کر جدید دور کے موجودہ نوجوانوں، طالبعلموں، مزدوروں اور جمہوری سیاسی و معاشرتی جدوجہد کا نہ صرف قریب سے اور گہرائی سے تجزیہ و تحلیل کرتے ہیں، بلکہ ابتدائی سیاسی و سماجی رویئوں، رجحانات ،نظریاتی تصورات اور روایتی قبائلی مزاحمتی جدوجہد سے لے کر جدید آئینی و جمہوری افکار کی تشکیلات تک ، اپنے ایک خاص نقطہ نظر کے حوالے سے تحقیق و تشخیص بھی کرتے رہتے ہیں۔

اس سلسلے میں اس کے مضامین، آرٹیکلز اور اشعار مختلف رسائل، جرائد اور اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

اس کے علاوہ مختلف سیمینارز، مجالس، علمی، ادبی اور سیاسی پروگرامز میں وہ اظہار خیال بھی کرتے رہتے ہیں۔

پچھلے کئی سالوں سے وہ اولین بلوچ قائدین، خاص کر میر یوسف عزیز مگسی کی شخصیت، سیاسی افکار و نظریات، بلوچستان کی سیاست میں ان کے مقام اور کردار کے حوالے سے تحقیق و ریسرچ میں مصروف ہیں۔اس سلسلے میں ڈاکٹر کُرد نے بیش بہا کام کیا ہے۔مختلف مضامین، آرٹیکلز اور بے شمار مجالس، سیمینارز اور پروگرامز کے حوالے سے نہ صرف یوسف عزیز مگسی کی شخصیت اور کام کو متعارف کرایا ہے۔ بلکہ اس کی تصانیف ، مضامین ،قلمی نسخے ،خطوط اور اشعار کو اکٹھا کر کے ان کو ایک مستند اور جامع دستاویز یا کتاب کی شکل دینے کا بھی بھیڑا اٹھایا ہے۔ وہ اس جدوجہد میں کتنا کامیاب ہوا ہے، یہ آپ کے ہاتھوں میں یہ کتاب فیصلہ کرے گا۔ زیر نظر کتاب ڈاکٹر کُرد کی ان کاوشوں ،کوششوں تحقیق اور ریسرچ کا نتیجہ ہے۔

میر یوسف عزیز مگسی کی شخصیت ، افکار، سیاست پر اس طرح جامع اور مستند کتاب کی تصنیف ڈاکٹر سلیم کُرد کا اعزاز ہے ۔کسی اولین بلوچ سیاسی قائد پر جامع تحقیق و ریسرچ کی بنیاد پر چھپی ہوئی یہ پہلی کتاب ہے۔ اس کتاب میں بہت سے تاریخی مواد اور معلومات ہیں جو ہم جیسے بہت سے افراد اور اشخاص کے لئے نئے ہیں اور نوجوانوں کے لئے مشعل راہ ہونے کے ساتھ ساتھ ان کو بلوچ اور بلوچستان کی سیاسی تاریخ کے حوالے سے بیش قیمت معلومات فراہم کرنے اور ان ہی تاریخی حقائق کی روشنی میں اپنی سیاست کی فطری، فکری اور نظریاتی بنیادوں کو از سر نو تعین کرتے ہوئے اپنے اہداف، جہتوں اور سمتوں کو درست کرنے کا

موقع فراہم کرتا ہے ۔ میر یوسف عزیز مگسی اور اس کے رفقائے کار جدید بلوچ قوم پرستی ''Modren Baloch Nationalism'' کے بانی ہیں۔ جدید بلوچ قوم پرستی کے فکری اور نظریاتی بنیادوں کو سیاسی، معاشی اور سماجی سائنس کے جدلیاتی بنیاد فراہم کرنے والے ہیں۔ بلوچ سیاست کو کس طرح ہونا چاہئے۔اس کا فلسفہ کیا ہونا چاہئے۔طریقہ جدوجہد، حکمت عملی اور اہداف کیا ہونے چاہئیں؟ ان کا تعین ان ہی اولین قائدین نے بیسویں صدی میں کر لیا تھا۔

بیسویں صدی میں جب یورپ اپنے معاشی اور سماجی ہیّت اور ماہیت کے اعتبار سے اٹھارویں صدی کے معاشی ،سماجی اور معاشرتی پسماندگی سے نکل چکا تھا اور نیشنلزم کی فکری اور ریاستی تشکیل کا عمل تقریباً مکمل ہو چکا تھا اور وہاں قومی ریاستوں کی تشکیلات کا عمل قومی سرمایہ دار طبقے یا نیشنل بورژوازی کی سر پرستی میں مکمل ہو چکا تھا۔تو ایشیاء،افریقہ اور لاطینی امریکہ میں معاشی، سماجی اور معاشرتی پسماندگی کے خلاف نو آبادیات دشمن، جاگیردار دشمن اور سامراج دشمن قومی تحاریک اپنی اٹھان پر تھیں۔ترکی میں کمال اتاترک کا انقلاب، عظیم انقلاب روس (۱۹۱۷ء) افغان انقلاب (۱۹۱۹) ہندوستان میں سامراج دشمن اور نو آبادیات مخالف تحریک، مصر اور ایران میں ترقی پسند، قومی تحاریک نے، ان علاقوں کو اپنے لپیٹ میں لے لیا تھا۔ یہ ایسے فکری اور نظریاتی تحاریک تھے جو کسی بھی باشعور شخص کو متاثر کر سکتے تھے ۔چاہے وہ ابو الکلام آزاد ہو یا جواہر لعل نہرو، مولانا حسرت موہانی ہو یا عبدالغفار خان ۔

اسی طرح بلوچ عوام اور خاص کر باشعور نوجوان، جو اگرچہ تعداد میں تھوڑے تھے ۔ ان افکار،نظریات ،قوم پرستی، سامراج دشمنی، جاگیردار دشمنی، جمہوریت اور آئینی اور منتخب عوامی حکمرانی کے تصورات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے ۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب انگریزوں اور انگریز سامراجیت کے خلاف اس خطے میں روایتی اور قبائلی مزاحمت یا جنگیں نا کام ہو چکی تھیں۔روایتی تحریکیں قبائلی اور فرسودہ طریقہ کار سے منظّم نہیں ہو پا رہی تھیں۔انہی روایتی اور قبائلی تحریکوں کی نا کامی اور بے سودگی نے بلوچ باشعور نوجوانوں کو فکری و نظریاتی بنیادوں پر جدید دور کے حالات وضروریات اور تقاضوں کے مطابق غور وفکر پر آمادہ کیا۔اسی سوچ اور ادراک نے بلوچستان میں بلوچ نوجوانوں کو ایک نئے انداز میں سیاسی و جمہوری بنیادوں پر ایک نئی باشعور،فکری اور نظریاتی سیاسی تحریک کی داغ بیل ڈالنے کی طرف راغب کیا۔

عنایت اللہ بلوچ اپنی کتاب "The Problems of Greater Balochistan" میں لکھتے ہیں کہ

روایتی بلوچ مزاحمتی تحریک کی نا کامی نے بلوچ قوم پرستوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا۔

اول :۔ایک وہ گروہ تھا جو کہتا تھا کہ وہ سوویت یونین میں منتقل ہوں گے اور انگریز سامراج کے خلاف سوویت یونین کی حمایت سے مسلح جدوجہد جاری رکھیں گے ۔اس گروہ کی قیادت ۱۹۱۹ء کے مری ، کھیتر ان بغاوت کے لیڈر مصری خان بلوچ کر رہے تھے۔

دوئم :۔ دوسرا گروہ ان نوجوانوں پر مشتمل تھا جو برطانوی یا انگریزی تعلیمی اداروں سے پڑھے تھے اور ان کا تعلق مڈل کلاس سے تھا۔ یہ لوگ ہندوستانی سامراج دشمن تحریک کی طرز پر آئینی و جمہوری بنیادوں پر جدوجہد کو جاری رکھنا چاہتے تھے۔

یہاں ان کی تفصیل میں جانے کا نہ موقع محل ہے اور نہ ہی یہ اوراق ان تفصیل کے لئے ہیں۔ بہر حال یہ معلوم ہے کہ جب مئی ۱۹۱۹ء کو لینن نے افغانستان میں مقیم اپنے نمائندے مسٹر وائی۔ زیڈ موریٹس کو اختیار دیا تھا کہ وہ آزاد افغانستان، بلوچستان کے آزاد قبائل اور ہندوستانی عوام جو اپنی آزادی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں سے سفارتی تعلقات رکھے۔ اس وقت بلوچ مزاحمت کچلی جا چکی تھی۔ مری کھیتران بغاوت ختم ہو چکی تھی۔ ہجرت موومنٹ کے بلوچ رہنما سردار خان بلوچ، ملغانی، حیدر خان کولانچی افغانستان منتقل ہو چکے تھے۔ بغاوت کے لیڈر مصری خان بلوچ، صوبیدار خان مری سوویت یونین جا چکے تھے۔ اس کے بعد ان کی سرگرمیوں کا ریکارڈ دستیاب نہیں۔ (۱)

جولائی، اگست ۱۹۲۰ء میں سوویت آذر بائیجان کے شہر ''باکو'' میں کومنسٹرن کے دوسری عوامی کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ اس کانفرنس میں بلوچستان کی وفد کی قیادت مصری خان بلوچ نے کی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہجرت تحریک کے بلوچ قائدین جس میں سردار خان بلوچ، حیدر خان کولانچی، ملغانی اور مغربی بلوچستان سے کریم خان بھی مولانا عبیداللہ سندھی کے ساتھ اس کانفرنس میں شرکت کی۔

باکو کانفرنس میں مشرقی اقوام کے لئے ایک منشور کی منظوری دی گئی۔ جس کے تحت ایک اسکول جس کو'' اسکول آف پروپیگنڈہ اور ایکشن ان ایسٹ'' School of propaganda and Action in east اور دو تنظیمیں یعنی آرگنائزیشن آف انڈیا اور آرگنائزیشن آف پرشین کا قیام عمل میں لایا گیا۔ یہ اسکول اور تنظیمیں اردو، ہندی اور فارسی میں فکری و نظریاتی لٹریچر، کتاب، رسائل اور جرائد چھاپتے تھے۔

مولانا عبیداللہ سندھی، بلوچی اور براہوئی کے مشہور عالم دین مولانا محمد عمر دین پوری جو مکتبہ درخانی کے سرخیلوں میں سے تھے، افغانستان منتقل ہو چکے تھے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ جو بلوچ نوجوان مولانا عبیداللہ سندھی اور اس کے رفقائے کار کی تحریک سے متاثر ہوئے۔ وہ ایسٹرن مکتبہ فکر'' Eastern school of thought '' سے متاثر تھے۔ جبکہ بلوچ نوجوانوں کا دوسرا گروہ جس کی قیادت میر عبدالعزیز کُرد کر رہے تھے۔ ویسٹرن مکتبہ فکر'' Western school of thought '' سے تعلق رکھتے تھے۔ یہی وہ نوجوان تھے۔ جن کے بارے میں عنایت اللہ کہتے ہیں کہ وہ آئینی و جمہوری طریقے سے سامراج دشمن، جاگیردار دشمن جدوجہد کے ذریعے بلوچستان کو آزاد کرانا چاہتے تھے اور ان کو Constituitionist'' کہتے تھے۔

Balochistan P.148 by Inayatullah Baloch Greater of Problems The

یہی وہ بلوچ نوجوان تھے جو جدید انگریزی یا اینگلو اورینٹل تعلیمی اداروں سے نکلے تھے۔ جدید دور کے افکار و خیالات سے نہ صرف واقف تھے بلکہ متاثر بھی تھے۔ اپنے اردگرد کے حالات کو باریک بینی سے جائزہ لے رہے تھے۔ اپنے مسائل سے آگاہ تھے۔ سرداری وقبائلی نظام کے مشکلات اور تضادات کو جانتے تھے اور سامراج دشمن، جاگیردار دشمن، جمہوری جدوجہد کے تقاضوں کو سمجھتے تھے۔

حالات وواقعات کے ادراک اور سیاست پر گہری نظر نے انہیں شعوری طور پر موثر، سیاسی طور پر متحرک، جدید جمہوری اورقوم پرست تنظیم بنانے کی ترغیب دی یہی وہ لوگ تھے جو جدید بلوچ قوم پرستی کے بانی ہیں۔ بالآخر قلات کے ایک سرکاری ملازم کے بیٹے میر عبدالعزیز کُرد نے ۱۹۲۰ء میں ''بلوچ ورنا'' ''Young Baloch'' کے نام سے سیاسی تحریک کا آغاز کیا۔ جس کی سرگرمیوں کو ۱۹۲۶ء تک خفیہ رکھا گیا۔ یعنی چھ (۶) سال تک اس تنظیم نے اپنی خفیہ سرگرمیاں بلوچستان میں جاری رکھیں۔

میر عبدالعزیز کُرد کے تنظیم کے بنیادی مقاصد میں، ریاست قلات میں آئینی اصلاحات اور آئینی حکومت کا قیام، متحدہ بلوچستان کا حصول (تمام بلوچ علاقوں، جن میں سندھ، پنجاب اور سرحد کے بلوچ علاقے شامل تھے) اورعوامی نمائندوں پر مشتمل قانون ساز اسمبلی شامل تھے۔ اسی دوران ۱۹۲۹ء میں لاہور کے ایک اخبار ''مساوات'' میں محمد یوسف علی خان عزیز مگسی کے نام سے ایک مضمون ''فریاد بلوچستان'' کے عنوان سے چھپا۔ جس میں بلوچستان میں آئینی اصلاحات کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اس مضمون میں انگریزوں کے پالیسوں کے خلاف اور قلات کے وزیر اعظم کے خلاف باتیں تھیں۔ نتیجہ کے طور پر یوسف عزیز مگسی کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا اور ۲۰۰۰۰ روپے کا جرمانہ بھی کیا گیا۔ (۱)

خیالات اور افکار کی یگانگت اور ہم آہنگی کے حوالے سے بلوچ نواجون یوسف عزیز مگسی سے ملاقات کرنے جیل گئے اور اسے اپنی تنظیم میں شمولیت کی دعوت دی جسے یوسف عزیز مگسی نے قبول کیا۔

یوسف عزیز مگسی کی شمولیت نے نہ صرف اس تنظیم کو تقویت دی بلکہ اس کا نام ''انجمن اتحاد بلوچستان'' رکھ کر اسے اور وسعت دی اور اس کی فکری اور نظریاتی بنیادوں کو اور زیادہ مضبوط اور مستحکم کیا۔ متحدہ بلوچستان کا قیام، بلوچستان میں جمہوری اور آئینی اصلاحات اور انگریزوں اور وزیر اعظم کے خلاف جدوجہد میں اور زیادہ قوت پیدا ہوئی۔ ۱۹۳۰ء میں یوسف عزیز مگسی رہا ہوئے تنظیم نے اپنی خفیہ سرگرمیاں ترک کیں اور منظر عام پر آ گیا۔ یوسف عزیز مگسی تنظیم کے روح رواں بن گئے۔ نوجوانوں نے یوسف عزیز مگسی جو خود بھی نوجوان تھے کو تنظیم کا صدر منتخب کیا اور میر عبدالعزیز کرد نے جنرل سیکرٹری کا عہدہ سنبھالا۔

---

(1) Inayattullah Baloch: Kalat National Party

یوسف عزیز مگسی کی قیادت نے اس تحریک میں جان ڈال دی ۔ ۱۹۳۱ء میں انگریزوں اور سامراجیت کے خلاف ، ریاست قلات کے وزیراعظم سرشمس شاہ کے ریاستی عوام پرظلم و جبر کے خلاف ، ذمہ دار جمہوری اور آئینی حکومت کے قیام ، سیاسی ومعاشی اصلاحات ،عوام کے ووٹوں سے منتخب اسمبلی کے قیام کے مطالبات نے ایک باقاعدہ تحریک کی شکل اختیار کی۔

میر یوسف عزیز مگسی کی قیادت میں تحریک نے منظر عام پر آنے اور اس کی شدت کے نتیجے میں ریاست قلات کے پشاوری وزیراعظم سرشمس شاہ نہ صرف پریشان ہوئے ۔ بلکہ انتہائی سیخ پا اور جذباتی ہوگئے ۔اس غصے اور جذباتی کیفیت کے نتیجے میں انہوں نے مگسی عوام پرظلم و جبر اور زیادتیوں کے پہاڑ توڑ دیے ۔اس کے نتیجے میں ہزاروں مگسی سندھ اور پنجاب کی طرف ہجرت پر مجبور ہوگئے ۔تاریخ میں اس واقع کو ''مگسی ہجرت'' "Magassi Agitation and Migration" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

مگسی ہجرت کے پس منظر میں لکھی جانے والی کتابچہ ''شمس گردی'' "The Tyranny of Shams" نے سرشمس شاہ کے ظلم و جبر ، کرپشن اور بدعنوانیوں سے پردہ اٹھایا۔اس تحریک کے موثر اثرات نے بعض بلوچ قبائل میں اپنے سرداروں کے خلاف بغاوت کو جنم دیا اور وہ سرداری نظام کے خلاف اور اصلاحات کے حق میں اٹھ کھڑے ہوگئے ۔اس کے نتیجے میں خان قلات نے انجمن کی قیادت کے ساتھ مفاہمت کی راہ اپنالی ۔ وزیراعظم سرشمس شاہ کو اپنے منصب سے ہٹنا پڑا۔

یہ پہلی سیاسی اور فکری فتح تھی ۔مگر منزل ابھی دور تھی ۔ میر یوسف عزیز مگسی کی قیادت میں انجمن کی قیادت نے ۲۰/اکتوبر۱۹۳۲ء میں آل انڈیا بلوچ کانفرنس بلانے کا فیصلہ کیا ۔۲۷/دسمبر۱۹۳۲ء میں جیکب آباد میں آل انڈیا بلوچ کانفرنس کا انعقاد کیا گیا ۔اس کانفرنس میں بلوچستان ، سندھ ، پنجاب ،سرحد ، انڈیا، ایران اور خلیج سے بلوچ قائدین اور زعماء کے وفود نے شرکت کی ۔کانفرنس نے نہ صرف بلوچ مسئلے کو اجاگر کیا بلکہ اس تحریک کو نئے موڑ اور کامیابی سے ہمکنار کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے اہداف کے تعین کو اور زیادہ واضح کیا۔اس کانفرنس کے مطالبات اور قراردادوں نے بلوچ قوم پرستی کے جدید خدوخال کو واضح کرکے اس کے لئے ایک سیاسی وسماجی بنیاد فراہم کی ۔مثلاً

اول :۔فرنیٹر کرائمنر ریگولیشن کا خاتمہ۔

دوئم :۔ ایک منتخب جمہوری اور آئینی حکومت کا قیام ۔

سوئم :۔ بلوچستان میں صنعتوں ،ملوں اور کارخانوں کا قیام یعنی معاشی اصلاحاتی پالیسی کا نفاذ۔

چہارم :۔ بلوچستان میں کالجز اور جدید ایڈوانس اور ٹیکنیکی تعلیمی اداروں کا قیام ۔

پنجم :۔ سندھ ، پنجاب ،سرحد اور دیگر صوبوں کے خالصتاً بلوچ علاقوں پر مشتمل ایک متحدہ بلوچستان کا قیام ۔

ان کے علاوہ دیگر کئی سیاسی، معاشی، معاشرتی اور تعلیمی مطالبات سامنے آئے اوران کے حصول کے لئے جدوجہد کا عزم کیا گیا۔ اگلے سال ۱۹۳۳ء میں دوسری بلوچ کانفرنس حیدر آباد میں منعقد ہوئی۔ اس میں ۱۹۳۲ء کے قراردادوں اور مطالبات کے حصول کے لئے جدوجہد کا اعادہ کیا گیا۔

یہ بات بہت اہم اورغور طلب ہے کہ اس وقت ہمارے قائدین اور زعماء میر یوسف عزیز مگسی اور میر عبدالعزیز کُرد یہ جان چکے تھے کہ قومی آزادی کی تحاریک اصل میں سامراج دشمن خصلت اور طبیعت رکھتے ہیں۔ اس کے اتحادی عناصر اور قوتیں مزدور، کسان، مفلوک حال عوام اور درمیانہ طبقہ ہوتا ہے، دانشور، طلباء اورمحنت کش عوام ہوتے ہیں۔ جبکہ ان کے خلاف سامراج اوراس کے اتحادی یعنی جاگیردار، قبائلی سردار، نواب، فرسودہ قبائلی اور جاگیردارانہ رویے جو اس فرسودہ نظام سے پیدا ہوتے ہیں اور رجعت پرست مذہبی عناصر وغیرہ۔ وہ یہ سمجھ چکے تھے کہ ان کو اپنے خطے میں سامراج دشمن جدوجہد کی نہ صرف داغ بیل ڈالنی ہے بلکہ اس جدوجہد کو استعمار، سامراج، نوآبادیاتی نظام اوراس کے رکھوالے گماشتے یعنی جاگیرداراور قبائلی سرداروں کے خلاف عوام یعنی جمہور سے جوڑنا ہے۔ عوام کو ایک نظریاتی اور فکری تنظیم میں پرونا ہے۔ عنایت اللہ بلوچ لکھتے ہیں کہ ''دوسرے افغان اورسندھی قائدین کی طرح یوسف عزیز مگسی کی خواہش ایک سماجی انقلاب تھا۔ وہ ترقی پسند اسلام کے حق میں تھے اوراس کا خیال تھا کہ مارکسزم، لینن ازم بلوچ اور بلوچستان کے سماجی و معاشی مشکلات اور مسائل کا واحد حل ہے''۔ (۱)

مگسی کے سماجی انقلاب کے فلسفے میں عورتوں کے لئے مکمل آزادی اور تعلیم کے مطالبات بہت اہمیت رکھتے تھے۔ اس کے خیال میں ''سماجی وسیاسی انقلاب اور آزادی خواتین کے مکمل شمولیت کے بغیر حاصل اور کامیاب نہیں ہوسکتی'' (1)

اس کے سماجی تبدیلی اور معاشی اصلاحات کے اہداف میں مارکسزم اور لینن ازم پر بہت زور دیا گیا ہے۔

یوسف عزیز مگسی افغانستان کے جمال الدین اور تارزئی کی طرح بلوچستان اور بلوچ کے نجات وآزادی کو

(i) جدید سامراج دشمنی و جمہوری قوم پرستی۔

(ii) سوشلزم

(iii) اور ترقی پسند اسلام'' میں دیکھتے تھے (2)

یوسف عزیز مگسی بلوچوں کے حوالے سے تعلیم کو لے کر ایک طرف بہت پریشان تھے تو دوسری طرف پرامید بھی تھے۔

(1)-Inayatullah Baloch: The Problem of Greater Balochistan. Pa. 66

(2)-Inayatullah Baloch: The Problem of Greater Balochistan. Pa. 65

اپنے مضامین، شاعری اور خطوط (۱۹۳۵۔۱۹۲۹ء) کے ذریعے بلوچ طالب علموں اور نوجوانوں کو متواتر یہ بتاتے رہے کہ وہ ایک قوم ہیں۔ افغانستان اور ایران کی طرح ان کی ایک الگ ثقافت ہے، تاریخ ہے، جغرافیائی حدود اور سرزمین ہے۔ عزیز مگسی کو پختہ یقین تھا کہ جدید تعلیم و تربیت کے ذریعہ جدید اور جمہوری اور سامراج دشمن قوم پرستی کی تشکیل کی جاسکتی ہے۔

اس لئے اس نے جھل میں ایک ہائی سکول قائم کیا اور ان کا ارادہ تھا کہ وہ اس قسم کے اسکول اور علاقوں میں بھی قائم کریں گا۔

۱۹۳۴ء میں جب وہ برطانیہ کے دورے پر تھے۔ تو اس نے منصوبہ بنایا تھا کہ برطانیہ میں مقیم بلوچ طلباء کے لئے ایک ہوسٹل تعمیر کرے گا یا بنائے گا جہاں ان کو مفت قیام کی سہولیت مہیا ہوں (3)

اس کا ایمان تھا کہ جدید اور معیاری تعلیم کے ذریعہ بلوچ فرسودہ سماجی و سیاسی نظام کو تبدیل کر سکتے ہیں اور اپنے آپ کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرا سکتے ہیں۔ بلاشک وشبہ، یوسف علی خان مگسی اور عبدالعزیز کرد جدید، جمہوری اور سامراج دشمن بلوچ قوم پرستی کے بانی ہیں اور ترقی پسند فکر اور نظریات کے امین بھی۔ اگر بلوچ و بلوچستان کی سیاسی تاریخ کا تہذیبی اور تعمیری نقطہ نگاہ سے اور باریک بینی سے تجزئیہ و تحلیل ہو تو یہ کتاب تاریخ کے دریچوں سے جھانک کر ہمیں یہ موقع فراہم کرتا ہے کہ بلوچ اور بلوچستان کی سیاست میں انحراف کہاں سے اور کیونکر ہوا۔ کہاں سے اور کیسے بلوچ سیاست اپنے مقاصد اور اہداف سے دور ہٹتا چلا گیا۔ بلوچ سیاست کی فکری اور نظریاتی بنیادیں کہاں کھو گئے؟ بلوچ سیاست میں فلسفے کا، نظریات کا اور نصب العین کا افلاس کہاں سے اور کیونکہ شروع ہوا؟ ہماری تحریک کی سامراج دشمنی، جاگیردار دشمنی، قبائلی دشمنی خصلت کہاں گئی۔ انسان دوستی جمہوریت پسندی، قوموں کی آزادی اور طبقاتی جبر وظلم کے خلاف، قومی وطبقاتی جدوجہد کی نظریاتی وجدلیاتی بنیادیں کہاں گم ہوگئیں؟

ہمارے سماج، معاشرے اور خطے میں بنیادی مخاصمانہ تضادات، بنیادی مسائل و مشکلات اور ان کے حل کی تدبیریں اور حکمت عملیاں نظروں سے کیسے اوجھل ہوگئے۔ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب ڈھونڈنے کی کوشش ہونی چاہئے۔ یہ کتاب ہمیں وہ مواد اور بنیاد فراہم کرتا ہے کہ ہمارے اولین قائدین اور زعماء ان مسائل کے بارے میں کیا سوچتے تھے اور ان کا حل کیا تجویز کرتے تھے۔ کیا ان کی فکر ان کا فلسفہ اور ان کی حکمت عملی اور تدابیر آج کے دور میں کارآمد ہوسکتے ہیں؟

---

(3)-Inayatullah Baloch: The Problem of Greater Balochistan. Pa. 66-65

کیا یہ ممکن نہیں کہ بلوچ سیاست کا ازسرنو جائزہ لیا جائے۔ اس کی فکری اور نظریاتی بنیادوں کو مضبوط اور موثر بناتے ہوئے اس کے نصب العین اور اہداف کا تعین کرتے ہوئے اس کی سمتوں کو ازسرنو متعین کرنے کی کوشش کی جائے؟

زیرِنظر کتاب جدید بلوچ قوم پرستی کے بانی قائدین اور خصوصاً یوسف عزیز مگسی کے حوالے سے ایک سنجیدہ تحقیق کی مثال تو ہے ہی۔ اس کے علاوہ بلوچ و بلوچستان کی سیاسی تاریخ کے حوالے سے ایک بیش قیمتی اضافہ ہے، ایک مستند حوالہ ہے اور غور وفکر کی ایک بنیاد بھی ہے۔ ہم اس اہم کاوش کے لئے ڈاکٹر سلیم کُرد کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر کہور خان

کوئٹہ، ۵ر اپریل ۲۰۱۶ء

حرف اوّل

ہوش سنبھالتے ہی میں یوسف عزیز مگسی کے نام سے واقف ہوا۔ جب میر عبدالعزیز کرد ہمارے گھر تشریف لاتے تو ہم بھائی ، بہنیں ، گھر میں موجود عزیز و اقارب انتہائی عقیدت سے میر صاحب کے اردگرد بیٹھتے ۔ وہ اکثر و بیشتر میر یوسف عزیز مگسی کے ساتھ بیتے ہوئے لمحات یاد کیا کرتے تھے۔ان کی گفتگو میں ہم میر یوسف عزیز کی بسی ہوئی یادیں محسوس کرتے۔میرے والد جب بھی ہماری بیٹھک میں اپنے دوستوں کے ساتھ میر یوسف عزیز کے حوالے سے بات کرتے تو میں غور سے سنتا تھا۔

میر یوسف عزیز کا مقبرہ شالدرہ میں ہمارے گھر سے ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ پہلی بار والد محترم کے ساتھ یوسف عزیز کے مزار پر حاضری دی ۔ پھر جب بھی ہم کٹی پتنگوں کے پیچھے بھاگتے بھاگتے کاسی قبرستان پہنچ جاتے تو واپسی پر کبھی کبھی یوسف کے مزار کی زیارت کرتے۔ بچپن میں اتوار کو سکول سے چھٹی کے دن اکثر مردار پہاڑی پکنگ منانے یا مردار پہاڑ کے دامن میں غفور خان درانی کے باغ کی سیر کرنے جاتے تو واپسی پر مقبرے کو دیکھتے ہی میر عبدالعزیز کرد کی یوسف عزیز کی یادوں میں ڈوبی ہوئی باتیں یاد آتیں ۔ ان دنوں کاسی قبرستان وسیع و عریض علاقے پر پھیلا ہوا تھا۔ یوسف کا مقبرہ صاف ستھرا تھا۔اس کا احاطہ ایک کمرے پر مشتمل تھا۔جس کا دروازہ آ ئنی سلاخوں کا تھا۔ مقبرے پر ہر وقت پھول نچھاور دکھائی دیتے تھے ۔ ایک دن بابو شورش کو دروازے کا تالا کھولتے دیکھا وہ سائیکل پر آئے تھے ۔ ان کا کیمرہ ہر وقت ان کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ نوکین دور کے ایڈیٹر و پبلشر تھے ۔ تالا کھولتے ہی بابو نے کمرے میں رکھا ہوا جھاڑو اٹھایا۔ احاطے کی صفائی کی ، پھر پھولوں کی پتیاں نچھاور کیں۔ ہمیں اپنے پاس بلایا اور یوسف عزیز کے متعلق باتیں کیں ۔ اس کے ادا کیئے گئے الفاظ سے یوسفی درد جھلکتا تھا۔ یہی درد ہاشم خان غلزئی کے دل میں بھی میں نے محسوس کیا،اور شاعر عوام حبیب جالب کی میر یوسف عزیز کے مقبرے پر بوقت حاضری کرب و درد سے بھری صداؤں اور آنکھوں سے ٹپکتے ہوئے آنسوؤں میں بھی،اور اسی طرح یوسف سے عقیدت کا جذبہ ڈاکٹر انعام الحق کوثر کے یوسف عزیز سے متعلق کام میں بھی نظر آیا۔

طالب علمی کے زمانے میں میں کئی جرائد سے منسلک رہا۔ جن کے توسط سے یوسف عزیز پر مضامین لکھتا رہا۔ ان تمام یادوں کے ساتھ ساتھ خاص کر جیکب آباد (خان گڑھ) سے مولوی محمد حسین کا جریدہ الحنیف اور سبی سے مولوی محمد شریف بزدار کی ادارت میں نکلنے والا جریدہ حقیقت ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی تحریروں نے مجھے میر یوسف عزیز پر مزید ریسرچ کے لئے ابھارا۔

جس کی تاکید مجھے خود ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے دو تین سیمیناروں میں میر یوسف عزیز کی سیاسی سماجی اور ادبی خدمات کے متعلق میرے مقالات سننے کے بعد کی تھی۔

۳۱ مئی ۱۹۸۴ء کو بی ایس او اور بی ایس او عوامی کے انضمام کے بعد بی ایس او کے کونسل سیشن بمقام بولان میڈیکل کالج میں مرکزی کابینہ کی تقریب حلف برداری کے جلسہ عام میں یوسف عزیز کے سیاسی، قومی و سماجی خدمات پر مبنی ایک طویل مقالہ پڑھنے کے بعد میرے شہید دوست فدا احمد بلوچ اٹھ کر میرے پاس آئے۔ میری حوصلہ افزائی کی اور یوسف عزیز پر مبنی میرے کام کو آگے بڑھانے کے لئے تحریک دی۔

۱۹۸۷ء میں ایم بی بی ایس کرنے کے بعد ایک کلینک کھولا جہاں موسمی اور عام بیماریوں کے ساتھ سماجی برائیوں کے سدباب کے لئے یوسفی نسخوں کی تحقیق میں مگن رہا۔

یوسف عزیز پر تحقیق کے دوران مجھ پر یہ بات آشکار ہوئی کہ یوسف عزیز پر تحقیق کا کام ادھورا ہی نہیں بلکہ ۱۹۳۴ سے نکلنے والے جریدوں البلوچ ، بلوچستان جدید، اور الحنیف میں چھپے ہوئے یوسف کے اشعار، خطوط، میر عبدالعزیز کرد، محمد حسن نظامی، محمد حسین عنقا، نسیم تلوی اور چند دیگر احباب کے مضامین سے ماخوذ شدہ ہے۔ یوسف پر تحقیق کا کام اس سے آگے نہیں بڑھا اور ۱۹۷۴ء میں ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے ان رسائل میں چھپے ہوئے خطوط، مضامین اور شاعری کو مرتب کر کے کتابی شکل دیدی۔ اس کے بعد محققین اس سے آگے نہیں بڑھے۔

سیاسی منظرنامے پر آنے کے بعد یوسف عزیز کی زندگی پانچ سالوں پر محیط ہے۔ وہ نومبر ۱۹۲۹ء میں منظر عام پر آئے ایک سال نظر بندی میں اور گیارہ ماہ بہ مجبوری حالات انگلستان میں گزارے۔ یوسف عمر رفتہ کے دوران کل تین سال سیاسی و اصلاحی تحریک میں سرگرم رہے۔ ان کی تین سالہ متحرک زندگی پر تحقیق و جستجو میں مجھے پینتیس سال لگے۔

۱۹۳۰ء کی دھائی کے نصف کے بعد اسلم اچکزئی کی ادارت میں جیکب آباد سے نکلنے والا جریدہ الحنیف، مرید حسین مگسی کے قلم سے محفوظ کی گئی ''بلوچ کانفرنس، بمقام جیکب آباد بتاریخ ۲۷ تا ۳۰ روائیداد، سندھ، بلوچستان و پنجاب آرکائیوز میں موجود سرکاری دستاویزات محترم شاہ محمد مری کے توسط سے بلوچستان جدید، ینگ بلوچستان اور نجات کے کچھ دستیاب ریکارڈ اور مختلف ذاتی لائبریریوں، اپنے مرحوم دوست لائبریرین عبدالسلام بلوچ، محترم استاد ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی، افضل مرآد اور قاضی قیوم کی تحقیق میں دلچسپی اور مشوروں اور عبدالقادر رند کی ''جام درک لائبریری'' کے ریکارڈ سے استفادہ کیا اور فرداً فرداً مواد اکٹھا کرنے میں لگا رہا۔

زیرِنظر بیشتر کام ۱۹۹۰ء سے قبل کا ہے۔ بعد میں کچھ اضافہ کیا گیا۔ یوسف عزیز مگسی کے متعلق تحقیق وجستجو کا اصل مسودہ کا مریڈ فقیر محمد کی دوستی کی بدولت بارش کی نذر رہوا۔ یہ تو اچھا ہوا کہ کاپیاں بارش کے نذر ہونے سے پہلے روزنامہ انتخاب اوراستمان میں چھپی تھیں۔ جنہیں پھر دوستوں کے اصرار پر یکجا کر کے کتابی شکل دی جارہی ہے۔ جو آپ کے ہاتھ میں ہے۔

اس تحقیق وجستجو میں میں نے سالہا سال مختلف افراد سے رابطہ کیا تاہم یہ تشنہ تحریر ہے، نامکمل ہے۔ زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ ہم ہی سے تحقیق وتجسس کے متلاشی پیدا ہونگے جو اس کام کو آگے بڑھائیں گے اور یوسف عزیز کے ذہن ونظر کے پوشیدہ کارناموں کو نمایاں کریں گے۔ یوسف کے کارہائے نمایاں ہماری معاشی، سیاسی، ادبی وقومی تاریخ کی اساس اور استحصال سے پاک ایک عالمی انسانی سماج کی تشکیل کے آدرش کی میراث ہیں۔

آخر میں میں اپنے رفقا محترم عبدالرحمٰن براہوئی، اللہ بخش بزدار، ڈاکٹر کہور خان، انور ساجدی، محترم استاد آغا گل، قادر رند، عبدالسلام، قاضی قیوم، راحت ملک، افضل مرآد، شاہ محمد مری، محبوب شاہ، ڈاکٹر تاج رئیسانی لعل جان مینگل، رضا بلوچ، وحید زہیرؔ، عابد میرؔ، مرحوم ڈاکٹر فیض ہاشمی ومرحوم کریم کو ہی کا شکرگزار ہوں جن کی بار بار کی یاددہانی اور اصرار نے اس مسودے کو کتابی شکل میں آپ تک پہنچایا۔ آرکائیوز سے حاصل ہونے والی سرکاری دستاویزات انگریزی میں تھیں جن کے ترجمے کا سہرا قاضی قیوم اور محترمہ زبیدہ بگٹی کے سر ہیں۔ جن کے تعاون کے لئے میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

ڈاکٹر سلیم کرد

شال، ۲۶/اپریل ۲۰۱۶ء

باب اوّل

تعارفی خاکہ وقبل از یوسف علی

میر یوسف عزیز مگسی (تعارفی خاکہ)

نام: ۔...........یوسف علی خان

تخلص: ۔...........عزیز

المعروف: ۔.........یوسف عزیز مگسی

قبیلہ: ۔.............مگسی

ولدیت: ۔...........نواب قیصر خان سوئم

والدہ: ۔.......... مائی پھلین دختر نواب پسند خان زہری چیف آف جھالاوان

برادر کبیر: ۔..............گل محمد خان زیب مگسی

برادر صغیر: ۔.............محبوب علی خان

پیدائش: ۔..............جھل مگسی جنوری ۱۹۰۸ء

ضلع: ۔................حال گنداواہ! سابقہ کچھی

آغاز تعلیم: ۔..............۱۹۱۳ء

اساتذہ کرام: ۔...............اردو، فارسی، عربی کے استاد، مولانا غلام قادر

دینی تعلیم کے استاد: ۔.............قاضی رسول بخش

انگریزی تعلیم کے استاد: ۔.............کنھیا لال (بی اے)

بحیثیت نواب دستار بندی: ۔............۱۹۲۳ء

سلسلہءِ سردار: ۔..............بائیسواں

وارد سیاست : ۔.........۱۹۲۹ء

وارد شعر و ادب : ۔.........۱۹۲۹ء

زبان شناسی : ۔..........بلوچی، فارسی، اردو، انگریزی، سندھی، براہوئی، سرائیکی

پہلا سیاسی مقالہ : ۔..........فریاد بلوچستان (مساوات) لاہور ۱۷ نومبر ۱۹۲۹ء

آخری مقالہ : ۔..........قبل از زلزلہ ۱۹۳۵ء ''سیاست مقدم ہے یا اقتصادیات''

دیگر مقالات : ۔..........پیغام عمل، سوگند، بلوچستان کی بیداری اور سرمایہ داروں کی سراسیمگی، ''اہل بلوچستان کے نام الوداعی پیغام''

افسانہ : ۔..........تکمیل انسانیت (بلوچستان جدید)

گرفتاری : ۔..........جون ۱۹۳۰ء بمقام سبی

مقید سینٹرل جیل مستونگ : ۔......۳۰ جون ۱۹۳۰ء تا ۱۶ جولائی ۱۹۳۰ء

میر عبدالعزیز کرد سے رابطہ : ۔.......... جولائی ۱۹۳۰ء دوران اسیری مستونگ

انجمن اتحاد بلوچستان میں شمولیت کی دعوت : ۔...... جولائی ۱۹۳۰ء دوران اسیری مستونگ

جرگہ سے سزا : ۔..........ایک سال نظر بندی بمقام زہری گٹ ۱۲۹۰۰ روپے جرمانہ

نظر بندی زہری گٹ : (پندران)..........۱۷ جولائی ۱۹۳۰ء تا جولائی ۱۹۳۱ء

بحیثیت صدر انجمن اتحاد بلوچستان نامزدگی : ۔...... جولائی ۱۹۳۱ء بمقام پڑنگ آباد، مستونگ

علی الاعلان تنظیم کاری : ۔.......... جولائی ۱۹۳۱ء

جھل میں ظلم و ستم کی انتہا : ۔.......... اکتوبر و نومبر ۱۹۳۱ء

مکسی ہجرت نومبر ۱۹۳۱ء

دیباچہ شمس گردی : ۔..........نومبر ۱۹۳۱ء

اشاعت شمس گردی : ۔..........۲۰ نومبر ۱۹۳۱ء بمقام لاہور

آئینی ذمہ دار حکومت، منتخب اسمبلی اور لائق وزراء پر مشتمل کابینہ کا مطالبہ : ۔نومبر ۱۹۳۱ء

خان محمود خان کی وفات اور میر محمد اعظم جان کی مشروط حمایت :۔.........نومبر ۱۹۳۱ء

وزیر اعظم سر شمس شاہ اور میر محمد انور کے خلاف متحدہ محاذ کی قیادت :۔......نومبر ۱۹۳۱ء

میر محمد اعظم کی یوسف عزیز کی متحدہ محاذ کی حمایت سے بطور خان دستار بندی :۔نومبر ۱۹۳۱ء

سر شمس شاہ کی برطرفی میں کامیابی :۔...........دسمبر ۱۹۳۱ء

بلوچستان ڈے منانے کا اعلان :۔........... بمقام ملتان ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۲ء

بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس منعقدہ جیکب آباد......۲۶ تا ۳۰ دسمبر ۱۹۳۲ء

بلوچستان کی آواز پمفلٹ کا اجراء :۔.............مئی ۱۹۳۳ء

بلوچستان کا نقشہ :۔...........مشاورت میر یوسف عزیز مگسی (ترتیب) عبدالعزیز کرد

سرپرست اخبارات :۔.....آزاد لاہور کے علاوہ البلوچ بلوچستان جدید، ینگ بلوچستان، نجات بلوچستان، الحنیف ،اتحاد بلوچاں

اجراء اخبارات :۔......بمقام کراچی ،سکھر جیکب آباد

ایڈیٹرز :۔.............. پیر بخش نسیم تلوی، محمد حسین عنقا ،محمد حسن نظامی ،مولوی محمد حسین

دیگر جرائد میں مضمون نویسی :۔..............زمیندار، انقلاب، الوحید، مسلمان ، رہنما ،نور الاسلام

بحثیت نواب سٹیٹ کونسل میں نمائندگی :۔..............۱۹۳۳ء

عظیم تعلیمی ،تعمیری وفلاحی منصوبے :۔..............۱۹۳۳ء

جامعہ یوسفیہ کا قیام :۔......جھل میں لازمی جبری تعلیم کا اطلاق اور اپنی زرعی پیداوار کا ایک
حصہ تعلیم کے لئے مختص ،لندن میں بلوچ طلباء کے لئے
دارالاقامت بنانے کی تجویز جھل میں دارالاقامہ کا اہتمام
وانصرام، ڈسپنسری کا قیام ،کوٹ یوسف علی قصبہ کا قیام
پنجک (دیہات) کا قیام ، کیرتھر نہر کی تعمیر، پیر پرستی کا
قلع قمع ، بھنگ کی کاشت پر پابندی، مگسی قبائل پر چھ گز

کپڑا برائے کرتہ وشلوار کا اطلاق، لندن سے واپسی پر زرعی اصلاحات کے خیال کا اعلان۔

جھل میں ایک عظیم یونیورسٹی کی تعمیر کا اِرادہ۔

قبل ازلندن روانگی :۔......اہل بلوچستان کے نام الوداعی پیغام ۲۵ مارچ ۱۹۳۴ء

لندن روانگی :۔........... بمقام بمبئی ۲۷ مارچ ۱۹۳۴ء

قیام لندن :۔..........۹/ماہ

جھل میں عظیم یونیورسٹی کے قیام کے سلسلے میں لندن میں زیر تعلیم انڈین P.hd سٹوڈنٹس سے روابط......

لندن سے واپسی :۔..............۳۱ جنوری ۱۹۳۵ء

دعا:۔...........خدایا مجھے اتنی استطاعت مرحمت فرما کہ مجھے کبھی بھی بے حسی
کی نیند نصیب نہ ہو اور صرف اس مقصد کے لئے جاگتا
رہوں تا کہ پوری عمر میرے جاگنے سے قوم جاگ اٹھے۔

سیاسی رفقاء:۔...........

میر عبدالعزیز کرد، خان عبدالصمد خان اچکزئی، میر عبدالرحمٰن بگٹی، میر شہباز خان نوشیروانی ملک عبدالرحیم خواجہ خیل، محمد حسین عنقاء، پیر بخش نسیم تلوی، ہاشم خان غلزئی، جام نور اللہ عالیانی، میر مٹھا خان مری، ملک فیض محمد یوسف زئی، میر علی نواز تالپور والئی خیر پور، میر واحد بخش خان تالپور، والئی ریاست حیدر آباد، ڈاکٹر فیض محمد شاہوانی، غلام رسول قرائی، محمد علی قرائی، ڈیرہ غازی خان۔عبداللہ ہارون، مولوی محمد عثمان کراچی اور دیگر۔

بلوچ قبائلی رفقاء:۔...........

میر حسین بخش مگسی، میر عظیم مگسی، مولانا لطف علی خان، نواب اسداللہ خان رئیسانی، سردار رسول بخش مینگل، نواب محراب خان بگٹی، میر محمود خان گچکی، سردار رستم خان بلوچ مولانا محمد عظیم خان سندھ، میر تاج محمد خان ڈومکی، میر سہراب خان مگسی، ماسٹر غلام محمد بلوچ کراچی، سردار میر بلوچ خان میر احمد یار رستم زئی قلات، خان صاحب، سردار آدم خان جیکب آباد، سردار اعظم مزاری، سردار بہرام خان لہڑی۔

برصغیر کے سیاسی قائدین سے روابط:۔......

مولانا ابوالکلام آزاد، علامہ محمد اقبال، موہن داس گاندھی، مالوی، رابندر ناتھ ٹیگور، جواہر لعل نہرو مولانا ظفر علی خان، مولانا اختر علی خان، مولانا محمد علی جوہر۔

وصیت :۔......

اپنے اعمال قلوب میں تبدیلی پیدا کرو۔ جماعت سوز جمود کو ترک کرو، اپنا نصب العین بلند معیار پر ذہنوں میں متشکل کردو اپنی اولاد کو علم کے زیور سے آراستہ کرو۔ خاص کر بچیوں کو زیور علم سے محروم نہ کرو ۔۔سیدھے راستے پر چلو۔

میری جائیداد منقولہ و غیر منقولہ کا نصف حصہ مساوی طریق پر میرے بھائی' والدہ، بیوی اور بیٹے سیف اللہ پر تقسیم کرو۔باقی نصف حصہ مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا ظفر علی خان، عبدالعزیز کرد، محمد امین کھوسہ کی باہمی مشاورت سے کسی اسلامی کام پر خرچ کرنا۔

شدید زخمی بوجہ زلزلہ :۔......

۳۰/۳۱ مئی ۱۹۳۵ء کی درمیانی شب بوقت ۲:۴۵ بجے بمقام انسکپشن بنگلوز میں واقع ڈاک بنگلہ۔رمزے روڈ عقب نرسنگ ہاسٹل سنڈیمن سول ہسپتال کوئٹہ

شہادت......

۳۱/مئی بعداز نماز جمعہ

آسُودہ خاک ......

۳۱/مئی ۱۹۳۵ء بمقام کاسی قبرستان کوئٹہ

قبل از یوسف علی
عالمی و ملکی صورتحال

۱۹۰۷ء میں ایک فرانسیسی ’’فلسفی ایڈورڈ روڈ‘‘ نے اپنے دور کے نظریات کو منظّم کرتے ہوئے استعماریت کی درج ذیل تعریف کی کہ’’استعماریت تمام جانداروں کے گروہوں میں پائی جانے والی توسیع پسندی کی وہ خواہش ہے جس کے تحت وہ نشوونما پاتے ہیں اور کرہ ارض پر پھیلتے ہوئے زیادہ سے زیادہ جگہ گھیرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہوا اور روشنی تک کے حصول میں اپنے حصے سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش میں اس درخت کا کردار ادا کرتے ہیں۔ جو پھیل کر اپنے سایہ تلے اُگنے والی دوسری ادنیٰ نباتات کی نشوونما کو روک دیتا ہے‘‘۔

بیسوی صدی کی ابتداء میں عالمی سرمایہ دارانہ نظام کے حامی مفکرین استعماریت کی ماہیت کے بارے میں یہ تاثر پھیلا رہے تھے کہ استعماریت دراصل تمام جانداروں کی ایسی ابدی خصوصیت ہے جو تاریخی عمل پر حاوی ہے۔ بورژوا مفکرین کے اسی تاثر نے استعماری اقتدار کی وسعت وکالت اور حمایت میں سرمایہ دار ممالک کی ایک دوسرے پر سبقت اور اپنے حلقہ ہائے اثر کے پھیلاؤ کی ہوس کو بڑھا دیا، بورژوا مفکرین کے انہی نظریات کے سبب بیسویں صدی کی دوسری دہائی کی شروعات میں کرہ ارض پر جنگ کے بادل منڈلانے لگے اور بالآخر ۲۶ / جون ۱۹۱۴ء کو بگلِ جنگ بج گیا اور ان ممالک کی عالمی منڈی میں سیاسی و معاشی برتری کی خواہش، ایک دوسرے کی نوآبادیوں پر قبضہ اور تقسیم نو، اپنے حلقہ ہائے اثر کا پھیلاؤ توسیع پسندانہ عزائم اور عالمی فوجی مقاصد نے دنیا کے بڑے ممالک کی اکثریت کو اس جنگ میں دھکیل دیا۔ اس جنگ کا آغاز آسٹریا سے ہوا جس نے ہنگری اور سرب سے ہوتے ہوئے تمام روئے زمین کو اپنے شعلوں کی لپیٹ میں لے لیا۔ ہوس اور توسیع پسندی کی اس جنگ میں سات کروڑ فوجیوں نے حصہ لیا ڈیڑھ کروڑ عوام لقمہ اجل بن گئے۔ یہ عالمی جنگ ۱۱ / نومبر ۱۹۱۸ء تک جاری رہی۔ کرہ ارض پر انسانوں کے مابین یہ پہلی بڑی جنگ تھی جسے تاریخ نے ’’جنگ عظیم اول‘‘ کے نام سے اپنے صفحوں میں رقم کیا۔ اس جنگ میں دنیا کے تمام ممالک اور اقوام اپنی بساط اور حیثیت کے مطابق ملوث ہوئے۔ جنگ عظیم اول میں اسلامی خلافت کے آخری چراغ ترکی کی جرمنی کی حمایت اور جانبداری، انگریزوں اور اس کے اتحادیوں کے خلاف صف بندی نے مسلم عوام کو اپنی طرف راغب کیا۔ دیگر مسلمان ممالک کی طرح برصغیر کے مسلمانوں نے جو ترکی کے خلیفہ کو ’’خلیفۃ المسلمین‘‘ مانتے تھے اس جنگ میں ترکی کے عوام اور جرمنی کے ساتھ مل کر انگریز اور اس کے اتحادیوں کے خلاف مورچے سنبھال لئے۔ یوں انگریز اور اس کے اتحادیوں کے خلاف مسلمانوں اور ہندوستانی عوام کی مشترکہ جدوجہد اور صف بندی سے بلوچستان کے غیور اور وطن دوست عوام بھی متاثر ہوئے بغیر نہ

رہ سکے۔ایک طرف برصغیر کی مسلم اقوام کے ساتھ یکجہتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کانگریس نے تحریک خلافت کی حمایت کی، گاندھی جی کی رہنمائی میں حکومت برطانیہ کے خلاف پرامن بغاوت نے ہمہ گیر تحریک کی شکل اختیار کر گئی، جس کے اثرات سندھ سے ہوتے ہوئے بلوچستان کے کوہساروں اور وسیع وعریض وادیوں میں سرایت کر گئے اور دوسری جانب ایرانی بلوچستان کے راستے مکران اور چاغی کے سرحدی علاقوں میں جرمن اور ترک پروپیگنڈہ نے جنگجو بلوچ قبائل کو انگریزوں کے خلاف صف آراء کیا۔ بلوچ قبائل جو پہلے ہی انگریزوں کے توسیع پسندانہ عزائم سے نفرت کرتے تھے ۱۸۳۸ء کے اواخر میں انگریزی فوج کے درہ بولان میں داخلے کے وقت بلوچ قبائل مزاحمت پر اُتر آئے اور انگریزی فوج پر شبخوں مارتے رہے تھے۔ انگریزی فوج افغانستان سے واپسی پر شال (کوئٹہ) پر قابض ہوئی ۔ خان بلوچ محراب خان نے اس قبضہ کے خلاف احتجاج کیا۔ بالآخر نومبر ۱۸۳۹ء میں میجر جنرل سرتھامس قلات پر حملہ آور ہوا۔ خان بلوچ میر محراب خان نے قلات پر فوج کشی کے خلاف اعلان جہاد کیا۔انگریزی افواج عالم بے خبری میں قلات کے میری (قلعہ) تک پہنچ چکی تھیں ۔ خان محراب خان قلعہ سے باہر مقابلے کے لئے آیا۔خان بلوچ اپنے ساتھیوں شاغاصی نور محمد، میر عبدالکریم رئیسانی، سردار ولی محمد مینگل ، میر کریم داد شاہوانی و دیگر جانثاروں کے ساتھ شہید ہوئے یوں خان بلوچ نے جنگ آزادی کی ابتداء کی۔ خان بلوچ کی شہادت کے بعد ترکی کے خلیفہ المسلمین کے اعلان جہاد اور جرمن ترک مشترکہ پروپیگنڈا نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور بغاوت کی ان چنگاریوں کو شعلوں میں بدل دیا۔ بلوچستان کے طول و عرض میں انگریزوں کے خلاف مسلح بغاوتیں منظم ہوئیں ۔کوہستان مری وبگٹی میں بلوچ قبائل اور جھالاوان میں عظیم مجاہد نورا مینگل، خان جان زرکزئی سردار نورالدین مینگل غازی سلیمان نے انگریز حکومت کے خلاف وسیع پیمانے پر قبائلی اور روایتی حوالوں سے علم جہاد بلند کیا۔ادھر چاغی سے منسلک ایرانی سرحد پر ترک اور جرمن امداد کی وجہ سے سرحدی جنگجو بلوچ قبائل میر جیہند خان ، میر خلیل خان اور میر جمعہ خان جو بالترتیب یار محمد زئی گمشادزئی اور اسماعیل زئی قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے، جدید ہتھیار اور گولہ بارود کے ساتھ سرحد کے اس پار انگریزوں کے خلاف صف آراء ہوئے ۔سرحدی جنگجو بلوچ قبائل نے جو جنگ عظیم میں جرمن اور ترک کے حمایتی اور طرف دار بن گئے تھے، انگریز حکومت کے خلاف چھاپہ مار جنگ شروع کی۔ادھر حکومت برطانیہ نے چاغی سے منسلک بارڈر پر جرمن اور ترکوں کی حمایت میں سرحد کے جنگجو قبائل کی چھاپہ مار کارروائیوں کو کچلنے کے لئے امرتسر کے جڑیانوالہ باغ میں ۱۳/اپریل ۱۹۱۹ء کے دن ہزاروں حریت پسندوں کے خون سے ہولی کھیلنے والے بدنام زمانہ جنرل آر، ایچ، ای ڈائر کا تبادلہ بلوچستان کر دیا اس نے بغاوتوں کو طاقت اور چال بازی سے کچلا ۔ جنرل ڈائر نے بلوچ قبائل کی باہمی رقابت، سادہ لوح بلوچ قبائلی نفسیات اور برتر جنگی چالوں کی وجہ سے بلوچ چھاپہ مار کارروائیاں کرکے بڑی مشکل سے قابو پایا۔ ادھر ریاست قلات کی حدود کے اندر عظیم مجاہد نورا مینگل، غازی سلیمان خان، خان جان زرکزئی کی چھاپہ مار کارروائیوں نے انگریز حکام کا چین لوٹ لیا۔ان کی چھاپہ مار کاروائیاں ریاست قلات کی حدود کو پھلانگتے ہوئے سندھ کی سرحدات تک پہنچیں۔ بلوچ مجاہدین کی چھاپہ مار کارروائیوں کو کچلنے کے لئے پولیٹیکل ایجنٹ ریاستِ قلات کرنل ڈیو شیطانی چالیں بُننے لگا۔ ویسے تو جنگجو بلوچ

قبائل میں جو روایتی حوالوں سے انگریز کے بلوچستان میں داخل ہوتے ہی وقتاً فوقتاً برسر پیکار چلے آ رہے تھے۔ انگریزوں کی طرف سے خان میر خدائیداد خان کی گرفتاری اور معزولی کے مسلح مزاحمت میں تلخی اور شدت آ گئی تھی جسے ترکی کے خلیفہ المسلمین کے اعلان جہاد اور ہندوستان کے سیاسی حالات اور تحریک خلاف نے اور بھی گرما دیا۔ جلد ہی ریاست قلات اور برٹش بلوچستان میں مسلح بغاوتوں کے شعلے، جرمنی ترکی سے اردو زبان میں شائع شدہ پمفلٹوں کا اعلان جہاد اور اسلحہ کی تقسیم نے ان بغاوتوں کو ابھارنے میں اہم رول ادا کیا۔ برٹش بلوچستان میں گورنر جنرل کے نمائندے سر، جے، ریمزے کے ساتھ بلوچستان کے سرداروں نے جنگ عظیم میں حکومت برطانیہ کی امداد کے لئے جبری فوجی بھرتی کے مسئلے سے اختلاف اور انکار کیا، جسے گوارانہ کرتے ہوئے حکومت برطانیہ نے کوہستان مری میں فوجی چڑھائی کر دی انگریز مری جنگ کا آغاز ہوا۔ جنگ شروع ہوتے ہی مری قبائل کی مدد وحمایت کے لئے مصری خان کھیتران، کھیتر ان قبائل کے لاؤلشکر کے ساتھ بارکھان میں موجود سرکاری اسلحہ ڈپو پر شب خون مار کر مزاحمتی جنگ میں کُود پڑا۔ مری کمانڈر میر خدائیداد خان بجارانی اور جنگجو میر شربت خان نے آخر دم تک جنگیں منظّم کیں۔ میر خدائیداد خان ہڑپ کے میدان میں شہید ہوئے بالآخر نواب مری کے ساتھ مصلحت کے بعد انگریز افواج نے میر شیر محمد مری کے چچا میر شربت خان اور ان کے والد میر سیدان مری کو عزیز و اقارب کے ساتھ گرفتار کر کے جنگی مجرم قرار دے کر اہل وعیال کے ساتھ جزائر انڈیمان ’’کالا پانی‘‘ میں قید کر دیا۔

یوں ریاست قلات اور برٹش بلوچستان میں اثر پذیر ہونے والے خارجی حالات نے بلوچ عوام اور انگریزوں کے داخلی تضادات کو ابھارا۔ مولہ وپب کی پہاڑیوں، کوہستان مری اور چاغی کے ریگستانوں میں روایتی طریقوں پر مبنی لڑی جانے والی جنگوں کو کچلنے میں انگریزوں کی سازشوں، برادرکشی کی پالیسیوں، لالچ مراعات اور انگریزوں کے پروردہ چند سرداروں نے اہم کردار ادا کیا۔ بلوچ چھاپہ مار دستوں کی یہ مزاحمت جو بیسویں صدی کی دوسری دھائی کے اواخر تک جاری رہی اور عظیم بلوچ چھاپہ مار نورا مینگل کو سرداروں کی ملی بھگت اور خان قلات کی دوغلی پالیسی کے طفیل انگریزوں نے نوشیروانی سردار کے مہمان خانے سے دوران نیند دھوکہ دہی سے گرفتار کیا، ۹ر اگست ۱۹۱۹ء کو سرداری جرگہ نے انگریزوں کی ایماء پر تحریک خلافت کا ساتھ دینے نیز بلوچستان کے طول وعرض میں انگریزوں کے خلاف مسلح بغاوت پھیلانے کے الزام میں سزا تجویز کی، جس کی منظوری ایجنٹ ٹو دی گونر جنرل نے خان آف قلات سے لی۔ گرفتاری کے بعد اس عظیم مجاہد کا کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ بعض مورخین کہتے ہیں اسے پھانسی دی گئی۔ لیکن معلوم نہ ہوسکا نہ ہی پتہ چل سکا کہ وہ کس سرزمین میں محوخواب ہیں۔ اسی دور میں نواب خان محمد زرکزئی کو شہید کیا گیا۔ سردار نورالدین مینگل، شہباز خان گرگناڑی اور مجاہد نُورا مینگل کے دستِ راست غازی سلیمان کو گرفتار کر کے سزائے عمر قید دیکر جزائر انڈیمان (کالا پانی) بھیج دیا گیا۔ جعفر خان، سردار رسول بخش مینگل اور سردار رستم محمد حسنی نظر بند کیے گئے۔ نواب مکران میر محراب خان گچکی اور نواب میر قیصر خان مگسی (یوسف عزیز کے والد) کو معزول کیا گیا۔ نواب قیصر خان مگسی جلا وطن ہو کر ملتان چلے گئے۔

میر ٹلن خان کی تحریک :

ریاست قلات میں سیاسی شعور کو تنظیم کے ڈسپلن میں پرونے کا سہرا ویسے تو میر عبدالعزیز کرد کے سر ہے لیکن میر عبدالعزیز کرد سے قبل بھی روایتی وقبائلی قیادت سے ہٹ کر سیاسی تنظیم کے تحت تحریک چلانے کی کوششیں کی گئی۔سب سے پہلے میر عبدالعزیز کرد کے والد محترم میر ٹلن خان نے ریاست قلات کے ملازم ہونے کے باوجود اس وقت ایک خفیہ تنظیم بنائی جب انگریزوں نے سرداران بلوچستان کو مطلق العنان ، اختیارات دینے کی پالیسی پر عمل کرنے کا ارادہ کیا۔ غالباً یہ بیسویں صدی کی پہلی دہائی کی شروعات کے سال تھے۔میر ٹلن خان کی اس تنظیم میں مختلف قبائل کے لوگ جن میں خان محمود خان کے بھائی جرنیل میر بہرام خان ، میر رسول بخش رئیسانی ، تھانیدار میر محمد یوسف خان کرد ، میر شیر دل خان سمالانی اور دیگر بلوچ نوجوان شامل تھے۔ میر ٹلن خان اپنے ساتھیوں کی مشاوت سے دوبارہ عازم افغانستان ہوئے ۔(یاد رہے کہ میر ٹلن خان اس سے قبل بھی بغاوت کر کے افغانستان چلے گئے تھے)۔''میر ٹلن خان نے امیر افغانستان امیر حبیب اللہ خان کو اپنی تنظیم کے اغراض و مقاصد سے آگاہ کیا اور ان سے اہل بلوچستان کے نام امداد کی اپیل کی'' (۱)۔لیکن اس دور کے حالات کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے امیر افغانستان کی طرف سے حوصلہ افزائی نہیں ہوئی۔ادھر انگریز اہل کاروں کی بلوچستان کی صورتحال پر گہری نظریں مرکوز تھیں اور وہ بلوچستان کی دفاعی اہمیت اور حالات و واقعات سے بے خبر نہیں تھے انگریزوں نے میر ٹلن خان کی سیاسی سوچ و شعور سے آراستہ بغاوت کو خطرناک گردانتے ہوئے سردار اللہ یار خان رستم زئی کو انہیں واپس لانے اور دوبارہ ملازمت اختیار کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے بھیجا اور میر ٹلن خان جو کہ امیر افغانستان کی طرف سے مدد و امداد سے معذوری ظاہر کرنے سے مایوس ہو چکے تھے، واپسی پر آمادہ ہو گئے اور انہیں دوبارہ ملازمت پر بحال کیا گیا۔وزیر اعظم ریاست قلات سر شمس شاہ جو خود مطلق العنان وزیر اعظم بننے کے لئے پر تول رہے تھے وہ انگریزوں کی طرف سے سرداران بلوچستان کو مطلق العنان اختیارات دینے سے اندرونی طور پر ناخوش تھے اگر ایک طرف وہ میر ٹلن خان کی سوچ و فکر کے ہم نوا نہیں تھے دوسری طرف وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ میر ٹلن خان ملازمت پر بحال رہے اور میر ٹلن خان کی صدائے احتجاج ایک خوف بن کر سرداروں کے سروں پر منڈلاتی رہے اور سردار بے دست و پا، اور بے اختیار رہ کر وزیر اعظم ریاست قلات سر شمس شاہ کی مٹھی میں رہیں۔ایک بار پھر'' ۱۹۱۵ء میں برطانوی انگریز پولیٹیکل ایجنٹ ریاست قلات لیفٹننٹ کرنل ڈیو نے اپنی ریذیڈنسی میں سرداروں کو مزید مراعات اور خود مختاری دینے کے لئے ایک دربار کا انعقاد کیا۔ پولیٹیکل ایجنٹ ریاست قلات لیفٹننٹ کرنل ڈیو نے افتتاحی تقریر میں سرداروں کی خود مختاری کا اعلان کیا اس کے بعد وزیر اعظم ریاست قلات سر شمس شاہ کی تقریر ہوئی جس نے اپنی تقریر کے کلمات میں پولیٹیکل ایجنٹ کو سراہا۔ ہال میں بیٹھے ہوئے میر ٹلن خان برجستہ اپنی نشست سے اٹھے اور سرداروں کی موجودگی میں پولیٹیکل ایجنٹ کو مخاطب کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ سرداروں کو خود مختاری دینا اور انہیں بے لگام چھوڑنا عوامی مفادات کے خلاف ہے''۔(۲) ہال میں سناٹا چھا گیا۔ پولیٹیکل ایجنٹ کرنل ڈیو سخت ناراض ہوئے۔لیکن وزیر اعظم ریاست قلات بظاہر چہرے سے مرجھائے ہوئے ماتھے پہ شکنیں سجائے ہوئے غصے میں دکھائی دے رہے تھے، لیکن دل میں بہت خوش تھے۔

ادھر سرداران ریاست قلات جو میر ٹلن خان سے پہلے ہی الرجک تھے۔ انہیں اپنے بے لگام اختیارات کی راہ میں دیوار گردانتے تھے۔ سب سرداروں نے مل کر میر ٹلن خان کو ملازمت سے معطل کرنے اور اس پر مقدمہ چلانے کے لئے پولیٹیکل ایجنٹ کرنل ڈیو کو ایک مشترکہ درخواست پیش کی۔ درخواست کے ساتھ ایک خط بھی منسلک تھا۔ جس میں میر ٹلن خان نے اپنے ہم نواؤں کو بغرض سازش مستونگ آنے اور لائحہ عمل ترتیب دینے کے لئے لکھا تھا۔ خط پڑھتے ہی کرنل ڈیو سیخ پا ہو گئے ان کے غصے کا پارہ چڑھ گیا۔ اگلے دن گھر کے باغ میں میر ٹلن خان کے خلاف اس سازش کی تحقیقات شروع کیں۔ گواہاں گزرے معاملہ سنگین نوعیت کا اور پیچیدہ تھا۔ جسے وزیر اعظم ریاست قلات نے سنگین بانپتے ہوئے اس کیس کو کرنل ڈیو سے اپنی عدالت میں منتقل کرنے کے لئے پولیٹیکل ایجنٹ کو راضی کیا۔ وزیر اعظم جو پہلے سے اندرونی طور پر خان محمو خان اور اپنے اختیارات کم کرنے اور سرداروں کو مزید اختیارات تفویض کرنے سے ناخوش تھا، اس مقدمے کو ٹالتا رہا اور معاملہ ٹھنڈا ہونے پر اسے جعلی قرار دے کر داخل دفتر کیا۔ یوں میر ٹلن خان گرفتار ہونے اور ملازمت کھو جانے سے بچ گئے۔

بلوچ طلباء کی پہلی تنظیم :

۱۹۲۰ء کے وسط میں جب میر عبدالعزیز مستونگ کے انگلش ورنیکل سکول میں پرائمری کے طالب علم تھے۔ نے اپنے ایک ملکی استاد خیر محمد مری بلوچ کے ساتھ نو آبادیاتی آقاؤں کے سلوک کو قریب سے دیکھا اور ملکی استاد کی بے بس آنکھوں سے آنسوؤں کا سیل رواں میر عبدالعزیز کرد کی سرکردگی میں بلوچ طلباء کی پہلی تنظیم انجمن نوجوانان بلوچاں کے قیام کا باعث بنا (۳) جو ملکی اساتذہ کی حوصلہ افزائی کرنے ملکی ملازمین کو غیر ملکی ملازمین کے ظلم وستم سے نجات دلانے اور ان میں قوم دوستی وطن دوستی کے جذبات ابھارنے کی کوششیں پیدا کرنے کے لئے بنایا گیا۔ انجمن نوجوانان بلوچاں روایتی وقبائلی بلوچ سماج میں سیاسی تنظیم کاری کی پہلی کونپل تھی، جس کی آبیاری درمیانہ طبقے سے تعلق رکھنے والے نوجوان طلباء نے کی۔ اس انجمن کو خفیہ رکھا گیا اور گنے چنے طالب علموں کو اس کا ممبر بنایا گیا۔ انجمن کے اراکین کی نظریں اپنے ادارے کے ساتھ ساتھ اردگرد کے حالات و واقعات پر بھی مرتکز تھیں۔ یہی داخلی و خارجی حالات واقعات پر آپس کی مشاورت ان کے ذہنی نشوونما کا باعث بنی اور وقت و حالات اور زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ ارتقاء پذیر ہوتی رہی۔

باکو کانفرنس (Baku Conference) میں بلوچ انقلابیوں کی شرکت:

اکتوبر ۱۹۱۷ء کے انقلاب روس نے دیگر خطوں کی طرح بلوچستان میں بھی اپنے اثرات مرتب کئے۔ جس سے دنیا میں روشن خیال قومی وطبقاتی تحریکوں کو تقویت ملی اور انقلاب روس نے سرمایہ دارانہ و جاگیردارانہ سسٹم کے خلاف چلنے والی تحریکوں کو ایندھن فراہم کیا۔

بلوچستان میں قومی آزادی کے لئے لڑنے والے بلوچ نوجوانوں نے انقلاب روس کے اثرات کو قبول کیا اور سامراجی نا انصافیوں قومی وطبقاتی نا برابری کے خلاف روشن خیال تحریک سے جڑ گئے۔ سال ۱۹۲۰ء ستمبر کے پہلے ہفتے میں سوویت آذربائیجان کے شہر باکو میں ''Conference of the Peoples of East'' منعقد ہوئی جو'' باکو کانفرنس'' کے نام سے مشہور ہوئے ۔ اس کانفرنس میں ۱۸۹۱ ڈیلیگیٹس نے شرکت کی۔ جس میں بلوچستان سے آئے ہوئے نوجوانوں کا وفد بھی شامل تھا۔ اس کانفرنس میں شامل وفود کی اکثریت کمیونسٹ نہیں تھی زیادہ تعداد قوم دوستوں کی تھی ۔

یہ کانفرنس عظیم اکتوبر انقلاب ۱۹۱۷ء کے قائد لینن کی سربراہی میں کمیونسٹ انٹرنیشنل کی دوسری کانگریس منعقدہ ماسکو ۲۶ جولائی ۱۹۲۰ء کے کمیشن کے قومی اور نو آبادیاتی مسائل پر پاس کی گئی قراردادوں کے پس منظر میں بلائی گئی تھی، جس میں واضح طور پر کہا گیا تھا کہ '' عالمی آبادی کا لگ بھگ ۷۰ فی صد حصہ مظلوم قوموں پر مشتمل ہے، جو یا تو براہ راست نو آبادیاتی نظام کے زیر تسلط ہیں، یا نیم نو آبادیات ہیں۔ جیسے کہ ایران، ترکی، چین یا وہ ممالک جن کو بڑی سامراجی طاقت کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد ان کی طاقت کو امن کے عہد ناموں کے تحت بڑی حد تک محکوم بنایا گیا ہے''۔ (۴)

لینن نے اس کانفرنس میں '' قومی تحریکوں کو بورژوا جمہوری تحریک کے بجائے قومی انقلابی تحریک کا نام دیا''۔

باکو کانفرنس میں '' کمیونسٹ انٹرنیشنل کے پرچم تلے عرب، انڈیا، ترکی، ایران، مصر، افغانستان، بلوچستان، شام، فلسطین اور ایشیا کے دیگر ملکوں سے آئے ہوئے وفود نے شرکت کی۔

باکو کانفرنس میں کمیونسٹ انٹرنیشنل کی دوسری کانگریس میں قومی اور نو آبادیاتی موضوعات پر پاس کی گئی قراردادوں پر غوروغوض کیا گیا کمیونسٹ انٹرنیشنل کی دوسری کانگریس میں کمیونسٹوں پر زور دیا گیا تھا کہ دنیا بھر کی ورکنگ کلاس کی انقلابی جدوجہد میں شامل کمیونسٹوں کا فرض ہے کہ وہ مدد وحمایت کریں، نو آبادیاتی نظام کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے محکوم اقوام کی''۔ (۵)

'' باکو کانفرنس'' میں بلوچستان کے وفد کی قیادت مصری خان کھیتران نے کی۔ وفد میں شامل دیگر افراد میں '' خان بہادر صوبیدار خان کیھتران (طارق محمود کھیتران کے دادا) خان بہادر خان حاجی شکر خان جمالدینی (ڈاکٹر جہانزیب جمالدینی کے دادا) میر مدد خان جمالدینی، عبدالکریم ریکی (ایرانی بلوچ) شامل تھے''۔ (٦) بلوچستان کے وفد کا تعلق تحریک خلافت سے تھا۔ جو بلوچستان میں تحریک خلافت کی سرگرمیوں میں پیش پیش تھا۔ یہ پہلے روشن خیال بلوچ تھے جو ولادیمیر ایلیچ '' لینن'' کی سرکردگی میں برپا ہونے والے اشتراکی انقلاب سے متاثر تھے اور جنہوں نے کانفرنس میں بلوچستان کی نمائندگی کی۔

میر عبدالعزیز کرد کا مشاہدہ:

''کیا کسی کو معلوم ہے کہ میر عبدالعزیز کرد کس یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ہیں''۔ (۷)

یہ الفاظ انڈین نیشنل کانگریس کے رہنماء جواہر لعل نہرو کے تھے۔ جس کا انہوں نے اظہار میر عبدالعزیز کرد کے مضامین کا جائزہ لینے کے بعد ایک مجلس میں کیا۔ ''حاضرین مجلس میں کسی نے کہا کہ عبدالعزیز کرد ریاست قلات کے پرائمری پاس نوجوان ہیں جواہر لال نہرو نے اپنے سوال کا جواب سن کر کہا کہ'' انہوں نے تجربات مشاہدات سے جو کچھ سیکھا ہے۔ دنیا کی کوئی یونیورسٹی انہیں نہیں سکھا سکتی تھی''۔

واقعی وہ کسی اعلیٰ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل نہیں تھے اور نہ کسی شخصیت کی قدوقامت سے متاثر تھے اور نہ ہی کسی تہذیب یافتہ سماج میں پرورش پائی تھی اور نہ ہی ان کی ذہنی تربیت کسی سیاسی تنظیم نے کی تھی۔ وہ بے آب و گیاہ دشت میں پیدا ہوئے دہشت کی زرد مٹی پر چلنا سیکھا اور مستونگ کے انگلش ورنیکل سکول کی پرائمری کلاس ہی میں تعلیم کی ابجد کے ساتھ ساتھ زندگی کی ابجد سے آشنائی حاصل کی۔ پہلی جماعت میں ابجد کے بعد پہلا سبق ''دل دے، سن لے'' چپ رہ، مت ڈر، جھوٹ نہ بول'' پڑھا۔ (۸)

یہی سبق محنت سے لگن، مظاہر کے مشاہدے، جانچ و ادراک، بے خوف جسارت اور سچائی کا باعث بنا۔ انہوں نے لگن سے محبت کو اپنی زندگی کا حصول گردانا، اس کے ننھے ذہن نے یہ بات قبول کی تھی کہ انسان فطرت کا محتاج نہیں۔ محنت ہی نے انسان کو حیوان سے علیحدہ کرکے اشرف المخلوقات کے لقب سے نوازا، محنت ہی سے انسان نے اپنی معاشرتی زندگی میں بے پناہ تبدیلیاں کی ہیں اور محنت ہی معاشرتی ارتقاء میں بنیادی رول کا حامل ہے۔

انہوں نے مظاہر کے مشاہدے، جانچ و ادراک کو سچائی کا منبع جانا اور سمجھا کہ معاشرتی زندگی کی سچائیوں کے ادراک ہی سے معاشرتی تبدیلی کے امکانات کو روشن کیا جاسکتا ہے۔ اور مشاہدہ و ادراک کے اس فلسفے نے اسے قبائلی و روایتی بلوچ سماج میں منظّم تنظیم و تحریک کی سوچ فراہم کی کیونکہ وہ جان گئے تھے کہ مشاہدے اور ادراک سے وہ اپنے روایتی و قبائلی معاشرے میں زندگی اور تبدیلیوں کے لئے حرکت کی راہ ہموار کرسکتے ہیں۔

بے خوف جسارت و سچائی کی بدولت وہ اپنے نظریات کو اپنے سماج کے مختلف پرتوں میں رائج و سرایت کرسکتے ہیں اور سماج میں بنیادی و کیفیتی تبدیلی لاسکتے ہیں۔

میر عبدالعزیز کرد کے ذہن میں ''ایک ضعیف العمر سفید ریش، نیم عریاں بوڑھے کی اپنے قیدی بیٹے سے ملاقات'' (۹) اس کی حالت زار اور اس کے ٹپکتے ہوئے آنسوؤں نے نچلے اور کچلے ہوئے طبقات کے درد سے وابستگی کا بیج بویا جو ایک عظیم شجر کی مانند وقت کے ساتھ ساتھ پھلتا پھولتا گیا اور تمام عمر اس کے خیالات اور سوچ پر حاوی رہا۔

اسلامیات کے استاد اخوند خیر محمد مری کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں (۱۰) نے نو آبادیاتی اساتذہ کے ملکی اساتذہ کے ساتھ غیر مناسب متعصّبانہ رویوں نے آپ کو ذہنی طور پر جھنجھوڑا اور آپ کے ذہن پر اثر کرتے ہوئے آپ کو شاہراہ آزادی پر لا کھڑا کیا۔

انسانوں سے ''محبت کا درس اپنے پرائمری سکول کے اساتذہ مولوی شمس الدین، ماسٹر اللہ یار خان راجپوت اور خیر محمد مری سے پایا'' اور درس اخلاقیات کردار کی پختگی ریاست قلات کے اس وقت کے ''برطانوی پولیٹیکل ایجنٹ لیفٹننٹ کرنل ریمزے کی نصیحت (۱۱) سے پائی یہ ۱۹۱۷ء کا دور تھا۔ لیفٹننٹ کرنل ڈیو کی جگہ لیفٹننٹ کرنل ریمزے کی ریاست قلات میں تعیناتی عمل میں لائی گئی۔ استقبال کے لئے رنگ برنگی جھنڈیاں ہاتھوں میں تھامے سکول کے بچوں کو سکول کے ساتھ والی سڑک کے دونوں اطراف میں کھڑا کیا گیا۔ شہر کے اکابرین و معززین اور سرداران علاقہ آداب بجا آوری کے لئے لائنوں میں کھڑے تھے۔ وزیر اعظم شمس شاہ کی ہدایت پر سکول کے دو خوش الحان بچوں کو مداح سرائی کے لئے جو بول دیئے گئے تھے وہ یوں تھے۔

یادر خدا حضور کا ہر لحظہ ہر گھڑی

ہو لاٹ بن کے آپ کی یاں جلد واپسی

جب کرنل ریمزے کی گاڑی قطار میں کھڑے ہوئے بچوں کے پاس پہنچی۔ خوش الحان مترنم آواز میں بچوں کی زبان سے اپنی مدح سرائی سنتے ہوئے کرنل ریمزے نے گاڑی رکوالی اور بچوں کو مخاطب کرتے ہوئے نصیحت کی کہ ''بچو میری یہ نصیحت یاد رکھو! کہ لاٹ بننا کوئی ترقی نہیں ہے۔ ترقیاں ہمیشہ نہیں بلکہ وقتی ہوتی ہیں اصل ترقی اخلاقی ترقی ہے میرے لاٹ بننے کی نہیں بلکہ اخلاق بلند کرنے کی دعا کیا کرو۔'' (۱۲)

واقعی کردار کی شائستگی اچھے اخلاق کی مرہون منت ہے۔ میر عبدالعزیز کرد اپریل ۱۹۰۷ء میں میر ٹلن خان کے ہاں پیدا ہوئے آپ کے والد ریاست قلات کے ملازم تھے۔ لیکن سیاست اور زمانہ میں رونما ہونے والے حالات و واقعات سے بے بہرہ نہ تھے میر عبدالعزیز کرد کے ذہنی و سیاسی نشو و نما کے لئے اس کے والد میر ٹلن خان کی کچہریوں (مجلسوں) کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔ جہاں ان کے ہم خیال دوست میر رسول بخش رئیسانی، میر واحد بخش رئیسانی، میر کریم بخش رئیسانی میر یوسف خان کرد، میر رحیم خان کرد، میر شیر دل خان سمالانی اور تھانیدار میر خیر بخش خان عمرانی آیا کرتے تھے'' (۱۳)۔ ان کی عام گفتگو سرداروں اور انگریز حکمرانوں کی مخالفت میں ہوا کرتی تھی۔ چونکہ میر ٹلن خان کی مجلسوں اور دوستوں سے گفتگو میں سردار دشمن اور انگریز دشمن خیالات پائے جاتے تھے۔ یہ لوگ رشوت ستانی اور بے انصافی کے خلاف گفتگو کیا کرتے تھے۔ ان نشستوں میں اردگرد کے حالات و واقعات ء دنیا کے دیگر ممالک میں اٹھنے والی تحریکات پر تبصرے و تجزیئے پیش کئے جاتے تھے۔ ان محفلوں میں اٹھنے بیٹھنے سے کم سن عبدالعزیز کے ذہن میں پہلے سے پیدا شدہ سردار دشمن اور سامراج دشمن، قوم دوست وطن دوست

خیالات پروان چڑھنے لگے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان میں پختگی آتی گئی اور کم سن عزیز کا ذہن ان محفلوں سے فیضاب ہوتا گیا۔

یہ تھے وہ ظہور پذیر ہونے والے واقعات، مشاہدات اور اسباق جو پرائمری جماعت میں زیرِ تعلیم عبدالعزیز کے ذہن پر چھا گئے۔

۱۹۱۹ء میں اپنے ''والد میر ٹلن خان کی وفات کے بعد تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوا۔ کچھ عرصہ بعد حصول روزگار کے سلسلہ میں مختلف محکموں میں ریٹنگ لیتے رہے۔ پٹواری پھر خزانچی آخر کار وزیرِ اعظم ریاست قلات کے ہاں ملازمت ملی'' (۱۴) جہاں عبدالعزیز نے اپنے ہم وطنوں کے ساتھ ہتک آمیز رویئے، مقدمات کے سلسلے میں عوام پر سرداروں کے قہر و غضب اور غیر ملکی آقاؤں کی خوشنودی کے نام پر رشوت نذرانوں کو بہت قریب سے دیکھا اور اپنے دل میں اس درد کو بسا کر اس کی پرورش کرتا رہا طبیعت جلد ہی ملازمت سے بیزار ہوگئی ملازمت سے مستعفی ہو کر آپ اخبار بینی اور کتب بینی پر توجہ مرکوز کرنے کے لئے لائبریری کے رکن بنے۔ جہاں اکتوبر ۱۹۱۷ء کا سویت انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی کی تحریک خلافت، ماتما گاندھی کی کانگریس تحریک، محمد علی جوہر اور شوکت علی کی خلافت کمیٹی، ترکی کے مصطفیٰ کمال اتاترک، مولانا ابوالکلام آزاد کے ترجمان القرآن، مولانا رومی کی مثنوی، غالب، بیدل، امیر خسرو کے کلام اور دیگر علمی کتابوں سے استفادہ کیا۔'' (۱۵) یہ وہ دور تھا جس وقت قلات کے اندر بلوچ نوجوانوں کی ایک ایسی نسل نے جنم لیا جن کا تعلق درمیانہ طبقہ سے تھا، جو علم کے زیور سے مالا مال تھی، جو بار بار کی مسلح بغاوتوں جو قبائلی روایتی طریقوں سے لڑی جا رہی تھیں کی ناکامیوں، دوران جنگ وقوع پذیر ہونے والے نتائج نے بلوچ نوجوانوں کی اس نسل کو سیاسی و شعوری جدوجہد کی طرف مائل کیا۔

انجمن اتحاد بلوچستان کا قیام:

میر عبدالعزیز کرد نے لائبریری سے دوران مطالعہ حاصل کئے گئے علوم اور اس دور میں سماجی تبدیلی کے لئے چلائی جانے والی تحریکات کے مطالعہ سے حاصل شدہ علم اور پرائمری مشاہدات کو بنیاد بنا کر اپنے رفقاء کار اور چند ریاستی ملازمین سے صلاح و مشورہ کیا اور دوران تعلیم ۱۹۲۰ء کے وسط میں بلوچ اساتذہ کے ساتھ متعصّبانہ ناروا سلوک کے خلاف ملکی اساتذہ کی دلجوئی کے لئے انجمن نوجوانانِ بلوچاں کے نام سے بلوچ طالب علموں کی جو جماعت ترتیب دی تھی اسے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر از سرِ نو عوامی سطح پر پھر سے ترتیب دینے اور اپنے دور کے تقاضوں کے ساتھ وسعت دے کر اور عوامی خواہشات سے ہم آہنگ کر کے ۱۹۲۴ء میں ''انجمن اتحاد بلوچستان'' کے نام سے از سرِ نو منظّم کیا اور ریاست قلات میں سماجی تبدیلی کے لئے سیاسی تحریک کی داغ بیل ڈالی ''تعلیم، سماجی شعور، معیشت، روزگار اور حصول حقوق'' (۱۶) اس تحریک کا نصب العین ٹھہرا، ذہنوں میں بسے ہوئے خیالات کو ایک پلیٹ فارم میسر ہوئی، ذہنوں میں دبی ہوئی چنگاریوں کو ہوا ملی۔ یوں ریاست قلات میں سیاست کی ایسی چنگاریاں بھڑک اٹھیں، جنہوں نے غیر محسوس انداز میں اور خفیہ طور پر بلوچستان کے طول و عرض کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

انجمن اتحاد بلوچستان کے سرکردہ رہنماؤں میں آپ کے علاوہ ''آغا سید امیر شاہ، آغا سید رفیق شاہ، میر بختیار احمد محمد شہی، میر احمد خان سمالانی، عبدالرزاق ملازئی، شادی خان گرانی، ارباب عبدالخالق ایری، منشی محمد حسن ہیبت زئی، ارباب حضور بخش ایری، نیاز محمد خان زرخیل شامل تھے''۔(۱۷)

انجمن اتحاد بلوچستان زمانہ طالب علمی میں قائم کردہ طلباء تنظیم کا تسلسل اور عوامی شکل تھی۔جس کے سرکردہ رہنماؤں میں اکثر زمانہ طالب علمی میں طلباء تنظیم، انجمن نوجوانان بلوچاں کے سرکردہ ارکان تھے۔انجمن اتحاد بلوچستان اس دور کے حالات کے تحت زیرزمین سیاسی پارٹی کے فرائض انجام دیتی رہی۔انجمن کے اراکین میر عبدالعزیز کرد کی قیادت میں انتہائی انتھک محنت اور لگن سے پارٹی کے اغراض و مقاصد کو اپنے عوام کے مختلف طبقوں میں پہنچاتے رہے اور سیاسی مشن کو آگے بڑھانے، برٹش سامراج اور اس کے مقامی کاسہ لیسوں کے خلاف قومی آزادی کے لئے سرگرم عمل رہے۔یہ تاریخ کا وہ بدترین عہد ہے جس میں انگریز کا کاسہ لیس خان آف قلات خان محمود خان مسند خانیت پر براجمان تھے۔خان محمود خان ریاست قلات کی تاریخ کا جابر ترین خان رہا (جس کے ہاتھوں اس کے والد خان خدائیداد خان اپنے اہل عیال کے ساتھ سات سال لورالائی اور سات سال پشین میں نظر بند رہے خان خدائیداد خان نے پشین میں نظر بندی کے دوران ہی وفات پائی)۔

خان محمود خان

ریاست قلات ایک وسیع ساحل سمندر رکھنے کے ساتھ ساتھ پہاڑوں، صحراؤں اور وادیوں پر مشتمل ایک زرخیز خطہ زمین پر واقع تھا۔جہاں پھل و میوہ جات کے باغات کثرت سے پائے جاتے تھے۔اس کے علاوہ گندم، جو، تمباکو، لوسن، انگور، کھجور، خوبانی، توت اور دیگر میوہ جات کے باغات کی بہتات ہے اور دیگر فصلات کی کاشت کی جاتی تھی۔

برطانوی دور میں ریاست قلات کا رقبہ بشمول مکران و خاران (ماسوائے لسبیلہ)۷۳۲۷۸ مربع میل پر پھیلا ہوا تھا اور آبادی ۱۹۱۳ء سے قبل کی مردم شماری کے مطابق ۳۵۰۰۸۶ نفوس پر مشتمل تھی۔قلات ایک ریاستی کنفیڈریسی تھی۔جس کا سربراہ 'خان' کہلاتا تھا۔خان محمود خان اپنے والد خان خدائیداد خان کی معزولی کے بعد ۱۸۹۳ء میں حکومت برطانیہ کی حمایت سے مسند خانیت پر بیٹھا۔

خان آف قلات تمام اہم امور میں تمام قبائلی سربراہوں (سرداروں) کا سربراہ تھا۔وہ بلوچستان میں گورنر جنرل کے نمائندہ ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل (A.G.G) کے مشوروں کا اطاعت گزار تھا۔ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل خان اور قبائلی سرداروں کے مابین قبائلی تنازعات کا ثالث تھا۔

خان کا ایک سیاسی مشیر (Political Agent) ہوا کرتا تھا۔جن کی خدمات حکومت برطانیہ نے خان آف قلات

کے سپرد کی تھیں۔اس کے ساتھ ساتھ ماتحت ریونیو افسران جو متوفیوں، نائبوں اور جان نشینوں کے نام سے جانے جاتے تھے کی خدمات بھی خان آف قلات کے زیر سایہ تھے۔

حکومت برطانیہ کی طرف سے نامزد کردہ خان کا نمائندہ مشیر خان آف قلات کے کورٹ جس کا ہیڈ کوارٹر مستونگ میں ہوتا تھا وہاں رہائش پذیر تھا۔

A.G.G کے نمائندہ (Polictical Agent) کے زیر سایہ ایک اور اسسٹنٹ سیاسی مشیر (Assistant Polictial Agent) مددگار کے طور پر ہیڈ کوارٹر میں خدمات سرانجام دیتا تھا۔

برطانوی حکومت سالانہ آٹھ (۸) لاکھ روپے خان آف قلات کو اجارے میں لئے گئے علاقوں کی مد میں ادا کرتی تھی۔

۱۹۱۳ء میں خان کی غیر منظّم بری فوج اور توپچی سپائیوں کی تعداد ۲۳۸۵ اشخاص پر محیط تھی۔جن کے ساتھ بھاری اسلحہ کی تعداد ۲۹ تھی جن میں سے (۹) قابل استعمال تھے۔(۱۸)

’خان محمود خان‘ ثانی والئی ریاست قلات کی فوتگی کے بعد ’’کسک محمود خان‘‘ (مرگیا محمود خان) براہوئی زبان میں ایک ضرب المثل کی حیثیت اختیار کرگیا۔خان محمود خان ریاست قلات کا بادشاہ تھا حیوانی خصلت رکھنے والا درندہ صفت بادشاہ، ایسا درندہ صفت بادشاہ جس نے بربّریت کی تمام حدیں پار کیں۔ریاست کے سردار تو اس کے ’’خصیہ بردار‘‘ تھے۔ریاست کے اندر لوگوں کے کان کاٹنا تو عام سی بات تھی لیکن اسے شہرت ’’گُند کشا محمود خان‘‘ کے نام سے ملی وہ خصیے نکال کر دربار کے دروازے پر لٹکاتا تھا ایک دفعہ خان محمود خان نے ایک شخص کے خصیے نکال کر دربار کے دروازے پر لٹکائے، ایک دو دن کے بعد پھر اس شخص کے دربار میں حاضر ہونے کے احکامات جاری ہوئے وہ شخص اڑبنگ نما طبیعت کا مالک تھا جب یہ شخص احکامات کی بجا آوری کے لئے دربار میں پیش ہوا تو خان محمود خان (جو تخت قلات پر جلوہ افروز تھے) نے اس سے پوچھا کہ اب بتا کیا حال ہے تمہارا؟ اس شخص نے خان صاحب کو برجستہ جواب دیا کہ شکر ہے کہ خان صاحب مرے فوطوں (خصیوں) کے نیچے سے گزرتے ہیں محمود خان جواب سنتے ہی سیخ پا ہو گیا اور اس کا سر قلم کرنے کے احکامات صادر کئے۔

خان محمود خان ایک خرمست اور ظالم بادشاہ تھا ’’اک دفعہ وہ اپنے وزیر اعظم قاضی جلال الدین (قاضی عیسیٰ کے والد) کے ساتھ دہلی گیا اور اخبار نویسیوں نے اسے گھیرلیا۔خان نے وزیر اعظم سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں اس نے بتایا کہ ’’یہ صحافی ہیں‘‘ صحافی کیا ہوتا ہے۔خان نے دریافت کیا۔

وزیر اعظم نے جواب دیا ’’صحافی کا پیشہ یہ ہے کہ یہ اگر کسی سے خوش ہوں تو اپنے اخبار میں اس کی تعریف کے پل باندھ دیتے ہیں اور جس سے ناراض ہوتے ہیں تو دشنام طرازی کرکے اسے بہت بدنام کرتے ہیں‘‘ تو جواب میں خان نے کہا تھا ’’فہمیدم، فہمیدم در ملک ما اورالوڑی می گویند۔‘‘ (۱۹)

’’فتح ہندوستان کے صد سالہ جشن کے موقع پر خان آف قلات میر محمود خان کو مدعو کیا گیا تھا خان صاحب نے اپنے وزیراعظم اور سرداروں کے ہمراہ صد سالہ جشن میں شرکت کی اس جشن میں خان صاحب کے بہت سے لطیفے مشہور ہیں جن میں سے ایک کا یہاں حوالہ دیا جاتا ہے خان صاحب جشن سے فارغ ہوئے تو اپنے وزیراعظم سے پوچھا کہ دوسری ریاستوں کے خان اور امرا کیا کر رہے ہیں وزیراعظم نے کہا کہ وہ اب ’’Shoping‘‘ کرر ہے ہیں خان صاحب نے کہا کہ ’’Shoping‘‘ کیا ہوتی ہے وزیراعظم نے جواب دیا کہ بازار میں جا کر چیزوں کی خریداری کرر ہے ہیں خان وزیراعظم کے ہمراہ بازار پہنچے دیکھا کہ دوسری ریاستوں کے امراء بازار میں دکانوں سے ایک ایک چیز لے جا رہے ہیں خان آخر خان تھا پسماندہ ریاست کا دیہاتی خان۔ دکان سے ایک چیز کی خریداری کہاں گوارہ کرتا آخر کار وہ ایک کھوکھے والے کے پاس کھڑا ہوا کھوکھے والے دکاندار سے کہا کہ بتا اس سارے مال کھوکھے سمیت قیمت کیا ہے کھوکھے والے نے جواب دیا کہ اتنے روپیہ! خان صاحب نے کھوکھے والے کو منہ مانگے دام دے کر تمام اشیاء کھوکھے سمیت خریدا اور پھر اس کھوکھے کو سمندر کے راستے قلات لے آیا یوں خان صاحب کی شاپنگ تمام والئی ریاستوں اور امراء میں مشہور ہوگئی کہ خان آف بلوچ تمام دکان بمعہ اشیاء خرید کر لے گیا‘‘۔(۲۰)

ظالم اتنا کہ’’ اپنے والد خان خدائے داد خان کو اہل و عیال سمیت ۱۴ سال تک انگریزوں کے ہاں پہلے لورالائی اور بعد میں پشین میں نظر بند رکھا، خان خائیداد خان کے دس (۱۰) بیٹے جو بالترتیب یوں تھے میر محمود خان، میر اعظم جان، میر بہرام خان، میر سکندر خان، میر حسن خان، میر دوست محمد خان، میر دوران خان، میر حاجی محمد خان، میر شاہنواز خان آخر میں سلطان ابراہیم خان (آغا عبدالظاہر کے والد محترم) خاندان کے ۹۹ فیصد لوگ خان خدائیداد خان کے طرف دار تھے اور ایک فیصد لوگ محمود خان کے ساتھ اس کی سگی والدہ ایک بہن بی بی سائرہ اور بھائی بہرام خان اور دوران خان طرف دار تھے، باقی سب احمد زئی طائفہ دوسری طرف۔

پشین نظر بندی کے آخری دنوں میں جب ’’ خان خائیداد خان‘‘ زیادہ علیل ہوئے تو میر اعظم جان کو بُلا کر کہا کہ اگر میں فوت ہوا تو مجھے یہیں دفن کر دینا ’’ میری میت محمود خان کے حوالے نہ کرنا خان خدائیداد کی وفات کے بعد اسے اس کی اپنی وصیت کے مطابق پشین میں دفن کیا گیا خان خدائیداد خان کی وفات کے بعد ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل اے جی جی برٹش بلوچستان نے ’’ خان محمود خان‘‘ سے کہا کہ آپ کے والد قید میں وفات پا گئے اب آپ کے خاندان کو کہاں سکونت دی جائے محمود خان نے کہا کہ میرا یہ خاندان میرے ساتھ نہیں ہے اس لئے انہیں میں ریاست قلات میں سکونت اختیار کرنے نہیں دوں گا۔

خان محمود خان خود دہشت اور ظلم و جبر کے ذریعے سرداروں کو اپنے قابو میں رکھ کر حکومت کر رہا تھا۔ اس دور کے روح فرسا واقعات زبان زد خاص و عام تھے۔ وہ ظالم حکمران کے ساتھ ساتھ عیاش بھی تھا اور عیاش اتنا کہ پہاڑی کی چوٹی پر ایک بہت بڑے خوبصورت محل کی تزئین و آرائش کی جسے قیمتی فرنیچر اور اطلس و کم خواب کے پردوں سے مزّین کیا۔ خان صاحب کا یہ

محل سات منزلوں پر مشتمل تھا اس محل میں ۳۰۰ کمرے تھے کمروں کی لمبائی ۵۰ فٹ اور چوڑائی ۲۵ فٹ پر مشتمل تھی ہر کمرے کے اندر لکڑی کی بنی ہوئی گیلری تھی ۔ جسے خلوت خانہ کہتے تھے۔ خلوت خانہ اس لئے کہ اگر کمرے میں موجود رہائشی اگر کسی سے کوئی راز یا خفیہ اکیلا بات کرنا چاہے تو اسے دوسرے سے علیحدہ کر کے گیلری لے جایا جاتا تھا کہ وہ اپنی خفیہ گفتگو کر سکے۔ اسی لئے اسے خلوت خانہ کا نام دیا گیا تھا ہر کمرہ چھ، چھ ستونوں پر کھڑا تھا، ان کمروں کے چھت لکڑی کے بنائے ہوئے نقش و نگار سے مزّین تھے لکڑی کا کام ساگوان کا تھا فرش مٹی کا تھا چھت پر ہر کمرے کے تین شہتیر تھے ہر شہتیر کو دو دو ستونوں کے سہارے رکھا گیا تھا۔ کمروں میں نہ روشندان تھے اور نہ ہی کھڑکیاں ہر کمرے کا ایک ہی دروازہ تھا ہر کمرے کے اندر آٹھ فٹ لمبا اور پانچ فٹ چوڑا ٹکڑا زمین ہوا کرتا تھا جہاں سردیوں میں منگالہ لگایا کرتے تھے جس سے اردگرد لوگ بیٹھا کرتے تھے خان محمود خان نے اس محل میں تین سو کے لگ بھگ لونڈیاں، داشتائیں، رکھی ہوئی تھیں۔ جن کے رنگ سیاہ تھے اسے سیاہ رنگ سے ایک خاص انس تھا وہ رنگ برنگی لباس پہنتا تھا ایک بار جس پوشاک یا لباس کو پہنتا تھا پھر استعمال نہ کرتا تھا خان صاحب اپنے دور ۱۸۹۳ء تا ۱۹۳۱ء تک وہ اسی میری میں اپنی کنیزوں اور خاندان کے ساتھ مقیم رہا۔ '' خان محمود خان'' کے دور میں ریاست قلات کے تین وزیراعظم گزرے ابتداء میں مرزا احمد علی جوز ہری تھے جو خدائے داد کے وقت کے تھے محمود خان نے اسے پانچ سال وزیراعظم رکھا پھر انگریزوں نے قاضی عیسیٰ خان کے والد قاضی جلال الدین کو قلات کا وزیراعظم مقرر کیا جو ۲۰۔۱۹ سال محمود خان کے وزیراعظم رہے پھر سر شمس شاہ جو کہ محمود خان کی وفات تک اس کے ساتھ وزیراعظم رہے۔

خان محمود خان بندوق رکھنے خریدنے کا شوقین تھا وہ قسم قسم کی بندوقیں رکھتا تھا میری کے تمام کمرے مختلف قسم کے ہتھیاروں سے مزّین تھے ایک خاص کمرہ تمام بندوقوں سے بھرا ہوا تھا دوسرا کمرہ رنگ برنگ کے کپڑوں سے لدا ہوا تھا ایک کمرہ جوتوں موچڑیوں سے ایک کمرہ رنگ برنگ کے ڈنر سیٹوں سے، کوئی کمرہ تلواروں سے، کوئی ڈھالوں سے، کوئی دیگوں سے اور کوئی قالینوں سے۔ میری کے اکثر کمرے اس قسم کی چیزوں سے بھرے تھے۔ میری میں ایک اصطبل تھا جس میں ۴۰۰ کے لگ بھگ گھوڑے تھے۔ اکثر گھوڑوں کی ٹانگیں کھڑے رہنے سے ٹیڑھی ہوگئیں تھیں۔ میری کا مرکزی گیٹ ٹنل کی شکل میں تھا جو ۶۰ فٹ لمبا ۲۰ فٹ چوڑا تھا۔ ٹنل کے دونوں طرف گیٹ تھے سامنے دربار ہال ہوتا تھا ان گیٹوں کے دونوں طرف گارڈ تھے، ان گارڈز کے ستانے اور سونے کے لئے جگہ بھی بنائی گئی تھی۔ میری کا یہ مین گیٹ پہلی منزل پر تھا پھر دو سیڑھیاں تھیں جو اوپر کے منزلوں کو جاتی تھیں جو پہاڑ کے سفید پتھروں سے بنے تھے'' (۲۱) یہ ہیں درندہ صفت ظالم عیاش والئی ریاست قلات خان محمود خان کے دور کی چند حقیقتیں، جو کہ اب ایک ضرب المثل کے طور پر زبان زد عام و خاص ہے (کسک خان محمود خان)۔

خان محمود خان جیسے ظالم جابر درندہ صفت حیوان سے ٹکر لینا دل گُردے رکھنے والے سورماؤں کا کام تھا اور یہی فریضہ انجمن اتحاد بلوچستان کے باشعور و باحوصلہ علم و عمل کے مجسم رہنماؤں نے سرانجام دیا جو آج ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔

خان بہادُر میر شمس شاہ

'شمس شاہ' جو ۱۸۶۵ء میں پشاور کے بخاری سید گھرانے میں پیدا ہوئے ۔ اس کا خاندان مذہبی اثر و رسوخ کی بنیاد پر سرحدی قبائل میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے خاندان کے انگریزوں سے اچھے مراسم تھے۔

شمس شاہ نے سرکاری ملازمت کا آغاز فروری ۱۸۸۶ء میں کیا۔ ملازمت کے دوران ابتدائی چند ماہ پنجاب میں رہے کچھ عرصہ بعد اس کا برٹش بلوچستان میں تبادلہ کر کے بحیثیت نیٹو (علاقائی) اسسٹنٹ خوجک پاس میں تعینات کیا گیا۔

بعدازاں شمس شاہ نے ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر پشین ، ذاتی علاقائی معاون A.G.G (ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل) اور ایکسٹرا سسٹنٹ کمشنر سیٹلمنٹ خدمات سرانجام دیں۔

دوران ملازمت بحیثیت سیٹلمنٹ آفیسر سبی، ہندو باغ (مسلم باغ) قلعہ سیف اللہ، دکی اور تحصیل بارکھان کے کچھ حصے میں جبکہ تحصیل کوئٹہ میں مستقل طور پر بندوبست اراضی کا کام پایا تکمیل تک پہنچایا۔

شمس شاہ نے کرنل '' C.E.Yet '' کی زیرنگرانی Russo Afghan Kusk Mission کے حوالے سے قندھار، فرح، ہرات اور مشہد کے دورے کئے۔ کیپٹن ہنری میکموئن کے ماتحت بلوچ، افغان سرحدی کمیشن میں خدمات سرانجام دیں۔

امرا خان (Umra Khan) جنڈول کے ساتھ ہندوستان کا دورہ کیا۔ سیستان ثالثی کمیشن کے تحت افغان، سیستان اور ایرانی سیستان بلوچستان، ریاست قلات اور ریاست قلات کے اجارے ہیں برطانیہ کو دیئے ہوئے سرحدی علاقہ جات کی حد بندی میں بھی کام کیا۔

امیر افغانستان کے دورہ ہندوستان کے دوران حکومت برطانیہ کی ایماء پر خصوصی طور پر ان کے ساتھ رہے۔

اس کے بعد شمس شاہ کو حکومت برطانیہ کی طرف سے خان آف قلات خان میر محمود خان کا سیاسی معاون (Political Agent) مقرر کیا گیا۔

ریاست قلات میں آمد کے ساتھ ہی خان کی طرف سے میر کا خطاب پایا۔ بہت جلد ہی اس نے خان محمود خان کے دل میں اپنے لئے جگہ بنالی۔

میر شمس شاہ نے جشن شاہی دربار کے سلسلے میں بلوچستان کیمپ دہلی میں خصوصی خدمات سرانجام دیں۔ سرحدی کاموں میں ان کے بڑھ چڑھ کر خدمات اور مثالی تجربات اور مقامی قبائلی روایات سے جان کاری کی بنا پر اسے شاہی جرگے کا صدر بنا دیا گیا۔ اپنی عیارانہ چالوں کی وجہ سے وہ بہت جلد ہی ترقی پا کر وزیراعظم ریاست قلات مقرر ہوئے۔

مختلف مواقع پر اسے خصوصی انعامات، تحفے وتحائف سے نوازا گیا۔حکومت برطانیہ کے لئے خصوصی خدمات سرانجام دینے کے اعتراف میں درجہ اول کے اسناد اوراعزازی سرٹیفکیٹس بھی عطا کئے گئے اورحکومت برطانیہ سے وفاداری کے صلے میں اسے تاعمر سالانہ ایک ہزار (۱۰۰۰) روپیہ عطا کرنے کا حکم صادر کیا گیا۔

بلوچستان میں برٹش گورنمنٹ سے وفاداری اور خدمات کے صلے میں انہیں برطانوی حکومت نے مختلف مواقع پر درج ذیل القابات سے نوازا۔

1- Khan Sahib
2- Khan Bahadur 3-6-1899
3- Companion of Imperial service order (i.S.O)-12-121911-
4- Mir- by khan of kalat.

خان آف قلات میر محمود خان کی آنکھوں کی بینائی کھو جانے کے بعد ریاست قلات میں اقتدار کی ڈوری وزیر اعظم ریاست قلات میر شمس شاہ نے اپنے ہاتھوں میں لے لی اور یوں انگریزوں کا نمائندہ وزیر اعظم سر شمس شاہ سیاہ وسفید کا مالک بن بیٹھا۔ وزیر اعظم سر شمس شاہ نے سرداروں کی ملی بھگت سے رعایا کی مالی، بجار، بیگار، رشوتوں، جرمانوں اور دیگر ناجائز وصولیوں سے عوام کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی ۔ وزیر اعظم اور سرداروں کی من مانیاں اور مظالم اپنے عروج پر تھیں تعلیم برائے نام تھی۔ ملکی باشندے ملازمتوں سے محروم تھے۔ غیر ملکی ملازمین ریاست قلات پر مسلط تھے۔ ریاستی عوام اپنے ملک میں ہی مظالم کے شکار اور ذلت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

سر شمس شاہ ریاست کے ہست ونیست کے مالک تھے۔ ہر شعبہ ہائے زندگی میں لوٹ مار عروج پر تھی۔ ریاستی سردار وزیر اعظم کے ہمنوا بنے ہوئے تھے۔ دوسرے الفاظ میں ٹٹو۔۔۔اور وزیر اعظم سر شمس شاہ ریاست قلات میں انگریز مفادات کو عملی جامہ پہنا رہے تھے۔

انجمن اتحاد بلوچستان کی نوجوان قیادت ایک جانب ایک ایسے ظالم و جابر خان اور اس دور کے خودسر وزیر اعظم سر شمس شاہ سے نبرد آزما تھی، تو دوسری جانب انگریز سامراج سے۔

یہ وہ دور تھا جب انڈین نیشنل کانگریس کی جدوجہد ایک ہمہ گیر قومی تحریک کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ خلافت تحریک اپنے عروج پر تھی اور ۱۹۱۷ء کے عظیم اکتوبر انقلاب کے اثرات دنیا بھر کی قومی اور عوامی تحریکوں میں سرایت کر گئے تھے۔

حوالہ جات:

۱۔بلوچی دنیا عبدالعزیز کردخودنوشت سوانح جون، جولائی ۱۹۶۸ءص ۲۸

۲۔بہ روایت خان مہردل خان، مولوی محمدالیاس ایضا ص ۲۹

۳۔بلوچی دنیا عبدالعزیز کردخودنوشت سوانح جون، جولائی ۱۹۶۸ءص ۳۴

۴۔کمیونسٹ انٹرنیشنل کا اطلاع نامہ شمارنمبر۶۔۷۔ ۱۹۲۰ء

۵۔ایضاً لینن کی تقریر۔ایشیاء کی بیداری ص ۶

۶۔گفتگو۔طارق محمودکھیتران وڈاکٹر جہانزیب جمالدینی ۔۲۰۰۸ء

۷۔عبدالرحمٰن کرد اولین بلوچ رہنما بلوچی دنیا جون جولائی ۱۹۶۸ءص ۳۷

۸۔میرعبدالعزیز کرد	خودنوشت سوانح	ایضاً		ص ۶۸
۹۔	ایضاً	ایضاً		ص۳۳
۱۰۔	ایضاً	ایضاً		ص۳۳
۱۱۔	ایضاً	ایضاً		ص۳۴
۱۲۔	ایضاً	ایضاً		ص۳۴
۱۳۔	ایضاً	ایضاً		ص۶۸
۱۴۔	ایضاً	ایضاً		ص۶۸
۱۵۔	ایضاً	ایضاً		ص۳۶
۱۶۔	ایضاً	ایضاً		ص۳۷
۱۷۔	ایضاً	ایضاً		ص۳۷

۱۸۔جوبلی نمبر۔بلوچستان گزیٹر۔۱۹۱۳ء

۱۹۔گفتگوامیرالملک مینگل ۱۹۷۶ء

۲۰۔ایضاً ایضاً

۲۱۔مجالس آغانصیرخان احمدزئی

باب دوئم

خاندان تعلیم وتربیت، مشاہدات وعازم سیاست

میر یوسف عزیز کا خاندان :

میر یوسف عزیز مگسی جو نومبر ۱۹۲۹ء میں برصغیر کے سیاسی افق پر ایک روشن ستارے کی طرح نمودار ہوئے اور آناً فاناً برصغیر خصوصاً ریاست قلات کی سیاسی افق پر چھا گئے۔ یہ اکیس سالہ نوخیز نوجوان مگسی قبیلے کے نواب گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ یوسف علی خان جنوری ۱۹۰۸ء میں ضلع کچھی کے دورافتادہ پسماندہ علاقہ جھل مگسی میں مگسی قبیلے کے سردار نواب قیصر خان مگسی سوئم کے گھر پیدا ہوئے۔نواب قیصر خان مگسی نے چار شادیاں کی تھیں۔پہلی بیوی میر نصرت خان مگسی کی بیٹی تھی جس کے بطن سے میر گل محمد پیدا ہوئے۔دوسری بیوی مائی حور بی بی میر قیصر خان بوہرزئی کی بیٹی تھی جس کے بطن سے میر محمد حسن نے جنم لیا، جو بچپن میں فوت ہوئے۔ تیسری بیوی مائی بیگم بنت نذر علی خان مگسی تھی۔جس سے دو بیٹیوں نے ولادت پائی جن کے نام مائی فیض بی بی وشکر بی بی تھیں۔چوتھی بیوی مائی پھلین جو نواب پسند خان زرکزئی کی بیٹی تھی۔اس کے بطن سے نوابزادہ محمد یوسف علی خان ایک بیٹی نازبی بی اور نواب زادہ محبوب علی خان پیدا ہوئے۔نوابزادہ یوسف علی خان نواب قیصر خان مگسی کے بیٹوں میں دوسرے نمبر پر تھے۔نوابزدہ یوسف علی خان کی شادی نوخیز جوانی میں ملتان میں مستاک خان نندانی مگسی کی بیٹی سے ہوئی۔نواب قیصر خان مگسی قبیلے کے بیسویں سربراہ (سردار) تھے اور پہلے نواب۔مگسی قبیلے کونوابی کا خطاب برٹش سرکار کی طرف سے یکم جنوری ۱۹۰۳ء کو ملا (۱)۔''نباب'' نواب کی اصطلاح Nababo سے ماخوذ ہے۔نبابو اسپانوی الاصل لفظ ہے۔جس کے لغوی معنی معاشی وسماجی حوالے سے بلند المرتبہ وقابل احترام شخصیت۔ برٹش امپائر میں اسمبلی ''ہاؤس آف لارڈ'' جس میں شاہی خاندان کے ممبران ''ہاؤس آف نباب'' (House of Nabab) جس میں بلندالمرتبہ قابل الحترام شخصیات اور ''ہاؤس آف کامن'' (House of Common) جس میں عوام کی رائے دہی سے منتخب اراکین پر مشتمل تھے۔

نباب ''Nabab'' مغل ایمپائر میں مغل بادشاہت کے ماتحت مسلم افسروں اور گورنروں کے لئے یہ اصطلاح استعمال کی جاتی تھی۔ برٹش انڈیا اوراس کے ماتحت ریاستوں میں تاج برطانیہ کی طرف سے برٹش ایمپائر سے وفاداری کے بدلے میں یہ خطاب بلندالمرتبہ شخصیات و باا ثر قبائلی سرداروں کومختلف اوقات میں دیئے گئے۔ برٹش انڈیا اور انڈین ریاستوں میں سینکڑوں لوگوں کواس خطاب سے نوازا گیا۔ بلوچستان میں یہ خطاب سب سے پہلے سردار میر جیھند خان بگٹی کو یکم مارچ ۱۸۹۰ء میں دیا گیا۔اسی طرح بالترتیب سردار خیر بخش مری کو یکم جنوری ۱۹۰۳ء، میر مہراللہ رئیسانی کو ۲۶ رجون ۱۹۰۸ء، سردار

پسند خان زرکرزئی کو ۲۶ جون ۱۹۰۹ء کو نوازا گیا اور ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کو نواب قیصر خان مگسی کو ملکہ برطانیہ کی طرف سے C.I.E (Companion of the most eminenty of the indian empire) کے خطاب سے نوازا گیا''۔(۲)
نواب قیصر خان مگسی اچھے خیالات کی حامل، روایت پسند شخصیت خوش اخلاق اور ملنسار طبیعت کے مالک تھے وہ مگسی قبیلے سمیت دیگر بلوچ قبائل میں بھی ہر دلعزیز تھے ''خندہ پیشانی'' کے سبب تمام قبائلی معتبرین و عام وخاص سے تعلقات رکھتے تھے۔ ہر ایک کی خبر گیری کرتے تھے۔ خوشی وغم میں شریک ہوتے تھے۔ غریب وغرباء کی مدد انتہائی کھلے دل سے کرتے تھے اور ہر کام خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے تھے۔ اسی لئے ان کی ملنسار طبیعت، خندہ پیشانی، ہمدردی اور سماجی تعلقات نے انہیں بلوچ قبائل میں انتہائی قابل احترام نواب کی حیثیت سے متعارف کرایا تھا۔ نواب قیصر خان مگسی کی ہر دلعزیزی اور عوامی پذیرائی اور قبائل میں مقبولیت اس وقت کے والئی ریاست قلات خان محمود خان کے انگریزی حکومت کے نامزد کردہ وزیر اعظم 'سر شمس شاہ' کو پسند نہ تھی۔ نواب قیصر خان کی یہی ذاتی خصوصیت اسے نوابی سے معزول کرنے کا سبب بنی اور یوں ۱۹۲۲ء میں اسے نوابی سے برطرف کر کے ان کے بڑے بیٹے گل محمد زیب مگسی کو مگسی قبیلے کے نواب کی حیثیت سے دستار بندی کی گئی معزولی نواب قیصر خان مگسی ۱۹۲۳ء میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ ملتان ہجرت کر کے چلے گئے جہاں انہوں نے جلاوطنی کی زندگی اختیار کی۔

نواب گل زیب مگسی جو نواب قیصر خان مگسی کے فرزند ارجمند تھے۔ بین اللسانی شاعر تھے عربی، اردو، فارسی، سندھی، سرائیکی، پنجابی اور براہوئی میں شاعری کیا کرتے تھے۔ شاعری میں کل وقتی ڈوبے ہوتے تھے فارسی کے بہت بڑے شاعر تھے۔ ان عالمانہ صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ وہ انتہائی ذہین، مرنجامرنج و خاموش طبع کے انسان تھے۔ انگریزوں اور وزیر اعظم ریاست قلات میر شمس شاہ نے اسے شطرنج کے مہرے کے طور پر استعمال کیا۔ نواب قیصر خان مگسی کو معزول کر کے اسے مسندِ نوابیت پر بٹھایا گیا۔ نوابزادہ یوسف علی خان مگسی کے سیاسی منظر عام پر آنے کے بعد اس کے مجذوبانہ طبیعت سے فائدہ اٹھا کر سر شمس شاہ نے اسے ایک ہتھیار کے طور پر یوسف علی خان کے خلاف استعمال کیا۔ وہ نوابزادہ کم سن یوسف سے سوتیلے بھائی ہونے کے ناطے کچھ نہ کچھ عداوت رکھتا تھا، عداوت کا ذکر یوسف علی کے تعلیم حاصل کرنے کے لئے لندن جانے کی درخواست میں ہے جو انہوں نے گرفتاری سے قبل پولیٹیکل ایجنٹ ریاست قلات کو لکھی تھی اور یوسف عزیز کے خطوط میں بھی اسی عداوت کا ذکر نمایاں ہے۔ نواب گل محمد زیب سر شمس شاہ کی مگسی قبیلے پر روا رکھے گئے ظلم و زیادتیوں پر خاموش تماشائی بنا رہا۔

تعلیم و تربیت:

نواب قیصر خان مگسی بلوچ اشرافیہ طبقہ سے تعلق اور قبائلی سربراہ ہونے کے ساتھ صدیوں سے نسل در نسل چلتے ہوئے روایتوں کے امین تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنے بیٹوں کی تعلیم و تربیت با قاعدہ کسی سکول یا ادارے میں دینے کی بجائے روایتی بنیادوں پر گھر میں دی، وہ بھی روایت پسند سرداروں کی طرح لکھنے پڑھنے کی حد تک۔ ابتدائی دینی، دنیاوی و سماجی تعلیم کے علاوہ قبائلی آداب و رسوم سکھانے کیلئے اس دور کے پائے کے تجربہ کار اساتذہ کے زیر سایہ انتظام کیا۔ میر یوسف عزیز مگسی کی روایتی

تعلیم وتربیت کی ابتداء ۱۹۱۳ء میں ۵ برس کی عمر میں ہوتی ہے مذہبی تعلیم وتربیت کیلئے یوسف علی کو قاری قاضی رسول بخش کے سپرد کیا گیا۔ جنھوں نے انتہائی محنت ولگن سے مذہبی تعلیم کے علاوہ درجہ کتب تک تعلیم دی بعدازاں چاچڑاں (بہاولپور) کے مولانا غلام قادر کی شاگردی میں فارسی، اردو اور عربی پر عبور حاصل کیا۔ انگریزی تعلیم کیلئے لاہور کے لالا کھنیا لال (بی، اے) کی شاگردی میں رہے جنہوں نے انتہائی محنت سے انگریزی پڑھائی اور درس اسلامیات قاضی رسول بخش سے حاصل کیا۔

یوں نوابزادہ یوسف علی خان دینی و دنیاوی علوم کے ساتھ ساتھ اپنے طور پر جدید علوم سے بھی فیض یاب ہونے کے لئے رات گئے تک مختلف موضوعات پر کتابیں پڑھتے رہے، علم حاصل کرتے رہے۔ کُتب بینی سے اس کی ذہنی صلاحتیں بڑھتی گئیں اور وقت وحالات کے ساتھ ساتھ آشکار ہوتی چلی گئیں اور اسی طرح لڑکپن سے جوانی میں قدم رکھتے ہی قبائلی امور میں دلچسپی لینے لگے۔

اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی خواہش:

نواب قیصر خان مگسی کے فرزند میر یوسف علی خان عزیز مگسی بچپن ہی سے باقاعدہ کسی اچھے ادارے میں تعلیم حاصل کرنے کا آس لئے انگلینڈ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے ''پولیٹیکل ایجنٹ قلات کو بمورخہ ۲۲ / جنوری ۱۹۳۰ء کو ایک درخواست لکھی جس میں انگلینڈ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کیلئے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ لیکن پولیٹیکل ایجنٹ قلات کی طرف سے اسے اعلیٰ تعلیم کیلئے کسی باقاعدہ سکول وادارے کی سٹیفکیٹ واسناد نہ ہونے کی بناء پر انگلینڈ جانے کی اجازت نہیں دی گئی''۔ (۳)

حالات وواقعات کا مشائدہ:

ریاست قلات کے خود سرد جابر وزیراعظم سر شمس شاہ کی کارستائیاں اور نواب گل محمد زیب کی نواب قیصر خان کی معزولی کیلئے ساتھ دینا اور دباؤ میں آ کر جائیداد کی نگرانی و دیکھ بھال سر شمس شاہ کے ہاتھوں میں سونپنا اور مگسی قبیلے کے عوام کو جبر کی زنجیروں میں جھکڑ کر بڑھتی ہوئی مداخلت نے یوسف علی کے ذہن میں اپنے اثرات مرتب کئے۔ ذہن پر اثر پذیر ہونے والے گہرے اثرات نے یوسف علی خان کی حساس طبیعت میں ہلچل سی پیدا کر دی اور ساتھ ہی اردگرد کے حالات و واقعات، ماحول کا اثر، ہندوستان میں آزادی کی تحریک کی روز بروز بڑھتی ہوئی ہردلعزیزی، وطن دوستی، تحریک خلافت مولانا ابوالکلام آزاد، ٹیگور اور مولانا ظفر علی خان کی پرجوش تحریروں اور علامہ محمد اقبال کی پرمغز شاعری سے اثر پذیر ہوکر انگریزوں کیخلاف برصغیر کی ہمہ گیر جدوجہد سے آگاہی حاصل کی۔

عازم سیاست:

> ۱۹۲۹ء کے اواخر میں میر یوسف علی خان عزیز مگسی سیاسی منظرنامے پر اچانک نمودار ہوگئے اور ڈاکٹر محمد عالم کے جریدے ''مساوات'' لاہور میں وزیراعظم ریاست قلات اور ریاستی سرداروں کے ظلم و

استبداد پر مبنی ایک مضمون ’ فریاد بلوچستان ‘ شائع کی اس مضمون کی اشاعت نے استبدادی حکمرانوں اوران کے کاسہ لیسوں کے ایوانوں میں خطرے کی گھنٹیاں (سائرن) بجادی ۔

فریاد بلوچستان :

(فریاد بلوچستان میں میر یوسف عزیز مگسی بلوچستان کے باشندوں سے بالعموم اور ریاست قلات کے باشندوں سے بالخصوص یوں مخاطب ہوتے ہیں) ۔

’’ وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اس سے بڑھ کر بے حسی اور کیا ہوسکتی ہے کہ بلوچستان بالخصوص ریاست قلات کے باشندے باجود زبردست قومی طاقت کے مالک ہونے کے آئے دن ذلیل اور بے عزت ہورہے ہیں ۔افسروں کے دفتروں کے سامنے کئی کئی گھنٹے محض اس امید پر کہ شاید ’’ درکعبہ ‘‘ واہواوران کو زیارت نصیب ہو ، بیٹھے رہتے ہیں ۔مگر اس کعبہ کو کیا پڑی ہے کہ اسکا در ایسے گرے ہوئے اور ذلیل وخوار طالبان دیدار کے لئے ایک منٹ کے لئے بھی کھل جائے ۔کیا ایسے حضرات سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ بلوچستان یا ہندوستانی کہلاسکیں گے اوراپنے ہندوستانی بھائیوں کے سامنے کھڑے ہوکراپنی کھوئی ہوئی عزت برقرار رکھنے کے لئے قربانیاں دیں گے ۔یا سرکاری افسروں کی متکبرانہ اورمتمرانہ رویہ کا اپنے جذبہ خودی اور غیرت سے انسداد کریں گے ۔حالات تو حد درجہ یاس انگیز ہیں ۔

بلوچستان کی حالت کس قدر افسوس ناک ہے ۔’ کاش ‘ کہ ایسے بے غیرت فرزند اس کی گود میں پرورش ہی نہ پاتے ،اورموت نے ان کا کام تمام کر دیا ہوتا ۔ باوجود اتنی حق تلفیوں کے کسی افسر کی ’’ ٹی پارٹی ‘‘ یا سر شمس شاہ وزیراعظم ریاست قلات کے ساتھ دو منٹ ہنس کر باتیں کرنا ، اگر کبھی نصیب ہوجاتا ہے تو بھی فوراً روحانی اور جسمانی معراج حاصل ہوجاتا ہے ۔رونا آتا ہے ان کی اس سمجھ پر !

اب دیکھئے سردار بہادر نواب محمد اسد اللہ خان رئیسانی کو سر شمس شاہ ریاست قلات کی آڑ میں ان کو دبا کر یہ چاہتے ہیں کہ وہ بھی اور سرداران بلوچستان کی طرح ان کی تعریف کے گیت گایا کریں ۔مگراور بلوچستان کا یہ غیور فرزند ایسی حرکات بھلا کیوں پسند کرے گا ۔اب ہمارے عقل کی بوالعجبی ملاحظہ ہو ۔کہ ریاست قلات کے دوسرے سردار صاحبان بجائے اس کے کہ اپنے ایک ایسے غیور بھائی کی ایک ناجائز امر پر امداد کرتے ، اپنی عزتِ قومی کا ثبوت دیتے ،وہ سر شمس شاہ خوان

کرم کی ریزہ چینیوں کی خاطر سردار صاحب موصوف سے قطع تعلق کرنے پر آمادہ ہوگئے ہیں۔ کیا یہی حضرات بلوچستان کی عزت کو قائم رکھ سکتے ہیں؟ شیخ سعدی علیہ رحمت نے خوب کہا کہ

''مرانان دہ کفش برسر بزن'' پٹھان اور بلوچ قوم ایک زبردست فاتح اور غیور قوم تھی اور سارے ہندوستان میں یہ علاقہ ایک طاقتور علاقہ سمجھا جاتا تھا مگر کون جانتا تھا کہ ہم اس طرح سے قصر ذلت میں گر جائیں گے اور اپنے شریف اور بہادر آباؤ اجداد اور ان کی شاندار تاریخ کو حرف غلط کی طرح مٹا دیں گے۔

نہ معلوم بلوچستانی کب بیدار ہوں گے؟ اور اپنے ان فاتح اور غیور آباؤ اجداد کا نام روشن کریں گے اور صحیح معنوں میں بلوچستانی اور ہندوستانی بنیں گے۔

آج ساری دنیا شاہراہ ترقی پر گامزن ہے۔ مگر بلوچستانی کچھ ایسے سوئے ہوئے ہیں۔ خدا کے لئے ساری دنیا کو اپنے پر ہنسنے کا موقع نہ دیجئے۔ یہی وقت ہے اگر اسلاف کا خون آپ میں ابھی تک موجود ہے تو اُٹھیے! اور اس طرح اٹھیئے، جس طرح کہ آپ کے اسلاف اٹھا کرتے تھے۔ سیاسی غلامی کے زنجیروں کو ایک نعرہ حریت لگا کر توڑ ڈالیئے اور قوموں کے لئے مشعل راہ بن جائیے۔ باہمی ضد و رقابت اور ان تمام لغویات کی بیخ کنی کر دیجئے اور صرف اس آتش رقابت سے اپنے سینوں کو مشعل کیجئے کہ جنگ آزادی میں آپ سے پہلے وہ جام نو شہادت نوش نہ کرے۔

خدا کے لئے بزدلانہ اور رجعت پسندانہ ذہنیت کو مٹھائیے اور دیکھئے کہ تاریخ کیا کہتی ہے مادر وطن کے سپوتوں کی ان قربانیوں سے سبق لیجئے۔ کاش! کہ بلوچستان بھی شہید وطن ''جیندر ناتھ'' جیسا ایک سپوت پیدا کرتا!'' (۴)

☆☆

میر یوسف علی خان کی قلم سے نکلنے والی روشنائی نے ایک طرف بلوچ عوام کی پہلی سیاسی پود کو ایک نئی طاقت، توانائی دی، نیا عزم وحوصلہ بخشا اور بلوچ عوام کے سوئے جذبات کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ایک نیا شعور، جوش و جذبہ اور نیا احساس پیدا کیا اور دوسری طرف اس مضمون نے انگریزوں، ریاست قلات کے حکمرانوں اور سرداروں کی نیندیں حرام کردیں۔

''فریاد بلوچستان'' کی صدائے بازگشت نے ریاست قلات اور برٹش بلوچستان کی سرحدوں کو عبور کرتے ہوئے برصغیر کے سیاسی رہنماؤں کی توجہ ریاست قلات اور بلوچستان کے اندرونی حالات و واقعات کی جانب مبذول کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔

یوسف علی خان کی گرفتاری اور سزا:

بالآخر جون ۱۹۳۰ء میں یوسف علی خان کو اس باغیانہ تحریر کی پاداش میں سبی سے گرفتار کر کے ریاست قلات میں واقع مستونگ جیل میں قید کیا گیا۔ سینٹرل جیل مستونگ میں آپ ۳۰/جون ۱۹۳۰ء تا ۱۸/جولائی ۱۹۳۰ء مقید رہے۔ ایام اسیری میں مستونگ انجمن اتحاد بلوچستان کے صدر میر عبدالعزیز کرد نے میر یوسف علی خان سے رابطہ کیا اور انہیں ’انجمن اتحاد بلوچستان‘ میں شامل ہونے اور اتحاد کے پلیٹ فارم سے جدوجہد کرنے کی دعوت دی، جسے میر یوسف علی خان مگسی نے قبول کر کے انجمن اتحاد بلوچستان کے پلیٹ فارم سے جدوجہد کرنے کا اعلان کیا۔

اسیر یوسف علی خان مگسی کو ۱۷/جولائی ۱۹۳۰ء کو ایک جرگہ (جس کے ممبران میں سردار محمد خان شاہوانی، سردار رسول بخش زرکزئی، سردار سمندر خان محمد شہی، سردار بہرام خان لہڑی اور سردار رسول بخش مینگل شامل تھے) کے روبرو پیش کیا گیا۔

’’میر یوسف علی خان کے خلاف شہادتیں سننے اور تحقیقات کر کے فیصلہ دینے میں جرگہ کو کسی قسم کی تکلیف نہیں دی گئی۔ رائے جرگہ سر شمس شاہ نے خود پہلے لکھ رکھی تھی۔ جو یوں تھی۔ یوسف علی خان کا مضمون نا درست اور غلط ہے اور اس قسم کے مضمون کا اخبار میں چھپوانا ریاست قلات کے لوگوں میں پہلے کسی نے نہیں کیا۔ اس مضمون کے علاوہ یوسف علی خان دیگر طور سے بھی ریاست قلات کے انتظام میں خلل اندازی اور بدامنی پھیلانے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ وہ کانگریسی خیالات رکھتا ہے اور بلوچستان کے بعض بدخیال اشخاص کی سازش سے متاثر ہو کر جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ ممبران جرگہ نے محض رسمی طور پر بیٹھ کر اس پر اپنے دستخط ثبت کئے۔ محرر نے رائے جرگہ پڑھ کر میر یوسف علی خان کو سنائی۔‘‘ (۵)

یوں میر یوسف علی خان کو مضمون چھپوانے کے علاوہ، ریاستی عوام کو بغاوت پر ابھارنے کار سرکار میں خلل پیدا کرنے ’کانگریسی خیالات رکھنے اور بلوچستان کے چند شر پسندوں کی ایماء پر‘ ’ریاست قلات کی حدود کے اندر بدامنی پیدا کرنے کے جرائم کی پاداش میں ایک سال بمقام زہری گھٹ سردار رسول بخش زرکزئی کی زیر نگرانی نظر بند رکھنے کا حکم دیا گیا۔ (۶) اور بارہ ہزار نو سو روپے جو بوقت گرفتاری اس کی جیب میں تھے بحق سرکار ضبط اور دس ہزار روپے بوقت رہائی ضمانت نیک چلنی، جمع کرنے کا حکم صادر کیا گیا اور ۱۷/جولائی ۱۹۳۰ء کو یوسف علی خان کو مستونگ سے منتقل کر کے زہری گھٹ (موضع پندران) میر اللہ ڈنہ زہری کے ہاں سردار رسول بخش زرکزئی کی زیر نگرانی نظر بند کیا گیا۔ موضع پندران ’’بے ذات‘‘ پہاڑی کے دامن میں واقع ہے جو سرسبز و شاداب ہے۔ یوسف عزیز کو اسی موضع میں میر اللہ ڈنہ زہری کے گھر کے سامنے پہاڑی ٹیلے پر واقع بالا خانہ (مہمان خانہ) میں رکھا گیا۔

میر عبدالعزیز کرد اور ان کے رفقاء دوران نظر بندی یوسف علی خان سے مسلسل رابطے میں رہے انہیں حالات و واقعات سے روشناس کراتے رہے اور ان سے سیاسی و تنظیمی امور پر مشاورت لیتے رہے۔

رہائی اورانجمن کی قیادت:

جولائی ۱۹۳۱ء میں ایک سال نظر بندی کا عرصہ بمقام پندران زہری گھٹ گزارنے کے بعد آپ کو رہا کیا گیا۔ زہری گھٹ سے میر یوسف عزیز مگسی سیدھے جھل مگسی تشریف لے گئے۔ جہاں انہوں نے کچھ دن قیام کیا۔اس کے بعد واپس کوئٹہ تشریف لے آئے اور میر عبدالعزیز کرد کو کوئٹہ پہنچنے کا پیغام بھیجا۔ میر عبدالعزیز کرد فوراً کوئٹہ ان کی خدمت میں پیش ہوئے۔ میر یوسف عزیز جو کہ پہلے ہی سے دوران اسیری انجمن کے ممبر بن چکے تھے'' انہوں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے تین نوجوانوں کا تعارف میر عبدالعزیز سے کروا کر انہیں بھی ممبر بنانے کی سفارش کی یہ تینوں نوجوان میر عبدالرحمٰن بگٹی (نواب محراب خان بگٹی کے بڑے صاحبزادے) میر شہباز خان نوشیروانی اور ڈاکٹر فیض محمد خان شاہوانی (میر غلام محمد شاہوانی کے والد)''(۷) کچھ دنوں کے بعد میر یوسف عزیز مگسی انجمن کی دعوت پر کوئٹہ سے مستونگ تشریف لے گئے۔'' میر یوسف عزیز کو مستونگ سے بذریعہ سائیکل پڑنگ آباد لایا گیا جہاں انجمن اتحاد بلوچستان کے رہنماؤں نے آپ کا شایان شان والہانہ اور پرتپاک استقبال کیا اور پڑنگ آباد مستونگ میں ایک اجلاس کے دوران میر عبدالعزیز کرد نے میر یوسف عزیز مگسی سے انجمن کی قیادت سنبھالنے کی درخواست کی۔ مستونگ میں انجمن کے اسی اجلاس میں میر یوسف عزیز مگسی انجمن اتحاد بلوچستان'' کے صدر اور میر عبدالعزیز کرد انجمن کے سیکرٹری جنرل چنے گئے۔''(۸)

میر یوسف عزیز مگسی کے صدر بنتے ہی انجمن نے علی الاعلان ریاست قلات میں سیاسی تحریک چلانے کی ابتداء کی جس سے سیاسی صورتحال میں معجزاتی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئیں۔ اس سے قبل انجمن اتحاد بلوچستان گذشتہ کئی سالوں سے زیرزمین سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھی۔ میر یوسف عزیز مگسی کے صدر بنتے ہی اس کے ارکان علی الاعلان پارٹی پروگرام لے کر ریاست قلات کے طول وعرض میں نمایاں ہوئے اور پارٹی کے اغراض ومقاصد کو آگے بڑھانے کے لئے سرگرم ہوگئے۔ ریاست کے ملازمین کی ایک بڑی تعداد پہلے ہی سے انجمن اتحاد بلوچستان کے پروگرام سے متفق ہوکر خفیہ طور پر پارٹی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھی۔ انہیں اس طرح خفیہ رہنے کا مشورہ دیا گیا۔

انجمن کے پاس پڑھے لکھے دانشوروں کی ایک اچھی خاصی کھیپ موجود تھی اور کل وقتی ارکان کی ایک اچھی تعداد شاہراہ زندگی کے کٹھن اور پرپیچ راہوں پر گامزن تھے جو عوام کے دکھوں، آلام ومشکلات کو مدنظر رکھ کر انہیں ایک سچی'' بنیادی وکیفیتی تبدیلی'' سے ہمکنار کرنے کے لئے سرگرم تھے، پارٹی پروگرام کو عوام کی دہلیز تک پہنچانے کے لئے شب وروز مصروف جہد تھے۔ انجمن کی قیادت اور کل وقتی ارکان ایک کمٹمنٹ کے ساتھ، نظریات کے فروغ کے لئے، قومی وعوامی امنگوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اپنے مشن کے ساتھ وابستہ رہے اور سچے انقلابیوں کی طرح مفلوک الحال عوام اور پسے ہوئے طبقات کے لئے برسرپیکار رہے۔

یوسف عزیز مگسی اور میر عبدالعزیز کرد بلوچ قبائلی و روایتی سماج میں زندگی بسر کرنے والی بلوچ قوم کے خیالات و نفسیات سے واقف تھے انہوں نے علمی بنیادوں پر تحقیق کے ذریعے اپنے پیشروؤں کی جدوجہد کی ناکامیوں وغلطیوں کا ادراک کرکے دنیا میں رونما ہونے والی تحریکات کا مطالعہ کیا۔سماجی ارتقاء کے قوانین سے آشنائی حاصل کی اور اپنے سماج کے بنیادی خدوخال کا گہرائی سے جائزہ لے کر سماجی تبدیلی کے لئے انہوں نے ایک آئینی ڈسپلن پر منظّم تنظیم کی داغ بیل ڈالی ۔قومی آزادی کی جدوجہد کے اہداف کو اپنا نصب العین بنایا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ'' قومی آزادی کی تحریک'' کی بنیادیں ''Basis'' سامراج دشمنی ، فیوڈل دشمنی پر استوار ہوتی ہیں اور انہی بنیادوں پر قومی آزادی کی تحریکات کا بالائی ڈھانچہ ''Super Stracture'' قائم کیا جاسکتا ہے اور ان نقاط کے بغیر قومی آزادی کی تحریک آزادی بخش تحریک نہیں کہلاسکتی۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ محنت کش طبقے کی عالمی تحریک اور قومی آزادی بخش تحریکات جدلیاتی طور پر ایک دوسرے سے باہم مربوط ہیں چنانچہ دیگر سامراج دشمن، فیوڈل دشمن تحریکات کے ساتھ رشتے جوڑ کر مختلف قوموں کے باہمی اشتراک سے قومی نا برابری ظلم وتشدد اور استحصال سے چھٹکارا پایا جاسکتا ہے اور بغیر اشتراک عمل اور ان اہداف کے'' قومی آزادی کی تحریک'' کو اس کے منطقی انجام تک پہنچانا ناممکن ہے!

وہ اسی فلاسفی کو جان کر اپنے سماج کے چلانے والی قوانین کا ادراک کرکے 'انجمن اتحاد بلوچستان' کو قومی آزادی بخش تحریک کے انہی نقاط پر منظّم کیا۔اپنے عوام میں گھس کر اور ان سے سماجی وحدت جوڑ کر آگے بڑھے۔وہ اپنے عوام کے درمیان رہے ان کے دکھ درد میں برابر کے شریک رہے اور ان کے غموں کا مداوا کرنے والی سوچ وفکر سے ذرا بھی غافل نہیں رہے بلکہ یوسف عزیز ہروقت یہی دعا کرتے رہے کہ'' خدایا مجھے اتنی استطاعت مرحمت عطا فرما کہ مجھے کبھی بھی بے حسی کی نیند نصیب نہ ہو اور صرف اسی مقصد کے لئے جاگتا رہا ہوں تاکہ میرے جاگنے سے قوم جاگ اٹھے'' (۹) یہ ہے میر یوسف عزیز کی دعا جسے وہ ہر نماز کے بعد بارگاہ خداوندی کے حضور صدق دل سے اور عاجزی کے ساتھ التجائی انداز میں مانگتے تھے۔

انجمن اتحاد بلوچستان نے بلوچ ٹرائبل اور نیم فیوڈل سماج کو میر یوسف عزیز مگسی وعبدالعزیز کرد کی رہنمائی میں جدید بلوچ نیشنلزم کا نعرہ دیا اور نیشنلزم کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا نیم فیوڈل اور ٹرائبل سوسائٹی کے بطن سے جدید نیشنلزم کی سوچ کو ابھارا،اور بلوچ نیشنلزم کے ہتھیار کو انگریز سامراج کے خلاف استعمال کیا۔انجمن کے جدید نیشنلزم کے نعرہ نے عوام کو حرکت دے کر انہیں پارٹی پروگرام تلے جمع کیا اور اس طرح بہت جلد انجمن اتحاد بلوچستان نے میر یوسف عزیز مگسی اور میر عبدالعزیز کرد کی ولولہ انگریز قیادت کی بدولت ایک تحریک کا روپ دھار لیا،اس طرح اب انجمن اتحاد بلوچستان جس کا پروگرام اپنے سماجی حالات اور عوامی امنگوں سے مربوط تھا ایک انقلابی جدوجہد کی صدا بن گئی ایک ایسی صدا جس نے ظلم و جبر پر قائم ریاست قلات اور برٹش سامراج کے ایوانوں میں زلزلہ برپا کیا۔

حوالہ جات:

۱۔ برٹش فائل

۲۔ گوگل سرچ

۳۔ سرکاری دستاویزات سے

۴۔نصیر گل خان ہماری سیاسی جدوجہد رہبر نسواں کوئٹہ ۱۶ر جون ۱۹۵۴ء

۵۔ایضاً غیر مطبوعہ کتاب

۶۔میر گہور خان زرکزئی گفتگو ۱۹۷۹ء

۷۔کرد عبدالعزیز خودنوشت سوانح بلوچی دنیا۔ص ۳۹ جون، جولائی ۱۹۶۸ء

۸۔ملک فیض محمد یوسفزئی گفتگو

۹۔اثیر عبدالقادر سوانح میر یوسف عزیز مگسی

باب سوئم

شمس گردی

سیاسی بھونچال، ریاستی جبر و مگسی ہجرت!

وزیر اعظم ریاست قلات سر شمس شاہ کا دور ریاست قلات کی تاریخ کا سیاہ ترین دور کہلاتا ہے۔ ریاستی عوام پر ظلم و جبر اپنے عروج پر تھا۔ بربریت کا دور دورہ تھا۔ جبر سے بیگار لی جاتی تھی سر شمس شاہ کی ایماء پر غیر ملکی ملازمین کے ذریعے لوٹ مار کا بازار گرم تھا رشوت و بخشش حدود پار کر چکے تھے۔ انگریز حکومت اپنے نامزد کردہ وزیر اعظم ریاست قلات شمس شاہ کی ہر طرح سے مدد و حمایت کر رہی تھی کیونکہ برٹش گورنمنٹ وزیر اعظم ریاست قلات سر شمس شاہ کے ذریعے ریاست قلات میں اپنے مقاصد کو عملی جامہ پہنا رہی تھی انجمن اتحاد بلوچستان کے علی الاعلان سیاسی منظر پر آنے اور یوسف عزیز کی قیادت میں شہر شہر گاؤں گاؤں میں تنظیم کاری کرنے، عوام کو ریاستی حکمرانوں کے کرتوتوں، انگریزوں کے عزائم سے آگاہ کرنے اور انجمن اتحاد بلوچستان کے ایک قومی انقلابی پارٹی کی شکل اختیار کرنے سے انگریزوں اور ریاستی حکمرانوں میں کھلبلی سی مچ گئی اور حالات نے سیاسی بھونچال کی شکل اختیار کر لی۔ کروٹ بدلنے والے ان حالات سے خطرہ بھانپتے ہوئے انگریزوں اور وزیر اعظم ریاست قلات سر شمس شاہ کی ایما پر ناظم جھل مگسی سردار موہن سنگھ نے نومبر ۱۹۳۱ء میں جھل مگسی میں ظلم و ستم کی انتہا کر دی اور وزیر اعظم سر شمس شاہ نے امن و امان میں خلل ڈالنے کے خطرہ کے پیش نظر برٹش بلوچستان کے AGG (ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل) کی توسط سے میر یوسف عزیز مگسی کو کوئٹہ میونسپل حدود کے اندر رہنے کا پابند کر دیا۔

انگریزوں اور ریاستی حکمرانوں کی ان چیرہ دستیوں کے خلاف پورے علاقہ جھل مگسی میں عوامی جذبات بھڑک اٹھے، پھر بھڑکتے ہوئے ان عوامی جذبات نے ایک منظّم تحریک کی شکل اختیار کی اور حالات اس حد تک بگڑ گئے کہ پورا قبیلہ مگسی جھل مگسی کو خیر آباد کہتے ہوئے سندھ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے قافلے در قافلے علاقہ جھل مگسی سے ہجرت کر کے سندھ کے اندر داخل ہونا شروع ہو گئے۔ میر یوسف عزیز مگسی اور میر عبدالعزیز کرد اور دیگر رہنمایان انجمن ان حالات سے بے بہرہ نہیں رہ سکتے تھے اور جلد ہی میر عبدالعزیز کرد نے انجمن اتحاد بلوچستان کا اجلاس کوئٹہ میں طلب کیا کیونکہ میر یوسف عزیز مگسی صدر انجمن اتحاد بلوچستان کو کوئٹہ کی حدود میں پابند رکھا گیا تھا یہ ضروری تھا کہ اجلاس کوئٹہ میں ہو۔ کوئٹہ میں طلب کئے گئے انجمن کا اجلاس رانی باغ کے مقام پر منعقد ہوا جس میں انجمن اتحاد بلوچستان کے اجلاس کی صدارت میر یوسف عزیز مگسی نے کی اجلاس میں خصوصاً جھل مگسی کے حالات پر غور و خوض کیا گیا اور متفقہ طور پر یہ طے پایا کہ انجمن کے صدر میر یوسف عزیز مگسی برٹش

بلوچستان کی طرف سے کوئٹہ کی حدود میں رہنے کی پابندی توڑ کر فوراً جھل مگسی پہنچ جائیں، اور ہجرت کرنے والے قافلوں کی قیادت کریں (۱) پارٹی فیصلے کو مدنظر رکھ کر میر یوسف عزیز مگسی کوئٹہ حدود میں رہنے کی پابندی توڑ کر جھل مگسی پہنچ گئے اور ہجرت کرنے والے قافلوں کی قیادت سنبھال لی دیکھتے ہی دیکھتے ہجرت کرنے والے لوگوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تقریباً چالیس ہزار باشندگان علاقہ نے جھل مگسی سے ہجرت کی۔ (۲) جس سے انگریزی حکومت اور ریاستی حکمران حیران و پریشان ہوکر اور حیرت زندہ رہ گئے۔ حالات ان کے کنٹرول سے باہر ہوگئے تھے وزیراعظم ریاست قلات سر شمس شاہ نے بگڑتے ہوئے ان حالات اور ٹھاٹھیں مارتے ہوئے مگسی قبیلے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی ہجرت کو دیکھ کر اور کیا کر سکتا تھا سوائے اس کے کہ اپنے ظلم و زیادتیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے کہ میر یوسف عزیز مگسی کے خلاف مقدمہ دائر کریں اس مقدمہ کے لئے انہوں نے آپ کے بڑے بھائی نواب گل محمد زیب تمندار قبیلہ مگسی جو پہلے ہی سے یوسف علی خان سے سوتیلا بھائی ہونے کے ناطے عداوت رکھتا تھا سے یہ حلفیہ بیان لکھوا دیا کہ میر یوسف عزیز مگسی نے مگسی ایجیٹیشن کی سرپرستی کی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھوایا کہ نوابزادہ یوسف علی خان مگسی قبیلے کی تمنداری کے لئے مجھے قتل کروانے کے درپے ہے"۔ (۳)

ادھر میر یوسف عزیز نے ہزاروں کی تعداد میں ہجرت کرنے والے خیمہ زن لوگوں کے انتظام اور دیکھ بھال کے لئے مگسی قبیلے سے تعلق رکھنے والے پارٹی ورکروں کی ایک کمیٹی بنائی اور خود مگسی قبیلے کے معززین کے ایک وفد کے ہمراہ اس ظلم و ستم و ہجرت پر وائسرائے ہند سے تبادلہ خیال کے لئے دہلی چلے گئے جہاں انہوں نے وائسرائے ہند سے ملاقات کی اور انہیں ریاست قلات کے وزیراعظم سر شمس شاہ کے ڈھائے گئے ظلم و ستم جبر چیرہ دستیوں سے آگاہ کیا۔

انجمن کا ہنگامی اجلاس:

دہلی سے وفد کی واپسی پر میر یوسف عزیز مگسی لاہور پہنچ گئے۔ لاہور پہنچتے ہی انہوں نے میر عبدالعزیز کرد سے بذریعہ خط رابطہ کرکے انہیں لاہور آنے کا کہا خط میں میر یوسف عزیز مگسی نے لکھا تھا کہ " کام زیادہ ہے اور میں اکیلا ہوں آپ بلا تاخیر لاہور پہنچ کر میری مدد کریں"۔ خط کے ملتے ہی میر عبدالعزیز کرد نے پارٹی کا ایک ہنگامی اجلاس بمقام کوئٹہ طلب کیا۔ اس اجلاس میں میر عبدالعزیز کرد، میر عبدالرحمٰن بگٹی، میر شادی خان گرانی، میر شہباز خان نوشیروانی، ڈاکٹر فیض محمد شاہوانی، ملک میر احمد خان سالانی اور کچھ دیگر پارٹی قائدین نے شرکت کی اس اجلاس کی صدارت میر عبدالرحمٰن بگٹی نے کی" (۴) اجلاس میں میر عبدالعزیز کرد نے میر یوسف عزیز مگسی کا خط پیش کیا اور ساتھ ہی اپنی ڈائری بھی پیش کی۔ جس میں وقتاً فوقتاً ریاست قلات اور وزیراعظم سر شمس شاہ کے ظلم و زیادتی کے سیاہ کارنامے نوٹ کئے گئے تھے۔" اجلاس میں متفقہ طور پر فیصلہ کیا گیا کہ میر عبدالعزیز کرد میر یوسف عزیز مگسی کی معاونت کے لئے فوراً لاہور چلے جائیں اور اس ڈائری کو کتابی شکل دے کر "شمس گردی" کے نام سے شائع کیا جائے" (۵)

سمس گردی کی اشاعت:

سمس گردی ایک کتابچے کی شکل میں بیک وقت دو زبانوں فارسی اور اردو میں ترتیب دی گئی تھی۔ سمس گردی کا اردو ایڈیشن ہنگامی طور پر ۲۰ رنومبر ۱۹۳۱ء کو میر یوسف عزیز مگسی اور میر عبدالعزیز کرد کے دستخطوں سے زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔ سمس گردی وزیراعظم ریاست قلات سرسمس شاہ کی شخصی اور سرکاری بے اعتدالیوں ظلم و جبر وغنڈہ گردی اور بلیک میلنگ کی ایک داستان ہے جس میں سرسمس شاہ کے سیاہ کرتوتوں کی نقاب کشائی کی گئی تھی۔ میر عبدالعزیز کرد کی قلم سے وزیراعظم ریاست قلات سمس شاہ کے چہرے کے سیاہ کارناموں پر لکھی گئی سمس گردی بمعہ تمہید ۶۵ صفحات پر مشتمل ہے اور عرض حال (دیباچہ) دو صفحات پر مبنی ہے جسے میر یوسف علی خان عزیز نے تحریر کیا ہے۔ دیباچہ کے بعد دو صفحات پر مبنی شاعری اس کتابچے میں شامل ہے۔ ایک صفحے پر ''جذبات آزار'' کے عنوان سے آزار بلوچ مسلم الرحمٰن کی شاعری ہے (مسلم الرحمٰن فرضی نام ہے اصل نام ہے عبدالرحمٰن بگٹی) میر عبدالرحمٰن بگٹی نواب محراب خان بگٹی کے بڑے صاحبزادے تھے جو ایک روشن خیال دانشور اور قومی تحریک کے صف اول کے قائدین میں سے تھے اور یہی نظم میر عبدالرحمٰن بگٹی کی تصنیف ''محراب گردی'' میں بھی شامل اشاعت ہے اور دوسرے صفحے پر میر یوسف عزیز مگسی کی ایک فارسی ''نظم'' جو سمس گردی کے لئے خصوصی طور پر تحریر کی گئی تھی شامل ہے۔ ان سب کے ساتھ مل کر ''سمس گردی'' ۶۹ صفحات پر مبنی ہے۔

سمس گردی کے مصنفین اور اکابرین بلوچ رہنماؤں نے مذکورہ کتابچے میں اپنے عہد کے معروضی حالات کے پیش نظر مصلحت پسندی و حکمت عملی کے تحت، قلات خانیت کی حدود میں شہریوں کے ساتھ روا رکھے گئے مظالم اور جابرانہ رویے کی تمام تر ذمہ داری سرسمس شاہ وزیراعظم قلات کے سر عائد کی تھی اور خان قلات و قلات خانیت کے دیگر حاکم اجزاء کو بری الذمہ قرار دے دیا تھا۔ امکان غالب ہے کہ یہ اقدام وزیراعظم قلات کو خانیت کی قبائلی سماجی اور اخلاقی حمایت سے محروم رکھنے کی شعوری کوشش ہو۔ کیونکہ خان قلات کی بلوچ رعایا جس کی اکثریت جدید سیاسی رجحانات سے نابلد اور قبائلی روایات واحترام سے بندی ہوئی تھی خان قلات کے خلاف کسی قسم کی گفتگو سننے پر بہ آسانی آمادہ نہیں ہوسکتی تھی اور اگر اتحاد بلوچستان ایک ہی وقت خان قلات و وزیراعظم قلات کے خلاف مورچہ زن ہوجاتے تو سرسمس شاہ کو قدیم قبائلی رواج ونفسیات کے دامن میں محفوظ پناہ گاہ مل جاتی۔

چنانچہ عوامی (قبائلی) حمایت سے محروم کرنے یا اسے عام آدمی کی قدامت پرستانہ تقدس کے حصار سے علیحدہ کرنے میں کامیابی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ریاست قلات کی حدود میں جمہور کے مفاد کی تازہ ہوا چلنے لگی اور سرسمس عوامی تائید سے محروم ہوتا گیا۔

مذکورہ حکمت عملی اپنے عہد کے معروضی منظرنامہ میں قابل قبول مگر اب اکیسویں صدی میں کوئی بھی سماجی سیاسی تجزیہ کار

ومورخ خان قلات کے ریاستی فرسودہ سانچے کو وزیراعظم سر شمس شاہ کے منفی اور عوام دشمن کردار کی ذمہ داری سے مبرا قرار نہیں دے سکتا۔ اگر کوئی فرد آج بھی خان قلات کے احترام میں مذکورہ دوئیت کی حمایت کرے گا تو بالواسطہ طور پر اسے خان قلات یا قلات خانیت کی نااہلیت کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔

میں اکابرین کے نقطہ نظر کی تائید اور عہد جدید کی سوچ و تجزیے میں توازن وہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

عرضِ حال

شمس گردی کا عرض حال (دیباچہ) کی شروعات اردو کے ایک شعر سے ہوتی ہے:

”نہ ستیزہ گاہ جہاں نئی، نہ حریف پنجہ فگن نئے
وہی فطرت اسدالٰہی وہی مرحبی وہی تمتری“

دنیا نئی نہیں ہے اور نہ ہی پنجہ آزمانے والے نئے ہیں وہی فطرت اسداللہ وہی آفرین شاباشی دینے والے اور تباہ و برباد کرنے والے (٦) عرض حال میں یہ شعر اظہار کا ایک حوالہ ہے۔ ایک اثر پیدا کرنے والی دلکش تحریر کی شروعات بسم اللہ سے ہوتی ہے۔

عرض حال میں میر یوسف علی خان نے قارئین پر واضح کیا کہ ”یہ کتاب تو نہ ہی کسی خاص فرد نہ ہی کسی خاص جماعت کے لئے لکھی گئی۔ ایک فرد ایک جماعت جسے اس داستان الم سے کچھ رغبت ہو اس کا مکتوب الھیہ بن سکتا ہے“ اور اس مکتوب کا محرک یوسف علی خان نے اس جذبے کو گردانا ہے جو آیت الکریمہ ‘ [illegible] جو مختصر مگر جامع اور بلیغ الفاظ میں مستور (پوشیدہ) ہے۔ میر یوسف عزیز عرض حال ہی میں انتہائی مختصر جامع الفاظ میں کچھ اس طرح مخاطب ہوتے ہیں۔

”یہ ایک جماعت کی داستان بربادی ہے اور احساس بیداری ہے، بیسویں صدی کے فرعون کے لئے عصائے موسوی ہے برداران وطن کی بے حسی اور تن آسانی کے لئے ایک تازیانہ بیداری ہے“۔ (٧)

شمس گردی لی ابتدائیہ عرض حال جو مختصر لیکن انتہائی فصیح و بلیغ معنی لئے ہوئے ہے۔ بے حس، تن آسان اور اپنی ہی دنیا میں کھوئے ہوئے لوگوں کے دلوں میں احساس بیداری پیدا کرنے والے، یوسفی درد میں ڈوبے ہوئے الفاظ عرض حال میں لکھے گئے۔ اس یوسفی تحریر سے مرجھائے ہوئے چہرے دمک اٹھے۔ سینوں میں چھپے ہوئے ملی وقومی جذبات نے انگڑائی لی اور ان الفاظ نے ایک نئی تب وتاب کے ساتھ تحریک کو توانا و جاندار بنا دیا۔ یوں یوسفی حال نے سناٹوں کو توڑتے ہوئے فضاؤں کو چیرتے سرحدات پار کر کے چاروں سمت گونجنے لگا۔ یوسف عزیز کے عرض حال کا اختتامیہ قومی درد کا احساس رکھنے والے حضرات کے نام

اس اپیل سے ہوتا ہے جو کہ اقبال کے ایک شعر پر محیط ہے۔

''اٹھ، کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق ومغرب میں تیرے دوَر کا آغاز ہے''

تمہید:

شمس گردی کی ابتداء بنام'' خداوند سمیع وعلیم'' سے ہوتی ہے اس کے بعد ایک شعر ہے ؎

میں جانتا ہوں کہ محبت میں ہے زیاں لیکن
معاملہ ہی کیا ہوا گرزیاں کے لئے؟

ایک ایسے دور میں جہاں ظلم و جبر زیادتیوں کا بازار گرم ہو، حکمرانوں کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہوں انہیں محبت اور پیار سے سمجھانا اپنے آپ کو نقصان پہنچانا ہو، پھر بھی انجمن کے رہنماؤں کا کام ہی محبت اور پیار سے سمجھانا تھا۔ معاملے کی تلافی کے لئے نقصان اٹھانا پڑے تو اس نقصان وخسارے کا بوجھ بھی وہ اپنے کندھوں پر اٹھانے کے لئے ہر طرح سے تیار تھے میر عبدالعزیز کرد اور میر یوسف عزیز مگسی اور ان کے رفقاء کار محبت کی زبان سے سمجھانے والے لوگ تھے۔ قلم والے لوگ قلم کی حرمت رکھنے والے لوگ۔ کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ ''قلم بندوق سے زیادہ طاقتور ہے''(۸) اور'' محبت کی زبان تمام زبانوں پر غالب ہوتی ہے''۔(۹)

تمہید میں میر عبدالعزیز کُرد لکھتے ہیں'' اس سے قبل جو کچھ ریاست قلات کے وزیراعظم سر شمس شاہ کے ظلم واستبداد کے حوالے سے اخبارات میں ہم لکھتے رہے ہیں اس سے ظلم استبدا د کی صرف اجمالی صورت بے نقاب ہوتی ہے''۔(۱۰) میر یوسف عزیز مگسی اور میر عبدالعزیز کرد شروعات میں انتہائی نرم و دھیمے الفاظ میں اپنی تحریروں کے ذریعے وزیراعظم ریاست قلات سر شمس شاہ کو سمجھانے کی کوشش کرتے رہے اور اس کے برعکس وزیراعظم ریاست قلات نے انجمن کے پیار ومحبت کے بدلے انتہائی حقارت ونفرت بھرے پیغامات شائع کروائے۔ جس کے جواب میں انجمن کی طرف سے زمیندار کی اشاعت ۱۷ نومبر ۱۹۳۱ء میں یہ اعلان کیا گیا کہ'' وزیراعظم کی شخصی بے اعتدالیوں کو تفصیل کے ساتھ بے نقاب کرنے کی مہم عنقریب جاری کی جائے گی''۔(۱۱)

انجمن کے اکابرین جو تنقیدی مضامین برائے اصلاح معاشرہ شائع کرواتے رہے وہ اس پہلو کی صرف ایک جھلک تھی جو اجمالی تھی۔ اس بات کی توقع بھلا وزیراعظم ریاست قلات سر شمس شاہ سے کیسے کی جاسکتی تھی کہ حقیقت کو مدنظر رکھ کر اپنے گریبان میں جھانک کر اپنا جائزہ لیں اس سے یہ توقع ہی نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ غیر ذمہ دارانہ روش سے اجتناب بھرتے گا۔

انجمن کے قائدین میر یوسف عزیز مگسی اور میر عبدالعزیز کرد نے مختلف جرائد میں اپنے مضامین کے ذریعے وقتاً فوقتاً اسے رائے راست پر لانے کے لئے اور سیاہ کرتوتوں سے باز رہنے کے لئے وزیراعظم ریاست قلات کو آئینہ دکھانے کی کوششیں کیں لیکن انجمن کی ان اصلاحی کی کوششوں کو کمزوری سمجھ کر وزیراعظم ریاست قلات 'سرشمس شاہ' اپنی ڈگر پر چلتا رہا۔ بھلا اس پر 'امر بالمعروف نہی عن المنکر' کی نصیحتوں کا کیا اثر پڑتا۔ البتہ اسے اپنی روش بدلنے کے لئے کافی وقت ملا کہ وہ ریاستی عوام کی غیر انسانی صورتحال کی خبر لے، ان کی شکایات کا جائزہ لے اور ان کے دکھ درد سے لبریز زندگی کی مشکلات و تکالیف دور کرنے کے لئے اقدامات کرے۔

سرشمس شاہ تدبر و دور اندیشی سے سوچنے والا عقل مند، معاملہ فہم انسان کہاں تھا بجائے اصلاح کے انتقام کی آگ میں جلنے لگا اور اپنے ہمنواء اور ہم پیالہ سرداروں کا جمعہ بازار لگا کر وہ محلاتی سازشوں میں مصروف ہو گیا۔

سرداران ریاست قلات وزیراعظم ریاست قلات سرشمس شاہ کی بڑھ کر قصیدہ گوئی کرنے اور انجمن کی سیاسی تحریک اور مگسی ہجرت کی مخالفت میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی دوڑ میں کمربستہ نظر آتے تھے اور وزیراعظم کی ہر قسم کی حکم بجا آوری کے لئے حیوانوں کی طرح ''Attention'' کھڑے تھے اور وزیراعظم ''سرشمس شاہ'' خود نمائی اور خود ستائی کے مرض میں مبتلا۔

وزیراعظم ریاست قلات خود سری کی تمام حدود پار کر چکے تھے وہ ایک مست ہاتھی کی طرح نصیر خان دوئم کے عہد حکومت میں طے پانے والے حکومت برطانیہ اور ریاست قلات کے مابین ہونے والے ان معاہدوں کو بھی پاؤں تلے روند چکا تھا۔ جن کی روح سے ''ریاست کے تمام قبائل اپنے قومی نظام میں ہر طرح سے آزاد تھے''۔ (۱۲)

''تمہید'' میں حکومت برطانیہ اور دربار قلات کو رونما ہونے والے ان حالات و واقعات سے مبرا کر دیا گیا ہے جو چالیس ہزار افراد پر مشتمل مگسی ہجرت کا باعث بنے اور اس ہجرت کی تمام تر ذمہ داری وزیراعظم سرشمس شاہ کی ہٹ دھرمی، غیر سرکاری و شخصی بے اعتدالیوں کو قرار دیا گیا ہے اور قبائلی نظام آزادی میں مداخلت کا مجرم گردانا گیا ہے۔ اس کی خود ساختہ من گھڑت پالیسی کو اپنی ذاتی خواہشات شخصی نام و نمود بڑھانے اور انا پرستی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قبائلی نظام آزادی میں مداخلت کو اس کے اس ذاتی سیاہ صفات کا روپ قرار دیا گیا ہے، سرداروں سے اختیارات لے کر اور حلفیہ بیان کے ذریعے اپنے آپ کو مختار خاص مقرر کروانا، یوسف علی خان کے خلاف اس کے بھائی سے اقدام قتل کا حلفیہ بیان لکھوانا، جائیدادیں ضبط کروانا اور اپنے آپ کو انتظام کار مقرر کروانا، سرداروں کو زیر نگین رکھ کر انہیں اپنا آلہ کار بنانا یہ ایسے اقدامات تھے جو وزیراعظم کی شخصی خواہش پر مبنی تھے اور جس کے پس پردہ ذاتی عناد کارفرما تھا سرشمس شاہ کے ان اقدامات نے قبائلی نظام آزادی میں خلل پیدا کر کے امن وامان

کی صورت حال بدل ڈالی۔انجمن کے قائدین نے وزیراعظم کے آمرانہ رویے میں اصلاح کی کوششیں کیں۔مضامین کے ذریعے اخباری بیانات کے ذریعے پرامن احتجاج کے ذریعے لیکن سر شمس شاہ کا ذہن کہاں بدلنے والا تھا۔حرص و ہوس، ذاتی خواہشات اورانا پرستی اس کی رگ وپے میں بس چکی تھی سر شمس شاہ سے اصلاح کی امیدیں ٹوٹ چکی تھیں ۔ بہ حالت مجبوری چالیس ہزارنفوس پر مشتمل مگسی ہجرت وقوع پذیر ہوئی۔

میر عبدالعزیز کرد میر یوسف عزیز مگسی سیاسی لوگ تھے۔سیاست کی ابجد سے آگاہ، سیاست کے آداب سے واقف !ان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ بغض میں آکر غیر ذمہ دارانہ بات کریں گے ان کی فکرونظر کا کینوس بہت بڑا اور وسیع تھا۔ان کے دماغوں میں وسیع النظر نظریات بسے ہوئے تھے اور کبھی بھی انہوں نے اپنے ان نظریات سے روگردانی نہیں کی، کیونکہ وہ رونما ہونے والے واقعات کی جانچ اندرونی تضادات سے کرتے تھے اوران کے اسباب سے ان کے نتائج اخذ کرتے اور سازگار خارجی عوامل کی نشان دہی کرتے اوران تضادات کو پروان چڑھانے اسباب سے نتائج پیدا کرنے کے لئے مددگار کے فرائض انجام دیتے یہی سچائی ہے ارتقاء ہے اور ارتقاء کے وہ مدارج میں جو ادنیٰ سے اعلیٰ وسادہ سے پیچیدہ کی طرف بڑھتے ہیں ،جڑیں نکالتے ہیں ،پھلتے ہیں پھولتے ہیں ،نشوونما پاتے ہیں۔

میر عبدالعزیز کرد نے ''تمہید'' میں مگسی قبیلے کی ہجرت کوان اسباب کے نتائج سے تعبیر کیا ہے ،جو وزیراعظم ریاست قلات سر شمس شاہ کے اپنے پیدا کردہ ہیں۔وہ تمہید میں رقمطراز ہیں کہ'' والئی ریاست (خان محمود خان ثانی) کی معذوری بصارت سے لے کرآج تک تمام اختیارات حکومت عملاً وزیراعظم سر شمس شاہ کے ہاتھ میں ہیں جو کہ اس ریاست قلات میں ایک مطلق العنان ڈکٹیٹر کی حیثیت اختیار کئے ہوئے اور سیاہ وسفید کا مالک ہے''(۱۳)

میر عبدالعزیز کرد شمس شاہ کو خوشامد پسند طبیعت رکھنے والا، ذاتی جاہ وجلال کا بھوکا اور حد سے زیادہ درشت (تند) مزاج ڈکیٹر قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''عمر ۷۰ سال سے زیادہ ہوگئی ہے لیکن طبیعت میں کوئی نرمی پیدانہیں ہوئی قلب کے اندر رعایا یا کسی بھی انسان کے واسطے ہمدردی کی گنجائش بالکل نہیں، شب وروز جابرانہ طریق پر زندگی بسر کرنے کا ایسے عادی ہوا ہے کہ غریب سائلوں کے ساتھ ہی ذلت آمیز اورنازیبا سلوک کیا جاتا ہے۔دفتر کے غریب و بے بس ''پیشکاروں کو توکتوں سے بھی بدتر سمجھ کر ایک ایسے دل آزار پیرایہ میں خطاب کیا جاتا ہے جو غیر مہذب لوگ بھی کم استعمال میں لاتے تھے''(۱۴)

سر شمس شاہ نفسیاتی مرض میں مبتلا برتری کا شکار تھا۔دوسروں کو تکلیف پہنچانے سے وہ سکون محسوس کرتا تھا وقت و حالات کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے وہ سرکاری ملازمت میں ترقی کی سیڑھیاں چڑھتا ہے جس سے اس کے مزاج میں بھی تبدیلیاں

رونما ہوتی گئیں اور ساتھ ساتھ اس کے تیور بھی بدلنے لگے۔ خان محمود خان ثانی کی بصارت کھوجانے سے اس نے محمود خان کا نعم البدل بننے کی کوششیں کیں، کسی حد تک وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی ہوا۔ یہاں تک کہ ''ریاست کے قبائلی سردار چاہے اس کی مخصوص پالیسی سے اختلاف بھی رکھتے تھے۔ تب بھی اس کے آگے ناک رگڑتے رہے اور اس طرح سے سرداروں کو اپنے آہنی پنجہ میں رکھ کر ریاست میں من مانی کارروائی کرتے رہے اور سرداروں کو اسکی مرضی کے آگے چوں و چرا کرنے کی جرات حاصل نہ ہو''۔ (۱۵)

وزیر اعظم سرشمس شاہ نے اپنے ماتحت افسران کو بے لگام چھوڑا ہوا تھا۔ افسران کی من مانیاں، رشوت، ظلم وستم کا بازار گرم تھا اور ریاستی عوام ان کے مظالم کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے، عوام کی حالت زار، بدحالی، کسمپرسی وزیر اعظم اور اس کے ریاستی افسران کی مفاد پرستی عوام دشمنی انسانیت کشی پر انجمن کے قائدین تماشائی نہیں بنے بلکہ ایک آہنی دیوار بن کر عوام کے ساتھ کھڑے رہے، اور عوام کے دکھ، درد کی ترجمانی کرتے رہے۔

مگسی قبائل کا احتجاج ہزاروں افراد کی آگہی و شراکت داری کے ساتھ وقوع پذیر ہوا۔ احتجاج کا اثر انتہائی شدت کے ساتھ نمودار ہوا۔ انجمن کے قائدین کی عملی شمولیت سے اس احتجاج کا اثر انتہائی شدت کے ساتھ فوری اور وسیع طور پر سامنے آیا تو وزیر اعظم ریاست قلات کی غیر سرکاری و شخصی بے اعتدالیوں اور عوام دشمنی کو منظر عام پر لانے کے لئے شمس گردی کو حقائق سے مزین کر کے عوامی کرب کے ساتھ جدلی طور پر مربوط کیا جو اپنے عہد کی ناانصافیوں، خودغرضیوں، استحصال، آمرانہ، رویوں اور عوامی پسماندگی کو آشکار کر کے ایک انقلابی آہنگ کے ساتھ نمودار ہوئی یہ انقلابی گھن گرج ایک تیز دھار تلوار کی مانند سرشمس شاہ کے استبدادی نظام کی جڑوں کو کاٹتی رہی اور ایک آسیب کی طرح ریاست قلات کے وزیر اعظم سرشمس شاہ اور اس کے حواریوں (سرداروں) کے سروں پر منڈلاتی رہی۔

قبائلی آزادی کی پامالی:

بلوچ قومی معاشرتی نظام ریاست قلات میں خان نصیر خان اول کے وقت مختلف قبائل کے باہمی اتحاد و تعلقات سے وجود میں آیا تھا۔ یہ قومی معاشرتی نظام: مختلف قبائلی اکائیوں پر مشتمل تھا اس نظام کے اندر ہر قبیلہ اپنے دائرے کے اندر خود ایک برادری نظام پر مبنی تھا، جو قبیلہ کے مختلف حصوں کو باہمی اشتراک سے قبائلی رسوم و رواج کے ذریعے اپنے اندر سمیٹا ہوا تھا۔ ہر قبیلہ اپنے اپنے داخلی فیصلوں میں خودمختار تھا۔ قبیلے کے افراد اپنے مشترکہ مفادات کا تحفظ مل جل کر کرتے تھے جس کا اپنا ایک تاریخی پس منظر ہے۔

بلوچ قومی معاشرتی نظام میں قوانین اور ضابطوں کے ذریعے قبائل کے مابین تعلقات کو

باضابطہ بنانا اور قبیلے کے سربراہان کا ضابطوں پر عمل کرنا ضروری گردانا جاتا تھا۔ ریاست قلات کے اندر مروّج قوانین بلوچ قبائل کو پابند بنانے والے ضابطوں کی شکل میں تھے جو ریاست کے اندر قومی اتحاد کا اظہار کرتا تھا۔

اس قومی معاشرتی نظام میں ابتداء سے انگریزی گورنمنٹ کو مداخلت سے باز رکھا گیا۔ لیکن وزیراعظم ریاست قلات سر شمس شاہ کی بلوچ قومی معاشرتی نظام میں مداخلت، اپنی مرضی ٹھونسنے، نظم ونسق کو اپنے تابع کرنے، من مانے طریقے سے چلانے اور قبائل کو اپنے زیر اثر رکھنے سے متعلق شمس گردی میں ان واقعات کو بطور حوالہ درج کیا گیا ہے۔

''وزیراعظم سر شمس شاہ نے مینگل قبیلے کی آزادی سلب کرنے کی کوشش کی اور سردار رسول بخش مینگل کے وزیراعظم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے انکار پر وزیراعظم نے اسے پھانسنے کے لئے فرضی مقدمات قائم کئے اور بناوٹی شہادتوں سے ان کو ثابت کرا کر سردار کو گرفتار کر کے قید کروایا۔ سردار رسول بخش مینگل ایک تعلیم یافتہ اور روشن خیال نوجوان تصور کئے جاتے تھے جسے وزیراعظم سر شمس شاہ نے تعلیم یافتہ ہونے کے ناطے اور اعتدال پسند ذہن رکھنے کی پاداش میں مجرم گردانتے ہوئے سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا''۔(۱۶)

''وزیراعظم کا دوسرا حملہ مگسی قبیلے کی آزادی پر ہوا اور اسی قبیلہ کے سردار میر گل محمد زیب خان سے جبراً یہ لکھوایا کہ مگسی قبیلے اور میری جائیداد کا انتظام وزیراعظم کے ذریعے کیا جاوے کیونکہ میں بیمار ہوں چونکہ یہ تحریر سردار گل محمد زیب سے زبردستی لکھوائی گئی تھی۔ اس لئے بعد میں اس کارروائی کے خلاف سردار مذکور نے برٹش حکام کے سامنے احتجاج کیا جس سے وزیراعظم مشتعل ہوگیا اور اس نے سردار گل محمد خان کو بھی گرفتار کر کے نظر بند کرا دیا اور اس کی جاگیر پر اپنا نائب بٹھا دیا''۔(۱۷)

''تیسری کارروائی وزیراعظم نے یہ کی کہ قبیلہ محمد حسنی کے سردار خان صاحب رستم خان پر جو ۶۰ سال کا ایک ضعیف العمر مگر غیور سردار تھا چند فرضی مقدمات میں ملوث کر کے قید کیا گیا''۔(۱۸)

قدیم ریاستی دستور کے تحت کسی بھی سردار کی معزولی کی صورت میں اس کا جانشین یا قائم مقام اسی قبیلے کے قابل افراد سے چنا جاتا ہے شمس گردی میں قبائلی آزادی کی پامالی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ''وزیراعظم نے شاہی نظام کی قدیم روایات کو بالکل نظر انداز کر کے ان تینوں قبائل کو اپنے نائبوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا''۔(۱۹)

شمس گردی میں سر شمس شاہ کی ریشہ دوانیوں اور قبائلی آزادی کی پامالی کے سلسلے میں ایک اور دلچسپ واقعہ شامل کیا گیا ہے جو کہ سردار اللہ یار خان کے بارے میں ہے وہ یہ کہ سردرا اللہ یار رستم زئی ولد سردار میر بختیار خان نے ۱۹۲۲ء میں سر شمس شاہ

کی آئے روز کی مداخلت سے تنگ آ کر افغانستان ہجرت کرلی اوراب وہاں مستقل سکونت اختیار کر کے افغانی رعایا میں سرکاری طور پر شمار ہوتا ہے۔سردار میر بختیار خان کے مستقل افغانستان میں سکونت اختیار کرنے کے بعد رستم زئی قبیلے نے اس کے بڑے بیٹے میر اللہ یار خان کو جانشین مقرر کیا۔قبیلے کے تمام طائفوں نے اس کی دستار بندی کی لیکن سر شمس شاہ نے اس کی دستار بندی کی راہ میں حائل ہوکر اسے سردار تسلیم کرنے کی بجائے گھر میں نظر بند کر دیا اور ظلم یہ کہ اس سے اپنے باپ کی ہجرت کے بعد کے حاصل شدہ پیداوار کا معاوضہ طلب کیا''۔(۲۰)

شمس گردی میں ''میر اللہ یار کو تعلیم یافتہ اور آزاد خیال ظاہر کیا گیا ہے جو وزیر اعظم کے ظلم وستم کو ناپسند کرتا ہے بس یہی اس کا قصور ہے جسے وہ بھگت رہا ہے۔''

قبائلی آزادی کی پائمالی کے سلسلے میں شمس گردی میں ''نواب قیصر خان کی سرداری سے بیدخلی، جاگیر سے بے دخلی اور اس کے بعد کے واقعات کی تفصیل بیان کی گئی ہے جو مگسی قبیلے کی آزادی سلب کرنے کے حوالے سے ہے اور مگسی قبیلے کے سردار گل محمد خان کو وزیر اعظم کے آہنی پنجوں کی گرفت میں ظاہر کیا گیا اور مزید یہ کہ مگسی ہجرت کرنے والوں کے مطالبات میں ایک مطالبہ'' سردار گل محمد خان کی رہائی کا مطالبہ ہے اسے اس کی سرداری پر بحال کرنے اور اس کی موٹر واپس دینے کا مطالبہ بھی شامل ہے''۔(۲۱)

شمس گردی میں میر یوسف علی خان کے خلاف انتقامی کارروائیوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور وزیر اعظم سر شمس شاہ کی دلی خواہش کو بھی رقم کیا گیا ہے کہ'' میر یوسف علی خان کی پوزیشن کو اس طرح داغدار بنا کر اس کی سرگرمیوں کو جو ملک وقوم کی بہبود کے لئے ہیں، بے اثر بنایا جائے تاکہ پبلک آپ کی ہر قومی سرگرمی کو ذاتی غرض مندی سمجھ لے''۔(۲۲)

مگسی قبیلے پر حالیہ ڈھائے گئے مظالم کو سیاسی عناد قبائل آزادی میں مداخلت اور سر شمس شاہ کی ریشہ دوانیوں اور بلوچ قومی قبائلی نظام کو اپنے من کے مطابق چلانے ،اپنے زیر اثر رکھنے، ریاست میں تسلط کو دوام بخشنے سے تعبیر کیا گیا ہے مگسی قبیلے کی ہجرت اور اس سلسلے میں دیگر بلوچ قبائل میں ہلچل کو انہی کارروائیوں کا ردعمل قرار دیا گیا ہے۔

کسانوں پر مظالم:

کسی بھی معاشرے میں زندگی بسر کرنے والے لوگ بے شمار امتیازات میں بٹے ہوتے ہیں جو قومیت ،قبیلہ، طائفہ، سماجی امتیازی حیثیت ،جنس، پیشہ وغیرہ وغیرہ پر مشتمل ہیں یہ امتیازات ہر معاشرے میں بنیادی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، ان امتیازات سے اس معاشرے کی طبقاتی حد بندی واضح کی جاسکتی ہے اور اس معاشرے کی اقتصادی تشکیل کا کھوج لگایا جاسکتا ہے معاشرتی اقتصادی تشکیل جو لوگوں کی معاشی سرگرمیوں کی خاصیت بیان کرتی ہے یہ معاشرتی مظاہر اور تعلقات کا ایک نظام ہے جو

پیداوار کے طریقوں پر محیط خاص قوانین کے تحت نشوونما پاتا ہے ۔ معاشرتی و اقتصادی تشکیل سماجی زندگی کے اسی طریقہ پیداوار سے معین ہوتا ہے جو اس کے لئے موزوں ہے بلوچ معاشرہ جو اس وقت مختلف سماجی امتیازات میں بٹا ہوا تھا اور جو نیم جاگیردارانہ قبائلی سماج کے ستونوں پر کھڑا تھا ہر قبیلے کا اپنا علاقہ تھا اور زمینیں تھیں ، زمین قبائل کے طائفوں میں بٹی ہوئی تھی ۔ زیادہ تر زمینوں کا انحصار فطرتی وسائل پر تھا جو ''خشکابہ'' زمینیں کہلاتی تھیں ۔ تھوڑی بہت زمینوں کا دارومدار کاریزات پر تھا جو اب خشک ہو چکی ہیں ۔ کاریزات کی جگہ اب ٹیوب ویلوں نے لے لی ہیں اور تھوڑی بہت نہری زمینیں جو ضلع نصیر آباد کے علاقے میں واقع تھیں ۔ اکثر قبائل اب تک خانہ بدوشانہ زندگی بسر کرتے ہیں جن کی معیشت کا دارومدار گلہ بانی ہے یہ مستقل سکونت کہیں نہیں رکھتے اور چراگاہوں کی تلاش میں اب تک سرد سے گرم علاقوں کی طرف اور پھر موسم گرما کی آمد کی نوید سنتے ہی گرم سے سرد علاقوں کی چراگاہوں کی طرف رخت سفر باندھتے ہیں اور جن کا آشیانہ بھیڑوں کی اون سے بنا ہوا خیمہ ''گدان'' ہے بلوچ سوسائٹی کے ان امتیازی صفات کے حامل طبقوں میں کاشتکار طبقہ جو بنیادی اہمیت کا حامل طبقہ تھا یہ ترقی پذیر اور خوشحال طبقہ بھی تھا اور جو پیداوار سے منسلک بھی ۔ پیداوار انسانوں کا سرگرم با مقصد و باشعور مادی عمل ہے ، جو فطرت کو انسانی ضروریات کے مطابق ڈھالتا ہے کاشتکار جو اب بھی بلوچ معاشرے کی اقتصادی تشکیل میں اہم کردار کا حامل ہے ۔ ریاست قلات میں شمس شاہ کا غیض وغضب تنہاء قبائل تک محدود نہیں تھا بلکہ ریاست قلات میں زندگی بسر کرنے والے تمام طبقے وزیراعظم کے قائم کردہ ظلم و استحصال کی چکی میں پستے رہے ، چونکہ کاشتکار طبقہ ان طبقوں میں خوشحال ، دولت مند ، طبقہ کہلاتا تھا اس لئے دوسرے طبقوں سے زیادہ یہی کاشتکار طبقہ شمس شاہی کے ظلم وستم کا نشانہ بنا اور اس کے استحصالی پنجوں کی گرفت میں تلخ زندگی گزارتا رہا ۔

شمس گردی میں اس طبقے پر مظالم کو بیان کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ '' ریاست کے قدیم شاہی نظام حکومت کی رو سے کاشتکاران ریاست قلات پر صرف چند ایک مخصوص خدمات امدادی طور پر بلا معاوضہ بجالانی ضروری تھیں ۔ مثلاً شاہی اصطبل کے جانوروں کے واسطے سرکاری قیمت سے خرید شدہ گھاس و چارہ کو کسی کھیت یا بازار سے احاطہ اصطبل تک پہنچانے کی خدمت باری باری ہر ایک کاشتکار کو بلا معاوضہ انجام دینی پڑتی تھی اور وہ بھی بلا کسی جبر و کراہ کے ! لیکن آج بیسویں صدی میں کاشتکاران ریاست کے کندھوں پر سے اس بلا معاوضہ خدمت کا بوجھ اتر نہیں سکا بلکہ جب سے انتظام حکومت وزیراعظم نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے اس بلا معاوضہ امدادی خدمت کو کاشتکاران ریاست کے ذمہ ایک بیگار کی صورت میں تبدیل کر دیا گیا ہے چنانچہ اب سڑکوں پر پانی چھڑکنے کا کام بھی بیگاری طور پر کاشتکاروں سے کرایا جاتا ہے ۔ جب کبھی وزیراعظم یا کسی دوسرے افسر کا دورہ باہر کے علاقے میں نکلتا ہے تو عمارات ، احاطہ جات ، سرکاری اور سڑکوں کی صفائی و درستی کا کام بھی بطور بیگار زمینداران سے کرایا جاتا ہے یا جب کبھی بڑا انگریز حاکم حدود ریاست میں مدعو کیا جاتا ہے تو اسے خوش کرنے کے واسطے تزئین و آرائش کا جس قدر انتظام کیا جاتا ہے وہ تمام بیگار پر مفت کرایا جاتا ہے اور اس طرح کے بیگار میں طلبائے مدارس کو بھی حصہ لینے پر مجبور کیا جاتا ہے'' ۔ (۲۳)

یہ ہے کاشتکاران ریاستِ قلات پر بیگار کی روائیداد۔ کاشتکاران ریاست جو کم وبیش صدیوں سے اس ریاستی بیگار کے پہلے ہی سے شکار تھے وزیراعظم نے انہیں مزید زنجیروں میں جکڑ دیا تاکہ پیداوار کا یہ خالق طبقہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو سکے اور اردگرد کے ممالک کے طبقوں کی زندگی کی سرگرمیوں میں حصہ لینے والی ہواؤں ،اور زندگی کی ہلچل سے دور رہے۔ یہ تھا کاشتکار طبقہ اوراس پر لاگو بلامعاوضہ بیگار کا قانون، لیکن وزیراعظم نے مستقبل کے معماروں طلباء کو بھی نہیں بخشا انہیں بیگار کی زنجیروں میں جکڑنا، تعلیم اور زندگی سے دور رکھنے کے مترادف ہے تاکہ مستقبل کا معمار طبقہ غلامانہ زندگی بسر کرنے کا ابھی سے عادی ہوجائے"۔ (۲۴)

بیگار بغیر اُجرت محنت کا استحصال ، زمانہ قدیم سے انسانی سماج کے ساتھ پیوست چلا آرہا ہے غلامانہ سماج اور جاگیردارانہ سماج میں کمزور طبقات پر حاکم طبقات کی طاقت کے ذریعے حکمرانی ، غلاموں کی تجارت ، بغیر معاوضہ محلات کی تعمیر ،نہروں کی کھدائی اور کھیتوں میں کام اور استحصال کے دیگر ذرائع بالائی طبقے کی دولت جمع کرنے کا ذریعہ رہے۔

ریاست قلات میں انگریزوں کا مسلط کردہ خان محمود خان کے وزیراعظم سرشمس شاہ نے اپنے انتہائی جابر ظالم باس (جس کی نظیر خوانین قلات کی تاریخ میں نہیں ملتی) کے نقش قدم پر چل کر خان کی بصارت کھو جانے کے بعد اپنی حکمرانی مستحکم بنانے ،رعایا کو دبانے کے لئے بیگار سمیت جبر کے تمام حربے استعمال کئے۔

کسی برٹش افسر کے دورے کے موقع پر کاشتکاران ریاست وطلباءِ مدارس کے علاوہ عام لوگوں کو بیگار کے طور پر سڑک کے دونوں اطراف تشریف لانا ہوتا تھا۔ان لوگوں کو اس وقت تک کھڑا ہونا پڑتا تھا جب تک وہ گزر نہیں جاتے۔اکثر سرکاری عمارات کی تعمیر میں اجرتی مزدوروں کے دوش بدوش ریاستی لوگوں سے مفت اور بلا معاوضہ بیگار لی جاتی تھی۔ضلع کچھی (نصیر آباد ڈویژن) کے طول وعرض میں جتنی بھی سڑکیں بنیں بیگار سے مفت تعمیر کرائی گئی تھیں اور بعد میں یہ دستور بنادیا گیا کہ ان سڑکوں کی درستی ومرمت کاشت کاروں سے جبراً کروائی جاتی رہے فصلات کی کاشت اور کٹائی کے وقت بھی بیگار لینے میں زیادتی کی جاتی تھی۔اس طرح غریب کاشتکاروں سے فصلات کی کاشت وکٹائی کے وقت بیگار لے کر انہیں ناقابل تلافی نقصان پہنچایا جاتا تھا اور بربادیءِ فصلات کے ناقابل تلافی نقصان کے سلسلے میں کوئی رعایت نہیں بھرتی جاتی تھی اور آمدنی سے زیادہ محصول ،مالیہ بدنصیب کاشتکاروں سے وصول کیا جاتا تھا"ان بیگاری حربوں کے علاوہ درج ذیل مظالم کی تفصیل شمس گردی میں دی گئی ہے۔

۱۔ "تمام منہدم شدہ کاریزات سے برابر مالیہ وصول کیا جاتا تھا"۔ (۲۵)

۲۔ "مقدمات آب واراضی میں کورٹ فیس وصول ہونے کے باوجود متنازعہ پیداوار کو روکنے کے واسطے تین روپے فیصدی مزید معاوضہ وصول کیا جاتا تھا۔ حالانکہ اس قسم کے اجناس کو سرکاری تحویل میں رکھا بھی نہیں جاتا بلکہ دکانداروں کے پاس امانتاً

رکھا جاتا تھا اوران کو بھی کوئی معاوضہ نہیں دیا جاتا تھا اس قسم کی عائد شدہ فیس شاہی نظام حکومت میں پہلے بالکل نہ تھی۔ بلکہ یہ شمس شاہ کی مہربانی ہے چونکہ اس فیس کا تعلق آب واراضی کے مقدمات سے ہے اس لئے اس کا بوجھ بھی کاشتکاروں کے مظلوم طبقے پر پڑا۔'' (۲۶)

۳۔ موسم خزاں میں باغات کی برگ ریزی کے موقع پر پہلے کوئی مالیہ مقرر نہ تھا وزیراعظم سرشمس شاہ نے برگ ریزی، پر نیا محصول لگا کر کاشتکاروں پر نیا احسان فرمایا۔

۴۔ '' ایستادہ فصلات، آلو، پیاز وغیرہ پر بھی محصول جمعداری کے نام سے ایک نیا ٹیکس لگایا گیا جو اس سے قبل کھڑی فصلات پر بالکل نہ تھا صرف اس پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اس نئے محصول جمعداری کے حق کو ٹھیکہ پر دینے کے لئے بولی شروع کی گئی اوراس بولی کو لالچ میں ملتوی کر کے طول دیا جاتا تھا حتیٰ کہ کھڑی فصلیں تباہ ہوجاتی تھیں۔ لیکن نیلامی محصول ختم ہونے میں نہیں آتی تھی''۔ (۲۷)

۵۔ '' کچھّی کے بعض علاقہ جات میں نیلی دسمہ اور کپاس پر وزیراعظم نے خاص محصولات لگا کر کاشتکاروں کی کمر توڑ دی جس کے نتیجے کے طور پر کاشت بند ہوئی اور پیداوار مفقود ہوگئی''۔

۶۔ '' نادار اور مفلس کاشتکاران جو کاریزات انہدام اوراراضی ریگ برد ہونے سے نان شبینہ سے جو محروم ہوگئے تھے ان کاشتکاروں کو ان کے غیر آباد برباد شدہ آب واراضی کے مالیہ کے واسطے بری طرح سے مظالم کا تختہ مشق بنایا گیا اور مالیہ کی وصولی کے لئے ان کاشتکاروں اوران کے عزیز واقارب کو زیر حراست رکھ کر مالیہ وصول کیا جاتا تھا، فوجداری مقدمات میں بھی جرمانے کی وصول کے لئے بندے کے ساتھ ساتھ اس کے عزیز واقارب کو بھی زیر حراست رکھا جاتا تھا اور دوران حراست انہیں خوراک نہیں دی جاتی تھی بلکہ کھانا پینا زیر حراستی پر تھا''۔ (۲۸)

'' مالیہ اور جرمانہ کے علاوہ حراستیوں سے بیگار بھی لی جاتی تھی۔ مالیہ اور جرمانہ نہ دینے پر گھر کا سامان نیلام کر کے معاشی نقصان پہنچا کر مفلوج کیا جاتا تھا''

شمس گردی میں وزیراعظم کے نائبوں کا تذکرہ کر کے کہا گیا ہے کہ

'' راشی، بدنیت اور بدمزاج نائبوں کی فرعون دماغی اور لاپرواہی نے اس حد تک اندھیرا مچا رکھی تھی کہ زمینداروں کی فصلات کٹ چکنے کے بعد صاف ہونے کے ۶۔۷ ماہ بعد تک بٹائی کرنے نہیں آتے اکثر بارش سے غلہ میدان میں پڑا رہنے کی وجہ سے بھیگ جاتا تھا اور ضائع ہوجاتا تھا'' ایسا رویہ شمس شاہ کے نائبین قصداً کاشتکاروں سے روا رکھتے تھے جس کے نتیجے کے طور پر ریاست کی اقتصادی حالت بد سے بدتر ہو جانے لگی سرداروں اور ریاستی ملازمین کے علاوہ کسی کو اطمینان کا ایک لمحہ بھی نصیب نہیں ہوتا تھا''۔ (۲۹)

یہ رہی ریاست اور ریاست کے لوگوں کی روز بروز گرتی ہوئی معاشی حالت جو وزیراعظم ریاست قلات اور ان کے نائبین کی وجہ سے وقوع پذیر ہوتے شمس گردی میں ان حالات کا جائزہ لیتے ہوئے حکومت ریاست قلات پر زور دیا گیا ہے۔ کہ وہ ''ناجائز وصولیوں، بغیر اجرت کے بیگار اور دیگر ناجائز نامناسب حرکات سے باز رہے اور اپنی رعایا کو معاشی دلدل میں دھکیلنے کی بجائے اس کی حالت کو درست کرے، بے روزگار عوام کو روزگار فراہم کیا جائے۔ کاشتکاروں سے ہمدرانہ رویہ اختیار کر کے ان کے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لئے ان کی مدد کی جائے تاکہ ریاست اقتصادی طور پر مستحکم صورت اختیار کرے جو حکومت اور عوام دونوں کے لئے فائدہ مند ہے۔

''منہدم کاریزات اور ریگ بر داراضی کو دوبارہ تعمیر و آباد کرنے کے لئے کاشتکاروں کی مالی مدد کی جائے'' شمس گردی میں کاشتکاروں کی زمینوں سے حاصل کئے گئے فصلات کی ریاست کی حدود سے باہر لے جانے کی پابندی پر کھڑی تنقید کی گئی تھی اور مالداروں سے مال حاصل کئے گئے گل پشم اور دیگر اشیاء کی ریاست کی حدود سے باہر لے جانے پر پابندی کو رعایا کش اقدامات سے تعبیر کیا گیا تھا اور زور دیا گیا تھا کہ ان فصلات اور اشیاء کی برآمدات پر پابندی ختم کی جائے تاکہ ان ''برآمدات سے رعایا کو بھی فائدہ ہو اور ریاست قلات کے محصول سنگ (چنگیوں) میں کافی اضافہ ہو''۔ (۳۰)

حقوق ملازمت میں رعایا کشی:

طبقاتی معاشروں میں سرکاری ملازمت کو مراعات یافتہ غلامی سے تعبیر کیا جاتا ہے ان معاشروں میں سرکاری ملازم کو آسودہ غلام کہہ کر اس کی خدمات کو ریاست کے لئے جبر کے ایک آلے کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا ہے، کیونکہ یہ نہ تو ذرائع پیداوار کے مالک ہوتے ہیں اور نہ ہی یہ مادّی اقدار کو وجود میں لاتے ہیں ان کی حیثیت سماجی محنت کے غیر پیداواری شعبے کے اجرتی مزدور کی ہوتی ہے اور ان کا تعلق ذہنی محنت کرنے والے سماجی گروہ سے ہوتا ہے اور وہ سماج و حکمران طبقے کی ضروریات پوری کرتے ہیں ریاست قلات میں خان محمود خان کی بصارت کھو جانے سے قبل حکمران طبقہ قبائلی سرداروں اور قبائلی اُمراء پر مشتمل تھا اور انہی طبقات کے خاندان ریاستی عہدوں پر فائز تھے یہ حکمران طبقہ ریاستی عہدوں کو موروثی جان کر نسل در نسل ان ہی عہدوں پر براجمان چلے آرہے تھے۔ خان محمود خان کی بصارت کھو جانے کے بعد وزیراعظم ریاست قلات سر شمس شاہ نے آہستہ آہستہ ریاست کے اداروں پر اپنے پنجے گاڑنے شروع کئے، ریاستی سرداروں اور امرا کے اختیارات کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ دھیرے دھیرے انتہائی مکاری سے ان سرداروں اور امراء کو دیئے گئے موروثی عہدوں سے فارغ کر کے غیر ریاستی ملازمین کو ان کی جگہ بھرتی کیا جانے لگا اور تمام ریاستی کام اور دفاتر غیر ملکی عناصر کے ہاتھوں میں دے دیئے گئے حالانکہ ریاست میں پڑھے لکھے اور قابل افراد کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود تھی اس ضمن میں شمس گردی میں لکھا گیا ہے کہ

’’سرشمس شاہ‘‘ (ملکی تعلیم یافتہ) لوگوں سے خوف زدہ تھا کہ تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے دفاتر میں آ کر یہ لوگ اس کی قابل اعتراض کارروائیوں کو دنیا کے سامنے بے نقاب کریں گے تمام ریاست کے اندر پچاس کے قریب ملکی تعلیم یافتہ آدمیوں کو دفتری ملازمتوں میں لیا گیا تھا وہ بھی وزیراعظم کی مہربانی سے نہیں بلکہ غیر ملکی صاحبان کی مہربانی ہمدرانہ رویہ اور بعض جگہ خوشامدانہ وسیلہ سے۔

لیکن ان میں کوئی بھی اعلیٰ درجے کا ملازم نہیں تھا بلکہ سب کو ادنیٰ درجہ کی ملازمتوں اور محرریوں پر لگایا گیا تھا۔ حالانکہ ان میں سے بعض لوگوں کے اسلاف خاندانی حیثیت سے بڑے معزز اور شریف تھے اور جن کو دربار قلات میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا لیکن اب انہیں پچیس تیس روپے کی معمولی محرر اور مدارس میں رکھ کر خوار وخراب اور ذلیل زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جانے لگا تھا‘‘۔ (۳۱)

یہ تھے وزیراعظم ریاست قلات سرشمس شاہ کی ریاستی عہدوں اور دفاتر کو اپنی تحویل میں لینے کی مکارانہ چال، آمرانہ روش و جابرانہ پالیسی۔ انہی چالوں، پالیسیوں اور آمرانہ حربوں نے وزیراعظم ریاست قلات سرشمس شاہ کو ریاست کے ہست و نیست کا مالک اور مطلق العنان حکمران کے روپ میں ایک ظالم، جابر فرد کی طاقت عطاء کی، اسی آمرانہ روش اور خودغرضانہ چالوں نے اسے بلوچ قبائل پر تسلط قائم کرنے اور حکمرانی کرنے اور عوام کو جانوروں کی طرح ہانکنے پر مائل کیا جو سرشمس شاہ کی ذاتی خواہشات کا عکس اور مفادات کی حفاظت کرتا تھا شمس گردی میں حقوق ملازمت میں رعایا کے حقوق کی چند مثالیں درج کی گئی ہیں جو ذیل ہیں:

’’میر سید شاہ مرحوم دربار قلات کے درباری وکیل معتمد اعلیٰ تھے۔ معتمد اعلیٰ (درباری وکیل) کا درجہ ریاست قلات میں وزیر کے بعد ہوتا تھا اس اعلیٰ درجہ کے مرحوم رکن حکومت کا لڑکا میر احمد شاہ اعلیٰ درجے کا انگریزی، اردو، عربی تعلیم یافتہ ہے۔ اپنے گھر سے پانچ سو میل دور پچیس روپے ماہوار پر سکول ماسٹری کی معمولی نوکری پر زندگی ذلت کے ساتھ بسر کر رہا ہے اور اسی خاندان کا ایک دوسرا انگریزی اردو فارسی خواندہ معزز فرد سید امیر شاہ ایک معمولی عرضی نویس کی ناکام وگمنام زندگی سے دوچار ہے جس نے بیسیوں دفعہ اپنی خدمات نائبی کے عہدے پر پیش کیں لیکن وزیراعظم نے دیدہ و دانستہ اس کی مسلمہ خدمات کو درخور اعتنانہ سمجھا‘‘۔ (۳۲)

شمس گردی میں غیر ملکیوں کی بھرتی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا گیا ہے ’’ملکی تعلیم یافتہ افراد تو بے روزگاری کی وجہ سے زندگی بسر کر رہے ہیں اور غیر ملکی لوگ دھڑا دھڑ ملازمتوں میں بھرتی کئے جارہے ہیں۔ (۳۳)

شمس گردی میں ملازمتوں کے حوالے سے ریاستی باشندوں کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ ’’تمام ریاست میں تین آدمیوں کے علاوہ (میر مولا بخش، میر عباس خان اور میر رحیم بخش) جن کو ایک انگریز پولیٹیکل ایجنٹ ’’کرنل سر آرمکن ڈیو‘‘ نے

خاص سفارش کے ذریعے نائب مقرر کیا تھا حالانکہ ریاست میں بیسیوں ایسے تعلیم یافتہ افراد خدا کے فضل سے موجود ہیں جو خاندانی شرافت کے علاوہ شخصی قابلیت رکھتے ہیں جو یا تو گھروں میں بیکار پڑے زندگی بسر کر رہے ہیں یا ریاست کے کسی گوشے میں پچیس تیس روپے ماہوار پر ملازمت کر رہے ہیں۔(۳۴)

شمس گردی میں برٹش بلوچستان اور ریاست قلات کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ ''یہ مایوس کن امر ہے کہ برٹش بلوچستان میں جس کو ملک کا غلام حصہ کہا جاتا ہے وہاں کے باشندگان کے تمام حقوق محفوظ ہیں اور ان کو ملازمتوں کے پورے حقوق سے فائدہ اٹھانے کا عام موقع دیا جاتا ہے وہاں کے لوگ ترقی پاتے پاتے فسٹ کلاس E.A.C کے درجہ تک پہنچ گئے ہیں اس کے برعکس ہماری ریاست میں جس کو ایک حد تک آزادی اور خودمختاری حاصل ہے ہمارے حقوق اس بری طرح سے پامال ہو رہے ہیں کہ افسری تو رہی درکنار ہمیں معمولی نوکری بھی آسانی سے نہیں مل سکتی''۔(۳۵)

اس طرح 'شمس گردی' کے ذریعے انجمن نے ریاست قلات میں رونما ہونے والے واقعات ومظاہر کو عوام تک پہنچانے کا کام سرانجام دیا اور خاموش تماشائی نہیں بنی واقعات اور مظاہر کے ادراک کے ذریعے خطرے کو بھانپ کر اظہار کا حقیقی اسلوب اپنایا۔

نظام عدل میں ابتری:

زیرتسلط معاشروں میں 'ریاست' فوج پولیس، نظام عدل اور عقوبت خانے عوام کو دبانے کے لئے مادی آلات (ہتھیار) کے طور پر استعمال کرتی ہے اقتدار اور حکمرانی کے یہی مادی آلات حکمران طبقہ اپنی مرضی ومنشا خواہشات اور مفادات کی خاطر عوام کو زیرتسلط رکھنے اور اپنے اقتدار اور غلبے کو مستحکم کرنے کے لئے بروئے کار لاتا ہے۔

ریاستی اقتدار پر قابض بالائی طبقات معاشرتی عدم مساوات کو قانون کے ذریعے عدل وانصاف کا نام دے کر نظام عدل کے ذریعے سماج میں بسنے والے کچلے ہوئے عوام پر لاگو کرتے ہیں۔

ریاست قلات کے عوام ایک مطلق العنان بادشاہت اور اس بادشاہت کے طفیلی سرداروں کے زیرسایہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ ریاست قلات کے اپنے ہی قائم کئے گئے قوانین تھے جو خان اور سرداروں کے مرتب کردہ تھے جنہیں ریاست کی حدود کے اندر قاضی عدالتوں اور جرگوں کے ذریعے عدل کے نام پر عوام پر جبراً مسلط کیا گیا تھا اس نظام عدل میں قبائلی سردار اور اشرافیہ کو مراعاتی حیثیت حاصل تھی اس نظام عدل کے علاوہ قبائلی سرداروں کے اپنے ہی روایتی ضابطے تھے جو سرداری جبر کو قبیلے پر اپنی حاکمیت مستحکم کرنے کے لئے استعمال کرتے تھے جو آج بھی مختلف قبائل میں جاری وساری ہیں۔

خان آف قلات کی معذوری کے بعد وزیراعظم ریاست قلات سر شمس شاہ خود ہی مطلق العنان جابر کے روپ میں ظاہر

ہوا۔ تمام اختیارات پر قابض ہونے کے بعد اس نے سرداروں کو اپنے پاؤں تلے روندھے رکھا۔ وہ خود راشی خصلت کا مالک تھا دولت بٹورنے کیلئے عدالتوں کو کھلی چھوٹ دے دی اور اس قسم کی صفت پیدا کی گئی جس میں رقم کا ناجائز طریقہ سے حاصل کرنا ریاستی اہلکاروں کا وطیرہ بن چکا تھا۔ نظام عدل میں ابتری کے حوالے سے شمس گردی میں یوں رقم ہے۔'' عدالتوں میں رشوت ستانی کا دور دورہ ہے معمولی سے معمولی محرر بھی جب تک غریب اہل مقدمات سے رشوت نہیں لیتے، سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتے۔ سائلوں کے ساتھ سخت تلخی اور فحش گوئی سے پیش آتے ہیں اور اس طرح سے سائلوں کو مجبور ہوکر رشوت دینا پڑتی ہے''۔(۳۶)

وزیراعظم آفس کا حال شمس گردی میں یوں بیان کیا گیا ہے'' وزیراعظم کا جو چپراسی ہے وہ فی درخواست اور فی ملاقاتی ایک روپیہ سے تو کم بالکل لیتا نہیں، بلکہ زیادہ کا خواہاں ہوتا ہے'' روزانہ آٹھ دس درخواستیں، آٹھ دس ملاقاتی وزیراعظم کے پاس پیش ہونے کے لئے آتے ہیں۔ ایک معمولی چپراسی بھی روزانہ دس، پندرہ روپے ناجائز طور پر وصول کرتا ہے۔ یہ تماشا وزیراعظم کے دفتر کے عین سامنے صبح، شام جاری ہے جس کا اکثر اوقات وزیراعظم صاحب بذات خود اندر سے براستہ کھڑکی سے نظارہ فرمایا کرتے ہیں چونکہ چپراسی کی خودغرضانہ پرورش مطلوب ہے تاکہ اس کی زبان بندی ہو اور وہ وزیراعظم کی باتیں باہر نہ بتلایا کرے '' معمولی معمولی مقدمات جو زیادہ سے زیادہ ایک ماہ کے اندر فیصلے پاسکتے تھے وہ ابتدائی دریافت میں ہی سالہا سال تک معلق رکھے جاتے تھے دریافت مکمل ہوچکنے کے بعد چھ، ساتھ ماہ ان مقدمات کو عدالتی جرگہ میں پیش ہونے کے واسطے یوں ہی پڑے پڑے گزر جاتے، جرگہ کے فیصلے کے بعد منظوری فیصلہ کے لئے ہر ایک مثل وزیراعظم کے پاس جاتی تھی، خواہ مقدمے کی نوعیت اور مالیت کس قدر خفیف کیوں نہ ہو وزیراعظم نے دستور مقرر کر رکھا تھا مقدمات کی مثل اور دوسرے شعبہ جات کا ایک ایک امر وزیراعظم کے پاس پیش کرکے ان کی منظوری حاصل کی جائے۔ اس طرح اس ستر سالہ بوڑھے وزیراعظم کے لئے جس کا اب تمام بدن رعشہ کی بیماری سے بید کی طرح کانپتا ہے اس قدر اختیارات اپنے ہاتھ میں مرکوز رکھ کر کام کے لئے وقت نکالنا اور وقت پر کام کو نمٹانا ممکن ہی کہاں ہے''۔

''شخصی مطلق العنانیت کے خوگر وزیراعظم نے طبیعت میں اتنی رواداری پیدا نہیں کی کہ اپنے بوجھ کو ہلکا کرنے کی خاطر وہ اپنے کام میں اپنے کسی مددگار سے مدد لے''۔

اہل مقدمات دعویٰ دائر کرنے کے بعد دو، تین سال دفتروں کی خاک چھان کر اور منشیوں کی منت سماجت وخوشامد کرکے تھک جاتے تھے۔ لیکن ان کی دادرسی بروقت نہیں ہوتی تھی''۔(۳۷)

شمس شاہ کی مطلق العنانیت سے قبل دنیا کے دیگر ممالک کی طرح اخلاقی مجرموں، ڈاکوؤں، قاتلوں اور دیگر بدمعاشوں کو شاہی دستور کے تحت بامشقت اور عبرت ناک سزائیں دی جاتی تھیں۔ وزیراعظم شمس شاہ نے اخلاق پر مبنی اس دستور کو بدل کر

عدالتوں کو فرمان جاری کیا کہ ''آئندہ کسی بھی اخلاقی مجرم کو عبرتناک سزا نہ دی جائے بلکہ انہیں جرمانہ کیا جائے۔ اسے اخلاقی بگڑنے، جرائم عام ہونے کی کوئی بھی پرواہ نہیں تھی اس کا مطلب صرف خزانہ پُر کرنے سے تھا''۔(۳۸)

''بچہ بازی اور خلاف وضع فطری کا جرم پہلے سنگین سمجھا جاتا تھا اور اس کے مرتکب ہونے والے کو تین سال قید سخت اور دوصد روپیہ جرمانہ کی سزا ملتی تھی۔ عدالتی جرگوں نے اب اس فعل کو معمولی جرمانے کی سزا میں بدل دیا۔ ریاستی عدالتوں کے اس فیصلے سے اس جرم کا عام ارتکاب شروع ہوا دو ماہ کے عرصے میں بچہ بازی کے جرام میں ۱۰۰ کے قریب اس جرم میں مرتکب افراد گرفتار ہوئے عدالتوں کے ان فیصلوں سے مرض کا سدباب نہیں ہوا بلکہ وہ اب وباء کی صورت اختیار کر گیا''۔(۳۹)

نظام عدل میں ابتری کے ایک واقعہ کو شمس گردی میں شامل کیا گیا ہے جس میں ''قبیلہ کرد کے سردار خان بہادر سردار میاں خان کرد کے بیٹوں کے درمیان تقسیم جائیداد کے مسئلے پر سخت خانگی عداوت رونما ہوئی۔ سردار کے بیٹے دو گروپ میں بٹ گئے تھے یہ گروپ سردار صاحب کی دو بیویوں کی علیحدہ علیحدہ اولادوں پر مشتمل تھے سردار صاحب خود بھی اس تنازعے میں طرف دار تھے انہوں نے بڑی بیوی کی اولاد میر محمد حسین اور میر حسن پر زیورات کی چوری کا فرضی الزام لگایا، بغیر کسی شہادت و بغیر کسی گواہ کے جرگہ سے سات، سات سال قید با مشقت کی سزائیں دلوائیں۔ جرگہ نے یہ سزائیں سردار موصوف کی وزیراعظم سے تعلقات کی بناء پر دیں۔ کیونکہ سردار موصوف نے کبھی بھی وزیراعظم کی مخالفت کا خیال نہیں کیا (بلکہ وہ ہر جگہ اس کے قصیدے گاتے تھے) اس طرح جب جرگہ کے فیصلے کی مثل دستخط کئے لئے وزیراعظم کو پیش کی گئی تو وزیراعظم صاحب نے اس فیصلے پر عدم ثبوت وشہادت کا کوئی اعتراض نہیں کیا اور ان مظلوم لڑکوں کو بدستور جیل خانہ میں پابند زنجیر سلاسل رکھا گیا۔ سردار کرد کے ان مظلوم لڑکوں کو اس لئے تختہ مشق بنایا گیا کہ وہ مجبور ہو کر خاندانی جائیداد کے وراثتی مطالبہ سے دستبردار ہو جائیں''۔(۴۰)

تعلیم کا فقدان:

تعلیم کے لغوی معنی سکھانے کے ہیں، علم و واقفیت دینے کے ہیں۔ اسی علم رتبے کی بدولت انسان حیوانوں سے علیحدہ ہو کر اشرف المخلوقات کے رتبے پر کھڑا ہوا، انسان نے دیگر حیوانوں کی طرح فطرت کی محتاجی قبول نہیں کی بلکہ اس نے فطرت سے واقفیت حاصل کی علم ہی کی بدولت انسان نے ان مظاہر قدرت پر پڑے پردوں کو ہٹا کر ان کی اصلیت سے آگہی پائی۔ وقت و زمانے کے ساتھ ساتھ ان حقیقتوں پر تحقیق ہی کی بدولت انہیں روز بروز وسیع اور نمایاں کیا۔ اس واقفیت ہی کی بدولت انسان اچھے اور بُرے میں تمیز کرتا ہے، نیکی، بدی اور اپنے فرائض کو پہچانتا ہے اور ان کی بجا آوری کے لئے تگ و دو کرتا ہے۔

کسی بھی معاشرتی ترقی میں علم و تعلیم بنیادی اہمیت کے حامل گردانے جاتے ہیں انہیں معاشرتی اقتصادی ترقی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہوتی ہے دنیا کی ترقی یافتہ و ترقی پذیر قوموں کی ترقی کا راز اسی تعلیم میں پنہاں ہے کیونکہ تعلیم ڈھکی ہوئی چیزوں کو آشکار کرتی ہے، تعلیم ادراک اور سچائی تک رسائی کے لئے وسیلہ کا کام سرانجام دیتی ہے تعلیم ہی سے اسباب سے آگاہی ملتی ہے۔

انجمن اتحاد بلوچستان کے منشور میں تعلیم کو فوقیت حاصل تھی، تعلیم کو سماجی، اقتصادی تشکیل کے بالائی ڈھانچے میں ایک ستون کی حیثیت دی گئی۔ کیوں کہ انجمن کے رہنما قوموں کے سماجی ارتقاء کے مدارج میں تعلیم کی اہمیت سے آگاہ تھے اسی لئے شمس گردی میں تعلیم کے فقدان کے سلسلے میں اس دور کے حالات کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

''انگریز کی آمد سے قبل ریاست قلات کا یہ باقاعدہ دستور تھا کہ ملک کے گوشہ گوشہ میں مساجد کے پیش امام مقرر تھے، جو لوگوں کو مذہب سے آگاہ کرتے تھے اور بچوں کو نوشت وخواندی کی عربی و فارسی تعلیم دیتے تھے ہندو رعایا کے منادر میں پنڈتوں کے ذریعے یہ خدمت سرانجام دی جاتی تھی۔ دربار قلات کی طرف سے مدارس و مساجد و منادر کو کہیں جنس کی صورت میں اور کہیں نقد کی صورت میں معاوضہ ملتا تھا اور یہ اس زمانے کی بات ہے جب بلوچستان جہالت کے دور میں تھا جب سے وزیراعظم نے اپنا انتظام شروع کیا ہے تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی برائے نام ریاست میں بشمول علاقہ مکران ایک مڈل سکول اور بارہ پرائمری سکول تھے یہ بھی بڑے بڑے شہروں میں تھے چھوٹے دیہاتوں کا خدا ہی حافظ تھا۔

تین چار سال قبل مرحوم والئی ریاست نے اپنی فیاضی سے بجٹ میں دو نئے مدارس سوراب و زہری میں کھولنے کی منظوری صادر فرمائی تھی لیکن وزیراعظم نے ان مدارس کا اجراء ابھی تک نہیں کیا، جن کا تعین بجٹ میں ہوا ہے''(۴۱)

شمس گردی میں لکھا گیا ہے کہ ''وزیراعظم دیدہ دانستہ تعلیم کی طرف توجہ نہیں بٹاتے تھے مدارس کا نظام ناقص اور برائے نام ہے مدارس میں معلمین نا تجربہ کار اور نا اہل ہیں۔ مدرسین رکھے گئے ہیں سوائے چند اساتذہ کے باقی سب ایسے لوگ ہیں جنہیں عدم قابلیت کی بناء پر تمام انڈیا میں کوئی نوکری نہیں ملی وہ اس ریاست میں آکر استاد بنے بیٹھے ہیں۔ ان میں اکثر بداخلاق اور لفنگے لوگ ہیں، شمس گردی میں ان اساتذہ کے اخلاق و کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ'' ان کی شرمناک حرکتیں اس قابل نہیں کہ انہیں بیان کر کے مکتوب کے صفحات کو بدنما بنایا جائے''۔

''وزیراعظم نے بیرون ریاست تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کے لئے کوئی رعایت مقرر نہیں کی۔

۱۹۲۹ء میں شیر علی نامی ایک طالب علم نے کوئٹہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے وظیفے کی درخواست دی تھی جو برٹش پولیٹیکل ایجنٹ کے توسط سے وزیراعظم کے پاس منتقل ہوگئی تھی لیکن وزیراعظم کی طرف سے آج تک اس کا کوئی جواب نہیں ملا''۔(۴۲)

تعلیم کے سلسلے میں شمس گردی میں تجویز دی گئی کہ'' ریاست میں کم از کم پچاس پرائمری سکول، بیس مڈل سکول، چار ہائی سکول اور کم از کم ایک کالج قائم کیا جائے۔ پرائمری سکول دیہاتوں میں کھولے جائیں۔ مڈل سکول ہر نیابت کے صدر مقام پر اور چار ہائی سکول سراوان، کچھی، جھالاوان، اور مکران کے مرکزی ہیڈ کوارٹروں میں اور کالج ریاست قلات کے دارالخلافہ قلات میں ہونا چاہیئے''۔(۴۳)

شمس گردی میں تعلیمی میدان میں روا رکھے گئے ان رویوں کو وزیراعظم ریاست قلات شمس شاہ کی تعلیم دشمن پالیسیوں سے تعبیر کیا گیا ہے، جو اس نے دیدہ و دانستہ طور پر اپنائی ہوتی تھی ''وہ نہیں چاہتا تھا کہ ریاست میں تعلیم عام ہو اور اس کی روشنی میں وزیراعظم کے اعمال سے پردہ اٹھانے والے لوگ پیدا ہوں''۔

خزانہ کی بربادی:

محصولات کا اطلاق قدیم پنچائتی نظام کے بطن سے جنم لینے والے غلامانہ سماج سے ہوا ملکیت پر طاقتور خاندانوں کی اجارہ داری تھی طاقتور، قبائل کو کمزور قبائل سے خراج کی وصولی اور زراعت کی پیداوار کے ایک حصے پر بالائی طبقے سے تعلق رکھنے والے خاندانوں کی اجارہ دارانہ وصولیوں نے محصولات کے اس نظام کو بڑھاوا دیا اور جو ریاست کی شکل میں نمودار ہوا۔ ریاست متضاد معاشی مفادات رکھنے والے طبقات کی باہمی کشمکش کو امن و امان کے دائرے میں رکھنے والی طاقت اور تنظیم کا نام ہے۔ ریاست کی مشینری جس کو چلانے اور کنٹرول کرنے کی ڈوری شروع ہی سے بالائی طبقے کی ہاتھوں میں رہی ہے اور طبقاتی سماج میں بالائی طبقات کے مفادات کی نگہبانی کرتی ہے۔ بالائی طبقہ اپنے اقتدار و تسلط کو قائم رکھنے کے لئے شہریوں سے خراج، پیسہ، ٹیکسز، کی وصولی کو ناگزیر سمجھتا ہے اور ریاستی قوانین کے ذریعے لوگوں کو ان ادائیگوں کے لئے مجبور کیا جاتا ہے اور جبراً لوگوں سے ان قوانین کا احترام کروایا جاتا ہے۔

ریاست قلات جو اپنی ساخت کے حوالے سے قبائلی و نیم جاگیردارانہ سماجی نظام سے منسلک تھی۔ جہاں پیداواری معاشی و سماجی رشتے اور ذرائع پیداوار بھی اسی سماجی نظام کے حوالے سے پروان چڑھ رہے تھے ''جنس'' کے تبادلہ کا رواج تھا، عوام ریاست کو ٹیکسز کی مد میں ادائیگی زیادہ تر ''جنس'' کی صورت میں کرتے تھے اور لوگ پیداوار اپنے استعمال کے علاوہ تبادلے کے لئے بھی استعمال کرتے تھے۔ آپس میں بھی ضرورت کی اشیاء کا تبادلہ ''جنس'' کی صورت میں ہوتا تھا گندم، چاول، سبزی، چینی، کپڑے وغیرہ ضروریات کے مطابق آپس میں لے دے کر معاملات چلائے جاتے تھے۔ زر نقد کا رجحان انتہائی کم تھا ریاست کے تاجر، دکاندار اسی جنس کو لے کر ریاست سے باہر نقد زر کی شکل میں بدلتے تھے۔

ریاست قلات عوام سے ٹیکسز کی وصولی بھی زیادہ تر ''جنس'' کی صورت میں کیا کرتی تھی۔ جو وصولی گندم، چاول اور بھیڑ بکری اور دیگر جانوروں کی صورت میں ہوتی تھی۔

شمس گردی میں رقم کیا گیا ہے کہ ''وزیراعظم ریاست قلات'' دربار قلات کے منظور شدہ بجٹ میں سے کچھ کم خرچ کر کے بچت کر لیتا ہے مثلاً بجٹ میں دو مدارس چار سال سے منظور ہو چکے ہیں لیکن ان کو جاری نہ کر کے ان کی تمام متعلقہ رقم بچائی جا رہی ہے بجٹ میں ملازمین کے لئے جو تنخواہیں مقرر ہیں ان سے لوگوں کو کم تنخواہ دے کر روپے کی بچت کی جاتی ہے''۔ (۴۴)

کیونکہ وہ وزیراعظم سرشمس شاہ تھا۔اس سے پوچھنے والا کوئی نہیں تھا نہ ہی وہ کسی کے سامنے خود کو جواب دہ سمجھتا تھا نہ ہی اس کے اخراجات کی جانچ پڑتال ہوتی تھی

ریاست کا خزانہ اس کی اپنی صوابدید پر ہوتا تھا کہ وہ رقم چاہے جہاں بھی خرچ کرے جیسا بھی خرچ کرے ،وہ اخراجات کی تفصیل بتلانے سے بری الذمہ تھا۔شمس گردی'' میں لکھا گیا ہے کہ'' چند سطور بطور سٹیفکیٹ وزیراعظم کی طرف سے لکھ دینا کافی ہے ۔جس میں کوئی تفصیل اور مقصد خرچ درج نہیں ہوتا ، وزیراعظم کی طرف سے جاری سرٹیفکیٹ کا ایک تمثیلی نمونہ'' شمس گردی'' میں پیش کیا گیا ہے جو ذیل ہے:

'' تصدیق کی جاتی ہے کہ مبلغ......روپیہ از مد توشہ ہم نے خود تقسیم کیا۔

فقط...... تاریخ ...... ماہ ...... سنہ

دستخط ومہر وزیراعظم '' (۴۵)

وزیراعظم سرشمس شاہ ایک شوقین مزاج آدمی تھا شوق کا یہ رسیا شخص مختلف شوق رکھنے کے ساتھ ساتھ گھوڑوں کا بھی شوقین تھا اس شوق کے بارے میں شمس گردی میں درج ہے کہ ہوا وہوس کے اس دلدادہ وزیراعظم نے اپنے شوق کی تشفی کے لئے سرکاری خرچ پر گھوڑوں کا ایک بہت بڑا گلہ مستونگ میں سرکاری خرچ پر رکھا ہوا ہے،جس کا پہلے کوئی وجود نہیں تھا ان گھوڑوں کو کراچی، لاہور اور دہلی وغیرہ جہاں بھی وزیراعظم کو کوئی پرائیویٹ کام یا سیر کی خواہش ہوتی ہے'' ہارس شو'' وغیرہ میں شمولیت کے بہانے وہاں لے جاتا ہے جس کے ساتھ ایک بہت بڑا عملہ بھی ہوتا ہے۔عرصہ سے وزیراعظم اس طرح بیدردی سے حسب ذیل صورتوں میں ریاست کا سرکاری پیسہ ضائع کرتا چلا آرہا ہے:

ا۔گھوڑوں کی آمد ورفت میں ریلوے کرایہ وغیرہ

۲۔وزیراعظم کے زیر سفر ریز رو فسٹ کلاس بوگی کا گراں قدر کرایہ آمد ورفت ۔

۳۔قیام بر مقامات ہارس شو کے معاوضے میں روزانہ تفصیل ہالٹنگ والا الاؤنس ۔

۴۔عملہ کی آمد ورفت کا سفر خرچ

۵۔اپنے ہمراہ ریاست کی موٹر لے جانا جس کا ریلوے کرایہ آمد ورفت وخرچ پٹرول وغیرہ۔''(۴۶)

وزیراعظم'' سرشمس شاہ'' ہارس شو'' کا دلدادہ تھا ، ایسا دلدادہ کہ اس شوق کی تکمیل میں چاہے کتنا بڑا کام آڑے آئے وہ اسے خاطر میں نہیں لاتا تھا، اپنے اس شوق کو ریاست کے تمام کاموں سے بالاتر خیال کرتا تھا۔ ذرا ملاحظہ ہو اس کے اس شوق کی ایک جھلک ۔

''اعلیٰ حضرت خان میر محمود خان ثانی کی فوتگی کو ابھی دو دن بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ وزیراعظم نے گھوڑوں کو ہارس شو میں شمولیت کے لئے لاہور بھجوادیا۔ مرحوم والئی ریاست اتنے احترام کے حقدار نہ سمجھے گئے کہ ان کے ماتمی اعزاز میں ہواو ہوس اور شادکامی کا یہ بے محل مظاہرہ ملتوی کیا جاتا''۔ (۴۷)

شمس گردی میں سوالیہ انداز میں رقم کیا گیا ہے کہ'' کہ اسپان کے رکھنے اور ہندوستان کے مختلف مواقعات میں ''ہارس شو'' پر ہزار ہا روپیہ خرچ کرنے سے ریاست یا رعایا کو کیا فائدہ پہنچتا ہے یا آئندہ کیا فائدہ پہنچنے کی اُمید ہے، اگر کچھ بھی نہیں تو کیوں ریاست کا پیسہ بے وارث سمجھ کر بے فائدہ اور فضول طور پر اڑایا جاتا ہے جس میں سوائے وزیراعظم کی اپنی ہواو ہوس اور نام ونمود کے، نہ تو ریاست کو ایک پائی کا فائدہ پہنچتا ہے اور نہ رعایائے ریاست کو''۔

شمس گردی میں اس شوق پر آنے والے اخراجات کی ماہوار تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ'' فی گھوڑے پر خرچ نوے، سو روپے سے زیادہ ہوتا ہے، حالانکہ اس کے مقابلے میں انسانوں کی قدر شناسی کا یہ عالم ہے کہ قابل سے قابل (ریاستی) اہلکار کو بھی نوے، سو روپے ماہوار نہیں ملتے۔ ایک ایک گھوڑا تین ہزار بلکہ بعض تو دس، دس ہزار میں خریدے گئے ہیں۔ اس گلے کی خاطر ایک سواسی (۱۸۰) روپے ماہوار کا ایک ویٹرنری سرجن ساٹھ روپے ماہوار کا ایک اسپیشل کلرک اور پچاس روپے ماہوار کا ایک سپیشل جمعدار اور پانچ سو روپے ماہوار خرچ میں دوسرا عملہ ازقسم چابک سوار وغیرہ مقرر کیا گیا ہے جن میں ایک ایک چابک سوار پچاس، پچاس روپیہ ماہوار پاتا ہے جو ریاست کے سینئر اہلکاران کی بھی تنخواہوں سے بھی زیادہ ہے''۔ (۴۸)

''سات سو روپیہ ماہوار فقط اس کے عملے کا خرچ ہے۔ حالانکہ اتنا خرچ وزیراعظم اپنی رعایا کے بچوں کی تعلیم پر خرچ نہیں کرتا وہ رعایا کے بچوں کے مستقبل سے زیادہ اپنے گھوڑوں کو ترجیح دیتا ہے'' (۴۹) کیوں کہ مستقبل کے یہ بچے، اگر پڑھ لکھ کر تعلیم یافتہ ہوں گے تو وزیراعظم کے کرتوتوں سے پردہ اٹھا کر اسے برہنہ کریں گے، اس کے مستقبل کے لئے خطرہ بنیں گے کیونکہ یہ جانور کے بچے نہیں انسان کے بچے ہیں جو خواس خمسہ رکھتے ہیں، سن سکتے ہیں، دیکھ سکتے ہیں، محسوس کر سکتے ہیں، اور اپنے محسوسات سے ایک نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں، چیزوں کے عمل اور ردعمل کو سمجھنے اور پرکھنے کی صلاحیت حاصل کر سکتے ہیں، اچھے اور بُرے کو پرکھ سکتے ہیں اور برائی، ظلم و بربریت سے نجات کے لئے ایک لائحہ عمل طے کر سکتے ہیں وقت کے فرعون کے لئے عصائے موسوی بن سکتے ہیں، عوام کے دکھ درد کا مداوا کر سکتے ہیں، ایک روشن صبح کی تعمیر کر سکتے ہیں پھر کیوں وزیراعظم صاحب اپنی رعایا کے بچوں کے مستقبل کو اپنے گھوڑوں پر ترجیح دیں کیونکہ گھوڑے تو جانور ہیں، حس سے بے نیاز۔ وہ فطرت کے محتاج ہیں وزیراعظم کو یہی محتاجی بھاتی ہے جو سمجھ بوجھ سے خالی ہو اوہ اس کے شوق کی تکمیل کا باعث بنے اس کی تفریح کا ذریعہ بنے چاہے وہ گھوڑوں کی شکل میں ہو یا حس سے خالی جانور نما انسانوں کی شکل میں۔ یہی اس کی پسند تھی یہی اس کی تفریح۔ وہ ایک درندہ صفت خصلت رکھنے والا انسان تھا جو انسان کے روپ میں شیطان، اور شیطانیت کے اس درجہ پر فائز کہ جس سے شیطان بھی پناہ مانگے۔

آج کل ہمارے ہاں کرپشن کی جو وباء پھیلی ہوئی ہے ’’ اکاؤنٹنٹ جنرل ‘‘ کے آفس کے اہلکار جو کہ ۱۰ سے ۱۵ فیصد سرکاری بلوں سے اپنے خودساختہ حق کی کٹوتی کرتے ہیں اتنے ہی فیصد محکمہ کے اہل کاروں کی جیبوں میں جاتا ہے، باقی ۶۰۔۷۰ فیصد میں سے آدھی رقم وزیر موصوف کی مٹھی میں چلی جاتی ہے اور باقی آدھی رقم محکمانہ ترقیاتی اسکیموں کے مد میں استعمال ہوتی ہے پھر بھی کچھ نہ کچھ عوام کی فلاح و بہبود کے کام آتا ہے۔ ہر محکمے کا بجٹ علیحدہ ہوتا ہے۔ کسی بھی محکمے کے فنڈ کو کسی دوسرے محکمہ کے فنڈ میں نہیں ڈالا جاتا اور نہ ہی محکمہ کے سرکاری اہلکار اسے گوارا کرتے ہیں اور نہ ہی محکمہ کے وزیر صاحب ایسا ہونے دیتے ہیں۔ یہ عکس ہے ہمارے ہاں اکیسیوں صدی کی لنگڑی لولی اور مقید جمہوریت کا۔ لیکن بیسویں صدی کے سرشمس شاہ کی کرپشن ’اسپ دوستی‘ لوٹ کھسوٹ نے ایک ایسا ریکارڈ قائم کیا جسے ایک صدی بیت جانے کے باوجود بھی ہم اور ہماری مقید جمہوریت توڑنے سے قاصر ہے۔ سرشمس شاہ نے ایک صدی قبل اس ضمن میں وہ کمال کر دکھایا جسے آج ہم اپنی تمام تر چالاکیوں، ہوشیاریوں اور ہنر کے باوجود کر دکھانے سے قاصر ہیں۔ وہ تو اس ضمن میں عُریاں حرص و ہوس کی تکمیل میں اخلاقیات کی تمام حدود پار کر چکا تھا، وہ حرص و ہوس کی گھوڑی پر سوار دولت، زیادہ دولت اور زیادہ دولت کے لئے دولت کی دیوی کے عشق میں مبتلا ہو کر اس کے پیچھے بھاگتا رہا۔ چلیئے ذرا اس ضمن میں شمس گردی کے اوراق کنگھالتے ہیں۔

’’ آٹھ سالوں سے وزیراعظم نے اپنے سارے سٹاف کے صدر مقام مستونگ کو خیر باد کہہ دیا ہوا ہے اور بمعہ سٹاف کوئٹہ (برٹش بلوچستان) میں مُستقل طور پر رہتا ہے ہفتہ میں ایک دفعہ ہر اتوار کو ضرور کوئٹہ سے مستونگ اور پھر اسی دن واپس کوئٹہ آجاتا ہے۔ یہ سفر خبر گیری رعایا یا کسی انتظامی امر کے متعلق عمل میں نہیں لایا جاتا بلکہ صرف گلہ کے گھوڑوں کی دیکھ بھال کے لئے ہوتا ہے‘‘۔ (۵۰)

’’اس طرح سے بروئے قواعد سفر خرچ ایک دفعہ ہیڈ کوارٹر میں رونمائی کرنے کے بعد پھر کوئٹہ جا کر قیام کرنے کی رعایت سے سفر خرچ کے علاوہ دس دنوں تک مبلغ بارہ روپیہ روزانہ ہالٹنگ (قیام) الاؤنس وزیراعظم صاحب خرچ کرتے ہیں۔ ہر اتوار کو بلا ناغہ آنے جانے سے بارہ روپیہ روزانہ ہالٹنگ (قیام الاؤنس) کا یہ سلسلہ بالکل ختم ہونے میں نہیں آتا ہے بلکہ مہینے کے پورے تیس دن جاری رہتا ہے پس اس طرح سے وزیراعظم صاحب تقریباً سال کے بارہ ماہ اپنے آپ کو بکار ریاست مسافر دکھلا کر روزانہ ہالٹنگ الاؤنس کی آڑ میں خزانہ ریاست سے معاوضہ سفر حاصل کرتا ہے۔ گھوڑوں کی خوراک نقل و حرکت، موسم سرما اور گرما و بارشوں و دیگر متفرق اخراجات از قسم خرید ساز و سامان مرمت وغیرہ وغیرہ پر اڑھائی لاکھ روپے کے قریب ہر سال خزانہ ریاست سے بافائدہ رائیگاں جاتا ہے۔ اس سے دوسرے درجے پر موٹروں کا اور تیسرے درجہ پر تعمیرات کا خرچ ہے جن سے وزیراعظم کی ذاتی ہوا و ہوس پوری ہوتی رہتی ہے‘‘۔ (۵۱)

شمس گردی میں ''اگر والئی ریاست کے منظور شدہ بجٹ کی رو سے کسی ایک مد کا منظور شدہ روپیہ سال ختم ہو جانے سے بیشتر ختم ہو جاتا تھا تو وزیراعظم اپنی صوابدید پر باقی جس کسی مد میں گنجائش پاتا اس میں سے حسب ضرورت ختم شدہ مد کے واسطے جتنا روپیہ چاہئے منتقل کرا سکتا تھا۔

گلہ اسپان، موٹر ٹرانسپورٹ، تعمیرات، توشہ خانہ اور روزانہ مہمانی کی مدات کا خرچ منظور شدہ بجٹ سے اکثر بڑھ جایا کرتا تھا اور اس واسطے وزیراعظم نے کئی مدات ان میں منتقل کرنے کے واسطے بجٹ میں محفوظ کروا رکھے تھے ان مین سے ایک بدنام مد خرید آب اراضی کا تھا لیکن جب سے شمس شاہ وزیراعظم بنے تھے اس مد سے ایک دو دفعہ کے علاوہ ایک روپیہ بھی اس کے اپنے نام پر یعنی آب اراضی کی خریداری پر خرچ نہیں ہوا تھا اس بدنام مد سے حسب ضرورت روپیہ منتقل کیا جاتا تھا اس کے علاوہ جو بچت ملازمین ریاست کو بجٹ سے کم تنخواہ دینے کی صورتوں وغیرہ میں ہوتی تھی وہ بھی حسب ضرورت ان مطلبی مدات کی کفالت کرتی تھی غرض کہ وزیراعظم ایک طرف سے خزانے کو ظلم کے ساتھ پُر کرتا تھا تو دوسری طرف کمال بیدردی سے ضائع کرتا تھا۔ ریاست کی ترقی رعایا کی بہبود اور اس کی اقتصادی مشکلات کو دور کرنے میں امداد کے طور پر یا تعلیم پر کچھ بھی خرچ نہیں کیا جاتا یعنی خزانہ بھی گلہ اسپان کے واسطے وقف تھا او وزیراعظم کے دفتری اوقات کا بیشتر حصہ ہی گلہ کے متعلق غور و فکر کرنے اور نفاذ احکام کے واسطے وقف تھے۔ رعایا کی دادرسی کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی تھی''۔ (۵۲)

یہ تھا حیوانوں کی خصلت کا مالک وزیراعظم ریاست قلات سر شمس شاہ جو انسانوں سے زیادہ جانوروں کی خیالداری کرتا تھا، عوام کے خون پسینوں سے وصول کئے گئے پیسے جانوروں پر لٹاتا تھا اس کی خصلت، عادت و اطوار، قول و فعل سے ایسا لگتا تھا کہ وہ انسانی سماج میں بسنے والے عوام کی ایک ریاست کا وزیراعظم نہیں تھا بلکہ اسپ و مویشیان کا وزیر تھا۔ وہ انسانوں کی خوراک فلاح و بہبود کے فنڈ کو جانوروں کی خوراک و بہبود کے لئے بکار لاتا تھا۔ وہ ایسی جونک کی مثل تھا جو انسانی خون چوس کر پلتی ہے۔ ریاست کے غریب عوام مفلسی خوار و زار زندگی، تعلیم، علاج معالجہ، اور زندگی کی دوسری ضرورتوں سے دور اور پست زندگی بسر کر رہے تھے، بنیادی پیدائشی حقوق سے محرومی کی زندگی۔

ریاست قلات کے آئندہ نظام حکومت کا خاکہ:

''جب تک طاقت کے روایتی مراکز کو نہیں توڑا جائے، تبدیلی نہیں آئے گی'' یہ منطقی جملہ انڈین نیشنل کانگریس کے رہنما جواہر لعل نہرو کا ہے طاقت کے روایتی مراکز خود روطریقوں سے توڑے نہیں جا سکتے ان میں تبدیلی لانے کے لئے چیلنج کرنے کے لئے بنیادی و کیفیتی تبدیلی کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ تبدیلی غیر سیاسی پن کی شکار سیاسی پارٹیاں یا بالائی طبقات کے زیر گرفت روایتی پارٹیاں اور اپنے سماج کو حرکت دینے والے قوانین کے ادراک سے بے خبر سیاسی تحریکیں نہیں لا سکتیں بلکہ یہ فریضہ ایک

انقلابی معاشی اورنظریاتی جدوجہد کی بنیادوں پر استوار پارٹی ہی ادا کرتی ہے ۔ جو انقلابی پارٹی چیلنج لانے کے قابل ہو اور سٹیٹ کے کریکٹر کو بدل سکتی ہو مثبت رویوں کو پروان چڑھا سکتی ہو، وسیع النظری کے ساتھ تمام معاملات کو آگے لے جاسکتی ہو عوام کے ساتھ جدلی وحدت جوڑ کر اسے نظریاتی طور پر مسلح کر کے مثبت نتائج برآمد کرنے کے لئے اسے شامل جدوجہد کر سکتی ہو اور سماجی اقدار اور ''ویلیوز'' کی حفاظت کے لئے اپنا نقطہ نظر واضح کر سکتی ہو عوامی مفادات کو فروغ دینے کے لئے ٹرینڈ ڈویلپ کر سکتی ہو، رجحانات کو پروان چڑھا سکتی ہو انقلاب کی محرکہ قوتوں ،اجتماعی طبقات اور اقشار کو انقلاب کی تکمیل اور نئے پیداواری رشتوں کو مضبوط کرنے کے لئے رجعت پسند طبقات کے خلاف جدوجہد کے لئے انہیں انقلابی پروگرام دے سکتی ہو۔ یہ تمام خصوصیات ''انجمن اتحاد بلوچستان'' کے پروگرام اوراس کی قیادت میں تھیں لیکن آج تقریباً ایک صدی گزرنے کے بعد بھی ہماری سیاسی پارٹیاں اوران کی روایتی قیادت ایسے انقلابی پروگرام دینے سے قاصر ہیں جو انقلابی حالت پیدا کرنے کے اہل ہوں چلئے نظر ڈالتے ہیں اُس دور میں ریاست قلات کے آئندہ نظام حکومت کے حوالے سے پارٹی پروگرام پر۔

یہ وہ دور تھا کہ جب خان آف قلات محمود خان کی فوتگی کے بعد میر شمس شاہ نے ریاست قلات کے نظام حکومت کو اپنے قبضے میں رکھنے کے لئے ایک ایسے جانشین کے لئے بھاگ دوڑ شروع کی جو اس کے دست نگر رہ کر ''یس مین'' کا کردار ادا کرے شمس گردی میں آئندہ کے نظام حکومت کا خاکہ جاری کرتے ہوئے کہا گیا کہ ''قدیمی رواج ملک کی رو سے یہ عام جمہوری رعایا کا مسلمہ حق ہے کہ اپنا فرمان روا خود منتخب کرے، لیکن میر شمس شاہ نے رعایا کے اس اہم ترین حق کو بھی پامال کرنا شروع کیا اور وہ چاہتا ہے انتخاب جانشین قلات کا مسئلہ عام رعایا کی آزاد رائے سے نہ ہو۔ اس لئے وہ شب و روز اس کوشش میں ہے کہ وہ اس مسئلے کو اپنے مفاد ذاتی کے پیش نظر حل کروالے اور نوبت رعایا کے انتخاب تک نہ پہنچے وہ اپنے حلقہ اثر کے اندر ہاتھ پیر مار کر ایک ایسا جانشین تخت قلات کے واسطے منتخب کروالے جو آئندہ میر شمس شاہ کی وزارت کو برقرار رکھنے کی راہ میں حائل نہ ہو سکے سر شمس شاہ جو اپنی وزارت عظمی پر تا زیست قبضہ رکھنا چاہتا تھا اور اپنے یس مین والئی ریاست کے انتخاب کے بعد ملک کے اندر جبر واستبداد کا سلسلہ جاری رکھنا چاہتا تھا، جس سے ریاست میں زیادہ بدنظمی پھیلنے کا اندیشہ تھا''۔ (۵۳)

شمس گردی کے توسط سے انجمن نے برٹش گورنمنٹ کی توجہ اس جانب مبذول کراتے ہوئے کہا کہ ''انتخاب جان نشین تخت قلات دستور ملک کی رو سے جمہور عوام کا مسلم حق ہے اور ہمارے اس حق کو خواہشات پر قربان نہ کیا جاوے۔ شمس گردی میں اس امر کو بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ ''جانشین تخت قلات کا مسئلہ حل کرنے کے واسطے چند سرداران کو ریاست کے سامنے پیش کیا جاوے گا۔ لیکن یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ جب تک سر شمس شاہ برسر اقتدار ہے اس وقت تک سردار اس سے ڈرتے ہیں اور اس سے بیزار و تنگ ہونے کے باوجود اس کی مخالفت نہیں کر سکتے ،اس لئے وہ (سردار) انتخاب کے مسئلہ میں بھی وزیر اعظم کی تائید کر کے ایک ایسی ہستی کو تخت قلات کا جانشین منتخب کریں گے جو سر شمس شاہ کی وزارت کو دائمی طور پر برقرار رکھنے کی ضمانت دے سکے''۔ (۵۴)

شمس گردی میں پارٹی پروگرام کو واضح کرتے ہوئے کہا گیا کہ ’’ ہم سرداروں کا ایسا کوئی انتخاب صحیح انتخاب تسلیم نہیں کیا جائے گا جو اپنے ملک کی قدیمی روایات کو پس پشت ڈال کر اپنے ان قبائل کے صلاح ومشورے کے بغیر وہ کریں گے جن کی وہ نمائندگی کررہے ہیں شمس گردی میں قدیم رواج کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ یہ معاملہ (تخت نشینی کا) جب حل کرنے کے واسطے سرداروں کے سامنے رکھا جاوے تو وہ اپنے قومی قبائل سے اس بارے میں مشورہ کرکے اپنا صحیح انتخاب کریں ’’ شمس گردی ‘‘ میں کہا گیا ہے کہ سر شمس شاہ سرداروں کو اپنے اس قومی فرض سے عہدہ برانہیں ہونے دیتا اوران کو اپنے مفاد میں استعمال کرنا چاہتا ہے شمس گردی میں آئندہ کے نظام حکومت کے خاکے میں واضح کیا گیا ہے کہ عام رعایا ریاست قلات کوئی ایسا حکمران نہیں چاہتی جو سر شمس شاہ کی ذاتی منفعت کے پیش نظر منتخب ہواور جواس کا دست نگر بن کر خالی تخت کو برائے نام پر کرے اور جس کو رعایا اور ملک کی بہبود سے سروکار نہ ہواور جس کے عہد میں سر شمس شاہ کا ظلم واستبداد کا سلسلہ بدستور جاری رہے‘‘۔ (۵۵)

شمس گردی میں اس ضمن میں نظام حکومت کے بارے میں پارٹی پالیسی کو واضح اورواشگاف الفاظ میں بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ’’ ہم ایک ایسا حکمران چاہتے ہیں جو تخت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے دستوری اور ذمہ دار حکومت کا اعلان کرکے رعایا کے منتخب نمائندگان کی ایک اسمبلی قائم کرے اور ایک عادل اصلاح پسند اور قابل وزیر اعظم کے ماتحت ملکی قابل افراد کے چار ارکان پر مشتمل ایک باضابطہ ’’ کابینہ وزارت ‘‘ مستقل طور پر قائم کرے ،جس کی تشکیل بہ قرار ذیل ہو۔

وزیر اعظم ...... جو امور داخلہ اور انگریزی تعلقات کا انچارج ہو۔

وزیر مال، وزیر عدالت، وزیر محکمہ، رفاہ عامہ (تعلیم زراعت حفظان صحت، وغیرہ) سلسلہ کابینہ وزارت۔

☆ وزیر ’’انچارج سٹیٹ فورس ولیویز (پولیس) ونظام قیام امن (اس کابینہ میں خاص صفت یہ ہونی چاہئے کہ اس کے ممبر کم سے کم تنخواہ پر خلوص مندی سے اپنے فرائض انجام دینے والے ہوں حتیٰ کہ وزیر اعظم کی تنخواہ بھی پانچ سو روپے تک محدود ہو) اوراس کی کابینہ وزارت اسمبلی کے سامنے جواب دہ ٹھہرائی جائے‘‘۔

☆ کفایت شعاری کے زرّین اصولوں کو مدنظر رکھا جائے۔

☆ توسیع تعلیم اور آبادی ملک پر خصوصی توجہ دی جائے۔

آخر میں برٹش گورنمنٹ آف انڈیا سے اپیل کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ وہ ’’ ہماری ریاست کے آئندہ نظام حکومت کی تائید کرکے تخت قلات کے جانشین کا صحیح انتخاب جمہوری عوام کی رائے سے کرے۔

فقط۔ دستخط ،عبدالعزیز کرد۔ سیکرٹری، انجمن اتحاد بلوچستان

دستخط

محمد یوسف علی عزیز ،تاریخ ۲۰ رنومبر ۱۹۳۱ء ‘‘ (۴۶)

شمس گردی کا حرفِ آخر:

شمس گردی کے صفحہ آخر میں میر شمس شاہ کو چیلنج کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ "اگر سر شمس شاہ کو انجمن کے لگائے گئے الزامات کی صحت سے انکار ہو اور اس بناء پر وہ کچھ کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ تو ہم اپنی پوری صداقت کے بھروسے پر اس کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ یہاں لاہور آ کر برٹش عدالت میں اس کی تردید کرے جہاں اس مکتوب کتابچے کی اشاعت عمل میں آئی ہے"۔ (۵۷)

یہ تھی صداقت و سچائی پر مبنی میر عبدالعزیز کرد کی ڈائری کے نوٹس جس نے شمس گردی کے نام سے وزیر اعظم ریاست قلات کے استبدادی ظلم و جبر کا پردہ چاک کیا۔

شمس گردی کے عنوان سے شائع ہونے والے اس کتابچے نے ریاست قلات کے طول و عرض میں انقلابی شعور کو بیدار کیا اور انجمن نے عام آدمی کی امنگوں اور آرزوؤں کے مرکز کی حیثیت اختیار کی۔

حوالہ جات:

(۱) ملک محمد رمضان۔ بلوچی دنیا، ص۔۹ جون، جولائی ۱۹۶۸ء

(۲) میر عبدالعزیز کرد۔۔۔۔۔۔

(۳) ڈاکٹر انعام الحق کوثر۔ بلوچستان میں اُردو۔۔۔ص۔۱۱۲

(۴) میر عبدالعزیز کرد، خودنوشت سوانح، بلوچی دنیا جون، جولائی ۱۹۶۸ء ۱۹۳۲ء

(۵) ایضاً

(۶) ۵۷ شمس گردی ہنگامی اشاعت، نومبر ۱۹۳۰ء

باب چہارم

بعد از فوتگی خان محمود خان

خان محمود خان کی فوتگی:

والئی ریاست قلات خان محمود خان جو کہ عرصہ دراز سے بینائی کھو جانے کی وجہ سے برائے نام مسندِ تخت پر بیٹھے ہوئے تھے اور تمام اختیارات انگریزوں کے نامزد کردہ وزیر اعظم سر شمس شاہ کے سپرد تھے مگسی ہجرت رونما ہونے اور شمس گردی کے اشاعت کے دوران وہ فوت ہوگئے اور یوں مسندِ تخت قلات کے لئے ایک نئے خان کے انتخاب کے لئے تگ و دو شروع ہوئی۔

والئی ریاست کی جانشینی پر انجمن کا اجلاس:

شمس گردی ایک ایسے دور میں منظر عام پر آئی جب ایک طرف انگریزوں کے نامزد کردہ وزیر اعظم ریاست قلات سر شمس شاہ کے خلاف مگسی ہجرت ظہور پذیر ہوئی تھی اور دوسری طرف خان محمود خان والئی ریاست قلات کی وفات کے بعد خان آف قلات کے منصب کے لئے جانشین کے سوال پر وزیر اعظم سر شمس شاہ کی ہٹ دھرمی اور محمود خان کے فرزند میر محمد انور کے حق میں شمس شاہ کی بھاگ دوڑ اور سرداران قلات کو اپنا ہم نوا بنانے کی کوششیں زوروں پر تھیں۔ انجمن اتحاد بلوچستان کے رہنماؤں نے میر یوسف علی خان کی سربراہی میں شہزادہ میر محمد اعظم جان جو خان میر خدائیداد خان کے بیٹے اور خان محمود خان کے بھائی تھے سے دستوری اور ذمہ دار حکومت کے قیام، رعایا کے منتخب نمائندگان کی ایک اسمبلی قائم کرنے، ایک عادل، اصلاح پسند اور قابل وزیر اعظم کے ماتحت کابینہ وزارت کی تشکیل کی شرائط پر تعلقات استوار کر کے تخت قلات کے مسند پر شہزادہ میر محمد اعظم خان کی حمایت کا اعلان کر دیا۔

میر یوسف عزیز مگسی، میر عبدالعزیز کرد، میر عبدالرحمٰن بگٹی اور دیگر رہنماء دن رات کی کوششوں سے سر شمس شاہ اور خان آف قلات کے منصب کیلئے اس کے نامزد امیدوار میر محمد انور کے خلاف ایک متحدہ محاذ بنانے میں کامیاب ہوگئے اور چیف آف سراوان نواب اسد اللہ خان رئیسانی، سردار رسول بخش مینگل اور سردار رستم جان محمد حسنی کو جو وزیر اعظم ریاست قلات سر شمس شاہ سے عداوت رکھتے تھے اپنا ہم نوا بنایا۔ ان کے علاوہ انجمن کے رہنماؤں نے نواب مہر اللہ مری اور نواب مکران بھائی خان گچکی کو بھی میر اعظم جان کی طرف راغب کرنے میں کامیابی حاصل کی''۔ (۱)

وزیراعظم سر شمس شاہ کی برطرفی:

اس طرح ایک کٹھن جدوجہد اور کشمکش کے بعد 'انجمن' کے رہنماؤں کو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہوئی اور شہزادہ میر محمد اعظم جان تخت قلات کے مسند پر خان آف قلات کی حیثیت سے منتخب ہوئے اور وزیراعظم ریاست قلات کو ذلت آمیز شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ میر محمد اعظم جان کے خان آف قلات بنتے ہی سر شمس شاہ کو ماضی کی غلط، عوام دشمن، تعلیم دشمن اور تباہ کن آمرانہ پالیسیوں کی وجہ سے معطل کیا گیا اور برطانیہ کی طرف سے وزیراعظم ریاست قلات کے منصب کیلئے خان بہادر گل محمد خان کو نامزد کیا گیا جنہوں نے عہدہ وزارت عظمیٰ سنبھالتے ہی ہجرت کردہ مگسیوں کو واپس بلانے میں پہل کاری کی۔

یوں انجمن اتحاد بلوچستان کے رہنماؤں میر یوسف عزیز مگسی کی قیادت میں پر آلام اور سخت گیر جدوجہد کے بعد سر شمس شاہ کو ذلت آمیز شکست دینے میں کامیاب ہوئے یہ انجمن کی ایک بہت بڑی سیاسی کامیابی تھی، جو پرامن جدوجہد کے ذریعے اختتام پذیر ہوئی۔

خان اعظم جان کی تاج پوشی و گورنر جنرل کا مشورہ:

اپریل ۱۹۳۲ء میں جب ریاست قلات میر محمد خان اعظم جان کی تاج پوشی کے لئے دربار قلات سج گیا ایک طرف شہر شہر گاؤں گاؤں میں انجمن کے ارکان اپنی اس کامیابی پر خوشیاں منا رہے تھے۔ تو دوسری طرف اس خوشی کے موقع پر تاج برطانیہ کے نمائندے وائسرائے ہند لارڈ ولنگٹن خان کو بتا رہے تھے کہ ''آپ صرف ریاست قلات کے حکمران نہیں ہیں بلکہ ایک قدیم اور مضبوط کنفیڈریسی کے سربراہ بھی ہیں۔ اس لئے یہ مناسب ہے کہ آپ اپنے سرداروں کے صلاح و مشورہ سے انہیں ساتھ لے کر چلیں، ان کے حقوق کی عزت کریں اور اپنے وقار کو برقرار رکھیں''۔ (۲)

یہ تھا وائسرائے ہند کا نیک مشورہ جو نئے خان اعظم جان کو دیا جا رہا تھا کہ آپ اپنے قبائلی سرداروں کے بغیر کچھ بھی نہیں ہیں اور آپ کے تخت کی عافیت اسی میں ہے کہ آپ سرداروں کے قدم سے قدم ملا کر چلیں کیوں کہ ''ہر حکمران کو مشکل اور پریشانی کی حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اگر خدانخواستہ ایسا وقت آ پہنچے تو آپ کو یقین کرنا چاہئے کہ ہمارے افسر آپ کو ہر قسم کی امداد اور مشورے دیں گے مطمئن رہیں کہ میں بذات خود ہمیشہ آپ کی ریاست کے معاملے میں مستقل اور گہری دلچسپی لیتا رہوں گا'' (۳)

''انجمن اتحاد بلوچستان نے اس سلسلہ میں گفت و شنید کے لئے میر عبدالعزیز کرد کو اپنا نمائندہ بنا کر خان قلات کے پاس بھیجا خان قلات نے انہیں صاف لفظوں میں ذہن نشین کرا دیا کہ انجمن کی وجود کو وہ اپنی ریاست میں برداشت نہیں کر سکتے۔ انہوں نے عبدالعزیز کرد کو ذاتی طور پر بھی تنبیہ کی کہ وہ آئندہ اس قسم کی سرگرمیوں سے باز آ جائے اور قلات کے ایک غریب شہری کی حیثیت سے اپنا روزگار کیا کرے بعدازاں میر یوسف عزیز مگسی کو بھی ایسی ہی دھمکی سے نوازا گیا۔

خان صاحب کے تیور بدلے!

یہ تھے سامراجی آقاؤں کے نیک مشورے جن سے خان اعظم جان کے کان بھر دیئے گئے تخت قلات پر بیٹھتے ہی خان صاحب کا طبقاتی کردار ظاہر ہونے لگا۔انہوں نے سرداران قلات سے براہ راست تعلقات استوار کئے۔جس کی وجہ سے وہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتے گئے۔انگریزوں کے نامزد کردہ پولیٹیکل ایجنٹ کا اثر گھٹنے لگااور دوسری جانب سیاسی بیداری کی وجہ سے بلوچستان کے عوام سرداروں کے ظالمانہ رویوں کے خلاف ذمہ دار حکومت کے قیام کے مطالبات دہرا رہے تھے۔ حالات نازک صورت حال سے دوچار تھے حالات کی نزاکت کومحسوس کرتے ہوئے انگریز براہ راست مداخلت سے گریزاں رہےاور پس پشت خان آف قلات کواس سیاسی بیداری سے پیدا ہونے والے حالات کے خطرات سے آگاہ کررہے تھےاوردوسری جانب سرداران قلات بھی جوشروعات سے سیاسی بیداری کے خلاف تھے۔ خان آف قلات کوان سیاسی عناصر سے کناہ کشی کا مشورہ دے رہے تھے۔یوں خان معظم میر اعظم جان انگریزوں اور سرداروں کے بہکاوے میں آ کر انجمن کے رہنماؤں سے کئے گئے سمجھوتے کو بالائے طاق رکھ کران سے قطع تعلق کیا۔خان صاحب تیور بدلے۔ قلات کے نئے خان میر اعظم جان سے انجمن اتحاد بلوچستان کے اکابرین نے جوتوقعات وابستہ کررکھی تھیں وہ پوری نہ ہوئیں اب نئے خان صاحب کوانگریز آقاؤں کی پشت پناہی حاصل تھی ۔انجمن کسی کھاتے میں نہیں تھی۔'' دستوری اور ذمہ دار حکومت کے قیام رعایا کے منتخب نمائندگان پر مشتمل اسمبلی'' کی شرائط کو نئے بادشاہ نے پس پشت ڈال دیا۔یوں خان اعظم اورانجمن اتحاد بلوچستان کے اکابرین کے بیچ خلیج بڑھنے لگی۔

حوالہ جات:

۱۔ میر گل خان نصیر، تاریخ بلوچستان (جلد دوئم) صفحہ نمبر۴۰۳

۲۔ ڈاکٹر شاہ محمد مری، میر یوسف عزیز مگسی جنوری ۲۰۰۹ء صفحہ نمبر۔۷۹

۳۔ ڈاکٹر عنایت اللہ بلوچ The problems of Balochistan (غیر مطبوعہ) صفحہ نمبر۔۱۴۷

باب پنجم

بلوچ کانفرنس کا پس منظر اور جیکب آباد کانفرنس

بلوچستان ڈے منانے کا اعلان:

بلوچ سرزمین جو ہر دور میں اپنے جغرافیائی محل وقوع کے لحاظ سے انتہائی اہمیت کا حامل اور سپر طاقتوں کے استعماری مفادات کے لئے نمایاں حیثیت کا خطہ رہا ہے،افغانستان اور ایران کی داخلی و خارجی معاملات میں دلچسپی نے برطانوی استعماری طاقت کی بڑھتی ہوئی استحصالی ہوس کو اور بھی بڑھا دیا۔ برطانوی استعماری طاقت نے اپنے اس استحصالی ہوس اور مفادات کی راہ میں زار روس کو خطرہ گردانتے ہوئے ریاست قلات پر اپنی نظریں جمائیں اور اپنی ان خواہشات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے خان بلوچ سے مختلف معاہدات کئے پہلے پہل ان معاہدات کی رو سے خان بلوچ میر نصیر خان دوئم کے دور میں ۱۸۵۵ء میں خان گڑھ موجودہ جیکب آباد میں انگریزی حاکمیت کی وسعت اور مفادات کی نگہبانی اور فوجی و معاشی مقاصد کے حصول کے لئے ایک مضبوط چھاؤنی کا قیام عمل میں لایا گیا اور سندھ کے سرحدات سے منسلک ریاست قلات کے بعض علاقوں کو برطانوی دسترس میں دیا گیا اور پھر دھیرے دھیرے اپنے توسیع پسندانہ عزائم و مفادات کو مدنظر رکھ کر خاص کر ۱۸۷۶ء کے معاہدے کے تحت تاج برطانیہ نے بلوچ سرزمین کے افغانستان اور ایران سے منسلک علاقوں کو خان آف قلات سے اجارے میں لے کر نو آبادیاتی تسلط قائم کرکے اسے برٹش بلوچستان کا نام دے کر انڈین برٹش گورنمنٹ کے تصرف میں دے دیا اور انتہائی مکاری سے افغانستان اور ایران میں اپنی دلچسپی کو مدنظر رکھتے ہوئے او اپنے مفادات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے افغانستان اور برٹش بلوچستان کے درمیان سرحدات کا تعین کرتے وقت دریائے ہلمند کے مغربی سمت اور گرم سیل کے بلوچ قبائل جو خالصتاً بلوچ علاقے تھے کو افغانستان اور توبہ کاکڑی پشین اور دیگر افغان قبائلی علاقوں کو جو خالصتاً پشتون علاقے تھے برٹش بلوچستان میں شامل کیا گیا تاکہ ان قبائل کو اپنے استحصال معاشی لوٹ کھسوٹ اور فوجی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاسکے اور اسی طرح شاہ ایران کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ۱۸۹۶ء میں ایران اور ریاست قلات کی سرحدات کے تعین کے وقت خالصتاً وسیع بلوچ علاقے ایرانی حکومت کے حوالے کئے گئے۔

بلوچ نسل کی یہ نئی پود جو سیاست کے میدان کارزار میں قدم رکھ چکی تھی ان اقدامات کو استعماری لوٹ کھسوٹ سے تعبیر کرتی تھی ان میں دردِ وطن کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا یہ نوجوان حب الوطنی کی مجسم صورت تھے حب الوطنی ان کی روح میں بسی تھی۔ وہ استعماری تسلط کے زیر نگین سرزمین پر آزادی کی فضاؤں میں سانس لینے کے لئے بے قرار رہتے تھے کیونکہ قدم قدم پر انہیں

غلامی کے زنجیروں میں جھکڑے ہوئے وطن کی آزادی کی کسک برابر محسوس ہوتی تھی اور وہ غلامی کے بندھنوں کو توڑنے والی حکمت عملیوں کو اپنا کر آزادی کی منزل تلاش کرنے میں مگن رہتے تھے قربانیوں کے نور سے آزادی کی راہوں کو منور کیئے ہوئے تھے اور آزادی کی اس راہ میں ہر قسم کی مشکلات برداشت کرنے پر آمادہ نظر آتے تھے۔

''انجمن'' کے اکابرین نے جو ان مقاصد کے حصول اور قومی یکجہتی کے لئے دن رات کوششوں میں لگے ہوئے تھے ایک دوسرے سے مشاورت کے بعد بلوچستان ڈے منانے کا فیصلہ کیا جس کا ''اعلان انجمن کے صدر میر یوسف عزیز مگسی نے کشمیر میں سیاسی دورے کے دوران ایک اخباری بیان کے ذریعے کیا جس میں ۱۶/ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو بلوچستان ڈے منانے کی اپیل کی گئی تھی۔ اس اثناء میں آپ بیمار ہوگئے آپ کا ارادہ تھا کہ خود کوئٹہ پہنچ کر وہاں بلوچستان ڈے میں شرکت کریں نہایت ہی تکلیف کی حالت میں آپ ملتان پہنچے ملتان میں تکلیف اور بھی بڑھ گئی آپ نے تار کے ذریعے بلوچستان کے قومی کارکنوں کو ملتان بلایا''۔ (۱)

آپ کی ہدایت پر ریاست قلات برٹش بلوچستان اور دیگر علاقوں سے تعلق رکھنے والے بلوچ زعماء ملتان پہنچے، اس اجلاس میں انجمن اتحادِ بلوچانِ ہند کے صدر غلام رسول قہرائی نے بھی شرکت کی۔ بخار انتہائی تیز تھا بستر سے اٹھنے کی سکت نہیں تھی۔ ڈاکٹر کی ہدایت تھی کہ کوئی دماغی کام ایک لمحہ کے لئے بھی نہ کریں اور ملاقاتوں سے اجتناب کریں (۲) دردِ وطن رکھنے والے میر یوسف عزیز کب قومی کاموں سے اجتناب برتتے وہ تو ایک لمحے کے لئے بھی اپنے ان نیک ارادوں سے غافل رہنا نہیں چاہتے تھے وہ تو صبح و شام باوضو ہر نماز میں بارگاہ خداوندی میں دعا کے دوران التجا کرتے ''خدایا مجھے اتنی استطاعت مرحمت فرمایا کہ مجھے کبھی بھی بے حسی کی نیند نصیب نہ ہو اور صرف اس مقصد کے لئے جاگتا رہوں تاکہ پوری عمر میرے جاگنے سے قوم جاگ اٹھے''۔ (۳)

ملتان اجلاس آل انڈیا بلوچ کانفرنس کا اعلان

یہ تھا دردِ وطن اور دردِ قوم ذہن میں بسانے والا یوسف عزیز۔ جسے جسمانی بیماری علالت تیز بخار کیسے قومی فرائض سے دور رکھ سکتے تھے۔ علالت اور تیز بخار کی پرواہ کیئے بغیر آپ نے ''بستر علالت پر ہی لیٹے ہوئے جلسہ کی صدارت قبول فرما کر کارروائی شروع کردی۔ اس اجلاس میں غلام رسول قہرائی نے بلوچستان ڈے کو ملتوی کرنے اور وسیع پیمانے پر بلوچ کانفرنس کے انعقاد کی تجویز پیش کی، اور بالآخر یہ طے پایا کہ ۱۶/ اکتوبر کو منعقد ہونے والے بلوچستان ڈے کو ملتوی کر کے ۲۷ تا ۳۰ دسمبر آل انڈیا بلوچ کانفرنس جیکب آباد سندھ میں منعقد کی جائے'' (۴)۔ ملتان میں منعقد ہونے والے اس اجلاس کی روئیداد ۱۸/ ستمبر ۱۹۳۲ء کو روزنامہ زمیندار میں شہ سرخیوں سے یوں شائع ہوئی ''یہ فیصلہ کیا گیا کہ دسمبر میں جیکب آباد کے مقام پر آل انڈیا بلوچ کانفرنس منعقد کی جائے۔ بلوچ جمہوری اصولوں سے اچھی طرح شناسا ہیں مگر ہماری قوم بیرونی اثرات سے بری طرح متاثر

ہورہی ہے نتیجتاً ہمارے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ ہم خود کو اتحاد و اتفاق سے منظم کریں بصورت دیگر دوسری قوموں سے پیچھے رہ جائیں گے ہمارے مقاصد میں اہم یہ ہے کہ بلوچوں کا اتحاد لازمی تعلیم ،حقوق کی حفاظت، مذہبی تعلیم اور آئینی اصلاحات ۔ہمیں یقین ہے کہ ہماری قوم کے لوگ اس کانفرنس کو کامیاب بنانے میں کوئی موقع ضائع نہیں کریں گے''۔(۵)

بلوچ کانفرنس کی تیاریاں:

انجمن کی طرف سے ملتان اجلاس میں جس کی صدارت شدید بیماری و تکلیف کی حالت میں میر یوسف عزیز نے بستر علالت پر کی تھی اور جس میں بلوچستان ڈے کو ملتوی کر کے آل انڈیا بلوچ کانفرنس بمقام جیکب آباد بتاریخ ۲۷ تا ۲۹ دسمبر ۱۹۳۲ء منعقد کرنے کا اعلان کیا گیا اجلاس میں شریک تمام قائدین کو ذمہ داریاں سونپی گئیں قومی عمائدین اور دیگر بلوچ انجمنوں سے رابطے کے لئے کمیٹیاں بنائی گئیں۔ اجلاس کے ختم ہوتے ہی یوسف عزیز، میر عبدالعزیز کرد اور ان کے رفقاء قلمی اور جسمانی طور پر متحرک ہوئے۔ میر یوسف عزیز نے حالتِ علالت میں بھی اپنے ذمہ عائد قومی فرض سے غفلت نہیں برتی۔ انہوں نے بلوچ قومی اور قبائلی زعما کو اس کانفرنس میں شرکت کے لئے تار اور خطوط لکھے۔ تار کے ذریعے اطلاع دی ،قاصد روانہ کئے اور انہیں اس قومی فریضے کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے ان سے کانفرنس میں شمولیت کی اپیل کی۔ ان کی اپیل نوابزادے کی گھمنڈ سے بھرا حکم نہیں تھا وہ ایک قومی حب وطن رکھنے والے ملنسار طبیعت کے ایک انسان دوست کارکن کی انتہائی عاجزی و انکساری وشفقت سے بھری اپیل تھی اور تحریر کئے گئے جملوں کی ادائیگی بھی اس طرح کہ جن سے درد وطن اور حرف حرف سے قومی درد ٹپکتا تھا عاجزانہ و انکسارانہ جملوں سے بھرے یہ خطوط جسے پڑھتے ہی ذرا سی بھی حس و آدمیت رکھنے والا شخص اپنے سماجی حیثیت و مرتبے کی پرواہ کئے بغیر ان جملوں کے انداز بیان کا گرویدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا اور کانفرنس میں شمولیت پر آمادہ ہوتا تھا۔ یوسف عزیز کی حالت علالت میں ملتان سے لکھے ہوئے ایک خط پر نظر ڈالتے ہیں۔

''از ملتان ۳۰ ستمبر ۱۹۳۲ء

''مکرم بندہ'' جناب سردار بلوچ خان صاحب!

سلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ

ہم نے طے کیا ہے کہ آل انڈیا بلوچ کانفرنس دسمبر جیکب آباد میں منعقد کریں اور ہم نے اس کے لئے زور وشور سے کام شروع کر دیا ہے آپ کو معلوم ہے کہ بلوچ قوم میں افلاس اور غربت کس قدر موجود ہے اس لئے آپ کی امداد کی سخت ضرورت ہے آپ اس سلسلے میں کیا ہماری مدد کریں گے؟ میر غلام سرور خان میرا یہ عریضہ آپ کی خدمت میں پیش کرے گا مجھے کامل توقع ہے کہ آپ ہر ممکن مدد کریں گے بلوچ قوم آپ کے اس احسان کو کبھی بھی فراموش نہیں کرے گی۔ اس کے بعد جب

آپ کو بعد میں باقاعدہ دعوت ملے تو بہ نفس نفیس آپ ضرور شمولیت فرمائیں گے حقیقت تو یہ ہے کہ کانفرنس کے لئے جیکب آباد کو ہی منتخب کرنا صرف آپ کی توقع پر ہوا ہے بندہ بھی عنقریب اس سلسلے میں جیکب آباد آئے گا۔

زیادہ خیریت سے دعا ہے کہ خدائے برحق آپ کو بمعہ لواحقین خیر و عافیت سے رکھے۔

بندہ محمد یوسف علی خان   بقلم خود   دستخط   ''   (٦)

کانفرنس کا اعلان ہوتے ہی جیکب آباد بلوچ قومی سیاست کا مرکز ومحور بن گیا۔ طبیعت سنبھلنے کے کچھ دنوں بعد میر یوسف عزیز مگسی جیکب آباد پہنچے۔ یوسف عزیز کے جیکب آباد پہنچنے کے بعد میر عبدالعزیز کرد، میر عبدالرحمٰن بگٹی اور دیگر قائدین بھی جیکب آباد جمع ہوئے۔ جیکب آباد میں مقامی بلوچ زعماء کو بھی کانفرنس کی تیاریوں کے لئے متحرک کیا گیا اور ایک اجلاس کے دوران عارضی طور پر ایک انتظامی کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے صدر خان غلام قادر خان وکیل جیکب آباد مقرر کئے گئے اور کانفرنس کے جنرل سیکرٹری غلام سرور خان مغل چنے گئے اس اجلاس میں دیگر قائدین کو بلوچستان ریاست قلات سندھ، پنجاب کے بلوچ قبائلی عمائدین اور سیاسی زعماء سے رابطے بلوچ علاقوں کے دورے اور بلوچ فلاحی و سیاسی تنظیموں کے علاوہ دیگر تنظیموں سے روابط کی ذمہ داریاں سونپی گئیں۔

تاکہ قومی یکجہتی کو فروغ دینے کے لئے اس کانفرنس کے انعقاد کو کامیابی سے ہمکنار کر کے قومی پستی و زوال، تعلیمی پسماندگی پر اجتماعی طور پر غور وخوص کر کے قومی ترقی و بہبود اور تعلیم عام کرنے کے مقاصد کو عملی جامہ پہنایا جا سکے۔ فرسودہ قبائلی رسوم کی جگہ وقت و حالات سے مطابقت رکھنے والی رسومات کو فروغ دیا جائے، معاشی پسماندگی دور کرنے کے لئے ملازمتوں کے حصول اور کارخانوں کے قیام کے بارے میں لائحہ عمل مرتب کیا جائے، غرضیکہ ہر شعبہ ہائے زندگی کی ضرورتوں اور لوازمات کے متعلق پروگرام ترتیب دیا جائے۔

یوں بلوچ قومی سیاست نے انگڑائی لی وہ ریاست قلات کی حدود کو پار کرتے ہوئے سندھ، پنجاب اور دیگر بلوچ علاقوں میں قومی یکجہتی کو فروغ دیتے ہوئے قومی جدوجہد کے بیج بونے میں کامیاب ہوئی۔ انڈین صوبوں میں بلوچ فلاحی و سیاسی تنظیموں کے قیام کے لئے زمین ہموار کی اور بلوچ علاقوں میں مصروفِ جدوجہد دیگر تنظیموں کو اپنی جانب راغب کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ کانفرنس کی کامیابی کے لئے قائدین اور ارکان نے انتھک محنت کی آرام و تکالیف کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے وسائل کی کمی کے باوجود سفر کی مشکلات سے بے پرواہ طول وعرض کے دورے کئے۔ نہایت مخلصی عاجزی اور انکساری سے نفس بہ نفیس خود جا کر کہیں خطوط کے ذریعے کہیں تار کے ذریعے بلوچ عوام اور قبائلی اشرافیہ کو کانفرنس میں شرکت کے لئے دعوت نامے دیتے رہے، کہیں کہیں قبائلی اشرافیہ کے انکار ور منہ پھیرنے کی صورت میں بھی بار باران سے کانفرنس میں شمولیت

کی اپیل کرتے رہے یہی عاجزی وانکساری یوسف عزیز اوران کے رفقاء کار کی بڑائی تھی وہ انکار ونفرت کو بالائے طاق رکھ کر ہر ایک سے شفقت ومحبت اور ہمدردانہ رویئے لئے ہوئے عاجزی سے پیش آتے تھے۔یہی اخلاقی رویہ عزم وحوصلے کی پختگی نرم لہجہ یوسف عزیز میر عبدالعزیز اوران کے رفقاء کار کی عظمت کی بڑائی تھی اور انسان دوستی کی ایک جیتی جاگتی تصویر۔

ایک طرف کانفرنس کی تیاریاں تیز رفتاری سے جاری تھیں قائدین اور کارکن تن ، من ، دھن سے کانفرنس کی کامیابی میں مصروف تھے تو دوسری طرف گورنمنٹ کا طوق غلامی پہنے ہوئے ریاستی سردار وجاگیردار عوام کو کانفرنس میں شرکت سے باز رکھنے ، بدگمانی پیدا کرنے شکوک وشبہات پھیلانے اور کھلم کھلا مخاصمانہ رویہ اپنائے ہوئے تھے۔ میر یوسف عزیز مگسی میر عبدالعزیز کرد اور انجمن کے لبرل میانہ رو اور کشادہ دل قائدین نے ان دست نگر سرداروں کے باطن کو جانتے ہوئے بھی انہیں قومی کانفرنس میں شرکت کے دعوت نامے دینے ،انہیں قائل کرنے کے لئے ان کے در و دروازوں کو کھٹکھٹانا اپنا اخلاقی فرض جانا۔کیوں کہ وہ یوسفی قافلے کے یوسفی طرزفکر کی نمائندگی کررہے تھے۔ ان کے پاس بار بار جانے انہیں دعوت دینے اور قائل کرنے کے لئے ان کی چوکھٹ پر کھڑے ہوکر مہمان خانے میں گھنٹوں گھنٹوں انتظار کرتے تھے۔کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ ہمارے اس عمل سے مستقبل کے مورخ کی نظر میں ہمارا قد چھوٹا نہیں ہوگا یہ تو ایک قومی فریضہ ہے ہمارا یہ عمل قومی یک جہتی کا باعث بنے گا یہ سُنت نبوی ہے اس سنت نبوی پر گامزن رہ کر اجتماعی مقاصد کے حصول کے لئے ہم یہ عمل بار بار کریں گے چاہے وہ ہم سے متفق ہوں یا نہ ہوں۔

ہم قومی یکجہتی کے رشتوں کو استوار کرنے کی کوششوں کے لئے تاریخ کے اوراق کو پلٹتے ہوئے پڑھنے والوں کے سامنے ان واقعات کو دہراتے ہیں جنہیں مرید حسین مگسی یوں بیان کرتے ہیں:

’’ایک سردار عبدالرحیم خان کھوسہ جو جیکب آباد کے ایک برقعہ پوش سردار ہیں۔برقعہ پوش اس لئے کہ کسی مرد سے آنکھیں دو چار کرتے ہوئے انہیں شرم آتی ہے اور وہ کم ملتے ہیں۔نواب زادہ محمد یوسف علی خان نے چھٹی لکھی ، بہت دردانگیز چھٹی تھی۔جس میں بلوچستان اور اپنی بدقسمتی کا رونا رونے کے بعد ان سے صرف چند منٹ ملاقات کی اجازت طلب کی تھی ایک رضا کار نے یہ چٹ جاکر پہنچائی موصوف نے چٹ پڑھ کر پھینک دی اور رضا کار کو کہا کہ جاؤ ہم نہ ملنا چاہتے ہیں اور نہ کانفرنس میں شریک ہوں گے اور اس وقت وہ سینیما جارہے ہیں‘‘۔

کانفرنس کے رہنما اور کارکن چاروں طرف دوڑ دھوپ میں لگے ہوئے تھے ایک سردار صاحب کے پاس بار بار گئے لیکن راضی نہیں تھے کانفرنس میں شرکت کے لئے۔یہ خبر جب میر یوسف علی کو دیدی گئی تو آپ نے اس سردار کو خط لکھا۔

’’سردار خان بہادر محمد خان شاہوانی نے ایک جوابی خط کے ذریعے وجوہ عدم شرکت بتلانے کے بعد اپنی معذوری جتلائی ، وجوہ بہت ہی پھسپھسی اور غیر مدلل تھیں۔مگر آپ نے جواباً لکھا کہ آپ کے دلائل معقول اور حقیت پر مبنی ہیں مگر نہ اس قدر کہ آپ کی شمولیت میں سدراہ بن سکیں پھر آپ نے نرم الفاظ میں ان کے دلائل کی کمزوریاں دکھلا کر ان سے پھر اپیل کی کہ

وہ شریک ہوں''۔ کانفرنس کے رہنماؤں کے بار بار گھر آنے اور یوسف عزیز کے یکے بعد دیگرے خطوط سے تنگ آکر'' سردار خان بہادر محمد خان شاہوانی صاحب نے ایک خط کے ذریعے ان سے پیچھا چھڑانے کے لئے کانفرنس کے انعقاد کو ایک فضول نمائش سے تعبیر کرتے ہوئے معذوری شرکت دکھلائی۔ (۷)

سردار خان بہادر محمد خان شاہوانی نے آل انڈیا بلوچ کانفرنس ۲۷ تا ۲۹ دسمبر ۱۹۳۲ء دعوت شمولیت اور چندہ دینے سے احتراز کرتے ہوئے کہا کہ میں جیکب آباد کانفرنس کے انعقاد کو بلا مقصد سمجھتا ہوں۔ کانفرنس کا اصل مقصد برابری کے حقوق اور تعلیمی ترقی ہے۔ انہوں نے کہا کہ تعلیم کی خواہش اس وقت پوری ہوتی ہے جب لوگوں کے دلوں میں حصول علم کی محبت پیدا ہو۔ بلوچستان کے حقوق کے بارے میں انہوں نے کہا کہ بلوچ پہلے ہی سے اس سے مستفید ہیں اور مناسب وقت پر مزید اصلاحات ہوں گی۔ انہوں نے ۱۹۲۰ء اور ۱۹۳۲ء کا موازنہ کرتے ہوئے حاصلات بتائیں۔ وہ یوسف علی خان سے متفق نہ ہوئے۔ بلوچستان میں اسمبلیوں کا وجود نہ ہونے کی تائید میں انہوں نے یہ کہا کہ پورے بلوچستان میں روزانہ جرگوں کا انعقاد ہوتا ہے۔ معاملات نمٹائے جاتے ہیں۔ اسمبلی کی کیا ضرورت۔ نواب شاہوانی نے کہا کہ بلوچ کانفرنس کا انعقاد بہتر حالات کو خراب کرنے کے مترادف ہے لہٰذا اسے اجازت نہیں ملنی چاہئے''۔ (۸)

اس کے جواب میں میر یوسف علی مگسی ایک خط میں یوں رقمطراز ہوتے ہیں کہ جیکب آباد میں کانفرنس'' کا انعقاد اس لئے کیا گیا کہ یہ ایک مرکز ہے جہاں ڈیرہ جات، کراچی، سندھ اور بلوچستان سے لوگ با آسانی شامل ہوسکتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بلوچستان میں اظہار خیال پر پابندی کی وجہ سے اسے جیکب آباد میں منعقد کیا گیا۔ انہوں نے کہا بلوچستان سے جیکب آباد میں کانفرنس کا انعقاد زیادہ سودمند ہے۔

کانفرنس میں مسائل پر بحث ومباحثہ کرنے کے لئے یوسف علی خان نے سرداروں کی توجہ ایک مضمون پر مبذول کرائی جوکہ پریس میں شائع ہوا تھا۔ جس کا نفس مضمون یہ تھا کہ وفود اپنے ساتھ غور کرنے کے لئے درپیش مسائل لائیں۔

کانفرنس کے اغراض ومقاصد:

(۱) بلوچوں میں تعلیم عام کرنا۔

(۲) معاشی ترقی کے لئے طریقہ کار پر غور کرنا

(۳) بلوچوں کی اخلاقی بلندی

(۴) بلوچ عوام کی یکجہتی، ان میں حسد اور پسماندگی کی وجوہات کا جائزہ۔

(۵) بلوچستان کے لئے ان اصلاحات کا حصول جو انڈیا کے دوسرے صوبوں کو میسر ہیں۔

(۶) قوانین کی پاسداری اور تابعداری اس طرح کرنا جیسا کہ مذہبی عناصر اپنے اپنے مذاہب کے اصولوں کی''۔ (۹)

کانفرنس کے رہنماء واراکین چند سرداروں کے منفی ہتھکنڈوں، پروپیگنڈوں اور کانفرنس میں عدم شرکت جیسے جوابوں سے کہاں مایوس ہونے والے تھے وہ مجنون تھے اپنے وطن کے عشق سے سرشار، اشرافیہ اور سرداروں کے ایسے جوابات کو بالائے طاق رکھ کر اپنے مقاصد کے حصول اور کانفرنس کی کامیابی کی کوششوں میں دیوانہ وار لگے رہے انہیں ان سرداروں میں ایسے سردار بھی ملے جن کا فکر جناب مرید حسین مگسی روئیداد کانفرنس میں یوں ذکر کرتا ہے:

''ہم نواب بہادر سردار محراب خان بگٹی کے جذبہ قومی وملی کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے نواب صاحب نے نہ صرف کانفرنس کو کامیاب بنانے کی کوشش کی بلکہ امداد دے کر اپنی شان نوابی کو برقرار رکھا اور اپنے آپ کو قومی ہمدرد اور غم گساروں میں شامل کیا اور قومی کارکنوں کی حوصلہ افزائی کرتے رہے، مگر افسوس کہ چند وجوہ کی بناء پر کانفرنس میں شریک نہ ہوسکے اور نواب آف خاران بھی دور بیٹھے ہوئے کانفرنس کی کامیابی کے لئے اخلاقی و مالی امداد کرتے رہے۔

آل انڈیا بلوچ کانفرنس اپنی نوعیت کا یہ پہلا عظیم الشان اجتماع تھا اس کی صدائے بازگشت چار سو پھیلی، جس نے جذبہ قومی کو ابھارنے میں اہم رول ادا کیا قومی یکجہتی کے احساس کو ابھارا، بلوچ سیاسی زعما میں ایک نیا عزم و حوصلہ پیدا کیا ہر طرف جشن کا سماں تھا سیاسی کارکن دیوانہ وار کانفرنس کی تیاریوں میں مصروف تھے بلوچ عوام کے اذہان کانفرنس کی جانب لگے ہوئے تھے ایک قومی بیداری کا عالم تھا۔

صدارت کے لئے میر علی نواز تالپور پر اتفاق:

''انتہائی کم مدت کے دوران بلوچ کانفرنس کا اعلان کیا گیا تھا۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا ڈھائی ماہ پلک جھپکتے ہوئے گزرے، کارکنوں رضا کاروں اور قائدین کا جوش دیدنی تھا۔ ہر ایک اپنے ذمہ عائد کاموں کی تکمیل میں مصروف تھا قائدین نے باہمی مشاورت سے کانفرنس کی صدارت کے لئے اعلیٰ حضرت میر علی نواز خان تالپور والئی ریاست خیر پور کے نام پر اتفاق کیا۔ کانفرنس کے شروع ہونے سے دس دن قبل میر یوسف عزیز مگسی اور دیگر قائدین میر علی نواز تالپور کے حضور پہنچ کر ان سے کانفرنس کی صدارت کی اپیل کی جس کو انہوں نے قبول کیا'' اعلیٰ حضرت میر علی نواز تالپور نے نہ صرف کانفرنس کی صدارت قبول فرما کر اپنے جذبہ قومی کا اظہار کیا بلکہ کانفرنس کو کامیاب بنانے میں مالی و اخلاقی امدد بھی کی اور کانفرنس کے انعقاد کے وقت تک کارکنوں کی حوصلہ افزائی کرتے رہے''۔(۱۰)

''والئی ریاست خیر پور میر علی نواز کی صدارت قبول کرنے کی خبر خوشیوں کی بارات لے کر طول وعرض میں پھیل گئی، جس سے کارکنوں میں خوشیوں کی لہر دوڑ گئی۔ جوں جوں کانفرنس کا دن قریب آتا گیا، لوگوں کے عزم و حوصلے بڑھتے گئے کانفرنس میں تین چار دن رہ گئے تھے مہمانوں کی آمد شروع ہوئی مجلس انتظامیہ کے ارکان نے ہر طرح کا خاطر خواہ انتظام کر رکھا تھا، جو بھی بلوچ اور بلوچستانی کے نام اور پتے دستیاب ہوئے انہیں دعوت نامے بھیجے گئے قیام وطعام کا انتظام نہایت ہی تسلی بخش تھا''(۱۱)

بلوچ خواتین بھی جو قومی یکجہتی کے اس عظیم اجتماع میں شامل ہونا چاہتی تھیں ۔کانفرنس میں شامل ہونے کے لئے بے تاب تھیں ”بلوچ خواتین کی درخواستیں نوابزادہ میر یوسف علی خان کے پاس پہنچیں کہ کانفرنس میں شمولیت کے لئے انہیں بھی اجازت دی جائے لیکن کسی خاص مصلحت کی بناء پر مجبوراً انکار کرنا پڑا“ ۔(۱۲)

مضمون نویسی پر انعامات:

میر یوسف عزیز مگسی جو خود ایک بلند پایہ ادیب و دانشور تھے طالب علموں میں ادبی ذوق کو اجاگر کرنے کے لئے دسمبر کی شروعات میں مضمون نویسی کے مقابلے کا اعلان کیا تھا۔مضامین کے موضوعات میر یوسف عزیز مگسی نے چنے تھے۔جو پریس ریلیز کی صورت میں لاہور، کراچی ، سکھر اور حیدر آباد کے اخبارات میں شائع ہوئے پریس ریلیز یوں تھا۔

”روزنامہ ”زمیندار“ بمورخہ ۲۰ ر دسمبر ۱۹۳۲ء

بلوچ کانفرنس جیکب آباد کے جنرل سیکرٹری نے مندرجہ ذیل موضوعات پر مضمون نویسی کے مقابلے کا اعلان کیا ہے ۔ اس مقابلے میں صرف بلوچ اور بلوچستان سے تعلق رکھنے والا مسلمان شرکت کر سکے گا۔اچھے مضمون نویس کو انعامات سے نواز جائے گا۔

انہوں نے تقسیم انعامات کی کمیٹی کا اعلان بھی کیا جو درج ذیل اشخاص پر مشتمل ہوگی ۔

۱۔سردار بہادر، بہرام خان لہڑی

۲۔عبدالصمد خان اچکزئی (آف گلستان)

۳۔میر عبدالعزیز کرد

۴۔میر یوسف علی خان عزیز بلوچ

۵۔محمد امین خان کھوسو بلوچ

مضامین درج ذیل موضوعات پر مشتمل ہوں گے

۱۔اسوہ حسنہ نبی کریم ﷺ ۔

۲۔سیدالشہد اامام حسینؓ کی آخری نماز۔

۳۔حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت کے فوائد و برکات۔

۴۔حضرت خالدؓ کے کارنامے۔

۵۔اسلامی نقطہ نگاہ سے جنگ کی اہمیت۔

۶۔بلوچ اور بلوچستانیوں کے موجودہ انحطاط و زوال کے اسباب وترقی کے لئے تجاویز“ ۔(۱۳)

محلاتی سازشیں اور دفاع کانفرنس:

آل انڈیا بلوچ کانفرنس کے اعلان سے ریاست قلات اور برٹش بلوچستان کے ایوانوں میں تہلکہ مچ گیا۔ وزیراعظم ریاست قلات سرشمس شاہ سرداران ریاست کی ملی بھگت سے بلوچ کانفرنس کی ناکامی کے لئے سرجوڑ کر بیٹھ گئے اور ساتھ برٹش بلوچستان کے حکام بھی محلاتی سازشیں بننے لگے تاکہ کسی نہ کسی طرح سے بلوچ کانفرنس کو ناکام بنا دیا جائے۔ یوسف عزیز کے طرفداران کو سرداران قلات نے ڈرا دھمکا کر اس کانفرنس سے دور رکھنے کی کوششیں کیں۔ طرح طرح کی افواہیں اڑائی گئیں۔ طول وعرض میں خوف و دہشت پھیلائی گئی۔ بلوچ کانفرنس کی ناکامی کیلئے جبر کے تمام ہتھکنڈے استعمال کئے گئے۔ بلوچ کانفرنس کے رضا کاروں نے ان محلاتی سازشوں، مخاصمانہ پروپیگنڈوں اور خوف و دہشت پھیلانے والی حربوں کا موثر جواب دیا۔ (۱۴)

بلوچ کانفرنس کے رہنماؤں نے عوام کو ان سازشوں سے باخبر رکھنے کے لئے لاہور، کراچی اور سندھ سے نکلنے والے اخبارات کا سہارا لیکر عوام کو ان منفی پروپیگنڈوں سے آگاہ کیا۔

ذیل میں بلوچ کانفرنس کے رہنماؤں کے بیانات شامل کر رہے ہیں جو انہوں نے منفی ہتھکنڈوں کو زائل کرنے اور بلوچ عوام کو کانفرنس کے اغراض و مقاصد کی طرف توجہ مبذول کرانے کے لئے اخبارات کو جاری کی گئیں تھیں اور ساتھ ہی عوام کی طرف سے بھیجے گئے مختلف خطوط اور تہنیتی پیغامات پر والہانہ خوشی کا اظہار کیا گیا تھا۔ (۱۵)

بلوچ کانفرنس کے رہنماؤں کا مشترکہ بیان:

''روزنامہ'' زمیندار'' بمورخہ ۲۰ر دسمبر ۱۹۳۲ء

آل انڈیا بلوچ کانفرنس کے جنرل سیکریٹری غلام سرور، تاج محمد بلوچ، محمد یوسف علی عزیز، عبدالصمد خان اچکزئی (آف گلستان) نے اپنے ایک مشترکہ بیان میں بلوچ کانفرنس کے خلاف پروپیگنڈہ مہم کی شدید مذمت کی۔ انہوں نے اپنے مشترکہ بیان میں کہا کہ چند عناصر جو کہ معمولی اختلافات کی بناء پر بغیر کسی تشخیص بلوچ کانفرنس کو حکومت مخالف قرار دے رہے ہیں قابل مذمت ہے اور کانفرنس سے بلوچ عوام کو دُور رکھنے کی سازش ہے۔

انہوں نے سرداروں کو کسی مناسب جگہ پر یکجا ہونے کی دعوت دی تاکہ وہ مل بیٹھ کر اتفاق رائے سے کانفرنس کے مقاصد پر غور وخوض کریں۔ اس کا صرف اور صرف مقصد یہ ہے کہ سردار صاحبان کانفرنس میں شرکت کریں۔ کانفرنس میں شرکت کرنے سے ان پر یہ واضح ہوگا کہ یہ قومی ترقی و بہبود کے علاوہ اس کے مقاصد اور کچھ نہیں۔ اس کے علاوہ سرداروں کے سمجھنے کے لئے مزید کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ اگر وہ اب بھی ہمارے ان مشوروں کو بالائے طاق رکھ کر بہرہ پن کا ثبوت دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ روز قیامت ان سے حساب لے گا۔

آخر میں انہوں نے نقش بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہماری اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ سرداروں کو عقل و ہوش عطا فرمائے اور دشمن کے عیارانہ چالوں اور سازشوں سے انہیں دور رکھے۔ انہیں راہ راست پر آنے کی قوت عطا فرمائے اور اپنے رحم و کرم پر رکھے۔

مرید حسین مگسی کا بیان

روزنامہ ''زمیندار'' بمورخہ ۲۱ ر دسمبر ۱۹۳۲ء

مرید حسین خان مگسی نے اپنے ایک بیان میں نواب یوسف علی خان کی انتھک محنت و کوششوں، قومی بہبود و ترقی کے لئے عظیم الشان قومی اجتماع کو سراہتے ہوئے کہا کہ قومی پسماندگی کی سب سے بڑی وجہ تعلیم کی عظیم حیثیت کو نظر انداز کرنا ہے۔

انہوں نے سرداروں سے درخواست کی کہ وہ سردار کوڑا خان بلوچ (مظفر گڑھ) کی حصول تعلیم کے لئے عظیم خدمات کو نشان راہ بنائیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ عوام اپنی پسماندگی، زبوں حالی کی وجہ سے بچوں کے تعلیمی اخراجات برداشت کرنے سے قاصر ہیں۔ اس لئے سردار حصول تعلیم کے لئے عوام کی مشکلات اور زبوں حالی کو مدنظر رکھ کر ان کی مدد کریں۔

غلام سرور کا بیان

روزنامہ ''زمیندار'' بمورخہ ۲۱ ر دسمبر ۱۹۳۲ء

آل انڈیا بلوچ کانفرنس کے جنرل سیکرٹری غلام سرور نے اپنے ایک اخباری بیان میں اس امر پر خوشی کا اظہار کیا کہ بلوچ اور افغان اقوام کے افراد نے ہندوستان کے مختلف شہروں سے بھیجے گئے خطوط میں کانفرنس میں شمولیت کا اظہار کیا۔

اور یہ کہ ایک ہزار سے زائد مختلف بلوچ قبائل کے وفود کی شمولیت متوقع ہے۔

کانفرنس کے جنرل سیکرٹری نے اپنے بیان میں عوام کو خوشخبری سنائی کہ پیر مولانا ہمایونی، اور مولانا امروٹی کانفرنس میں شرکت فرمائیں گے اور نتیجتاً امید کی جاتی ہے کہ کانفرنس کامیابی سے ہمکنار ہوگا۔

کانفرنس کے نام تہنیتی پیغامات

روزنامہ ایسٹرن ٹائمز بمورخہ ۲۱ ر دسمبر ۱۹۳۲

بلوچ کانفرنس کے جنرل سیکرٹری غلام سرور نے بذریعہ تار اپنے بیان میں کہا کہ انڈیا کے مختلف شہروں سے کانفرنس میں شمولیت کے لئے بلوچ زعما اور افغان زعما نے شمولیت کے لئے خطوط بھیجے ہیں۔ انہوں نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ معروف روحانی پیشوا پیر بھر چونڈی، مولانا ہمایونی اور مولانا امروٹی بھی کانفرنس میں شرکت کریں گے۔ جس سے عظیم کامیابی کی امید کی جاتی ہے۔

مولانا ظفر علی خان کا پیغام :

مولانا ظفر علی خان نے ایک ٹیلی گرام کے ذریعے ناسازیِ طبیعت کی وجہ سے بلوچ کانفرنس میں شمولیت سے قاصر ہونے پر معذرت کی۔ انہوں نے اصولی طو پر بلوچستان کی انتظامیہ پر مزید اصلاحات کا مطالبہ کیا جوکہ دوسرے صوبوں کو مہیا ہیں۔

انہوں نے توقع ظاہر کی کہ بلوچ کانفرنس کے فیصلے جو بلوچ عوام کی یکجہتی کے عمل کو مزید تقویت بخشے گا۔ انہوں نے امید ظاہر کی یہ کانفرنس بلوچستان اور صوبہ سرحد کے اتحاد و بلوچستان کے پیچیدہ صورت حال کا بہتریں حل ہے۔

انہوں نے اپنے نمائندے شرف الدین حسن ، مولانا اختر حسن علی کو کانفرنس میں شرکت کے لئے بھیجے جو ۲۸ر دسمبر ۱۹۳۲ءکو ریل کے ذریعے جیکب آباد ریلوے اسٹیشن پہنچے۔ کانفرنس کے چیف آرگنائزر یوسف عزیز اور دیگر زعماء نے ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا''۔ (۱۶)

عیدگاہ بنا کانفرنس گاہ:

کسی بھی بڑے اجتماع کا انتظام کار انتہائی مشکل کام ہے وہ بھی ایک ایسے دور میں جبکہ رضا کاروں کے کندھوں پر پہلی بار ایک ایسے بڑے اجتماع کی ذمہ داری ڈالی گئی ہو، وہ بھی تین روزہ اجتماع کی ''پچاس رضا کار بھرتی کیئے گئے۔ رضا کاروں نے جن کا یہ پہلا موقع تھا کہ انہوں نے اس قسم کے پنڈال واجلاس دیکھے ہوں نہایت خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دیئے۔ قاضی احسان احمد صاحب خطیب نے کانفرنس میں کافی دلچسپی دکھائی''۔ (۱۷)

انجمن مجاہدین اسلام جیکب آباد کے علماء کرام نے کانفرنس کی تیاریوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، علماء کرام رضا کاروں کے ساتھ مل کر مصروف عمل رہے انجمن مجاہدین اسلام نے نہ صرف عید گاہ کا میدان پنڈال کے لئے بلا معاوضہ دیا بلکہ مختلف اوقات میں مختلف مساجد میں کانفرنس کے حق میں تقاریر بھی کیں (۱۸) اور عوام کو کانفرنس میں شامل ہونے کی تلقین کی۔

''عید گاہ کے میدان میں ایک عالی شان اور وسیع پیمانہ پر پنڈال تیار کیا گیا جس میں ڈیلی گیٹس، سب جیکٹس کمیٹی کے ارکان، استقبالیہ کمیٹی، پریس مین رپورٹرز کی نشستوں کا علیحدہ علیحدہ انتظام کیا گیا تھا۔ پنڈال کے اردگرد رضا کاروں کے خیمے نصب کیئے گئے تھے مین گیٹ پر دفتر (جہاں مہمانوں کا اندراج کیا جاتا تھا) اور سب جیکٹس کمیٹی کے خیمے نصب تھے جنہیں نہائت دلکش کتبوں سے سجایا گیا تھا''۔ کانفرنس میں انجمن اتحاد بلوچستان، انجمن اتحاد بلوچاںِ ہند، انجمن اتحاد بلوچاں سندھ، انجمن انیس مکران، لوکل مسلم ایوسی ایشن، (برٹش بلوچستان) جمعیت علماء سندھ، مجلس احرار اسلام، انجمن مجاہدین اسلام جیکب آباد کے علاوہ پنجاب، سندھ بلوچستان، دہلی، یوپی، ریاست بہاولپور، صوبہ سرحد سے ممتاز نمائندوں نے بھی شمولیت فرمائی۔ کانفرنس شروع ہونے سے قبل تک مہمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ رات کو بھی دن کا سماں تھا۔ تمام جیکب آباد اُمڈ پڑا تھا۔ پنڈال کے ہر طرف چراغاں ہی چراغاں تھا۔ جیکب آباد کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ مہمانوں کا استقبال انتہائی ادب اور سلیقے سے منظم انداز میں کیا جارہا تھا۔ نزدیکی دیہات وقریب وجوار کے لوگ کانفرنس میں شرکت کی غرض سے جیکب آباد کی طرف چلے آرہے تھے۔ جیکب آباد مرکز نگاہ بنا ہوا تھا۔ نگاہوں میں عجیب کیفیت کا سماں تھا۔ ظلم وستم، استحصال اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے عوام کے مرجھائے ہوئے چہرے چمک اٹھے تھے۔ یوں یوسف عزیز کی قیادت میں علم وشعور وآگاہی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں، جو ایک نئی صبح کی نوید سنا رہے تھے۔

سب جیکٹس کمیٹی کا اجلاس:

''بلوچ کانفرنس شروع ہونے سے ایک دن قبل سب جیکٹس کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ جس میں لوکل مسلم ایسوسی ایشن بلوچستان کے قائدین خان عبدالصمد کان اچکزئی، ہاشم خان غلزئی جو کوئٹہ سے آئے تھے انہوں نے کانفرنس کے نام سے اختلاف

رکھتے ہوئے کہا کہ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کی بجائے کوئی ایسا نام رکھا جائے جس میں کم از کم بلوچستان کے پٹھانوں کے لئے شمولیت کی گنجائش پیدا ہو۔ اس موضوع پر پر جوش و پر مغز بحث ومباحثہ ہوا، سندھی بلوچ بضد تھے کہ کانفرنس کے نام میں تبدیلی نہ کی جائے میر یوسف عزیز مگسی نے اپنے آپ کو غیر جانبدار رکھتے ہوئے بحث میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ میر عبدالعزیز کُرد نے جب محسوس کیا کہ بات آگے بڑھتی جارہی ہے اور اگر اس کا کوئی صحیح وموزوں حل پیش نہیں ہوا تو بلوچوں اور پٹھانوں کے دو کیمپوں میں تقسیم ہونے کا خطرہ ہے اس لئے انہوں نے اٹھ کر تجویز پیش کی کہ کانفرنس کا مستقل نام ''بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس'' ہونا چاہئے میر عبدالعزیز کرد نے تشریح کرتے ہوئے کہا کہ بلوچستان نام شامل کرنے سے صرف پٹھانوں کے لئے نہیں بلکہ بلوچستان کے ہرفرد اور قوم کے لئے کانفرنس میں شامل ہونے کی گنجائش پیدا ہوجائے گی اور آل انڈیا بلوچ کے نام سے ہندوستان کے ہر علاقہ اور صوبے کے بلوچوں کو کانفرنس میں شمولیت کا موقع مل سکے گا لیکن سندھی ، بلوچ اس پر رضا مند نہیں ہورہے تھے۔ آخر میر عبدالعزیز کرد نے میر یوسف علی خان مگسی سے کہا کہ وہ اس اختلافی مسئلہ کے متعلق اپنی رائے کا اظہار فرمائیں۔ میر یوسف علی خان مگسی نے اٹھ کر مختصراً یہ کہا کہ بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس سے ایک بہت لمبا چوڑا نام بن جائے گا جو بے محل سی بات لگتی ہے۔ اس بحث کے شروع ہونے سے تھوڑی دیر پہلے میر محمد امین خان کھوسو کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے وہ عین اسی وقت تشریف لائے جب میر محمد یوسف عزیز مگسی نام کے بڑے ہونے کے متعلق اظہار خیال فرمارہے تھے جب میر یوسف عزیز تقریر ختم کرتے ہوئے اپنی نشست پر بیٹھ گئے تو میر محمد امین خان کھوسہ نے اٹھ کر کہا کہ ہمارے رفیقوں کے دوکیمپوں میں تقسیم ہونے کا خطرہ اگر تھوڑا سا بڑا نام رکھنے سے دور ہوسکتا ہے تو ہمیں اس کو قبول کرنے میں تامل نہیں ہونا چاہئے میر محمد امین کھوسہ نے اپنی جوشیلی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا اگر اس سے بھی کوئی بڑا نام رکھا جائے جس سے پھوٹ پڑنے کا خطرہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے تو اسے بھی ہمیں قبول کرلینا چاہئے۔ میر محمد امین خان کھوسہ کی جوشیلی تقریر بڑی کارگر ثابت ہوئی اور تمام ممبران سب جیکٹس کمیٹی نے کامل اتفاق سے اس تجویز کو پاس کردیا''۔ (۱۹)

بلوچ کانفرنس میں نمائندوں کی آمد:

''بلوچ کانفرنس میں نمائندوں کی آمد ۲۵/دسمبر سے شروع ہوگئی تھی کانفرنس کے ہیڈ آفس کے انچارج میر عبدالعزیز کُرد تھے جو کانفرنس میں شریک نمائندوں کی رجسٹریشن اور والنٹیئر کے انچارج کے فرائض سرانجام دے رہے تھے ۲۷/دسمبر کی صبح تک تمام نمائندے جن کی تعداد دوسو تھی جیکب آباد پہنچ کر رجسٹریشن کرواچکے تھے ۲۷/دسمبر کی صبح میر عبدالعزیز کرد ہیڈ آفس سے والنٹیئر وں اور عوام کے ایک جلوس کی قیادت کرتے ہوئے پنڈال میں داخل ہوئے۔ پنڈال قومی نعروں سے گونج اٹھا، پنڈال سرخ رنگ کے بینروں سے سجا ہوا تھا گیٹ پر استقبالیہ بینرز آویزاں تھے، پنڈال کے اندر بینروں پر قومی اور اسلامی نعرے لکھے گئے تھے۔ کہیں بلوچو! بلوچستانیو وانتم الاعلون ان کنتم مومنین درج تھا۔

''پنڈال لوگوں سے کچا کچ بھرا ہوا تھا دو سو (۲۰۰) نمائندوں کے علاوہ وزیٹرز دو ہزار (۲۰۰۰) کی تعداد میں تھے سٹیج پر آل انڈیا بلوچ کانفرنس اور اللہ اکبر کا بینر لگا ہوا تھا۔ اجلاس شروع ہونے سے قبل اچانک والئی ریاست خیر پور صدر کانفرنس علی نواز خان ٹالپور کی علالت کی خبر نے مایوسی پھیلا دی وہ خود بوجہ علالت حاضر نہ ہوسکے لیکن اس کے سیکرٹری ان کا خطبہ صدارت پڑھنے کے لئے اپنے ساتھ لایا تھا''۔ (۲۰)

قائم مقام صدر کی نامزدگی:

''اجلاس شروع ہونے سے قبل میر محمد یوسف علی خان کو صدارت کے لئے کہا گیا، لیکن اس کے انکار پر ڈیلی گیٹس حضرات میں سے ایک کمیٹی بنائی گئی جس نے فیصلہ کر کے خطبہ صدارت کے بعد خان عبدالصمد خان اچکزئی کو قائم مقام صدر منتخب کیا۔ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کا یہ پہلا باقاعدہ اجلاس سوا دس بجے شروع ہوا، اپنے مقررہ وقت سے پندرہ منٹ بعد وہ بھی قائم مقام صدر کے چناؤ کی وجہ سے۔ بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کے ممبران سب جیکٹس کمیٹی کی تعداد چالیس تھی جو درج ذیل ہے:

(۱) خان عبدالصمد خان اچکزئی گلستان (۲) میر محمد یوسف علی خان عزیز مگسی بلوچستان (۳) سردار محمد اعظم خان مزاری بلوچ (ڈیرہ غازی خان) (۴) ماسٹر غلام قادر خان بلوچ (ڈیرہ غازی خان) (۵) نوابزادہ شہباز خان نوشیروانی (۶) جام میر نور اللہ خان کوئٹہ (۷) سردار غلام رسول قرائی صدر انجمن اتحاد بلوچاں ہند ڈیرہ غازی خان (۸) آخوندزادہ میر عبدالرحیم خان اچکزئی گلستان (۹) میر حبیب اللہ خان شاہوانی (۱۰) میر کریم بخش خان رئیسانی خاران (۱۱) مولانا محمد عثمان خان بلوچ میونسپل کمشنر کراچی (۱۲) مولانا محراب خان بلوچ انجمن اتحاد بلوچاں جوائنٹ سیکرٹری کراچی (۱۳) پیر بخش خان شہدادزئی کراچی (۱۴) ماسٹر محمد حسین عنقاء بولان (۱۵) میر محمد اعظم خان شاہوانی مستونگ (۱۶) میر مٹھا خان خضر مری سبی (۱۷) میر فیض محمد خان یوسفزئی مستونگ (۱۸) ماسٹر پیر بخش خان نسیم بلوچ، سبی (۱۹) میر عبدالعزیز کرد مستونگ (۲۰) میر حسین بخش مگسی جھل (۲۱) میر عظیم خان مگسی جھل (۲۲) نوابزادہ محبوب علی خان مگسی جھل (۲۳) ماسٹر عبدالغفور خان نائب صدر انجمن اتحاد بلوچاں کراچی (۲۴) مولانا محمد عظیم صاحب ناظم جمعیت علماء سندھ (۲۵) علامہ بلد یوسہائے صحرائی (سبی) (۲۶) میر تاج محمد خان ڈومکی بلوچ جیکب آباد (۲۷) میر محمد امین خان کھوسہ بلوچ جیکب آباد (۲۸) میر راوت خان رستم زئی قلات (۲۹) میر خیر بخش خان رئیسانی، مستونگ (۳۰) میر سہراب خان ڈومکی، جیکب آباد (۳۱) میر قیصر خان ڈومکی، جیکب آباد (۳۲) ماسٹر عبدالصمد سربازی، کراچی (۳۳) ماسٹر غلام سرور خان مغل، جیکب آباد (۳۴) ماسٹر غلام محمد خان بلوچ، کراچی (۳۵) میر محمد رحیم خان کراچی (۳۶) میر احمد خان بلوچ کراچی (۳۷) رئیس قبول محمد خان، حیدر آباد (۳۸) وڈیرہ رسول بخش خان بھاگ (۳۹) خان صاحب سردار آدم خان، جیکب آباد (۴۰) سردار اللہ یار خان رستم زئی خارج شد قلات (۴۱) ماسٹر محمد علی خان قیھرائی خارج شد ڈیرہ غازی خان۔ (۲۱)

بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس:

’’کانفرنس کا پہلا دن: ۲۷/ دسمبر ۱۹۳۲ء

کانفرنس کے پہلے دن کی کارروائی کے آغاز پر پنڈال لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔لوگوں نے توقع سے زیادہ دلچسپی دکھائی ۔پنڈال میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ پنڈال سے باہر بیٹھ کر کارروائی سن رہے تھے۔پہلے دن کے پہلے اجلاس کا آغاز تلاوت کلام پاک سے شروع ہوا۔مولانا عطاء اللہ صاحب شکار پوری کی تلاوت قرآن شریف کے بعد بلبلان تحریکِ خلافت سے اسٹیج پر آنے کی درخواست کی گئی ،جنہوں نے انتہائی مترنم آواز میں قومی ترانہ پیش کیا۔

وقت آ گیا کہ باغ میں بلبل ہو نغمہ سنج
اور شاخ گل کو مژدہ ءِ فصلِ بہار دے

بُلبُلان خلافت کے بعد غلام قادر خان وکیل صدر استقبالیہ کمیٹی نے اسٹیج پر آ کر استقبالیہ کلمات سندھی زبان میں ادا کئے ،جنہوں نے تمام مہمانان گرامی کو کانفرنس میں شرکت پر خوش آمدید کہا۔مختصر خطاب کے بعد انہوں نے انتخاب قائم مقام صدر کی تحریک پیش کی ۔یادرہے کہ اس کانفرنس کی صدارت کے لئے والئی ریاست خیر پور میر علی نواز تالپور نامزد ہوئے تھے میر یوسف عزیز مگسی خودان کی خدمت میں پہنچے تھے میر علی نواز خان تالپور نے کانفرنس میں شمولیت کرنے کا وعدہ کیا تھا لیکن عین وقت پر وہ بیمار ہوگئے تھے اور کانفرنس کی صدارت انجام دینے کے لئے وہ جیکب آباد نہ آسکے البتہ اپنا سامان اور کیمپ جیکب آباد بھجوایا تھا تا کہ یہ سامان کانفرنس کے پنڈال وغیرہ کے کام آسکیں اور کانفرنس میں صدارتی تقریر پڑھنے کے لئے اپنے پرائیویٹ سیکرٹری کو جیکب آباد بھجوادیا جس کی تائید میر یوسف علی خان عزیز مگسی نے کی۔انتخاب قائم مقام صدر مجلس کے بعد پنڈال فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھا اسلام زندہ باد، بلوچستان زندہ باد کے نعروں کے درمیان قائم مقام صدر عبدالصمد خان اچکزئی نے کرسی صدارت کو رونق بخشی ۔

قائم مقام صدر مجلس خان عبدالصمد خان اچکزئی نے مختصر خطاب کے بعد کانفرنس کے صدر میر علی نواز خان تالپور جو بوجہ علالت کانفرنس میں شریک ہونے سے قاصر رہے کے سیکرٹری کو خطبہ صدارت پڑھنے کے لئے سٹیج پر طلب کیا۔صدر کانفرنس کا خطبہ انگریزی میں پڑھا گیا جس کا اردو ترجمہ مجلس انتظامیہ نے پڑھ کر سنایا‘‘۔(۲۲)

ذیل میں کانفرنس کے صدر ہز ہائینس والئی خیر پور میر علی نواز خان تالپور کی صدارتی تقریر کا مکمل متن پیش کر رہے ہیں جسے مرید حسین مگسی نے روئیداد بلوچ کانفرنس میں چھاپ کر محفوظ کیا ہے۔

میر علی نواز خان تالپور والئی خیر پور کی صدارتی تقریر:

حضرات آپ نے کانفرنس کا صدر منتخب کر کے میری جو عزت افزائی کی ہے اس کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں بہر حال مجھے مسرت ہے کہ اس طریقہ سے مجھے آپ کی خدمت کرنے کا زرین موقع بہم پہنچا اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اپنے ملک اور لوگوں کی خدمت کو ہمیشہ اپنے لئے باعث فخر سمجھتا ہوں۔ مجھے صدر منتخب کر کے آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ مجھے اپنا بھائی سمجھتے ہیں اور اپنی طرف سے آپ تمام حضرات کو یقین دلاتا ہوں کہ میرے دل میں قوم بلوچ کی عزت اور محبت کا جذبہ موجزن ہے۔

عزیزان من ! میں آپ کو صاف لفظوں میں آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ آپ سیاست کے تخریبی پہلو سے ہرگز دلچسپی نہ لیں، جو قوموں کی زندگی میں تباہی و بربادی پر منتج ہوتا ہے۔ایک زندہ قوم کو ہر جہد [illegible] چاہئے اور ان افکار کو ابھارنا چاہئے جو امن وسلامتی کے قصر ہائے رفیع کی شمولیت پر قادر ہوں۔

کانفرنس کی ضرورت:

حضرات میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے آخر کار ہماری قوم کو کانفرنس منعقد کر کے اپنی فلاح و بہبود پر غور کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ میں اس عاقبت اندیشانہ اقدام کو نیک فال سمجھتے ہوئے امید کرتا ہوں کہ ہماری قوم جو ترقی میں سب سے پیچھے ہے۔ ہندوستان کی ترقی یافتہ قوموں کے دوش بدوش میدان ترقی میں گامزن ہوگی۔

حضرات ...... تمام دنیا پر بلوچ قوم کی بہادری اور جرات کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے محض ہندوستان میں نہیں بلکہ جنگ عظیم کے زمانہ میں ہمارے بھائیوں نے یورپ میں ایسے کارنامے دکھلائے کہ انہیں وکٹوریہ کراس کا اعزازی تمغہ عطاء کیا گیا۔ حضرات اس سلسلہ میں آپ کی توجہ اس حقیقت کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ ہماری قوم ہندوستان کی دوسری قوموں کے مقابلہ میں تعلیمی حیثیت سے بہت پیچھے ہے لہذا اس صورتحال کے مدنظر ہمارے لئے سیاسیات کی گھتیوں میں الجھنا ابھی خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔ ہمیں چاہئے کہ اپنی تمام تر توجہ اور کوششیں بلوچوں کی تعلیمی واقتصادی ترقی پر صرف کریں لیکن اس سے میرا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ہم اپنے جائز حقوق حکومت سے طلب نہ کریں۔

تعلیم کی ضرورت:

حضرات اب میں سب سے بڑے مسئلہ پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں جو فی الحقیقت ہر قوم کے لئے موت اور زیست کا سوال ہے۔ وہ اہم مسئلہ تعلیم کا ہے ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ بحیثیت مجموعی ہماری قوم تعلیم کے میدان میں سب سے پیچھے ہے۔ تعلیم صرف ہمارے قرآن مجید اور پیغمبر ﷺ ہی کی تاکید نہیں عقل وفہم کا تقاضا ہے کہ تعلیم سے بے اعتنائی ہرگز برتنی نہیں

چاہئے اس سلسلہ میں، میں نے ہمیشہ بڑی دلچسپی کا اظہار کیا ہے اور جب سے میں نے عنان ریاست سنبھالی ہے بچوں اور بچیوں کی درس گاہوں میں نمایاں اضافہ کر دیا ہے۔

اتحاد و یکجہتی کی دعوت:

حضرات میں آپ سے اپیل کروں گا کہ آپ آپس میں اتحاد و یکجہتی قائم کریں اسلام نے سوسائٹی کے لئے ایسے قوانین مرتب کر دیئے ہیں کہ اگر ہم ان پر عمل کریں تو ہم بہت سی مشکلات سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں ہمارے مذہب میں غریب اور امیر، اعلیٰ و ادنیٰ کا کوئی امتیاز نہیں اسلام نے مومن اخوۃ کا ایسا سبق پڑھایا جسے ہرگز فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اسی تعلیم کا اثر تھا کہ کامیابی ہر قدم پر ہمارے قدم چومتی تھی۔ ہم صحرائے عرب سے ایک چھوٹی سی جماعت لے کر اٹھے لیکن افسوس! جب سے ہم نے تعلیم کو بالائے طاق رکھ دیا ہم قصر ذلت میں گرتے گئے اور آج ہم فاتحین کے غلاموں سے کچھ زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔

تنظیم کی ضرورت:

حضرات! ہماری استدعا ہے کہ آپ اپنی قوم کی تنظیم کریں کیوں کہ بغیر تنظیم کے کسی قسم کی ترقی نہیں کی جا سکتی ہمارے بلوچ صرف بلوچستان میں نہیں بلکہ ہندوستان کے اور صوبوں میں بھی آباد ہیں۔ ۱۹۳۱ء میں جب دہلی گیا تھا مجھے معلوم کر کے یک گونہ مسرت ہوئی کہ دہلی اور میرٹھ وغیرہ کے اضلاع میں بہت سے بلوچ خاندان آباد ہیں اور اب بھی بلوچوں کے رسم و رواج پر قائم ہیں یہ صرف بلوچی رشتہ اخوت کا تقاضا تھا کہ انہوں نے آ کر مجھے ملاقات کا شرف بخشا۔ میری آرزو ہے کہ تمام بلوچ متحد ہو کر اس کانفرنس کو اپنی سرگرمیوں کا واحد مرکز قرار دیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ان مقامات پر جہاں بلوچ آباد ہیں مجالس ماتحت اور سب جیکٹس کمیٹیوں کا قیام نہایت ضروری ہے۔

جرگہ سسٹم:

حضرات! اب میں جرگہ سسٹم کے اہم مسئلہ پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں فی الحقیقت یہ طریقہ جمہوریت کے اصولوں پر مبنی ہے جسے مہذب ممالک کی حکومتوں کا بہترین طریقہ قرار دیا جاتا ہے۔ یہ جرگہ سسٹم بلوچستان میں اس وقت سے رائج ہے جب برطانوی ہند کو کونسلوں اور اسمبلیوں کا خیال تک نہ تھا بجز ناموں کے فرق کے عملی طور پر جرگہ سسٹم اور ''لیجسلیچر'' میں کوئی امتیاز نہیں اور دونوں لفظ ہم معنی اور ہم صفت ہیں بہر حال مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض طاقتیں اس رواج کو بلوچستان سے معدوم کرنا چاہتی ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ اس کی وجہ غلط فہمی یا رواج کی کوئی خرابی ہو بہر حال اس کی اصلاح کی جا سکتی ہے اس معاملہ کو بہتر طریقہ سے بحث و تمحیص کر کے حل کر سکتے ہیں۔

لڑکیوں کے حقوق :

حضرات ! ہندوستان کے تمام صوبوں میں بلوچستان ہی ایک ایسا صوبہ ہے جو سوسائٹی اور رواج کے لحاظ سے عرب سے بہت زیادہ مناسبت رکھتا ہے ۔ ہر وہ شخص جو بلوچستان آتا ہے تعلیمی اور دوسری خوبیوں کی کمی کے باوجود اس خاص وصف کو دیکھے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بلوچ خودداری اور بہادری میں خاص شہرت رکھتے ہیں اور یہ اسلام کی تعلیمات کے نتائج ہیں ۔ مجھے یہ سن کر بے حد افسوس ہوا کہ وہ صنف نازک کے حقوق اوران کی ضروریات کونظرانداز کرتے جارہے ہیں اسلام کی کھلی ہوئی تعلیم کے صریحاً خلاف لڑکیوں کو حقوق وراثت سے محروم رکھا جاتا ہے مجھے امید ہے کہ ہمارے بھائی رسم و رواج سے گمراہ نہیں ہوں گے بلکہ اس اہم مسئلہ کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مطالعہ کریں گے ۔

افغان بلوچ اتحاد:

حضرات ! مجھے یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ ہمارے افغان بھائی بھی بلوچوں کی جھ[illegible] ان کا ہاتھ بٹھا رہے ہیں۔ میرے دل میں افغانوں کی بڑی وقعت ہے جو شریف اور بہادر قوم ہے۔افغان اور بلوچ کا اتحاد کوئی نیا اقدام نہیں ہے بلکہ ان دونوں اقوام میں بہت سی خصوصیات ایسی مشترک ہیں کہ انہیں ہمسایہ قوم کہا جاتا ہے ۔

معذرت.

حضرات ! مجھے افسوس ہے کہ وقت کی قلت اور ناسازی طبیعت کی وجہ سے میں کانفرنس کی کامیابی کے لئے کوئی ٹھوس اورنمایاں اقدام نہ کرسکا لیکن مجھے امید ہے کہ اگر آپ میرے مشوروں پر عمل کرتے رہے تو آئندہ سال میں اس کی کامیابی کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کروں گا ۔

دعا :

حضرات ! میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ بارگاہ ایزدی میں دعا کریں کہ وہ ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے اور ہماری ادنیٰ کوششوں کو بارآور کرے ۔

حضرات ! میں اپنی تقریر ختم کرتے ہوئے آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ اپنی قرار دادیں پیش کریں بہرحال مجھے قوی امید ہے کہ آئندہ سال تک آپ اپنی عملی اور تعمیری سرگرمیوں سے قوم کی حالت بڑی حد تک درست کرنے میں کامیاب ہوسکیں گے ۔

نام علی نواز تالپور دستخط ...... (۲۳)

بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کے شرکاء سے صدر کانفرنس میر علی نواز خان تالپور والئی ریاست خیر پور کا صدارتی خطاب ایک منتشر اور سوئی ہوئی قوم کے لئے تازیانہ بیداری تھا۔ انہوں نے قبائلی روایتی سماج میں زندگی بسر کرنے والے بلوچ سماج کو ترقی کے میدان میں لاکھڑا کرنے کے لئے جدید دور کے تقاضوں کو زیر بحث لائے، جس پر گامزن رہ کر ایک پسماندہ معاشرہ جدید دور کی سہولتوں سے مستفید ہوکر ترقی یافتہ قوموں کے دوش بدوش شاہراہ ترقی پر گامزن ہوسکتا ہے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کانفرنس کے انعقاد کو قوم کی ضرورتوں کے حصول کے لئے ایک تعمیری قدم قرار دیا۔ تعلیم جو کہ ترقی کے بالائی ڈھانچے کا ایک بنیادی ستون ہے، جس کے حصول سے قومیں مہذب معاشرتی زندگی میں بہتر سے بہتری کی طرف قدم بڑھا سکتی ہیں، اسی لئے انہوں نے تعلیم کی ضرورت کو اہم گردانتے ہوئے عورتوں اور مردوں کو تعلیم دلوانے پر زور دیا۔ سماجی جدوجہد میں رہنمائی کے لئے تنظیم بنیادی کردار ہے جس کی چھتری تلے ایک ہی فکر اور مقصد کے لوگ رضا کارانہ طور پر اکٹھے ہوتے ہیں۔ تنظیم سماجی ارتقاء سے گہری رغبت کی علامت ہے۔ ارتقاء کے نقطہ نظر کو اپنے اندر سمیٹنے والی تنظیم اور اپنے دور کے تقاضوں سے آگاہ قیادت ہی ایک پسماندہ معاشرے کو سماجی ترقی کی طرف دھکیل سکتی ہے اور کمیتی و کیفیتی طور پر تبدیلی برپا کر سکتی ہے۔ اسی ضرورت کو جانتے ہوئے میر علی نواز خان تالپور نے تنظیم کی ضرورت پر زور دیا تاکہ مختلف ریاستوں میں بٹے ہوئے بلوچ قبائل کو ایک قومی دھارے میں لاکر انہیں جدید دور کی ضرورتوں سے آگاہ کیا جاسکے۔ میر علی نواز خان تالپور نے اپنے دور کے سماجی، معاشی اور سیاسی حالات اور ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر اتحاد ویکجہتی پر زور دیا اور اتحاد ویکجہتی کو ارتقاء کے تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے سرگرم جدوجہد کرنے کی تلقین کی۔

”سندھ کمیٹی کی طرف سے کانفرنس میں صدر کانفرنس میر علی نواز تالپور کی صدارتی تقریر کے بعد سٹیج پر خوشیوں سے بھرپور ایک پیغام پڑھ کر سنایا گیا۔ یہ خوشیوں بھرا پیغام سیٹھ عبداللہ ہارون کا تھا جو بمبئی سے سندھ کی علیحدگی کے متعلق تھا۔

بمبئی سے سندھ کی علیحدگی ایک دیرینہ اور اہم مسئلہ تھا، جس کے لئے سندھ کے رہنما بمبئی سے علیحدگی کے لئے عرصہ دراز سے کوششوں میں مصروف تھے بالآخر ان تنظیموں کی سیاسی جدوجہد کے ذریعے برٹش گورنمنٹ کو سندھ کی سیاسی تنظیموں کے دباؤ اور عوامی خواہشات و جدوجہد کے آگے گھٹنے ٹیکنے پڑے اور مجبوراً انہیں سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کرنے کا اعلان کرنا پڑا، تاکہ عوام کی بھپری ہوئی احتجاجی تحریک کو وقتی سکوت کی شاہراہ پر موڑا جاسکے۔ سیٹھ عبداللہ ہارون کے اس اچانک پیغام کو سنتے ہی کانفرنس میں شامل مندوبین اور عوام کے چہرے کھل اٹھے۔ یہ اس دور میں انتہائی بڑی فتح تھی۔ فتح کی یہ خبر کانفرنس کے پہلے دن کے پہلے اجلاس میں مسرت وخوشیوں کا پیغام بن کر چارسو دھنک کے رنگ بکھیرتے ہوئے کانفرنس ہال میں نسیم سحر کی خوشبوؤں

بھرا جھونکا بن کر داخل ہوئی۔ یہ خوشیوں بھرا پیغام کانفرنس کے پہلے دن کی پہلی نشست کا ''اول دسلاپ'' تھا جسے کانفرنس میں شامل مندوبین نے نیک شگون سے تعبیر کرتے ہوئے ایک دوسرے کو مبارک باد دی۔ چند لمحے اسی طرح گزرے پھر سٹیج سیکرٹری نمودار ہوئے اور اسٹیج پر آ کر سب جیکٹس کمیٹی کے لئے اراکین کے انتخاب کا اعلان کیا۔ظہر کی نماز سے قبل سب جیکٹس کمیٹی کے لئے ۴۰ افراد کا انتخاب عمل میں لایا گیا جن کے نام گذشتہ اوراق میں شامل ہیں۔ سب جیکٹس کمیٹی کے اراکین کے انتخاب کا مرحلہ طے ہونے کے بعد اجلاس ملتوی کرنے کا اعلان کرتے ہوئے اگلی نشست کی کاروائی سہ پہر ۴ بجے رکھی گئی۔

دوپہر کے کھانے اور باجماعت نماز ظہر سے فراغت کے بعد ایک جلوس نکالنے کا اعلان کیا گیا۔جلوس پنڈال سے برآمد ہوا، کانفرنس کے قائم مقام صدر خان عبدالصمد خان اچکزئی مسٹر غلام سرور مغل انتظامیہ کمیٹی کے جنرل سیکرٹری اور مولانا نظام الدین امروٹی ایک موٹر کار میں سوار تھے۔ جلوس کی قیادت میر یوسف عزیز مگسی اور میر عبدالعزیز کرد کر رہے تھے جو پہلی صف میں تھے قائدین قومی پرچم کے پیچھے کھدر کے سرخ کپڑے زیب تن کئے ہوئے سرخ پوش رضا کاروں کے ساتھ جلوس میں پیدل چل رہے تھے۔جلوس میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ شامل تھے۔جلوس نے پنڈال سے نکلنے کے بعد جیکب آباد بازار سے گزر کر گھنٹہ گھر چوک پر ایک جلسے کی شکل اختیار کی، جہاں مقررین نے قومی یکجہتی اور کانفرنس کے اغراض و مقاصد کی روشنی میں تقاریر کیں۔جلوس میں وطنی و قومی نعرے لگائے گئے۔ جلسے میں کانفرنس میں عوام کا داخلہ مفت ہونے کا اعلان کیا گیا مقررین کی تقاریر کے بعد قائدین جلوس کی شکل میں واپس پنڈال پہنچے پنڈال پہنچتے ہی چار بج رہے تھے۔ٹھیک چار بجے دوسرے سیشن کا آغاز ہوا۔

دوسرا سیشن جو ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہا اس میں مختلف مقررین نے ملکی اور قومی مسائل پر سیر حاصل گفتگو کی اور بلوچ قوم کی معاشی بدحالی، تعلیمی پسماندگی زوال و انحطاط کے اسباب کو موضوع بحث بناتے ہوئے ان کے تدارک کے لئے قومی سطح پر لائحہ عمل مرتب کرنے پر زور دیا گیا۔ اس سیشن میں جمعیت علماء اسلام سندھ کے رہنماؤں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہ سیشن ساڑھے پانچ بجے ختم ہوا اور تیسرا سیشن رات آٹھ بجے شروع کرنے کا اعلان کیا گیا۔

رات آٹھ بجے تیسرے سیشن کا آغاز ہوا جو دوسرے سیشن کے موضوع کا تسلسل تھا ان ہی نقاط پر سندھ پنجاب، بلوچستان اور دیگر انڈین صوبوں سے آئے ہوئے نمائندوں نے تقاریر کیں اس سیشن کا اختتام رات بارہ بجے ہوا''۔ (۲۴)

کانفرنس کا دوسرا دن :

بتاریخ ۲۸ / دسمبر ۱۹۳۲ء

اجلاس شروع ہونے سے قبل پنڈال لوگوں سے بھرا ہوا تھا، آس پاس کے دیہاتوں سے لوگ جوق در جوق کانفرنس میں شرکت کے لئے ٹولیوں کی شکل میں آرہے تھے۔ پہلے دن کی نسبت دوسرے دن وزیٹرز کی تعداد زیادہ تھی۔ دوسرے دن کے اجلاس کا آغاز صبح ۱۰ بجے حسب روایت تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ تلاوت کلام پاک کے بعد سٹیج سے قومی ترانے کی گونج بلند ہوئی۔ پھر مولانا ظفر علی خان کا پیغام سٹیج پر پڑھا گیا۔ مولانا ظفر علی خان بلوچستان کی سیاسی تحریک سے لگاؤ و گہری وابستگی رکھتے تھے، اس کے میر یوسف عزیز مگسی میر عبدالعزیز کرد اور خان عبدالصمد خان اچکزئی سے قریبی تعلقات تھے۔ مولانا ظفر علی خان جو خود ناسازی ءِ طبیعت بہ نفس نفیس بلوچ کانفرنس میں شرکت نہ کر سکے۔ انہوں نے اپنے بیٹے مولانا اختر علی خان کو کانفرنس میں شرکت کے لئے بھیجا اپنے پیغام میں مولانا ظفر علی خان نے اس کانفرنس کو قومی اہمیت کا حامل قرار دیتے ہوئے کانفرنس میں اپنی عدم شمولیت پر معذرت کا اظہار کیا۔ کانفرنس کی کامیابی کے لئے دعا کی تھی۔ مولانا ظفر علی خان کے پیغام کے بعد لاہور سے آئے ہوئے مہمان مولانا شمس الدین حسن کو تقریر کے لئے سٹیج پر بلایا گیا، جنہوں نے نہایت موثر تقریر فرمائی۔ مولانا نے اپنی تقریر میں بلوچ کانفرنس کی شاندار کامیابی پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اسے قومی مسائل کے حل کے لئے سنگ میل قرار دیا۔ کانفرنس کی کامیابی پر مبارک باد دیتے ہوئے مولانا نے کہا کہ ”میں نے اس قسم کے پنڈال یا تو کلکتہ اور بمبئی میں دیکھے ہیں یا آج یہاں جیکب آباد جیسے شہر میں دیکھ رہا ہوں“۔ پھر لاہور کے مولانا اختر علی خان کو سٹیج پر بلایا گیا جن کا تعلق جریدہ زمیندار سے تھا (صاحب صدر نے ان معزز مہمانوں کا تعارف کراتے ہوئے مسرت کا اظہار کیا کہ ان معزز مہمانوں کے آنے سے ہماری کانفرنس کی شان دوبالا ہوگئی ہے) مولانا اختر علی خان نے بلوچوں کو مبارک باد دیتے ہوئے کانفرنس کی کامیابی پر خوشی کا اظہار کیا اور اسے بلوچوں کے لئے انقلاب سے تعبیر کیا۔ مختصر سی تقریر کے بعد مولانا اختر علی خان صاحب نے ایک نظم پڑھی جسے بے حد پسند کیا گیا، حاضرین کانفرنس اس سے نہایت محظوظ ہوئے اور اللہ اکبر کے نعروں سے داد پیش کی گئی۔ اس کے بعد چند قراردادیں پیش کی گئیں (قراردادوں کی تفصیل اگلے صفحات میں ہے) تمام قراردادیں ”اللہ اکبر“ کے فلک شگاف نعروں کی گونج میں پاس ہوئیں۔ ظہر کی اذان کے ساتھ ہی اجلاس برخاست کرنے کا اعلان کیا گیا اور دوسرے اجلاس کا وقت سہ پہر تین بجے مقرر کیا گیا۔

نماز ظہر اور دوپہر کے کھانے سے فراغت کے بعد ڈیلیگیٹس حضرات اور وزیٹرز ٹھیک تین بجے پنڈال میں پہنچے۔ خان عبدالصمد خان اچکزئی بلوچستان زندہ باد، اسلام زندہ باد اور اللہ اکبر کے نعروں کی گونج میں کرسی صدارت پر جلوہ افروز ہوئے۔ حسب روایت تلاوت کلام پاک اور پھر قومی ترانہ پڑھا گیا۔ اس کے بعد مولانا قاضی احسان احمد خطیب شجاع آبادی کو وعظ کے لئے بلایا گیا، جس نے نہایت بلیغ و فصیح تقریر فرمائی۔ شاید اس قسم کی تقریر نہ تو پہلے جیکب باد میں کسی نے کی تھی اور نہ ہی خود پہلے

مولانا صاحب نے اپنی گزشتہ زندگی میں ایسی تقریر سے جلسوں کو گرمایا تھا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں بلوچوں کو اتحاد و یکجہتی پر زور دیتے ہوئے کہا کہ بغیر مشترکہ جدوجہد سے قومی جدوجہد کو کامیابی سے ہم کنار نہیں کیا جا سکتا۔ انہوں نے بلوچوں کو بُری بُری رسموں سے پرہیز کرنے کی ہدایت کی۔ انہوں نے انتہائی جذباتی انداز اپناتے ہوئے اپنی تقریر میں کہا کہ ”اے بلوچو! تم کافی سو چکے، اب خدارا بیدار ہو جاؤ اور اپنی قوم کے واحد رہنما ہر دلعزیز شخصیت نوابزادہ یوسف علی خان عزیز کی آواز پر لبیک کہہ کر اپنے زندہ ہونے کا ثبوت دو“۔ انہوں نے خواب گراں سے جاگ اٹھنے اور قومی جدوجہد میں شامل ہونے پر زور دیا مولانا قاضی احسان احمد خطیب شجاع آبادی کے پُر اثر وعظ کے بعد کچھ اور قراردادیں پاس کی گئیں جس کے بعد اجلاس کے اختتام کا اعلان کیا گیا۔

کانفرنس کے دوسرے دن کا تیسرا اجلاس چالیس ارکان پر مشتمل سب جیکٹس کمیٹی پر مشتمل تھا جس میں وزیٹرز کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس اجلاس میں اہم قومی علاقائی امور پر سیر حاصل بحث کی گئی اور لائحہ عمل مرتب کیا گیا۔ سب جیکٹس کمیٹی پر مشتمل ارکان کا یہ اجلاس آٹھ بجے شروع ہوا، اور رات دو بجے تک جاری رہا۔

کانفرنس کا تیسرا دن :

بتاریخ ۲۹ / دسمبر ۱۹۳۲ء

بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کے ”تیسرے دن کا پہلا اجلاس مقررہ وقت پر صبح دس بجے شروع ہوا۔ کانفرنس میں گزرے ہوئے ہر دن کی نسبت عوام کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی، عوام کی دلچسپی قابل رشک تھی، خوشیوں کا اندازہ عوام کے چہروں سے دکھائی دے رہا تھا۔ حسب روایت تلاوت کلام پاک سے اجلاس کا آغاز کیا گیا۔ تلاوت کلام پاک کی سعادت مولوی سید صدرالدین شاہ نے حاصل کی۔ تلاوت کلام پاک کے بعد بُلبُلانِ خلافت نے مترنم آواز میں قومی ترانہ پیش کیا اس کے بعد رسول بخش خان ایڈیٹر ”رہنما“ حیدر آباد کو سٹیج پر آنے کی دعوت دی گئی جس نے اپنی لکھی ہوئی ایک نظم سے سامعین کے دل گرمائے، سامعین نے اللہ اکبر کے نعروں کی گونج میں داد دی۔ نظم کے بعد آپ نے بلوچوں کی پستی کے احوال بیان فرمائے اور بلوچ قوم سے اپیل کی کہ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم بھی اپنے زندہ ہونے کا ثبوت دیں۔

رسول بخش خان ایڈیٹر ”رہنما“ حیدر آباد کے بعد قراردادیں پیش کی گئیں، جنہیں حاضرین نے اللہ اکبر کے نعروں کی گونج میں منظور کر لیا۔ اذان کے وقت اجلاس کے برخاست ہونے کا اعلان کیا گیا۔

کانفرنس کے ”تیسرے دن کا دوسرا اجلاس ٹھیک تین بجے شروع ہوا۔ تلاوت کلام پاک اور قومی ترانہ کے بعد کاروائی کا باقاعدہ آغاز کیا گیا۔ اس اجلاس میں سٹیج سے مولانا غلام فرید صاحب سیالکوٹی کی آمد کا اعلان کیا گیا جس کی آمد کی خبر سنتے ہی سامعین نے پرجوش انداز میں نعروں کی گونج میں اسے خوش آمدید کہا (مولانا غلام فرید سیالکوٹی صاحب بلا کے مقرر تھے منفرد انداز خطابت کے مالک تھے معروف شخصیت، مبلغ اسلام اور عالم دین تھے)۔

مولانا غلام فرید صاحب اسٹیج پر بلایا گیا مولانا نے ڈیڑھ دو گھنٹے تک ایک پر اثر اور فصیح تقریر کی اور اسوہ حسنہ نبی پاکؐ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ سنت نبویؐ پر عمل کرے تا کہ اس دنیا اور آخرت میں ہر دکھ اور مصیبت سے نجات حاصل کرے۔انہوں نے اس کانفرنس کو نہ صرف بلوچوں کے لئے بلکہ عالم اسلام کے لئے ایک سنگ میل قرار دیتے ہوئے تمام مسلم اقوام کی مشترک جدوجہد کو وقت کی ضرورت قرار دیا۔

مولانا غلام فرید صاحب سیالکوٹی کی تقریر کے بعد عوام کے اصرار پر قاضی احسان احمد صاحب خطیب شجاع آبادی جس نے گزشتہ روز اپنے وعظ سے سامعین کو گرمایا تھا کو ایک بار پھر سٹیج پر جلوہ افروز ہونے کی درخواست کی،جنہوں نے اپنے انداز تخاطب سے سامعین میں جوش پیدا کیا وہ منفرد اسلوب کا حامل تھا۔ انتہائی پر اثر اور دلکش انداز بیان،موقع کی مناسبت سے الفاظ پر گرفت ، سامعین کے جذبات کو ابھارنے کے ماہر تھے۔انہوں نے اپنے پر اثر خیالات سے حاضرین کو مستفید کیا۔پانچ بجے صاحب صدر نے اجلاس برخاست کرنے کا اعلان کیا۔اجلاس برخاست ہونے سے قبل وقت کی کمی کے باعث کانفرنس کو باہمی مشاورت سے صاحب صدر نے ایک دن اور بڑھانے کا اعلان کیا جس کا حاضرین اجلاس نے نعروں کی گونج میں شکریہ ادا کیا۔اس سے قبل اخبارات میں اعلان کیا گیا تھا کہ کانفرنس ۲۹ / دسمبر تک ہوگی مگر کام کی زیادتی اور وقت کی کمی کے باعث کانفرنس کو مزید ایک دن اور ۳۰ / دسمبر تک جاری رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔کانفرنس کے تیسرے دن کا تیسرا اجلاس رات آٹھ بجے شروع ہوا جو بارہ بجے تک جاری رہا۔اس اجلاس میں قومی وعلاقائی امور پر مزید قرار دیں پیش کی گئیں جو منظور کی گئیں‘‘۔

کانفرنس کا چوتھا دن :

بتاریخ ۳۰ / دسمبر ۱۹۳۲ء

اکثر محققین ’’بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس‘‘ کو سہ روزہ کانفرنس قرار دیتے ہیں حالانکہ اس کانفرنس (جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں) جس کا اعلان سہ روزہ کانفرنس ۲۷ تا ۲۹ دسمبر ۱۹۳۲ء بمقام منعقدہ جیکب آباد کے حوالے سے ہوا تھا، گھمبیر مسائل کے انبار اور وقت کی کمی کی وجہ سے ایک روز کا مزید اضافہ کر دیا گیا تھا۔

کانفرنس کے ’’چوتھے روز کا پہلا اجلاس حسبِ سابق تلاوت کلام پاک سے شروع ہوا۔ پھر قومی ترانہ پڑھا گیا،اس کے بعد قرار دادیں پیش کی گئیں۔ چوتھے روز کی قرار دادیں اکثر ریاست قلات اور وزیر اعظم سر شمس شاہ کے متعلق تھیں،جنہیں مجاہدانہ نعروں کی گونج میں پاس کیا گیا۔نماز ظہر سے پہلے پہلے سیشن کا اختتام ہوا۔’’اگلے دن ماہ رمضان کی پہلی تاریخ تھی جس کی وجہ سے آخری اجلاس کا وقت سہ پہر ۴ بجے مقرر کرنے کا اعلان کیا گیا جو اذان عشاء تک جاری رہا‘‘۔

کانفرنس کے ’’آخری اجلاس کی شروعات بھی تلاوت کلام پاک سے ہوئی پھر بُلبُلانِ خلافت نے میر یوسف عزیز کی مشہور قومی نظم (میں اگر چاہوں تو ذرے کو بیابان کردوں) پڑھی میر یوسف عزیز کی لکھی ہوئی قومی نظم اور بُلبُلانِ خلافت کی

مترنم آواز، دردو جذبات سے بھرپور صدا نے رونگھٹے کھڑے کردینے کا سماں باندھ دیا تھا۔ مجاہدانہ جذبات ابھارنا یوسفی شاعری کا طرہ امتیاز تھا حاضرین مجلس نے اللہ اکبر، قومی، وطنی اور مذہبی نعروں کی گونج میں بُلبُلانِ خلافت کو داد دی۔ قومی ترانے کے بعد آخری روز کے آخری اجلاس کی کارروائی کا آغاز کیا گیا، بقیہ قراردادیں پیش کی گئیں جنہیں متفقہ طور پر پاس کیا گیا اس کے بعد کانفرنس کے قائم مقام صدر نے چند بلوچ قومی زعماء کو باری باری خطاب کی دعوت دی'' (۲۵) ان بلوچ زعماء کی تقاریر کا خلاصہ مرید حسین مکسی کی وساطت سے ہم تک پہنچے، جو یوں ہیں:

کانفرنس میں اکابرین کی تقاریر:

حاجی محمد عثمان بلوچ:

''حاجی محمد عثمان بلوچ میونسپل کمشنر کراچی نے اپنی تقریر میں اتحاد واتفاق کی تلقین کرتے ہوئے قومی بیداری پر اظہار مسّرت کیا اور فرمایا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ قوم کا ہر فرد تاریخی کردار ادا کرے۔ علم کی روشنی پھیلائے اور گمراہی کا پردہ جہالت چاک کرکے اپنے آپ کو دنیا میں رہنے کے قابل بنائے''۔

سردار غلام رسول خان قرائی بلوچ:

سردار غلام رسول خان قرائی بلوچ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور انجمن اتحاد بلوچاں ہند کے صدر تھے۔ آپ کا تعلق ڈیرہ غازی خان سے تھا'' آپ نے اپنی تقریر میں اپنے تجربات زندگی بیان فرمائے اور انجمن اتحاد بلوچانِ ہند کی تاسیس کے متعلق تقریر کی اور قوم سے اپیل کی کہ ہر سلیم العقل فرد کو چاہیئے کہ اس جماعت میں شامل ہوکر اسے مضبوط بنائے۔ آپ نے اپنی مختصر سی تقریر میں متحد ہونے پر زور دیا''۔

میر مٹھا خان خضر مری:

جوان سال مقرر میر مٹھا خان کا تعلق سبی سے تھا۔ آپ سب جیکٹس کمیٹی کے ممبر تھے آپ نے اپنی تقریر میں'' قوم کی حالت زار پر اظہار افسوس کرتے ہوئے رقت انگیز الفاظ میں قوم سے اپیل کی کہ اب تک کافی سوچکے، اگر ابھی کروٹ نہ بدلی تو ہمیشہ کے لئے مٹ جاؤ گے''۔

میر محمد امین خان کھوسہ:

آپ کا تعلق انجمن اتحاد بلوچستان سے تھا علی گڑھ کے فارغ التحصیل تھے'' آپ نے ایک نہایت ہی مدلّل تقریر میں کانفرنس کے انعقاد، اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔ پروپیگنڈے اور ناسازگار ماحول میں کانفرنس کی کامیابی پر اظہار مسرت کیا

اور اتحاد و اتفاق کی تلقین کرتے ہوئے کانفرنس کی بنیادوں کو مضبوط کرنے کی اپیل کی ۔آپ نے ڈپٹی کمشنر صاحب جیکب آباد کا شکریہ ادا کیا کہ وہ غلط افواہوں سے متاثر نہیں ہوا''۔

(یہ یاد رہے کہ بلوچ کانفرنس کا اعلان ہوتے ہی وزیر اعظم ریاست قلات سر شمس شاہ، اس کے کاسہ لیس سردار، برٹش بلوچستان انتظامیہ اور انڈیا کے نو آبادیاتی برٹش حکمران کانفرنس کی ناکامی کے لئے سر توڑ کوششوں میں مصروف تھے اور طرح طرح کے پروپیگنڈے، حربے اور حکمت عملی استعمال کر رہے تھے تاکہ بلوچ اور بلوچستان خواب گراں سے جاگ نہ اٹھیں ۔جیکب آباد کے آس پاس کے علاقوں قرب و جوار کے دیہاتوں میں خوف و دہشت کا عالم طاری تھا۔ان کی حتی الوسعی یہی کوشش تھی کہ اردگرد کے شہروں اور آس پاس کے دیہاتوں کے عوام کو کانفرنس میں شریک ہونے سے دور رکھا جائے اور کانفرنس ناکام ہو۔اس کا اثر کچھ سرداروں پر بھی ہوا۔ چنانچہ سردار بہرام خان لہڑی نے بلوچ کانفرنس میں شامل ہونے اور گرانقدر رقومات بطور چندہ ادا کرنے کے وعدے کئے تھے مگر عین وقت پر انگریز دباؤ کے تحت کانفرنس میں شامل نہ ہوئے'' ہاں نواب محراب خان بگٹی نے جو خود شریک کانفرنس نہ ہو سکے لیکن کانفرنس کے انعقاد کے سلسلے میں مالی و اخلاقی مدد کی ۔ چند سردار تو انگریز و سر شمس کے منفی ہتھکنڈوں کے اثر میں آئے، لیکن عوام کہاں کانفرنس میں شمولیت سے باز آنے والے تھے ۔ یہ تو یوسفی تحریک تھی، پھلتی پھولتی جڑیں نکالنے والی تحریک۔ایک ایسی تحریک جو عوام کے ذہنوں پر چھا کر انہیں زندگی کے اجتماعی عملی سرگرمیوں میں شرکت پر ابھارنے والی زندگی کی حقیقتوں سے آگاہی بخشنے والی تحریک، ایسی تحریک جس کی جڑیں عوام کے مختلف طبقوں میں پیوست ہوں۔یہ تحریک کہاں ان منفی پروپیگنڈوں حکمت عملیوں اور حربوں سے ناکام ہونے والی تھی۔ یہ تحریک ایک آسرا تھا عوام کی زندگیوں کو بدلنے کا انہیں ظلم جبر اور ہر قسم کے استحصال سے چھٹکارا دلانے کا، قومی مسائل پر قومی یکجہتی کو فروغ دلانے کا۔ بالآخر عوام نے اس یوسفی تحریک میں جوق در جوق شامل ہو کر اسے اپنا نجات دہندہ گردانتے ہوئے تبدیلی کا پیش خیمہ بنایا)۔

میر یوسف عزیز کا خطاب:

کانفرنس میں شامل وزیٹرز اور اراکین کانفرنس بلوچوں کے نوجوان قومی قائد اور کانفرنس کے روح رواں میر یوسف علی خان عزیز مگسی کی تقریر کے لئے بے تاب تھے ۔جیسے ہی سٹیج سے میر یوسف عزیز کو خطاب کے لئے بلایا گیا تو پنڈال قومی نعروں سے گونج اٹھا اللہ اکبر اور قومی نعروں کی گونج میں میر یوسف عزیز سٹیج پر جلوہ افروز ہوئے۔آپ نے آغاز خطاب کرتے ہوئے کہا کہ'' سب سے اول اس اجتماع کی طرف سے اللہ پاک کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے ہمیں ہمت اور توفیق عطا فرمائی کہ ایک مقام پر جمع ہو کر اپنے زوال اور انحطاط کے اسباب دور کرنے کے اور آگے بڑھنے کے لئے تدابیر بروئے کار لائیں۔سلسلہ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے قوموں کے عروج و زوال کے اسباب تفصیل سے بیان فرمائے اور حقیقی معنوں میں مسلمان بننے کی تلقین کی ۔

اس کے بعد آپ نے کامیابی کی ایک اہم شق اتحاد واتفاق پر معنی خیز تبصرہ فرمایا۔آپ نے سی آئی ڈی رپورٹروں سے جو بائیں جانب بیٹھے لکھ رہے تھے مخاطب ہوکر فرمایا کہ ''میرے یہ بھائی کیا ہم سے کم درد وطن رکھتے ہیں؟ ہرگز نہیں! مگر لعنت ہو اس افلاس پر جس نے شکم پروری کے لئے انہیں اس کام پر مجبور کر رکھا ہے۔آپ نے فرمایا تاہم انہیں صحیح رپورٹ پیش کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔آپ نے مزید فرمایا کہ ان سے زیادہ خطرناک آنریری سی آئی ڈی کا وہ گروہ ہے جنہیں خان بہادر سردار صاحب اورنواب صاحب کہتے ہیں۔یہ حضرات فکر معیشت سے بھی آزاد ہیں،مگر صرف حصول خطابات کے لئے اختراع وافترا کے طور مار باندھنے سے نہیں ہچکچاتے''۔آپ نے ان حضرات کے لئے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ انہیں راہ راست پر لگائے۔اس کے بعد آپ نے فلسفہ محبت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ ''محبت ہی ایک ایسا حربہ ہے جو تمام مواقع پر غالب آسکتا ہے''۔آپ نے زوردار لفاظ میں کہا کہ ''افنائے حق اور اعلائے صداقت کو ختم کرنے کے لئے کوئی تلوار چمکے تو ہمارا فرض ہے کہ اپنی کمزور جان اس کی نذر کریں ہمیں انگریز،یہودی اور پارسی سب سے محبت کرنی چاہئے مگر اپنے صادق ارادوں میں ایک رتی بھر ترمیم کئے بغیر''۔(یوسفی خطابت کے دوران پنڈال بار بار نعرہ تکبیر اور قومی نعروں سے گونج رہا تھا)۔

اس کے بعد آپ نے قائم مقام صدر کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا کہ بلوچستان میں یہ پہلے شخص ہیں جو اعلائے کلمہ حق کی پاداش میں سنت یوسفی پر عمل کر چکے ہیں (نعرہ تکبیر) پھر آپ نے باری باری تمام کارکنوں کے نام لے کر شکریہ ادا کیا،جن میں غلام قادر خان ایڈووکیٹ صدر استقبالیہ کمیٹی خان غلام سرور خان مغل جنرل سیکرٹری استقبالیہ کمیٹی،میر عبدالعزیز کرد انچارج ہیڈ آفس قاضی احسان احمد صاحب خطیب جامع مسجد شجاع آباد،میر محمد امین خان کھوسہ،مولوی محمد حسین صاحب پبلشر اخبار ''الحنیف'' کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں''۔

(یہ تھا بلوچوں کا نوجوان مستعد و سرگرم قائد میر یوسف عزیز کا انداز بیان انتہا پسندانہ وقدامت پرستانہ تعصّبات سے بالاتر۔وسیع النظر سوچ کا حامل یوسف کا انداز تخاطب یوسفی فلاسفی کے تحت ''محبت ہی ایک ایسا حربہ ہے جو تمام مواقع پر غالب آسکتا ہے'' وہ محبت ہی کے ذریعے دوسروں کو قائل کرنے کے عادی تھے اور محبت ہی سے دوسروں کو سمجھنے اور سمجھانے کی خاصیت رکھتے تھے وہ محبت ہی سے زندگی کی سچائیوں کا ادراک رکھنے والے ایک سچے انسان تھے۔ایسا حساس دردمند اور محبت کا مجسم صورت انسان جو اپنے دل میں لوگوں کے دکھ درد بسائے انہیں خوشیوں سے بھرپور زندگی دلانے کے لئے برسرپیکار تھے)۔

خان عبدالصمد خان اچکزئی:

خان عبدالصمد خان اچکزئی قائم مقام صدر بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کو میر یوسف عزیز مگسی کے خطاب کے بعد دعوت خطاب دی گئی۔عبدالصمد خان اچکزئی کے سٹیج پر آتے وقت بلوچستان زندہ باد اور اللہ اکبر کے نعروں سے پنڈال

گونج اٹھا۔آپ نے چوتھے دن کے آخری اجلاس کی آخری تقریر میں میر یوسف عزیز علی خان کی تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ ''میرے متعلق میر یوسف عزیز کا یہ خیال کہ میں جیل میں رہ چکا ہوں اور اس لئے میرا نام مبارک ہستیوں میں شامل ہے، زیادہ صحیح نہیں یہ نظریہ حقیقت سے بعید ہے جیلوں میں ہزاروں قیدی چور اور ڈاکو سزا بھگت رہے ہیں پس میرے جیل جانے میں کوئی بڑائی ظہور میں نہیں آئی، ہاں خدمت کے میدان میں جب کوئی فرض جماعت کی جانب سے عائد کیا جائے میں پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ آپ نے بلوچستانیوں کے جائز و فطری حقوق کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہم بھی مجبور ہیں اور گورنمنٹ سے اپنے حقوق مانگے بغیر نہیں رہ سکتے اور ہم گورنمنٹ کی مجبوریوں سے بھی غافل نہیں۔اس کے بعد آپ نے یوسف علی خان اور بلوچ و بلوچستانی زعماء کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے بڑے بھاری فرائض کو مجھ پر عائد کرتے ہوئے مجھے قوم کی خدمت کرنے کا موقع عطا کیا۔

تقسیم انعامات:

خان عبدالصمد خان اچکزئی کی تقریر کے اختتام کے بعد میر یوسف عزیز مگسی کی زیر صدارت خان عبدالصمد خان اچکزئی، میر عبدالعزیز کرد، مولانا اختر علی خان، مولانا شمس الدین، میر محمد امین خان کھوسہ اور ماسٹر محمد حسین عنقا پر مشتمل ایک علیحدہ میٹنگ منعقد ہوئی جنہوں نے مضامین پڑھنے پر انعامات کا فیصلہ سنایا۔یاد رہے کہ دسمبر میں نوابزادہ میر یوسف علی خان نے اعلان کیا تھا کہ ہر بلوچ و بلوچستانی طالب علم دیئے گئے عنوانات پر مضامین لکھیں تو اچھے مضامین لکھنے والوں کو انعامات دیئے جائیں'' مضامین لکھنے کے سلسلے میں مرید حسین مگسی بلوچ معلم بی اے اسلامیہ کالج لاہور کو ۲۵ روپے انعام دیا گیا محمد علی خان قرائی بی اے اسلامیہ کالج لاہور کو ۲۵ روپے دیئے گئے۔

پیر بخش نسیم تلوی سبی کو ۱۵ روپے انعام سے نواز گیا، یہ انعامات میر یوسف عزیز نے خود تقسیم کئے۔

اس اجلاس کے بعد میر یوسف علی خان نے قائم مقام صدر اور دیگر زعماء کو الوادعی پارٹی دی''۔(۲۶)

کانفرنس کے مطالبات وقراردادیں:

چار روزہ ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰ دسمبر ۱۹۳۲ء تک جاری رہنے والی ''بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس'' میں ریاست قلات اور برٹش بلوچستان میں اصلاحات اور آزاد حکومت کے قیام کے مطالبات کے ساتھ ساتھ ۳۸ قراردادیں متفقہ طور پر منظور کی گئیں جو درج ذیل تھیں:

مطالبات

☆ شاہی جرگہ کو legislate بنانے کا مطالبہ۔ (قانون سازی کا اختیار)۔

☆ ریاست قلات میں دستوری اور ذمہ دار حکومت کے قیام کا مطالبہ۔

☆ برٹش بلوچستان میں آئینی حکومت کے قیام کا مطالبہ۔

☆ کوئٹہ میونسپلٹی میں عوامی رائے دہی سے ممبران کے انتخاب کا مطالبہ۔

قراردادیں

اس کانفرنس کا نام ''بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس'' ہوگا اور اس کانفرنس کے اغراض و مقاصد حسبِ ذیل:

☆ ''باشندگان بلوچستان اور کشورِ ہندوستان کے دیگر صوبوں میں رہنے والے بلوچوں کی اقتصادی، سیاسی، تعلیمی اور اخلاقی حالات بہتر بنانا اور ان کے لیے ترقی کے ذرائع پیدا کر کے ان میں اتحاد، تعاون و اخوت کا احساس پیدا کرنا اور ان اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے تمام آئینی طریقے بروئے کار لانا۔

محرک:۔ سردار محمد اعظم خان مزاری

موئد:۔ میر یوسف علی خان مگسی

☆ یہ کانفرنس حکومت برطانیہ کو مبارک باد دیتی ہے کہ اس نے بمبئی سے سندھ کی علیحدگی کا اعلان کر کے ایک اہم مسئلہ کو احسن طریقے پر طے کر دیا ہے۔ نیز یہ کانفرنس ان تمام جماعتوں کی سرگرمیوں کو بہ نظر قدر دیکھتی ہے جو علیحدگی سندھ کے حق میں انہوں نے سرانجام دیں۔ یہ کانفرنس صدر کو اجازت دیتی ہے کہ اس قرارداد کی نقش حکومت ہند کی وساطت سے حکومت برطانیہ اور مندوبین راؤنڈ ٹیبل کے پاس بھیج دیں۔

محرک:۔ سردار محمد خان مزاری

موئد:۔ میر محمد امین خان کھوسہ

☆ یہ کانفرنس آنریبل مسٹر کیٹر (ای۔ سی۔ ایس۔ سی۔ آئی۔ ای) ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل بلوچستان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہے کہ انہوں نے بلوچستان کی دردناک پسماندگی کو محسوس کرتے ہوئے اپنی ظرف سے تدبر اور فراخ دلی کا فقید المثال ثبوت پیش کیا اور نیز امید کی جاتی ہے کہ اب بعض اشخاص کے خودغرض مندانہ پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر ملکی کارکنوں کے راستہ میں مشکلات حائل نہ کی جائیں گی بلکہ ان کی بدستور حوصلہ افزائی و حق رسی کرتے رہیں گے۔

محرک:۔ جام میر نواز خان

موئد:۔ میر عبدالعزیز خان کرد

☆ یہ کانفرنس گورنمنٹ برٹش بلوچستان اور ریاستی کنفیڈریشن سے استدعا کرتی ہے کہ وہ حکام اور جرگہ کی رہنمائی کے لئے 'قانون رواج' کو ایک کتابی صورت دیکر اس کی تدوین اور ترمیم شرع انوری کی روشنی میں کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کرے ،جس میں کم از کم ایک تہائی ایسے افراد شامل ہوں جو شرع انوری سے کماحقہ واقفیت رکھتے ہوں اور مستند علماء ہوں۔

محرک:۔سردار رسول خان قرائی

مؤید:۔مولوی محمد عثمان خان کراچی

☆ یہ کانفرنس بلوچستان اور بالخصوص ریاستی کنفیڈریشن آف بلوچستان سے درخواست کرتی ہے کہ وہ مقدمات کے تصفیہ میں عجلت سے کام لے۔کیونکہ بہت سے مقدمات سالہا سال بلاضرورت زیر غور رہتے ہیں جس سے انصاف کا اصل مقصد و مفہوم فوت ہو جاتا ہے۔

محرک:۔غلام قادر خان وکیل

مؤید:۔محمد امین کھوسہ

☆ یہ کانفرنس حکام سندھ سے استدعا کرتی ہے کہ سندھ میں کافی تعداد میں بلوچ آباد ہیں اور بہ نسبت دیگر اقوام کے تعلیمی لحاظ سے بہت پست ہیں اس لئے ان کو تعلیمی ترقی کے لئے خاص رعایتیں دی جائیں۔سکولوں اور کالجوں میں انہیں خاص و ظائف دیئے جائیں۔

☆ یہ کانفرنس قطع نظر اس سے کہ مقدمات کے واقعات میں ہز ایکسلنسی کونسل بمبئی سے درخواست کرتی ہے کہ عقیدت مندان درگاہ پیر پگاڑو کے کثیر تعداد اور موجودہ گدی نشین کی کم سنی اور نا تجربہ کاری کو مدنظر رکھتے ہوئے اس معاملے میں نرم سلوک روا رکھا جائے۔

محرک:۔خان عبدالصمد خان اچکزئی

☆ یہ کانفرنس مولانا اختر علی خان،مولانا شمس الدین حسن،قاضی احسن احمد شجاع آبادی اور مولانا فرید صاحب کا شکریہ ادا کرتی ہے کہ وہ اپنی مصروفیات کے باوجود اپنا قیمتی وقت صرف کر کے ہماری دعوت پر جیکب آباد تشریف لائے اور کانفرنس میں شمولیت فرمائی۔

محرک:۔خان عبدالصمد خان اچکزئی

☆ یہ کانفرنس اعلیٰ حضرت ہز ہائی نس میر علی نواز خان تالپور والئی ریاست خیر پور کا شکریہ ادا کرتی ہے کہ انہوں نے اس کانفرنس کی صدارت کو قبول فرمایا اور مالی امداد بھی دی اور یہ کانفرنس ان کی بحالی صحت کے لئے دعا کرتی ہے۔

محرک :۔عبدالصمد خان اچکزئی

☆ یہ کانفرنس جرائد زمیندار، انقلاب، الوحید، مسلمان، رہنما، البلوچ، اتحاد بلوچاں، الحنیف، نور اسلام، سندھ زمیندار سکھر کی کانفرنس کے حوالے سے مہم اور خدمات کو تشکر اور قدر کی نظر سے دیکھتی ہے جو انہوں نے کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لئے کی ہیں۔

محرک : ۔عبدالصمد خان اچکزئی

☆ یہ کانفرنس انجمن انیس بلوچاں مکران اور انجمن اتحاد بلوچاں کراچی کی خدمات کو جو انہوں نے اپنے علاقوں کی ترجمانی کے لئے وفود ارسال کرنے کی صورت میں سرانجام دی ہیں اور بلوچی مفاد کے لئے ہز ہائی نس خان آف قلات کے شاہی دربار میں رعایا مکران کی گزارشات، مصائب و آلام کو صحیح صحیح پیش کیا، بہ نظر قدر دیکھتی ہے۔

محرک : ۔عبدالصمد خان اچکزئی

☆ یہ کانفرنس حکومت سندھ سے استدعا کرتی ہے کہ کاشتکاران مکران کے لئے جو قحط سالی سے تباہ ہو کر حصول روزگار کے لئے اپنے وطن سے ہجرت کر کے سندھ اور کراچی میں بسنے کی خاطر آئے ہیں یا آئندہ کبھی آئیں انہیں بیراج میں زمینیں حاصل کرنے کی سہولتیں بہم پہنچائی جائے اور انہیں زمینوں کی ملکیت دے کر رعایا پروری کا ثبوت پیش کرے۔

محرک : ۔پیر بخش خان شہدادزئی

موئد :۔مولوی محمد عثمان کراچی

☆ یہ کانفرنس حکومت قلات سے استدعا کرتی ہے کہ ان کی چنگیوں کی پیچیدگیوں کا جن کا اعتراف دربار شاہی میں بھی کیا گیا ہے جلد سے جلد انسداد فرمایا جائے۔

محرک :۔پیر بخش خان شہدادزئی

موئد :۔مولوی محمد عثمان کراچی

☆ یہ کانفرنس حکومت ہند سے درخواست کرتی ہے کہ فرنیٹر ریگولیشن کا خاص قاعدہ جو بالائی Upper سندھ کے عام باشندوں کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے موجودہ ترقی یافتہ زمانے میں غیر ضروری اور مضر ہے۔ باشندگان ضلع فائدے کے بدلے سخت نقصان اٹھا رہے ہیں اس لئے اسے منسوخ کیا جائے۔ نیز یہ کانفرنس پر زور الفاظ میں ارکان اسمبلی خصوصاً سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون اور دیگر اصحاب سے اپیل کرتی ہے کہ وہ بھی اسی ریگولیشن کو منسوخ کرانے کی طرف توجہ مبذول کریں۔

محرک :۔ غلام قادر خان وکیل

موئد :۔ غلام سرور خان مغل

☆ یہ کانفرنس جریدہ ملیہ اسلامیہ 'زمیندار' کی ان مساعی جمیلہ کا دل سے اعتراف کرتی ہے جو اس نے بلوچ کانفرنس اور بلوچ قوم کے متعلق بالخصوص اور جمہور اسلام کے لئے بالعموم سرانجام دی ہیں۔ نیز بلوچ قوم حضرت ظفر الملک مولانا ظفر علی خان صاحب کی خدمت جلیلہ کو بہ نظر قدر دیکھتی ہے اس کانفرنس کی رائے میں ہر صحیح الفکر بلوچ نوجوان کا فرض ہے کہ وہ زمیندار لمیٹڈ کمپنی کے حصص حسب استطاعت خرید کر اس جریدہ ملیہ کو مضبوط بنانے میں حصہ لے۔

محرک :۔ خان عبدالصمد خان

☆ یہ کانفرنس گورنمنٹ بلوچستان سے درخواست کرتی ہے کہ بلوچستان میں سلیکشن بورڈ قائم کیا جائے جس کے صدر جناب ریونیو کمشنر صاحب ہوں۔ یہ بورڈ آٹھ ممبروں پر مشتمل ہو جن سے پانچ ممبران ملکی اور ایک غیر ملکی مسلمان ایک ہندو اور ایک نمائندہ باقی قومیتوں سے ہوں اصلی ملکی نمائندوں میں تین گورنمنٹ منتخب کرے۔ ایک انجمن اتحاد بلوچستان اور ایک مسلم لوکل ایسوسی ایشن منتخب کرے اور ہر خالی شدہ آسامی کا باقاعدہ اشتہار شائع کیا جائے۔

محرک :۔ جام میر نور اللہ خان

موئد :۔ میر مٹھا خان مری "(۲۷)

خواتین کے حقوق کے حوالے سے قرار دادیں:

خواتین کی حیثیت ہمارے سماجی نظام میں دوہرے غلام کی ہے کیونکہ ہمارے سماجی نظام کی ڈوری مرد ذات کے ہاتھوں میں ہے اس لئے ایسے معاشرتی نظام میں مرد کو عورت پر فوقیت حاصل ہے۔ مردوں کے اپنے ہی خود ساختہ قوانین سے بنے ہوئے سماج میں عورت سماج کا سب سے زیادہ پسا ہوا اور استحصال زدہ حصہ ہے۔ جبر و استحصالی قوانین پر مبنی سماج جس پر مرد ذات کی بالادستی ہو وہ مردوں کے مفادات کے گرد گھومتا ہے۔ مرد کی بالادستی پر قائم ایسے سماج میں ہر فیصلے کا اختیار مرد کے ہاتھوں میں ہوتا ہے یہاں تک کہ عورت کی قسمت کا تعین مرد کرتا ہے ہر عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے متعلق فیصلے کا تعین خود کرے۔ عورت ذات کی پیدائش ہی سے ہمارے روایتی سماج کے اندر اس کی حیثیت ایک بے زبان غلام کی ہوتی ہے۔ پیدائش سے لیکر تادم مرگ ہمارے سماجی و قبائلی اور نسل در نسل چلے آتے ہوئے روایتی تصورات انہیں غلامانہ زندگی بسر کرنے کا درس دیتے رہتے ہیں۔

ہمارے سماج میں کاروکاری خون بہا میں عورت ذات کو دینا اور ایک جنس کی حیثیت سے بھاری ولور (لب) لینا عام سی بات ہے۔ بعض اوقات عورت ذات کی پیدائش کے وقت اس کی نسبت مرد سے طے کی جاتی ہے۔ اکثر اوقات ایک کم سن بچی کی قسمت کی ڈوری ایک بوڑھے ادھیڑ عمر مرد کے ہاتھوں میں دی جاتی ہے۔ عورت ذات ویسے تو پیدائش کے وقت سے لیکن خصوصاً شادی بیاہ کے بعد اپنی ذات اور شخصیت سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے اور اس کی ذات شخصیت و ملکیت کا وارث اس کا شوہر قرار پاتا ہے اور اس کا اوڑھنا بچھونا اٹھنا بیٹھنا مرد ذات کے حکم سے ہوتا ہے۔ اس کی حیثیت گھر کی چار دیواری میں مقید ایک غلام کی سی ہوتی ہے۔ اس کی اپنی مرضی سے گھر کی چار دیواری سے باہر قدم رکھنا ایک گناہ کبیرہ تصور کیا جاتا ہے۔ اس طرح نسل در نسل سے رائج مردوں کے بنائے ہوئے قوانین پر مبنی سماج کے رواجوں میں جکڑی ہوئی عورت ذات کو مرد ذات کے پاؤں تلے زندگی بسر کرنے کا درس دیا جاتا ہے اس کے اختیار کا دار و مدار مرد کے ہاتھوں میں ہوتا ہے اور زندگی کے ہر معاملے میں ہمارا مروّج سماجی نظام اسے مرد کے مقابلے میں کم تر خیال کرتا ہے شادی اور طلاق کے وقت بھی اس کی قسمت کا دار و مدار مرد ذات کے ہاتھوں میں ہوتا ہے اور مرد اپنا یہ رسمی حق سمجھتا ہے کہ چاہے وہ کئی عورتوں سے بیاہ کرے اور چاہے کتنی ہی عورتیں اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل کے لئے رکھیل رکھے۔ اس طرح عورت ذات سماجی رواجی قبائلی ظلم و زیادتیوں کا شکار رہتی ہے اور اسے معاشی و پیداواری عمل سے دور رکھ کر صرف بچے جننے والی مشین کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

آج سے ۸۵ سال قبل جیکب آباد میں منعقدہ بلوچ کانفرنس میں عورتوں کے حقوق کے حوالے سے جو قرار دادیں منظور کی گئیں، آج کی ہماری سیاسی ترقی پسند و قوم دوست تنظیمیں عورتوں کے حوالے سے انہی مسائل کو جو آج بھی موجود ہیں پارٹی پالیسی بنانے سے کتراتی ہیں۔ بلکہ شرماتی ہیں۔ چلئے ہم قارئین کو اسی دور میں لے جا کر عورتوں کے حقوق کے حوالے سے پاس کی گئیں قرار دادیں بیان کرتے ہیں۔

☆ ''یہ کانفرنس اس رواج کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے کہ سیاہ کار مرد سے عوضانہ سیاہ کاری کے طور پر اس کی لڑکی یا بہن جبری نکاح کی صورت میں لی جائے یا اسی قسم کا عوضانہ مقدمات قتل میں قاتل سے لیا جائے۔ یہ کانفرنس حکومت بلوچستان اور ریاستی کنفیڈریشن آف بلوچستان سے انسانیت کے مقدس نام پر اپیل کرتی ہے کہ وہ آئندہ کسی معصوم بچی کو کسی فحش کار مرد کی برائیوں کا شکار نہ بننے دے اور اس رواج کو منسوخ کر دیں''۔

محرک:۔ میر یوسف علی خان مگسی

موئد:۔ ماسٹر پیر بخش شہداد زئی

☆ ''یہ کانفرنس گورنمنٹ سے درخواست کرتی ہے کہ بلوچستان کے قحبہ خانوں کو جو وہاں کے رواج و شرع کے خلاف ہیں بند کر دے''۔

محرک:۔ سردار محمد اعظم خان مزاری

موئد:۔ عبدالرحیم خان

☆ ''یہ کانفرنس رسم دستور لب اور ولور کو نہایت ہی نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور اپنے بلوچ و افغان قبائل اور بلوچستان میں رہنے والے دیگر قبائل و برادریوں سے امید کرتی ہے کہ اس حقیر و ذلیل رسم کو جہاں تک جلدی ممکن ہو سکے منسوخ کر دے اور گورنمنٹ سے امید رکھتی ہے کہ اس مذموم رسم کے انسداد کی تدابیر جلد از جلد عمل میں لائے''۔

محرک:۔ سردار محمد اعظم خان مزاری

موئد:۔ میر یوسف علی خان مگسی

☆ ''یہ کانفرنس گورنمنٹ برٹش بلوچستان اور ریاستی کنفیڈریشن آف بلوچستان سے التجا کرتی ہے کہ وہ تعلیم نسواں پر خصوصی توجہ دیکر اپنے اپنے علاقوں کو ترقی دے اور ساتھ ہی قوم سے درخواست کرتی ہے کہ وہ اس طرف خاص توجہ مبذول فرمائے لڑکیوں کو مذہبی اور امور خانہ داری کی تعلیم دی جائے''۔

محرک:۔ اخوندزادہ عبدالرحیم خان

موئد:۔ میر مٹھا خان مری

☆ ''یہ کانفرنس حکومت ہائے بلوچستان سے استدعا کرتی ہے کہ وہ عورتوں اور بیواؤں کا بطور ورثہ اشیاء خانگی کی طرح ایک شخص کی موت کے بعد اس کے وارثوں کے حوالے کئے جانے کو قانوناً ممنوع قرار دے اور عورتوں کے حقوق وراثت اور ترکہ بروئے شرع انوری طے کئے جائیں''۔

محرک :۔ خان عبدالصمد خان اچکزئی

☆ یہ کانفرنس حکومت ہائے بلوچستان سندھ پنجاب اور ریاستی کنفیڈریشن آف بلوچستان سے درخواست کرتی ہے کہ بلوچوں کی مذموم مراسم کو بند کرادے، جس کی رو سے لڑکیوں کی نسبت ان کی پیدائش سے قبل قرار پاتی ہے یا خون بہا میں دی جاتی ہے۔

محرک :۔ حاجی محمد عثمان

مؤیِّد :۔ غلام سرور خان مغل '' (۲۸)

تعلیم کے حوالے سے قرار دادیں:

تعلیم معاشرتی ترقی میں اہم رول ادا کرتی ہے۔تعلیم ،تہذیب و اخلاقیات کا درس دیتی ہے،حق وصداقت وسچائی کو عیاں کرتی ہے۔ ذہنی وفکری تبدیلی کے لئے راہ ہموار کرتی ہے تعلیم ہی سے اپنے عہد کے تقاضوں سے عہدہ برا ہوا جاسکتا ہے۔ تعلیم انسانی سماجی ارتقاء کے لئے اسی طرح ناگزیر ہے جس طرح کسی فصل کے لئے زمین کی زرخیزی رسول پاک ﷺ نے تعلیم کے حوالے سے فرمایا ہے کہ ایک ساعت تعلیم دینا ساری رات کی عبادت سے بہتر ہے۔اسی طرح حضرت علیؓ کا قول ہے کہ ''اللہ جسے ذلیل کرنا چاہتا ہے اسے علم و دانش سے محروم کر دیتا ہے''۔

میر یوسف عزیز مگسی اور میر عبدالعزیز کرد کی ذہنی و اخلاقی نشو ونما حصول علم کے دوران اپنے استادوں کے ہاتھوں ہوئی۔وہ علم کی افادیت و اہمیت جان چکے تھے ،وہ جانتے تھے کہ علم کا ہماری روز مرہ زندگی سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔قومی اور سماجی ،اقتصادی ترقی میں علم بنیادی کردار کا حامل ہے۔اسی لئے وہ بلوچ قبائلی و روایتی سماج میں حصول علم کو اولین حیثیت دیکر ہر جگہ اور ہر فورم پر اس کا پرچار کرتے رہے۔کیوں کہ وہ علم کے اعلیٰ ترین اور مقدس مقاصد اور اس کے برآمد ہونے والے نتائج سے قوم کو آگاہ کرنا چاہتے تھے۔تاکہ زیور علم سے آراستہ ہو کر قبائلی و روایتی سماج کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرسکیں۔وہ با اخلاق و باکردار خصلتیں رکھنے والے انسان کو اسی سماج کے بطن سے پیدا کرنا چاہتے تھے،جو زندگی کے معنی اور اس کی لطافت اور نشیب وفراز سے آگاہی رکھتا ہو اور جو انسانی زندگی کو سمجھنے کے جوہر سے لیس ہو۔جس کی تخلیقی قابلیت اور اعلیٰ ذہانت سے ، بلوچ معاشرے کو بنیادی اور کیفیتی تبدیلیوں سے ہمکنار کر کے پرمُسّرت خوشحال اور پرامن زندگی بسر کرنے والے سماج کی داغ بیل ڈالی جاسکے اور جو اپنے فکر وفعل سے بلوچ سماج کے روایتی وقبائلی ڈھانچے کو تبدیل کرنے کے مواقع فراہم کرسکیں اور صدیوں سے غلامی کی روایتی بندھنوں میں جھکڑے ہوئے عوام کو استعماری توسیع پسندانہ عزائم اور استحصال سے آزادی دلا کر مستقبل اور اختیار کا مالک بنائے۔تاکہ وہ بہتر زندگی گزارنے کی اہلیت کے حامل ہوں جو ایک دوسرے کے دکھ درد کے شریک ،خوشی وغم کے ساتھی اور ایک دوسرے کے ساتھ مکمل ابطہ اور یگانگت رکھتے ہوں۔

میر یوسف عزیز مگسی اور میر عبدالعزیز کرد یہ جانتے تھے کہ تعلیم ہی سے ایسی باصلاحیت بااوصاف و باکردار قیادت کی تخلیق ہوسکتی ہے جو عقل فہم وعمل کی مجسم صورت بن کر بلوچ قبائلی و روایتی سماج کو ایک مہذب اور اپنے دور سے ہم آہنگ خوشحال معاشرے میں بدلنے کی تحریک دے سکے۔بلوچ عوام کے احساسات وافعال میں نمایاں تبدیلی کے خیالات پیدا کرسکے۔تاکہ وہ زندگی میں درپیش مسائل کے حل کرنے کا ڈھنگ ٹھوس اور عملی بنیادوں پر جان سکیں اور زندگی کی اہمیت کو انسانی اقدار کو بلوچ سماج کی جڑوں تک منتقل کرسکیں۔

وہ جانتے تھے کہ تعلیم ہی سے آزادی سے آگاہی حاصل ہوتی ہے اور تعلیم ہی سے استحصال اور جبر سے جان خلاصی ممکن ہوسکتی ہے اور بحیثیت انسان اپنے فرائض منصبی کو بجا طور پر سمجھ سکتا ہے اور تعلیم ہی سے وہم و خیال اور حقیقت میں فرق کر سکتا ہے۔اسی لئے بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس میں تعلیم کو اہمیت کا حامل قرار دیکر تعلیم کو عام کرنے کے بارے میں کئی قراردادیں منظور کی گئیں جو درج ذیل ہیں :

☆ یہ کانفرنس حکومت بلوچستان اور ریاستی کنفیڈریشن آف بلوچستان سے استدعا کرتی ہے کہ تعلیم کی عمومیت و ترقی کے لئے مندرجہ ذیل تجاویز کو جلد سے جلد عملی جامعہ پہنائے۔

الف...... محکمہ تعلیم ملکی افسران کے سپرد ہو۔سپرنٹنڈنٹ اور اسسٹنٹ انسپکٹر کی آسامیوں پر بلوچستان کے ملکی اشخاص کی تعیناتی عمل میں لائی جائے۔

ب ...... پرائمری تعلیم کو بلوچستان میں ضروری اور لازمی قرار دیا جائے اور اس غرض کے حصول کے لئے دیہات میں مناسب تعداد میں پرائمری سکول کھولے جائیں اور سکول کھولنے کی شرط (۲۰) طلباء سے گھٹا کر (۱۰) کردی جائے۔

ج ...... برٹش بلوچستان کی ہر تحصیل اور ریاستوں کے ہر دیہات میں ایک مڈل سکول قائم کیا جائے اور سرداران قوم پر زور دیا جائے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں سکول کھولیں اور غریب لڑکوں کے لئے وظائف مقرر کریں۔

د...... مڈل سکول کے ساتھ ایک بورڈنگ ہاؤس (ہاسٹل) قائم کیا جائے۔

ر...... بلوچستان کے ہر ضلع میں ایک ٹیکنیکل سکول قائم کیا جائے جس میں ملکی دستکاری اور صنعت وحرفت سکھائی جائے ،تا کہ طلباء کا ذریعہ معاش بھی بن سکے۔

س ......سکول اور کالج کے موجودہ وظائف صرف بلوچستان کے اصلی ملکی طلباء کے لئے مخصوص کر دیئے جائیں اور ان وظائف کی تعداد بڑھائی جائے۔

ص ......سول مکینیکل انجینئرنگ اور طبی وظائف علیحدہ علیحدہ مقرر کئے جائیں اور یہ وظائف خاص الخاص ملکیوں کے لئے مخصوص کئے جائیں۔

ع ...... بلوچستان میں انٹرنس ایگزامینگ یونیورسٹی بنائی جائے۔

ط ......سکولوں کے وظائف عام ملکی طلباء کو دیئے جائیں اور دولت مند سرداروں اور معتبریں کے لڑکوں کو اقربا پروری کی بنیاد پر قطعاً نہ دیئے جائیں۔

محرک :۔اخوندزادہ عبدالرحیم خان

موئد :۔جام نور اللہ خان

☆ یہ کانفرنس حکومت بلوچستان سے اپیل کرتی ہے کہ بلوچستان میں ایک ڈگری کالج کھولا جائے جس میں سائنس کی تعلیم ضروری ہو۔

محرک :۔اخوندزادہ عبدالرحیم خان

موئد :۔نوابزادہ میر یوسف علی خان مگسی

☆ یہ کانفرنس حکام سندھ سے استدعا کرتی ہے کہ چونکہ سندھ میں کافی تعداد میں بلوچ آباد ہیں اور یہ نسبتاً دیگر اقوام کے تعلیمی لحاظ سے بہت پست ہیں۔اس لئے ان کی تعلیمی ترقی کے لئے خاص رعایتیں دی جائیں اور سکولوں اور کالجوں میں انہیں خاص وظائف دیئے جائیں۔

محرک :۔غلام قادر خان وکیل

موئد :۔میر محمد امین خان کھوسہ

☆ کمشنر سندھ سے درخواست کی جاتی ہے کہ مکرانی بلوچ طلباء کی تعلیمی ترقی کے لئے سہولیات مہیا کرے اوران کے لئے خصوصی وظائف منظور کئے جائیں''۔(۲۹)

کانفرنس کی معاشی قرار دادیں:

معیشت کسی بھی سماج کی ترقی کے لئے بنیادی رول کی حامل ہوتی ہے۔ معاشی جدوجہد کے ذریعے بڑھتی ہوئی ضروریات زندگی کے ساتھ زندگی کے حالات کو بہتر بنانے کے لئے تگ و دو کی جاتی ہے ،معاشی جدوجہد مادّی حالات کو بہتر بنانے کی جدوجہد ہے۔

☆ میر یوسف عزیز مگسی اور میر عبدالعزیز کرد بلوچ عوام کی معاشی پسماندگی کے اسباب سے آ گاہ تھے، وہ یہ جانتے تھے کہ معاشی پسماندگی سامراجی اجارہ داریوں، استعماری غلبے اور لوٹ کی پیداوار ہے۔ قومی سرمائے کی لوٹ اور عوام کا وسیع پیمانے پر استحصال، انہیں محکوم اور پسماندہ رکھنا سامراجی استحصال کی بنیاد ہے اور جس کا نتیجہ معاشی پسماندگی کی صورت میں نکلتا ہے۔ وہ یہ جانتے تھے کہ معاشی پسماندگی کی یہ صورت اقتصادی تعلقات سے وقوع پذیر نہیں بلکہ یہ معیشت کو جان بوجھ کر پسماندہ رکھنے اور عوام کو غربت و افلاس اور فاقوں کی زندگی گزارنے سے پیدا ہوتا ہے۔

وہ یہ جانتے تھے کہ معاشی جدوجہد قومی ارتقاء کے لئے سب سے اہم ہے جس سے کام کاج کے آلات ،عوام کے حالات زندگی اور مادی حالات کو بہتر و سود مند بنایا جا سکتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ قومی ترقی کی عمارت کی وہ خشتِ اوّل ہے جس کے سہارے وہ عوام کے مختلف طبقوں کو اپنی جدوجہد میں سمو کر قومی اور سماجی ارتقاء کی جدوجہد کے لئے کامیابی و کامرانی کی راہ ہموار کر سکتے ہیں اور معاشی جدوجہد ہی کے ذریعے قومی اور عوامی استحصال کو محدود کر کے لازمی طور پر سیاسی شعور کو پروان چڑھا کر تحریک کی رفتار کو تیز کیا جا سکتا ہے۔

کانفرنس میں پاس کی گئی معیشت کو بہتر بنانے کی قرار دادوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔

☆ ’’یہ کانفرنس زور دار الفاظ میں حکام سندھ و برٹش بلوچستان اور ریاستی کنفیڈریشن آف بلوچستان سے درخواست کرتی ہے کہ موجودہ اقتصادی زبوں حالی کے پیش نظر مالیہ میں سال پچاس فیصد رعایت دے۔ نیز یہ اجلاس گورنمنٹ سے اپیل کرتا ہے کہ کسانوں کی مالی امداد و تقاویوں (زرعی قرضوں) کی صورت میں کرے‘‘۔

محرک:۔میر محمد امین خان کھوسہ

موئد:۔میر غلام سرور خان مغل

☆ ’’یہ کانفرنس گورنمنٹ سندھ سے درخواست کرتی ہے کہ جس طرح پنجاب اور بلوچستان میں غیر زراعت پیشہ اقوام کے ہاتھوں انتقال آب واراضی پر پابندی عائد ہے اسی طرح سندھ میں بھی یہ قانون نافذ کر کے سندھی کسانوں کو تباہی سے بچائے‘‘۔

محرک:۔میر محمد امین خان کھوسہ

موئد:۔میر غلام سرور خان مغل

☆ ''یہ کانفرنس گورنمنٹ آف ہندوستان سے استدعا کرتی ہے کہ ہندوستان میں جو تازہ میوے خصوصاً از قسم انار و انگور غیر ممالک سے آتے ہیں اور جن کی وجہ سے بلوچستان کے میوہ جات کی تجارت کو نقصان عظیم پہنچ رہا ہے، ان پر محصول لگا کر ملکی تجارت کی حوصلہ افزائی کی جائے۔''

محرک:۔اخوندزادہ عبدالرحیم خان

موئد:۔جام میر نوراللہ خان

☆ ''یہ کانفرنس گورنمنٹ سے استدعا کرتی ہے کہ اگرچہ بلوچستان میں کسی غیر ملکی یا غیر زراعت پیشہ فرد کو اراضی کی منتقلی قانوناً ممنوع ہے لیکن اس پر عملدرآمد نہیں ہوتا۔اس لئے یہ کانفرنس گورنمنٹ سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اس قانون کو عملی جامعہ پہنائے، نیز تحفظ جائیداد کے لئے کانفرنس گورنمنٹ سے سفارش کرتی ہے کہ ایکٹ بالغان کو نافذ کرے اور را یکٹ نابالغان کو جو بلوچستان میں نافذ ہے، عمل میں لائے، رعایا کی جائیدوں کی حفاظت کرے۔''

محرک:۔جان میر نوراللہ خان

موئد:۔ماسٹر پیر بخش نسیم

☆ ''یہ کانفرنس حکومت بلوچستان سے درخواست کرتی ہے کہ بیرونی ممالک کے جانوروں کو بلوچستان میں گھاس چرانے سے حکماً روکے۔ کیوں کہ رعایائے بلوچستان کا عام گزارا جو گلہ بانی پر موقوف ہے اور اس قسم کے جانوروں کی پرورش اور افزائش نسل کا دارو مدار بلوچستان کی صحرائی گھاس پر ہے۔لیکن اب کچھ عرصہ سے یہ صحراء کی گھاس بیرون ممالک کے خانہ بدوش قبائلی خصوصاً افغانی پاوندگان کی اس نقل حرکت سے جو وہ موسم کی تبدیلیوں کے ساتھ آزادی سے بلوچستان کے علاقوں میں کرتے ہیں ان کے جانوروں کی نذر ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے رعایائے بلوچستان کی بھیڑ بکریوں کے گلے تباہ ہو رہے ہیں اور اس سے ملک کو سخت نقصان ہو رہا ہے۔اس لئے یہ کانفرنس حکومت بلوچستان سے درخواست کرتی ہے کہ بیرونی ممالک کے جانوروں کو بلوچستان میں گھاس چرانے سے حکماً منع کر دے''۔

محرک:۔میر مٹھا خان مری

موئد:۔جام نوراللہ خان

☆ ’’یہ کانفرنس حکومت سندھ سے استدعا کرتی ہے کہ کاشتکاران مکران کے لئے جو قحط سالی سے تباہ ہوکر حصول روزگار کے لئے اپنے وطن سے ہجرت کر کے سندھ اور کراچی میں بسنے کی خاطر آئے ہیں یا آئندہ کبھی آئیں بیراج میں زمینیں حاصل کرنے کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں اور انہیں زمین کی ملکیت سے بہرہ ور کر کے عوام دوستی کا ثبوت دے‘‘۔

☆ ’’یہ کانفرنس حکومت بلوچستان سے مل، انڈسٹری اور کارخانے کھولنے کی درخواست کرتی ہے‘‘۔

محرک :۔ پیر بخش خان شہداد زئی

موئد :۔ حاجی محمد عثمان خان کراچی

دیگر قراردادیں:

☆ ’’یہ کانفرنس گورنمنٹ آف بلوچستان سے پرزور درخواست کرتی ہے کہ وہ آئندہ نارمل پٹوار اور ایس وی ٹریننگ کلاسز میں غیر ملکی لوگوں کا داخلہ قطعاً بند کر دے قطع نظر اس کے کہ ملکی اس مطلب کے لئے مل سکیں یا نہ مل سکیں‘‘۔

محرک :۔ ماسٹر پیر بخش نسیم

موئد :۔ میر مٹھا خان مری

☆ ’’یہ کانفرنس گورنمنٹ آف بلوچستان سے درخواست کرتی ہے کہ پولیس اور ملیشیا کی بھرتی ملکی لوگوں کے لئے مخصوص ہو‘‘۔

محرک :۔ میر مٹھا خان مری

موئد :۔ جام نور اللہ خان

☆ ’’یہ کانفرنس حکومت ہند سے استدعا کرتی ہے کہ بلوچ رجمنٹ میں بلوچ اور بلوچستانیوں کی بھرتی ازسرنو شروع کر دی جائے‘‘۔

محرک :۔ سردار محمد اعظم خان مزاری

موئد :۔ محمد حسین عنقاء

☆ ’’یہ کانفرنس گورنمنٹ آف انڈیا سے استدعا کرتی ہے کہ وہ حدود بلوچستان کے اندر ریلوے، ٹیلی گراف، ڈاک اور دیگر محکمہ جات میں جن کا تعلق براہ راست گورنمنٹ آف انڈیا سے ہے یا تو بلوچستان کی حکومت کے ماتحت کر دے یا بلوچستانیوں کے حقوق کی حفاظت کا خاص خیال رکھے‘‘۔

محرک :۔ جام نور اللہ خان

موئد :۔ نوابزادہ میر شہباز خان نوشیروانی

☆ ''یہ کانفرنس ڈسٹرکٹ بورڈ مظفر گڑھ سے مطالبہ کرتی ہے کہ سردا کوڑا خان مرحوم کی جائیداد متروکہ سے جو وظائف سکولوں اور کالجوں کے طلباء کے لئے مقرر تھے اور زمانہ حال تک بلوچوں کو ہی ان کی تعلیمی پستی کو ملحوظ رکھ کر ملتے رہے ہیں اور اب کسی نا معلوم وجہ سے یہ وظائف غیر بلوچوں کو مل رہے ہیں۔ حالانکہ بلوچوں کی تعلیمی پستی مثل سابق موجود ہے اس لئے اشد ضروری ہے کہ سابق قواعد کی رو سے وظائف کے حصول میں بلوچ طلبا کا حق فائق سمجھا اور مانا جائے''۔

محرک:۔خان عبدالصمد خان اچکزئی

موئد:۔سردار غلام رسول خان قرائی

☆ ''یہ کانفرنس گورنمنٹ آف بلوچستان سے استدعا کرتی ہے کہ بلوچستان کے محکمہ جات میں اصلی مقامی باشندوں کو ان کی آبادی کے لحاظ سے نوکریاں دی جائیں تناسب کو پورا کرنے کے لئے غیر ملکیوں کی بھرتی خواہ تنخواہ دار ہوں یا بلا تنخواہ، بلا تاخیر بند کردی جائے اور اعلیٰ ملازمتوں کی نشستوں کو پُر کرنے کے لئے ملکیوں کو ترقی دے کر ان کے تناسب کو جلد سے جلد پورا کیا جائے۔جس طرح ہندوستان کے دیگر صوبوں میں ہوتا ہے''۔

محرک:۔اخوندزادہ عبدالرحیم خان

موئد:۔میر مٹھا خان مری

☆ ''یہ کانفرنس حکومت بلوچستان سے درخواست کرتی ہے کہ آئندہ کوئٹہ میونسپلٹی میں آزاد انتخاب کے ذریعے ممبر لئے جائیں۔''

محرک:۔جام نوراللہ خان

موئد:۔میر مٹھا خان مری

☆ ''بلوچستان اور آل انڈیا بلوچ کانفرنس کا یہ اجلاس قرار دیتا ہے کہ بلوچستان میں ایک علیحدہ گورنر صوبہ کی حیثیت سے آئینی حکومت کا نفاذ جلد کیا جائے جس کو اپنے داخلی نظام میں مکمل آزادی حاصل ہو اور ڈیرہ غازی خان اور ضلع بالائی سندھ جو خالص بلوچ علاقے ہیں، بلوچستان میں شامل کئے جائیں۔ یہ کانفرنس صدر کو اختیار دیتی ہے کہ اس قرارداد کی نقل بذریعہ تار وائسرائے ہند، مندوبین گول میز کانفرنس اور لوکل گورنمنٹ بلوچستان کو بھیج دیں''۔(۳۰)

محرک:۔میر محمد یوسف علی خان مگسی

موئد:۔جام نوراللہ خان

بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس میں مختلف معززین نے قومی وعوامی جذبات سے سرشار ہوکر کانفرنس کی مالی و مادی صورت میں امداد کر کے اپنے جذبات کا اظہار کیا اور اس عظیم الشان قومی اجتماع کو خلوص دل سے مدد فراہم کی ۔ جیکب آباد کانفرنس میں بھی وہ معززین قوم جو کسی نہ کسی حوالے سے شامل رہے انہیں اس کانفرنس میں خلوص بھرے جذبات عقیدت و احترام سے یاد کیا گیا ۔ جیکب آباد قومی کانفرنس میں ہمارے ان قومی معززین کی خدمات ہماری سیاسی تاریخ کا بیش بہا قومی اثاثہ ہیں جو کہ ہماری قومی تاریخ میں اپنے نقوش ثبت کر کے امر ہو گئے ۔ بلوچستان اینڈ آل انڈیا کانفرنس میں ان معززین اور معاونین کی مالی و مادی امداد کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں کانفرنس کی قراردادوں میں اس طرح یاد کیا گیا۔

☆ ''یہ کانفرنس نواب محمد محراب خان بگٹی کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہے اور ان کے اس قومی وملی احساس اور امداد پر جس کا اظہار انہوں نے کانفرنس کی مالی و اخلاقی امداد کی صورت میں اظہار فرمایا ہے کو ہدیہ تبرک پیش کرتی ہے اور ساتھ ہی یہ کانفرنس ان تمام حضرات کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتی ہے جنہوں نے اپنے اس قومی اجتماع کی ہر ممکن طریق سے مدد کی ہے''۔

محرک :۔خان عبدالصمد خان اچکزئی

☆ ''یہ کانفرنس خان بہادر شیر محمد خان ایم ایل سی خان بہادر دل مراد خان کھوسہ ، میر دوست محمد خان کھوسہ ، وڈیرہ اللہ بخش اور غلام سرور خان مغل ایڈووکیٹ کا شکریہ بجالاتی ہے کہ انہوں نے اپنے مکانات کانفرنس کے ڈیلی گیٹس اور مہمانوں کی رہائش کے واسطے عطا کیے''۔

محرک :۔خان عبدالصمد خان اچکزئی

☆ ''یہ کانفرنس انجمن مجاہدین اسلام جیکب آباد کا شکریہ ادا کرتی ہے کہ اس نے عیدگاہ کا میدان کانفرنس کے لئے بغیر کسی معاوضہ کے دیا اور مختلف اوقات اور مختلف مساجد میں کانفرنس کے حق میں مہم چلائی ۔ جلسے کیے اور عملی امداد دی''۔

محرک :۔خان عبدالصمد خان اچکزئی

☆ ''یہ کانفرنس مسٹر وڈلے ڈپٹی کمشنر جیکب آباد کی ہمدردانہ روش پر جو انہوں نے کانفرنس کے حق میں برتی ہے کا شکریہ بجالاتی ہے''۔

محرک :۔خان عبدالصمد خان اچکزئی

☆ ''یہ کانفرنس خواجہ کمال الدین صاحب کی وفات کو ایک ملی صدمہ قرار دیتی ہے اور قاضی مطلق سے التجا کرتی ہے کہ انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے''۔

محرک :۔خان عبدالصمد خان اچکزئی

☆ ''کانفرنس میں آئندہ کے لائحہ عمل کے حوالے سے ایک قرارداد کے ذریعے ایگزیکٹو بورڈ تشکیل دیا جن کی تعداد 115 تھی''۔

☆ ''سردار کوڑا خان (مرحوم)(مظفر گڑھ) نے بلوچ طلباء کے حصول تعلیم کے لئے جو وظائف مختص کئے تھے آج ڈسٹرکٹ بورڈ کی طرف سے مذکورہ وظائف غیر بلوچ طلباء کو دیئے جا رہے ہیں۔ضلعی انتظامیہ سے درخواست ہے کہ وہ ان وظائف کو روک دیں اور ڈسٹرکٹ بورڈ کو کہا جائے کہ یہ وظائف صرف بلوچ طلباء کو دیئے جائیں''۔

محرک :۔مرید حسین مگسی

☆ ''قلات سٹیٹ کی جانب سے سمندری درآمد پر فی من آٹھ آنے درآمدی ٹیکس وصول کی جاتی ہے۔اس کے علاوہ انہی اشیاء کا ٹیکس کئی جگہوں پر دوبارہ وصول کیا جاتا ہے۔جن کی وجہ سے اشیاء کی قیمت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔اس سے قبل بھی عزت مآب خان اور وزیراعظم ریاست قلات کے نوٹس میں لایا گیا ہے لیکن اس کا سدباب اب تک نہیں ہوا۔

اس کانفرنس کی رو سے عزت مآب خان آف قلات سے گزارش ہے کہ ایک ہی شئے سے کئی جگہوں پر ٹیکس کی وصولی بند کی جائے''۔(۳۱)

پیر بخش مکرانی

ایگزیکٹو بورڈ کی تشکیل:

’’یہ اجلاس قرار دیتا ہے کہ بلوچستان اور آل انڈیا بلوچ کانفرنس کو ایک مستقل جماعت کی صورت میں منظّم کیا جائے۔ جس کے اجلاس ہر سال کسی موزوں اور رائے عامہ سے منتخب شدہ مقام پر منعقد ہوں، یہ اجلاس کانفرنس کی ایگزیکٹو کمیٹی کی تشکیل بصورت ذیل کرتی ہے۔

ریاست قلات (۱۲)

(۱)۔نواب اسد اللہ خان رئیسانی (۲)۔سردار رسول بخش مینگل (۳)۔سردار رستم خان محمد حسنی (۴)۔میر عبدالعزیز کرد (۵)۔میر کرم علی خان اچکزئی (۶)۔میر کریم بخش خان رئیسانی (۷)۔نواب بہادر محراب خان گچکی (۸)۔ارباب عبدالخالق (۹)۔میر حسین خان مگسی (۱۰)۔ماسٹر محمد اعظم خان (۱۱)۔ملک فیض محمد یوسفزئی۔

خاران (۲)

(۱) نواب حبیب اللہ خان نوشیروانی (۲) میر شہباز خان نوشیروانی

لسبیلہ (۲)

(۱) میر عبدالکریم خان صوبہ بلوچستان

چاغی (۲)

(۱) میر مراد بخش خان مینگل۔

بولان (۲)

(۱) ماسٹر محمد حسین عنقا۔

لورالائی (۴)

(۱) میر سہراب خان کھیتران اور دیگر

سبی (۶)

(۱) نواب بہادر محراب خان بگٹی (۲) میر حبیب خان مسوری (۳) میر مٹھا خان مری (۴) میر عطاء محمد مرغزانی (۵) ماسٹر پیر بخش (نسیم تلوی) علامہ بلد یوسہائے صحرائی

کوئٹہ (۱۲)

(۱) خان عبدالصمد خان اچکزئی (۲) میر نوراللہ خان جام (۳) ماسٹر محمد ہاشم غلزئی (۴) سید رفیق شاہ (۵) ڈاکٹر محمد رمضان (۶) اخونزادہ عبدالعلی (۷) اخونزادہ عبدالرحیم خان (۸) ارباب محمد عمر خان (۹) ملک جان محمد کاسی (۱۰) سردار غلام محمد خان ترین اور دوسرے ۔۔۔۔۔

کراچی (۸)

(۱) میر محراب خان (۲) میر مہیا خان (۳) حاجی محمد عثمان خان (۴) ماسٹر پیر بخش خان شہدادزئی (۵) عبدالغفور خان (۶) عبدالرحیم خان بتول اور دوسرے ۔۔۔۔۔

جیکب آباد (۸)

(۱) ماسٹر غلام قادر خان وکیل (۲) خان بہادر شیر محمد خان ایم ایل سی (۳) میر تاج محمد خان ڈومکی (۴) میر محمد امین خان کھوسہ (۵) میر قیصر خان ڈومکی اور دوسرے ۔۔۔۔۔

سکھر (۲)

(۱) سردار قیصر خان بزدار

لاڑکانہ (۳)

(۱) نوابزادہ میر یوسف علی خان مگسی (۲) میر لطف علی خان مگسی (۳) میر غلام سرور خان مغل

حیدر آباد (۳)

(۱) میر حسین بخش خان (۲) رئیس قبول محمد خان

نواب شاہ (۲)

(۱) محمد ہاشم خان

خیر پور (۲)

(۱) اعلیٰ حضرت میر علی نواز خان تالپور والئی ریاست خیر پور

پنجاب ڈیرہ غازی خان (۸)

(۱) نواب محمد جمال خان لغاری ایم ایل سی (۲) سردار بہادر خان دریشک، ایم او پی (۳) سردار میر قیصر خان قیصرانی (۴) سردار میر مراد بخش خان مزرای (۵) سردار غلام رسول خان قرائی (۶) سردار محمد اعظم خان مزاری (۷) محمد عظیم اللہ خان نتکانی (۸) سردار مسو خان شدانی

ملتان (۱۰)

(۱) خان بہادر مشتاق احمد خان گورچانی بلوچ ایم ایل سی مظفر گڑھ (۲) خان عبدالحمید خان ایڈووکیٹ مظفر گڑھ (۳) غلام سرور خان بلوچ مخدوم پور ملتان (۵) غلام علی خان مگسی مظفر گڑھ (۵) حاجی محمد حیات چانڈیہ بلوچ شیر گڑھ ملتان (۶) غلام محمد خان سمنزری لائل پور (۷) مسٹر رجب علی خان ٹوبہ ٹیک سنگھ (۸) سردار احمد خان جھنگ آنریری مجسٹریٹ

....

بقیہ اضلاع ......صوبہ پنجاب (۱۰)

(۱) خان صاحب قلندر علی خان ایم ۔اے۔ ایل ۔ایم پبلک پراسیکیوٹر لاہور (۲) خان صاحب فتح بشیر خان میونسپل کمشنر مزنگ لاہور (۳) خان صاحب غلام حسین خان مگسی میاں والی (۴) سردار عبدالرحمٰن خان شاہ پور (۵) سردار فتح خان شاہ پور۔

ریاست بہاول پور (۲)

(۱) سردار نور احمد خان آنریری مجسٹریٹ رحیم یار خان ۔

دہلی (۲)

صوبہ سرحد (۲)

یو پی (۲)

(۱) سردار حسین علی خان بلوچ آنریری مجسٹریٹ میرٹھ (۲) حاجی میر احمد خان بلوچ مظفر نگر۔

’’ کانفرنس میں تشکیل پانے والے اس ایگزیکٹو بورڈ کی صدارت ایک سال تک ہز ہائی نس میر علی نواز خان تالپور بلوچ والئی ریاست خیر پور کے سپرد کی گئی اور خان عبدالصمد خان میر یوسف علی خان اور مسٹر غلام قادر خان ایڈووکیٹ بحیثیت نائب صدور سردار محمد اعظم خان مزاری بحیثیت جنرل سیکرٹری اور میر پیر بخش خان شہداد زئی بحیثیت پبلسٹی سیکریٹری کو فرائض انجام دینے کی ذمہ داری دے دی گئی‘‘۔(۳۲)

کمیٹیوں کی تشکیل:

ورکنگ کمیٹی:

ورکنگ کمیٹی جو کسی کانفرنس میں دوسری کانفرنس تک کے درمیانی مدت کے لئے منتخب ہوتی ہے،عوام کے مطالبات رجحانات اور پیدا شدہ مظاہر پر ورکنگ کمیٹی بحث وتمحیص کے بعد پالیسی وضع کرتی ہے یہ پالیسی عوام کے بنیادی مفادات کو مدنظر رکھ کر بنائی جاتی ہے ۔ورکنگ کمیٹی پارٹی پالیسیوں کو تنظیم کی نچلی سطح تک پہنچاتی ہے اور تنظیم کے بنیادی یونٹس ورکنگ کمیٹی کی مرتب کردہ پالیسیوں کو عوام کے وسیع حصوں کے ساتھ مربوط رکھ کر عوام سے پارٹی وحدت کو یقینی بنانے اور قائم رکھنے میں پیش رفت کرتی ہے ۔کانفرنس میں درمیانی مدت کے لئے عوام کے مختلف مفادات کو مدنظر رکھ کر پالیسی مرتب کرنے اور سماجی جدوجہد میں ان کی رہنمائی کے لئے ایک ورکنگ کمیٹی بنائی گئی ۔جن کے ارکان درج ذیل تھے ۔

’’میر عبدالعزیز کرد میر محمد امین خان کھوسو میر غلام سرور خان مغل ،نواب محمد جمال خان لغاری ، میر مٹھا خان خضر مری ، ماسٹر محمد ہاشم خان غلزئی ، اخونزادہ محمد عبدالعلی ، غلام محمد خان ترین ، میر حسین بخش خان مگسی ، سردار غلام رسول خان قرائی ، حاجی محمد عثمان ، میر محراب خان ، میر تاج محمد‘‘۔

سب کمیٹی:

اسی طرح آئین ومنشور کی ہیئت ترکیبی کی تشکیل وتربیت دینے کے لئے ایک سب کمیٹی مقرر کی گئی جن کے اراکین درج ذیل تھے:

صدر خان عبدالصمد خان اچکزئی سیکرٹری سردار محمد اعظم خان مزاری تھے ۔

ارکان:

نوابزادہ محمد یوسف علی خان ، میر عدالعزیز کرد مسٹر غلام قادر ایڈووکیٹ ، جام نور اللہ خان ، غلام رسول قرائی ۔

’’بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کی قراردادوں کے مقاصد وسیاسی ، معاشی ، سماجی وتعلیمی تھے ان قراردادوں کو عملی جامعہ پہنانے کے لئے کانفرنس کے شرکاء نے کافی غور وخوص کیا کہ کس طرح عوام میں تبلیغی احکام اسلامی ترغیب تعلیم و تربیت وصفت اور اصلاح رسوم ترغیب تجارت کے لئے کیا تجاویز عمل میں لائی جائیں اور دیہاتی باشندگان کو خانہ جنگی اور خون

ریزی سے بچانے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں۔ بالآخر (شرکائے کانفرنس) اس فیصلہ پر پہنچے۔ کہ قیام امن و ترغیب تعلیم و صحت وغیرہ اور اس قسم کی دیگر ضروریات کے لئے بلوچستان اور بلوچ آبادی رکھنے والے ہر ضلع میں کم از کم ایک صد (۱۰۰) رضا کار بھرتی کئے جائیں جن کا سیاسیات سے کوئی تعلق نہ ہو اور وہ صرف سوشل اور مذہبی رسوم کی اصلاح کے لئے کام کریں۔ اجلاس میں قومی کارکنوں سے درخواست کرتے ہوئے اور انہیں خاص ہدایات دیتے ہوئے کہا گیا کہ رضا کاروں کے انتخاب میں خاص طور پر خیال رکھیں کہ رضا کار شرابی نہ ہو، جھوٹ نہ بولتا ہو، لڑائی جھگڑا کرنے والا نہ ہو اور نہایت مصالحانہ اور نیاز مندانہ طریق پر سوشل اور مذہبی اصلاح کے لئے جدوجہد کرسکتا ہو"۔

"کانفرنس کے اجلاس میں گورنمنٹ سے درخواست کرتے ہوئے کہا گیا کہ اس سلسلے میں گورنمنٹ ہمارے کارکنوں کی ہر طرح سے دلجوئی کرے۔ ہمارے نیک مقاصد میں ہماری مدد کرے تاکہ موجودہ خانہ جنگیوں کا انسداد کرکے بلوچستان کے عوام کو اللہ کی ایک فرمانبردار اور گورنمنٹ کی من پسند رعایا ثابت کیا جاسکے۔"

اس کانفرنس کے بعد" ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا جس میں اخبارات کے اجراء کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے سربراہ میر عبدالعزیز کرد ارکان میں محمد حسین عنقاء اور پیر بخش نسیم تلوی تھے"۔ (۳۳)

یہ تھیں ۲۷ تا ۳۰ دسمبر ۱۹۳۲ء (چار روزہ) تک جاری بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کے فیصلے و قرارادادیں اور رہنماؤں کی تقاریر۔ جن کا زور اصلاح معاشرہ ترغیب تعلیم و اقتصادیات پر تھا۔ جنھوں نے کانفرنس کے اغراض و مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے مختلف وسیلوں کو بروئے کار لانے پر زور دیا۔ کیونکہ شرکاء کانفرنس کو اپنی قومی اقتصادی اور سماجی پسماندگی کا شدید احساس تھا۔ کانفرنس میں بلوچستان اور ہندوستان بھر سے بلوچ عوام کی شرکت نے تاریخی فریضے سرانجام دے کر قومی احساس وحدت کو اجاگر کیا جو بلوچ قوم اور بلوچستان کے عوام کے اجتماعی مفادات کا اظہار تھا۔ بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کی کامیابی کا سہرا عموماً تمام قیادت بالخصوص نوجوان ہردلعزیز قائد یوسف عزیز کے سر جاتا ہے، جو اپنی فعال سیاسی، سماجی، صحافتی سرگرمیوں کی بدولت منفرد شخصیت کے روپ میں ظاہر ہوئے اور بلوچ معاشرے کی اجتماع کا مرکز و محور بنے۔ میر یوسف عزیز مگسی کی منفرد شخصیت تاریخی حالات کے دوران اپنی خود آگاہی اور عملی سرگرمیوں کی وجہ سے ایک سائبان کی صورت میں وقوع پذیر ہوئی۔ ایک ایسا سائبان جس کا سایہ ظلم و جبر کے تپتے ہوئے صحرا میں لوگوں کے غموں کے دکھوں کا مداوا بنے۔

حوالہ جات:

۱۔۲۔۴۔۷۔۹۔۱۰۔۱۱۔۱۲۔۱۷۔۱۸۔۲۰۔۲۲ تا ۳۰۔۳۳۔

ماخوذ از مگسی مرید حسین۔روائیداد بلوچ کانفرنس۔۱۹۳۲ء

۳۔اثیر عبدالقادر شاہوانی۔یوسف عزیز مگسی (مضمون)

۱۹۔میر عبدالعزیز کرد۔خودنوشت سوانح۔بلوچی دنیا۔جون، جولائی۔۱۹۶۸ء

۵۔۸۔۱۳۔۱۶۔۲۱۔۳۱۔۳۲۔(ماخوذ از سرکاری دستاویزات)۱۹۳۲ء

۶۔ڈاکٹر انعام الحق کوثر۔مکاتبِ یوسف عزیز ۱۹۷۸ء

۱۴۔۱۵۔(ہفت روزہ ’ینگ بلوچستان‘ کراچی)۔

باب ششم

بعداز کانفرنس سرگرمیاں وتادیبی کارروائیاں

بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس جیکب آباد میں جہاں ایک طرف ریاست قلات کے سرداروں نے شرکت سے معذوری ظاہر کی اور عین بوقتِ کانفرنس منفی پروپیگنڈوں پر اُتر آئے اور دوسروں کی طرف بلوچ کانفرنس کی بازگشت نے ہند، سندھ اور دیگر ممالک کے بلوچ عمائدین کو متاثر کیا اور وہ کانفرنس میں شریک ہوئے۔ بلوچ عوام کی بڑی تعداد نے کانفرنس میں دلچسپی دکھائی۔

کانفرنس کی اس کامیابی سے ریاستی و برٹش حکام جبر کے ہتھکنڈوں پر اتر آئے اور کانفرنس میں شریک بلوچ عمائدین کے خلاف تادیبی حربے شروع کئے۔

عبدالعزیز کرد کی ملازمت سے برخاستگی:

''مراسلہ نمبر ۲۲۵/۴۳۱/ایس بی، بمورخہ ۱۸/جنوری ۱۹۳۳ء کوئٹہ

قلات سٹیٹ اتھارٹی نے عبدالعزیز کرد کو ملازمت سے برخاستگی کے احکامات جاری کئے۔ کیوں کہ انہوں نے اپنے مکران تبادلے کی حکم عدولی کی اور سبی سے جیکب آباد اس ماہ کی ۱۴ تاریخ کو تشریف لے گئے اور محمد یوسف سے جا ملے جو کہ شہدادکوٹ میں رہائش پذیر تھے''۔(۱)

میر عبدالعزیز کرد و میر شہباز خان نوشیروانی کی گرفتاری:

بلوچ کانفرنس کے اختتام پر میر عبدالعزیز کرد میر شہباز خان نوشیروانی کے ہمراہ بتاریخ ۱۴/جنوری ۱۹۳۳ء سبی سے جیکب آباد پہنچے جہاں کانفرنس کے رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں۔ پھر یوسف علی خان سے ملنے جیکب آباد سے شہدادکوٹ گئے۔ جہاں چند دن یوسف علی خان کے ساتھ گزارے۔

شہدادکوٹ سے واپسی پر میر شہباز خان نوشیروانی کے ہمراہ میر عبدالعزیز کرد جب سبی پہنچے تو ریاستی حکمرانوں کے ایماء پر برٹش حکام نے انہیں گرفتار کر کے پابند سلاسل کیا''۔(۲)

یاد رہے کہ میر عبدالعزیز کرد پر بلوچ کانفرنس میں سرگرمی سے حصہ لینے کی بناء پر پہلے دباؤ ڈالا گیا۔ دباؤ سے مرعوب نہ ہونے پر کانفرنس میں شرکت سے باز رکھنے کے لئے ان کا تبادلہ مکران کیا گیا۔

میر عبدالعزیز کرد نے ان احکامات کو بالائے طاق رکھ کر کانفرنس میں شرکت کی۔ ریاستی احکامات کی حکم عدولی و میر عبدالعزیز کرد کی سیاسی سرگرمیاں ریاستی حکمرانوں اور برٹش بلوچستان کے حکام کو ناگوار گزری جوان کی گرفتاری کا سبب بنے۔

اخبارات نے میر عبدالعزیز کرد اوران کے ساتھی کی گرفتاری کو اپنے اداریوں میں جگہ دی اوران گرفتاریوں کے خلاف مضامین شائع کیئے اوراس اقدام کو جمہوری جدوجہد کرنے والوں کے خلاف متشدانہ پالیسیوں سے تعبیر کیا اور بالآخر'' انڈین مرکزی حکومت نے برٹش بلوچستان کی اس پالیسی کو جمہوری جدوجہد کو پھر سے مسلح جدوجہد کی طرف ابھارنے اور ہوادینے سے تعبیر کرتے ہوئے انہیں فوراً رہا کردینے کے احکامات صادر کیئے''۔(۳) چند ہفتوں بعد برٹش انڈین کے حکام بالا کی مداخلت کے بعد انہیں رہا کیا گیا۔

ماسٹر پیر بخش نسیم تلوی کو شوکاز نوٹس:

☆ حیدرآباد کانفرنس کے اختتام کے بعد گورنمنٹ ہائی سکول لورالائی کے استاد ماسٹر پیر بخش کو بلوچ کانفرنس منعقدہ حیدرآباد میں شرکت کرنے پر شوکاز نوٹس جاری کردی گئی۔ ماسٹر پیر بخش کو شوکاز نوٹس کے چند دنوں بعد برطرف کردیا گیا۔

ماسٹر محمد حسین عنقا سے تفتیش:

''جھاڑو خان ولد مرتضٰی خان بگٹی باشندہ نصیر آباد بمورخہ ۲۱/اگست ۱۹۳۳ء پشین آئے اورسکول ماسٹر محمد حسین کے ساتھ چنددن قیام کیا۔سرکاری حکام نے جھاڑوں خان کی آمد کے بارے میں محمد حسین سے تفتیش کی۔ محمد حسین نے جھاڑوں خان کے حوالے سے بتایا کہ میں نے کچھ عرصہ قبل اس سے قرضہ لیا تھا۔جس کی وصولی کے لئے وہ آئے تھے۔سرکاری حکام کے بقول کہ وہ بلوچ کانفرنس کے پمفلٹ تقسیم کرنے اورممبر بنانے کی غرض سے آئے تھے''۔(۴)

میر عبدالعزیز کرد کا احتجاج:

''روزنامہ ''زمیندار'' لاہور بمورخہ ۱۱/فروری ۱۹۳۳ء کے شمارے میں میر عبدالعزیز کرد کا ایک احتجاجی مضمون شائع ہوا جس میں حکومتی رویوں کو ہدف تنقید بناتے ہوئے ماسٹر پیر بخش ہیڈ ماسٹر کاہان علاقہ مری کی ملازمت سے بیدخلی پر احتجاج کیا۔ انہوں نے سپرنٹنڈنٹ آف ایجوکیشن بلوچستان کے آرڈر کو ہدف تنقید بنایا جس کی رپورٹ میں ماسٹر پیر بخش کی کارکردگی کو غیر تسلی بخش اور روئیے کو غیر مناسب قرار دیا گیا تھا۔

انہوں نے ماسٹر پیر بخش کی برخاستگی کی حقیقت کو آل انڈیا بلوچ کانفرنس منعقدہ جیکب آباد دسمبر ۱۹۳۲ء میں شرکت قرار دیا۔انہوں نے ہیڈ ماسٹر کو مبارک باد دی کہ اللہ نے انہیں اس امتحان میں سرخرو کیا۔انہوں نے ان کی قومی و تعلیمی خدمات کو سراہا''۔(۵)

ماسٹر پیر بخش کا لورالائی تبادلہ:

’’ماسٹر پیر بخش ہیڈ ماسٹر کاہان علاقہ مری کی دوبارہ ملازمت پر بحالی کے بعد اس کا تبادلہ لورالائی کیا گیا‘‘۔(۶)

بلوچستان میں تادیبی کاروائیوں کی ابتداء:

روزنامہ ’’انقلاب‘‘ لاہور بمورخہ ۱۶/ مارچ ۱۹۳۳ء میں بلوچستان میں تادیبی کاروائیوں کی ابتداء کے حوالے سے ایک ادارتی مضمون شائع ہوا۔

جس کا متن درج ذیل ہے:

’’قارئین آل انڈیا بلوچ کانفرنس منعقدہ جیکب آباد کی کامیابی سے باخبر ہیں، جو کہ ایک ذمہ دار ریاستی سربراہ میر علی نواز تالپور والئی ریاست خیر پور کی صدارت میں منعقد ہوئی، اور پُر مغز ذمہ دار ورکروں نے کانفرنس کو کس طرح باوقار بنایا۔ ان کی تقاریر اور قرار دادیں کس طرح عمل میں آئیں۔ کسی بھی قسم کا معمولی سے معمولی غیر قانونی عمل کانفرنس کے مندوبین سے سرزد نہ ہوا۔ کانفرنس کی تمام کارروائیاں اعتدال، خلوص و محبت سے اختتام پذیر ہوئیں۔ ہمارے خیال میں بلوچستان کی پہلی کانفرنس نے ثابت کیا کہ یہ لوگ اپنے مقاصد بہت جلد حاصل کریں گے، بلاوجہ غیر ضروری جذباتیت سے مقاصد کا حصول ممکن نہیں، اعتدال پسندی، حوصلہ اور ٹھوس کام سے ہمیشہ اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

ڈپٹی کمشنر جیکب آباد نے کانفرنس کے منتظمین نواب یوسف علی خان، میر عبدالعزیز کرد غلام رسول خان قرائی اور غلام قادر ایڈووکیٹ کو ایک ملاقات میں یقین دلایا کہ وہ کانفرنس کے انعقاد میں ان کی مدد فرمائیں گے اور متعلقہ کمشنر نے بھی ہر ممکن مدد کرنے کی یقین دہانی کرائی۔ سرکاری اہل کاروں نے بھی کانفرنس کے صدر میر علی نواز تالپور کو یقین دلایا کہ کانفرنس کے شرکاء کے خلاف کوئی قدم اٹھایا نہیں جائے گا اور ریاست بھی کوئی اقدام نہیں اٹھائے گی۔ مگر ہمیں یہ جان کر حیرانگی ہوئی کہ ذمہ دار اہل کاروں نے کانفرنس کے شرکاء کے خلاف غیر سنجیدہ اقدامات کئے۔ نوابزادہ میر شہباز خان جو کہ حقیقی بھائی ہے نواب حبیب اللہ خان کے۔ جو کہ برٹش بلوچستان میں بندوبست اراضی کے سلسلے میں موجود تھے کو چند گھنٹوں کے لئے گرفتار کیا گیا۔ بعد از گرفتاری اسے دو ہزار زرضمانت داخل کرنے پر رہا کیا گیا۔ ان پر الزام لگایا گیا کہ وہ برٹش بلوچستان میں رہائش پذیر ہیں اور اپنے آبائی گھر نہیں جا رہے۔ جبکہ گزشتہ دو سال سے نوابزادہ یہاں رہائش پذیر تھے۔ لہٰذا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ نوابزادہ کی گرفتاری بوجہ شمولیت کانفرنس ہوئی۔

نوابزادہ کے علاوہ میر عبدالعزیز خان کرد کی ملازمت قلات سٹیٹ میں تھی جو کہ سٹیٹ سے ۱۰۰ روپیہ ماہوار تنخواہ لے رہے تھے کی ملازمت ختم کی گئی کیوں کہ وہ کانفرنس میں زیادہ سرگرم تھے۔ علاوہ اس کے ان سے کوئی غلطی سرزد نہ ہوئی۔ ان پر

دباؤ ڈالا گیا کہ وہ اپنے سردار سے جا کر معافی مانگیں۔ اگر حکم عدولی کی گی تو مبلغ ۲۰۰۰ روپے زرضمانت جمع کرے اور یہ کہ نیک چلنی کی ضمانت دے کہ آئندہ ایسا نہیں کرے گا۔

میر محمد اعظم خان جو کہ ریاست قلات کے ملازم تھے انہیں بھی بلاوجہ نکالا گیا۔ ان کے علاوہ قلعہ عبداللہ کے ایک معزز افغان کو ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر نے بلایا اسے دھمکی دی، اس پر دباؤ ڈالا گیا اور کہا گیا کہ وہ کسی بھی علاقائی آئینی اور قومی تحریک میں حصہ نہیں لے گا۔ مختصر یہ کہ سرکاری کارندوں کی طرف سے دیگر ممبران اور ہم کاروں کے خلاف بھی Represion تادیبی کارروائیاں عمل میں لائی گئیں۔

افواہیں گردش کر رہی ہیں کہ ریاستی ملازمین کے خلاف اس قسم کے اقدامات ریاست قلات کے وزیراعظم نے اپنی مہا تابعداری دکھانے اور اپنے بادشاہ کی نظروں میں آنے کے لئے سرانجام دی ہیں۔ برٹش بلوچستان کے اہل کار اور حکمران گروہ بالکل خاموش اور لاتعلق رہے۔ حکومت کو علم ہونا چاہیئے کہ امن و امان کے قیام کو ایک ہی طریقے سے حکومت برقرار رکھ سکتی ہے جو کہ بلوچ کانفرنس کے قانونی مطالبات پر ہمدردانہ غور ہے۔ اگر ملازمتوں سے برخاستی اور قید و بند جاری رہی تو یقینی ہے کہ اس کے نتائج بے چینی کو جنم دیں گے اور بلوچستان کے اندر اور باہر حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ ہوگا۔ اس طرح کے حکومتی اقدامات اٹھانے سے مشکلات پیش آئیں گی اور سرکار کے لئے حالات کو قابو میں رکھنا مشکل ہوگا۔ لہٰذا ہم حکمرانوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ جابرانہ، متشددانہ کارروائیوں کو بروقت روکا جائے بلوچوں سے ہمدردی روا رکھا جائے اور انہیں ان کے کانفرنس کے آئینی وقانونی پروگرام میں مدد دی جائے''۔ (۷)

ملازمین کی برطرفی کے خلاف احتجاج:

لاہور سے نکلنے والا روزنامہ 'زمیندار' بمورخہ ۱۸ رفروری کے شمارے میں بلوچ رہنماؤں کی گرفتاریوں اور ملازمتوں سے برطرفی کے حوالے سے ایک رپورٹ شائع ہوئی جس میں مختلف تنظیموں نے بلوچستان کے حالات پر تشویش کا اظہار کیا۔

''انجمن اتحاد بلوچاں، انجمن بلوچستان، انجمن Ainsi بلوچاں کے اپنے الگ الگ اجلاسوں میں درج ذیل قرار دادیں پاس کیں۔

۱۔ بلوچستان اور آل انڈیا بلوچ کانفرنس کے تجاویز دیں جو کہ تعلیمی، معاشی اور سماجی مسائل کے حوالے سے تھیں اور نوجوانوں اور شرکائے کانفرنس نے ریاستی اور برٹش بلوچستان حکومت کو اپنی Loyalty پیش کرنے کا اظہار کیا۔

ان انجمنوں نے مقامی حکام کی جانب سے شرکاء کانفرنس کی ملازمتوں سے برطرفی کی شدید مذمت کی۔

ان اجلاسوں میں کہا گیا کہ مقامی حکام کی جانب سے کانفرنس میں شریک ملازمین کی برطرفی کا عمل کانفرنس کی قراردادوں کے برخلاف ہے، جس میں مقامی لوگوں کو ملازمتوں میں ترجیح دینے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

ان اجلاسوں میں عزت مآب وائسرائے ہند، اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ برٹش بلوچستان اور خان آف قلات سے کانفرنس میں شریک ملازمین کی برطرفیوں پر نظر ثانی کر کے انہیں بحال کرنے کا مطالبہ کیا گیا''۔(۸)

روزنامہ ''زمیندار'' کی بندش و یوسف علی خان:

مولانا ظفر علی خان جس کے روابط برٹش حکمرانوں کی زیادتیوں اور لوٹ کھسوٹ کے خلاف ہندوستان بھر کی تحریکوں خصوصاً مسلم عوام کے ساتھ مربوط تھے۔ الوارسٹیٹ (Alwar State) میں مسلمانوں کے قتل عام کے خلاف وہ پیش پیش رہے۔ ''زمیندار'' اخبار کے اداریے اور خبریں الوارسٹیٹ کے عوام کی آواز بن گئے، جس کی پاداش میں برٹش حکومت نے روزنامہ 'زمیندار' پر پریس آرڈی ننس ایکٹ کے ذریعے جنوری ۱۹۳۳ء کی شروعات میں پابندی لگادی۔ 'زمیندار' پر پابندی کی خبر سنتے ہی ''میر یوسف علی خان مگسی ۱۶/جنوری ۱۹۳۳ء کو بذریعہ ٹرین یک دم لاہور پہنچے۔

لاہور پہنچتے ہی انہوں نے روزنامہ 'زمیندار' کے سیکورٹی کے لئے مبلغ تین ہزار روپے جمع کئے۔

اسی دن سہ پہر ۴:۳۰ منٹ پر دہلی گیٹ لاہور کے مقام پر 'زمیندار' کے حق میں اور الوارسٹیٹ کے قتل عام کے خلاف ایک عوامی جلسہ منعقد ہوا۔ جلسے کی صدارت ملک برکت علی ایڈووکیٹ نے کی۔ مولانا احمد علی، عبدالعنان، شمس الدین، مولانا ظفر علی خان، غلام حیدر، ایم ماجد اور یوسف علی خان نے خطاب کیا۔ ان مقررین نے 'زمیندار' کے حق میں تقریریں کیں۔

غلام حیدر ایم، ماجد اور یوسف علی خان مگسی نے زمیندار کے حق میں تقاریر کیں۔ اس جلسہ میں ایک قرارداد پیش کی گئی کہ الوارسٹیٹ (Alwar State) کی زیادتیوں میں سرکاری کارندے اور برٹش گورنمنٹ ذمہ دار ہے، مقررین نے ۲۵۰ مسلمانوں کے ضیاع کا ذمہ دار بھی مذکورہ قوتوں کو گردانا۔

ایک اور قرارداد میں 'زمیندار' کی امداد کے لئے 'زمیندار لمیٹڈ کمپنی' بنائی زمیندار کے حصص بھیج دیئے جائیں، جس کے لئے کمیٹی بنائی گئی۔ جس کے ممبران ملک برکت علی، شمس الدین حسن، ڈاکٹر فیروز الدین، میاں فیروز الدین احمد (مسلم یوتھ لیگ) نواب یوسف علی خان تھے۔ نواب یوسف علی خان مگسی نے اس موقع پر روزنامہ زمیندار کے مولانا ظفر علی خان سے کہا کہ ''الوارسٹیٹ (Alwar State) کی تحریک کو مالی و جانی مدد کی ضرورت پڑے۔ تو ہم ہر طرح سے مدد کے لئے تیار ہیں۔ بشرطہ کہ تحریک کی رہنمائی ظفر علی خان خود کریں''۔(۹)

آل انڈیا مسلم کانفرنس کا دعوت نامہ:

’’میر یوسف علی خان مگسی فروری ۱۹۳۳ء کے تیسرے ہفتے میں سیاسی دورے پر سبی پہنچے۔ سبی قیام کے دوران انہوں نے بلوچ کانفرنس کے رہنماؤں سے ملکی سیاسی صورتحال پر تبادل خیال کیا۔ ایک ملاقات میں یوسف عزیز نے بلدیو سہائے صحرائی کے ساتھ اپنے پروگرام کے حوالے سے کہا کہ مجھے آل انڈیا مسلم کانفرنس کی جانب سے شمولیت کی دعوت ملی ہے یہ کانفرنس دہلی میں منعقد ہوگی۔ میں سبی سے آج جیکب آباد جاؤں گا۔ جیکب آباد سے ملتان اپنے گھر اور پھر کراچی جاؤں گا اور حاجی عبداللہ ہارون سے بات کروں گا اور ان سے اُن سوالات کے بارے میں پوچھوں گا جو اس نے اسمبلی میں پیش کئے تھے اور عبداللہ ہارون سے مستقبل کے حوالے سے معلومات چاہوں گا۔ کراچی کا دورہ مکمل کر کے لاہور روانہ ہوں گا۔ جہاں ظفر علی خان ایڈیٹر زمیندار سے ملاقات کروں گا، ان سے بلوچستان کے مستقبل کے حوالے سے تبادلہ خیال کروں گا۔ یہ سب پروگرام کے مطابق میں نے طے کیا ہے۔ ماسوائے اس کے کوئی پوشیدہ رکاوٹ دخل انداز نہ ہو۔ میں آل انڈیا مسلم کانفرنس دہلی جاؤں گا‘‘۔ (۱۰)

سبی، جیکب آباد، کراچی اور لاہور کا دورہ:

’’میر یوسف علی خان ۲۷/فروری ۱۹۳۳ء کو بذریعہ ٹرین سبی سے جیکب آباد سیاسی دورے کے لئے روانہ ہوئے۔ جیکب آباد سے کراچی اور کراچی سے لاہور روانہ ہونگے جہاں سے وہ بلوچ کانفرنس کے صدر عبدالصمد خان اچکزئی کے ساتھ مل کر آل انڈیا مسلم کانفرنس میں شرکت کے لئے جائیں گے‘‘۔ (۱۱)

یاد رہے عبدالصمد خان اچکزئی کو بھی آل انڈیا مسلم کانفرنس کا دعوت نامہ بھیجا گیا تھا۔ کانفرنس منعقد ہونے کی تاریخ ۵/مارچ ۱۹۳۳ء تھی ’’عبدالصمد خان اچکزئی ۴/مارچ ۱۹۳۳ء کو گلستان سے لاہور کے لئے روانہ ہوئے‘‘۔ (۱۲)

آل انڈیا مسلم کانفرنس میں شرکت:

آل انڈیا مسلم کانفرنس اور آل انڈیا مسلم لیگ کی جانب سے منعقدہ کانفرنس بمقام دہلی بمورخہ ۵ مارچ کو منعقد ہوا۔ جس میں ’’میر یوسف علی خان اور عبدالصمد اچکزئی نے بھی شرکت کی۔ انہوں نے اس کانفرنس پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ اس کانفرنس میں ہمارے دو (۲) مطالبات جو کہ بلوچستان کی بدحالی اور برٹش بلوچستان کا انڈیا کے دیگر صوبوں کے برابر حقوق کے حوالے سے تھے۔ پہلا مطالبہ وہ حقوق جو کہ دیگر صوبوں کو مہیا ہیں لیکن برٹش بلوچستان کو ان سے دور رکھا گیا ہے۔ مزید یہ کہ مسلمانوں کو اس قسم کا کوئی بھی انتظام قابل قبول نہیں ہوگا جب تک بلوچستان کو اصلاحات میں برابری کا حصہ نہیں ملے گا اور انہوں نے جوائنٹ پارلیمانی کمیٹی کو بھی بلوچستان کے بارے میں ٹھوس فیصلہ کرنے کا کہا۔

دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ بلوچستان کو آل انڈیا بلوچ کانفرنس کی قراردادوں کے مطابق حصہ دیا جائے یا اسے سندھ کے نیچے ایک جدا کمشنری دی جائے''۔ عبدالصمد خان نے انتہائی افسوس کا اظہار کیا کہ ہم کانفرنس میں کچھ نہ کر سکے۔ سوائے اس کے ہم نے تماشہ بین کی حیثیت سے کانفرنس میں پیش آنیوالی بدمزگی کا نظارہ کیا جس میں کانفرنس میں شامل مسلم لیڈران ایک دوسرے کے گریبان سے پکڑے ہوئے تھے''۔ (۱۳)

عرضداشت بخدمت وزیر قانون ہند:

بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کے رہنماؤں نے وزیر قانون حکومت ہند کے دورہ بلوچستان کے موقع پر ان سے اصلاحات کے حوالے سے ملاقات کی اور بعدازاں ایک تحریری عرض داشت وزیر موصوف کی خدمت میں کوئٹہ میں بتاریخ ۱۶/اکتوبر ۱۹۳۴ء کو پیش کی۔ درخواست کا متن درج ذیل ہے:

''بخدمت جناب عزت ماب وزیر قانون حکومت ہند

جناب والا!

ہم زیر دستخطی مودبانہ گزارش کرتے ہیں اور ہم نے اس پر آپ جناب والا سے بات بھی کی اور درج ذیل گزارشات آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

(۱) آزادیء تحریر و تقریر

(۲) فرنٹیئر کرائم ریگولیشن F.C.R کا خاتمہ

(۳) موجودہ جرگہ سسٹم میں اصلاح اور اس کی اچھائیاں اور خامیاں۔ اس کی بہتری کے لئے صحت مند تجاویز۔

(۴) عوامی حق رائے دہی کی بنیاد پر ممبران کا انتخاب ہو، نہ کہ نامزدگی کے ذریعے۔

پولیٹیکل ایجنٹ کے کلی اختیارات کا خاتمہ عدلیہ اور محکمہ مال کو الگ الگ محکمے بنانا۔

(۵) تعلیم کو وسعت دی جائے اور صوبے میں نظام تعلیم کے موجودہ محکمے میں اصلاحات لائی جائیں۔

(۶) وائٹ پیپر کے مطابق دو ممبران ایک سٹیٹ کونسل اور ایک لیجسٹو اسمبلی صوبے کو دیئے جائیں۔ ان ممبران کا باقاعدہ عوامی رائے دہی سے انتخاب ہو نہ کہ نامزدگی کے ذریعے۔۔۔

درخواست گزاران۔۔۔۔

ا۔میر کریم بخش رئیسانی سکنہ مستونگ۔

۲۔حبیب اللہ خان اچکزئی سکنہ قلعہ عبداللہ۔

۳۔محمد اسلم اچکزئی ،سکنہ گلستان۔

۴۔عبدالقدوس اچکزئی = =

۵۔محمد ایوب اچکزئی سکنہ کوئٹہ

۶۔عبدالودود = =

۷۔محمد اکبر کاکڑ B.A-L.L.B '' (۱۴)

وائسرائے ہند (گورنر جنرل) کو درخواست:

'' مسلم ایسوسی ایشن کوئٹہ کے مقامی ممبران نے سبی میں ایک تحریری درخواست بنام عزت مآب وائسرائے ہند (گورنر جنرل) کو اپنے حقوق کے بارے میں پیش کی جس میں گذشتہ درخواست کا حوالہ بھی دیا گیا تھا جو کہ کوئٹہ میں وائسرائے کی خدمت میں پہلے ہی پیش کی گئی تھی۔

اس درخواست پر سراوان جھالاوان، چاغی ڈسٹرکٹ ،ژوب،لورالائی اور مکران کے سرداروں نے تصدیقی دستخط کئے۔

جام نوراللہ خان رہنما بلوچ کانفرنس اور مسلم ایسوسی ایشن کے جنرل سیکرٹری ان دستخطوں کے حوالے سے پیش پیش رہے''۔(۱۵)

لاہور میں بلوچ اور بلوچستانی مسلم اسٹوڈنٹس کا مشترکہ اجلاس:

آل انڈیا مسلم کانفرنس سے فراغت کے بعد'' میر یوسف علی خان مگسی نے لاہور میں بلوچ اور بلوچستان کے مسلم سٹوڈنٹس کے اس ہفتہ ہونے والا دوسرا اجلاس جو کہ کے ایس قلندر علی خان کی رہائش گاہ میں ۹/مارچ ۱۹۳۳ء کو منعقد ہوا، میں شرکت کی۔اس اجلاس میں تمندار مزاری سردار محمد مراد بخش خان مزاری کی ایصال ثواب کے لئے دعائے مغفرت کی گئی۔میر یوسف علی خان نے اس اجلاس میں (۴۰ روپے) ایسوسی ایشن کو عطیہ کے طور پر دیئے۔اس اجلاس میں میر یوسف علی خان کی

شرکت اورعطیہ دینے کا شکریہ ادا کیا گیا۔سرکاری ذرائع نے نوابزادہ یوسف علی خان کی بلوچستان کے طلباء کے منعقدہ اجلاس میں شرکت پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اپنی رپورٹ میں کہا کہ یوسف علی خان کی نقل وحرکت پر کھڑی نظر رکھنی چاہئے کیونکہ اس کی سرگرمیاں سیاسی نوعیت کی ہیں‘‘۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ’’اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ قلندرعلی خان اور فتح شیر علی خان ذمہ دارلوگ ہیں لیکن معلوم ہونا چاہئے کہ نوابزادہ یوسف علی خان اپنی ان کے ساتھ یکجہتی کے لئے تگ ودو کررہے ہیں معاملہ گڑ بڑ ہے‘‘۔

رپورٹ میں مزید کہا گیا کہ ’’علاوہ ازیں تجربہ سے ثابت ہے کہ ذمہ دارلوگ اس قسم کے تنظیموں کے سربراہ ہوتے ہیں ۔مگر کچھ ممبران قابل اعتراض اور ناپسندیدہ سرگرمیوں میں شامل ہوتے ہیں جیسا کہ بلوچستان سے چھٹیوں میں آئے ہوئے طلباء کوئٹہ سے واپسی پر نامناسب سرگرمیوں سے متاثر ہوتے ہیں۔ان پر کڑی نظر رکھنی چاہئے‘‘۔(١٦)

میر گل خان نصیر جوان دنوں لاہور میں پڑھتے تھے اپنی تصنیف ادبار کے چھاؤں میں یوں رقمطراز ہیں۔’’میر یوسف علی خان کی یہ خصوصیت تھی کہ جب کبھی لاہور آتے ، بلوچستان کے ان طلباء سے ضرور ملتے جو لاہور کے مختلف تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم تھے ان کی خیر وعافیت پوچھتے اور نادار طلباء کی حتی الامکان مالی امداد کیا کرتے تھے،ایک دفعہ بلوچستان کے طلباء نے ان کے اعزاز میں ریواز ہاسٹل میں ایک عصرانہ دیا(یہ تقریب بلوچ اور بلوچستانی مسلم سٹوڈنٹس کے قیام سے قبل ١١رجنوری ١٩٣٣ء کومنعقد ہوئی)اس تقریب میں،مَیں نے براہوئی زبان کی اپنی وہ نظم پڑھی جو میر یوسف علی خان کے قومی خدمات سے متاثر ہوکر لکھی گئی تھی جس کا پہلا شعر یوں تھا:

اُرک نی ہمتے دا مردنا دا مرد میدان نا
مگسی قوم نا فرزند، نواب یوسف علی خان نا

میر یوسف علی خان کو میری نظم بہت پسند آئی اس سے قبل وہ البلوچ اور بلوچستان جدید میں شائع شدہ میری اردو نظمیں بھی دیکھ چکے تھے اور پسند کرتے تھے۔کہنے لگے بھائی نصیر! شکل وصورت سے تو تم فوجی سپاہی لگ رہے ہو مگر، شعر بھی خوب کہتے ہو،یہی عرب اور بلوچ کی خاصیت ہے نواب صاحب بلوچ کو عربی النسل مانتے تھے۔

اسی تقریب میں، میر یوسف علی خان نے بلوچستانی طلباء کو یہ مشورہ دیا کہ اپنی ایک ایسی تنظیم قائم کریں جس کے ذریعے سے ملک کی عام سیاسیات سے باخبر ہونے کے علاوہ ملک کو پیش آمدہ سیاسی حالات وواقعات پر بحث وتمحیص کرکے ان سے متعلق سیاسی رہنماؤں کے سامنے اپنی سنجیدہ اور سلجھی ہوئی رائے پیش کرسکیں اور ساتھ ہی اپنے میں سے کمزور کم استطاعت طلباء کی مناسب مالی واخلاقی امداد کرسکیں۔

میر یوسف علی خان جب بھی لاہور آتے تو بلوچستان کے سیاسی مسائل سے متعلق بلوچستانی طلباء کی رائے دریافت کیا کرتے تھے بلوچستانی طلباء کی ناواقفیت اور کم توجہی سے ان کو دکھ ہوتا تھا جس کا وہ بسا اوقات اظہار بھی کیا کرتے تھے ،بلآخر میر یوسف علی خان کی ایماء پر مرید حسین خان مگسی (ایڈووکیٹ ملتان)اور چند دوسرے بلوچ طلباء کی جو زیادہ تر ڈیرہ غازی خان کے بلوچ تھے ،کوششیں بارآور ہوئیں اور'' بلوچ اور بلوچستانی طلباء کی انجمن'' BSO کا قیام عمل میں آیا میر قلندر علی خان ایڈووکیٹ لاہور ارنواب مشتاق احمد خان گورمانی نے انجمن کی سرپرستی قبول کی۔ ڈیرہ غازی خان کے بلوچ سرداروں نے جوان دنوں کسی سرکاری تقریب کے لئے لاہور میں جمع تھے انجمن کے لئے کھلے دل سے چندہ دیا۔اس سلسلہ میں ڈیرہ غازی خان کے بلوچ طلباء نے جن میں سے میر محمود خان لغاری، رجب علی خان، ظفر علی خان،عطا محمد قیصرانی اور میر مرید حسین مگسی قابل ذکر ہیں، بڑی سرگرمی دکھلائی، بلوچستان کے تمام بلوچ اور پٹھان طلباء اس انجمن کے ممبر تھے انجمن کے ہفتہ وار اجلاس ہوا کرتے تھے اور سالانہ تقریب بڑے طمطراق سے منائی جاتی تھی۔ انجمن کی پہلی سالانہ تقریب نواب مشتاق احمد گورمانی کی زیر صدارت منائی گئی، جس میں ڈیرہ غازی خان کے کئی سرداراور معزز بلوچوں نے شرکت کی۔'' (١٧)

میر یوسف علی خان مگسی کی سبی سے کوئٹہ آمد:

''میر یوسف علی خان اپنے بھائی میر محبوب علی کے ہمراہ مورخہ ١۵راگست ١٩٣۴ء کو بذریعہ کار سبی کے سیاسی دورے کے اختتام پر کوئٹہ پہنچے'' ۔(١٨)

میر یوسف عزیز کی کوئٹہ سے سبی روانگی:

''میر یوسف علی خان اپنے بھائی میر محبوب علی خان کے ہمراہ بمورخہ ١٧ر مارچ ١٩٣٣ء کو کوئٹہ سے سبی بذریعہ کار روانہ ہوئے''۔(١٩)

یوسف علی خان کو مشروط پیشکش:

''ایک مقامی تاجر کے بیٹے بلدیو سہائے صحرائی۔ممبر ایگزیکٹو کمیٹی بلوچستان اینڈ انڈیا بلوچ کانفرنس نے اپنی ایک گفتگو میں بتایا کہ یوسف علی خان نے مجھ سے ایک خط کے بارے میں بات کی جو کہ کوئٹہ میں ان کے پاس ہے۔یوسف علی کے مطابق قلات سٹیٹ حکام اور پولیٹکل ایجنٹ قلات کی خواہش ہے کہ ایک تحریری معاہدہ ان کے ساتھ کریں کہ وہ بلوچ کانفرنس اور دوسرے سیاسی معاملات میں حصہ نہیں لیں گے۔اس کے نتیجے میں اسے نواب بنایا جائے گا۔نوابزادہ نے ان پر واضح کیا کہ اسے نوابی ملے یا نہ ملے وہ اپنی قومی وسماجی خدمات برقرار رکھیں گے''۔(٢٠)

سبی سے سکھر روانگی:

''میر یوسف عزیز مگسی بمورخہ ٢٨ ر مارچ ١٩٣٣ء کے دن سبی سے سکھر روانہ ہوئے''۔(٢١)

وائٹ پیپر پر خان صمد خان صدر بلوچ کانفرنس کا موقف:

بلوچ کانفرنس کے صدر خان عبدالصمد خان اچکزئی (آف گلستان) نے وائٹ پیپر کے بارے میں ''بندے ماترم'' جریدہ کے بمورخہ ۲۷/مارچ ۱۹۳۳ء کے شمارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا:

''ہندوستانیوں نے اس پیپر کو' کاغذ' گردانا۔ لیکن بلوچستان کے لئے یہ ایک خالی کاغذ تھا۔ اس کی وجہ یہ کہ اس میں بلوچستان کا ذکر نہیں کیا گیا اور یہ کہ ہم نے انڈیا کے مسلمانوں پر اعتماد کیا اور گورنمنٹ پر کہ وہ گول میز کانفرنس میں ہماری نمائندگی کریں گے۔

میں امید رکھتا ہوں کہ گورنمنٹ مشترکہ پارلیمانی کمیٹی میں بلوچستان کو نمائندگی کا حق دے گی۔ اگر گورنمنٹ ہمیں یہ حق نہ دے تو میں مسلم نمائندوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ہمارے نقطہ نظر کو آگے بڑھائیں۔ جس کے مطابق ہم بلوچستان کے لئے وہی آزادی حقوق چاہتے ہیں جن کا دوسرے صوبوں نے مطالبہ کیا ہے۔ میں یہ نقطہ حکومت اور ہندوستانی مسلم وفود پر واضع کرتا ہوں کہ بلوچستان میں مکمل خودمختاری سے کمتر کوئی چیز قابل قبول نہیں''۔(۲۲)

لاہور و ڈھاڈر کا دورہ:

''میر یوسف عزیز مگسی ۱۳/اپریل ۱۹۳۳ء کو لاہور کے سیاسی دورے کے بعد بذریعہ ٹرین سبی پہنچے اور ۱۴/اپریل کو خان آف قلات وسٹیٹ کونسل کے ممبران سے گفت وشنید کے لئے ڈھاڈر گئے''۔(۲۳)

کوئٹہ کا دورہ:

''میر یوسف عزیز مگسی جھل مگسی سے سبی بمورخہ ۷/مئی ۱۹۳۳ء پہنچے اوراسی دن بذریعہ کار کوئٹہ پہنچے اور کنگ ایڈورڈ میموریل سرائے میں رہائش اختیار کی۔ جہاں ساتھیوں سے سیاسی حالات پر گفت وشنید کی کوئٹہ میں دو ہفتے گزارنے کے بعد میر یوسف علی خان مگسی ۲۰/مئی کو کوئٹہ سے سکھر بذریعہ ٹرین روانہ ہوئے اور ڈرائیور کو کہا کہ گاڑی شہداد کوٹ لے جائیں''۔(۲۴)

فضل حسین کا ''Mat Calfe'' کو مراسلہ بمورخہ ۲۸/مئی ۱۹۳۳ء

''آپ کو علم ہوگا کہ بلوچ کانفرنس منعقدہ جیکب آباد میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ میونسپل کمیٹی کے کمشنر کوئٹہ میونسپلٹی کے ممبران کے ووٹ سے منتخب کریں۔ قانون ساز اسمبلی کے نومبر کے اجلاس میں حاجی عبداللہ ہارون نے سوال کیا اور مشورہ دیا کہ برٹش بلوچستان میں لوکل بورڈز بنائے جائیں اور کوئٹہ میونسپلٹی کو ایک منتخب باڈی کا درجہ دیا جائے۔

دیہی علاقوں میں لوکل سیلف گورنمنٹ بنانے کے بارے میں میں آپ کے خیالات سے متفق ہوں کہ بلوچستان کے حالات اس کے لئے مناسب نہیں ہیں کم ازکم کچھ وقت کے لئے کوئٹہ کے حوالے سے میرے خیالات یہ ہیں کہ منتخب کرنے والے عناصر کو میونسپل کمیٹی نشاندہی کا حق رکھتی ہے۔

یہ ممکن ہے کہ حال ہی میں شمال مغربی صوبہ میں مقامی حکومتوں کے ادارے متعارف کئے گئے ہیں اور صوبے کو سیاسی طور پر دوسرے صوبوں کے برابر لایا گیا ہے اور یہ حقائق بلوچستان کے لئے خیالات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ دانش مندی ہوگی اگر تمام ممکنہ اصلاحات باعزت انداز سے کی جائیں، اس سے پہلے کہ اس قسم کے مطالبات زور پکڑیں۔ ان پر جلد سے جلد نظر ثانی کی جائے بہتر ہوگا کہ انہیں سامنے آنے سے قبل جلد حل کئے جائیں۔

میں آپ کا شکر گزار ہوں گا اگر آپ یقین دہانی سے میری عرضداشت پر غور کریں اگر آپ میرے ساتھ متفق ہیں تو ان معاملات کو جو حل ہونے کا حق رکھتے ہیں، جلد سے جلد نمٹا دیا جائے۔ ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل بلوچستان سے رجوع کریں گے اور اس کی رائے بھی لیں گے''۔ (۲۵)

میر یوسف علی خان کا دورہ مستونگ:

نوابزادہ یوسف علی خان مگسی بمعہ جام نور اللہ خان بی اے اور محمد ایوب اچکزئی کے ہمراہ مستونگ سیاسی دورے پر گئے۔ جہاں میر عبدالعزیز کرد اور دیگر ساتھیوں سے سیاسی صورتحال اور بلوچ کانفرنس کے مطالبات پر مبنی مسودہ کی تیاری کے سلسلے میں بات چیت کی۔ مستونگ کے دورے کے اختتام پر بمورخہ ۱۲ر جون ۱۹۳۳ء بوقت رات ۱۰ بجے کوئٹہ پہنچے''۔ (۲۶)

میر عبدالعزیز کرد کی کوئٹہ آمد:

''میر عبدالعزیز کرد سیکرٹری انجمن اتحاد بلوچستان۔ ۱۲ر جون ۱۹۳۳ء کو مستونگ سے کوئٹہ پہنچے اور نواب یوسف علی خان کے ہاں رہائش پذیر ہوئے۔ کوئٹہ میں انہوں نے میر یوسف علی خان وعبدالصمد خان اچکزئی کی سرکردگی میں بلوچ کانفرنس کے رہنماؤں سے کانفرنس کے مطالبات وتجاویز کو مسودہ کی شکل میں ترتیب دینے کے لئے گفت وشنید کی اور مسودہ کمیٹی کے اجلاس کی تاریخ ۲۸ر جولائی ۱۹۳۴ء بمقام کوئٹہ طے کی''۔ (۲۷)

حوالہ جات:

۱ تا ۱۶۔ ۱۸ تا ۲۷۔ (ماخوذ از سرکاری دستاویزات)۔

۱۷۔ میر گل خان نصیر 'یادوں کے ادبار'

باب ہفتم

مسودہ کمیٹی، اصلاحات کے لئے تجاویز

۲۸ رجولائی ۱۹۳۳ء بلوچ کانفرنس کے رہنماؤں کا ایک اجلاس مگسی ہاؤس پرنس روڈ کوئٹہ میں زیر صدارت قائم مقام صدر بلوچ کانفرنس عبدالصمد اچکزئی منعقد ہوا، اسی اجلاس میں خان عبدالصمد اچکزئی، میر یوسف علی عزیز، میر عبدالعزیز، جام نوراللہ، محمد ایوب اچکزئی اور دوسرے رہنماؤں نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں مسودہ کمیٹی کے اجلاس کی تاریخ ۳۰ رجولائی ۱۹۳۳ء طے کی گئی اور دیگر امور پر تبادلہ خیال کیا گیا، اس اجلاس میں ممبران مسودہ کمیٹی کے نام اخبارات کو ایک دعوت نامہ جاری کیا گیا، جو یوں ہے:

مسودہ کمیٹی کے اجلاس کا دعوت نامہ:

روزنامہ ''زمیندار'' ۲۸ رجولائی ۱۹۳۳ء کے شمارے میں بلوچ کانفرنس کے اجلاس کا دعوت نامہ شائع ہوا جس میں کہا گیا کہ ''آل انڈیا بلوچ کانفرنس کا اجلاس بمورخہ ۳۰ رجولائی ۱۹۳۳ء کو کنگ ایڈورڈ میموریل سرائے بمقام کوئٹہ منعقد ہوگا۔ نیز بلوچ کانفرنس کے صدر خان عبدالصمد خان اچکزئی نے کمیٹی کے اراکین کو بذریعہ تار اطلاع دیتے ہوئے انہیں بلوچ کانفرنس کے اجلاس بمورخہ ۳۰ جولائی بوقت صبح ۱۰ بجے بمقام شاہی سرائے کوئٹہ میں مدعو کیا۔ اس اجلاس میں کانفرنس کے لئے سیکرٹریٹ بنانے، جیکب آباد کانفرنس میں کئے گئے فیصلوں کو دستاویز کی شکل میں مرتب کرنے پر غور وخوص ہوگا۔

ممبران کمیٹی سے درخواست کی جاتی ہے کہ مگسی ہاؤس کوئٹہ رابطہ کریں اور آنے کی اطلاع دیں۔ تمام ممبران سے اس اجلاس میں شمولیت کی تاکید کی جاتی ہے''۔(۱)

۳۰ رجولائی ۱۹۳۳ء کے اجلاس کی کارروائی:

کوئٹہ بمورخہ ۳۰ جولائی ۱۹۳۳ء کو آل انڈیا بلوچ کانفرنس کی ایگزیکٹو کمیٹی کا اجلاس انتہائی خفیہ طور پر کنگ ایڈورڈ میموریل سرائے میں منعقد ہوا۔ اس خفیہ اجلاس میں کلی طور پر بااعتماد ممبران نے شرکت کی۔

اس اجلاس کی کارروائی بند کمرے میں شروع ہوئی اور باہر نگرانی کے لئے ایک چوکیدار کو ذمہ داری دی گئی۔ اجلاس صبح (دس بجے) شروع ہوا لیکن ایک گھنٹے کی کارروائی کے بعد اجلاس کو (چھ بجے) تک ملتوی کردیا گیا تاکہ ممبران ایک دوسرے کے ساتھ غیر رسمی بات چیت کرسکیں۔

(چھ بجے) اجلاس دوبارہ شروع ہوا اور رات (دس بجے) تک جاری رہا۔اس اجلاس میں ایگزیکٹو کمیٹی کے درج ذیل ممبران نے شرکت کی:

عبدالصمد خان اچکزئی (آف گلستان) صدر

غلام قادر پلیدار آف جیکب آباد نائب صدر

سردار یوسف علی مگسی

مولوی محمد حسین ایڈیٹر الحنیف جیکب آباد

میر تاج محمد ڈومکی آف جیکب آباد

غلام رسول قرائی سابقہ سب جج پنجاب

محمد امین کھوسو جیکب آباد

میر عبدالعزیز کرد مستونگ

ایوب خان ولد یعقوب خان آف گلستان E.A.G بلوچستان

عطا محمد مرغزانی آف سبی سابقہ تحصیلدار

جام نور اللہ بی اے۔آفس آف ایچ اے جی جی و جنرل سیکرٹری لوکل مسلم ایسوسی ایشن کوئٹہ۔

شہباز خان نوشیروانی

ڈاکٹر محمد رمضان صدر لوکل مسلم ایسوسی ایشن کوئٹہ

مولانا اختر علی خان ولد مولانا ظفر علی خان ایڈیٹر ''زمیندار'' لاہور۔

غلام محمد۔رکن وفد ''زمیندار'' لاہور۔

غلام یاسین۔رکن وفد ''زمیندار'' لاہور''۔ (۲)

روزنامہ ''زمیندار'' کے وفد کی کوئٹہ آمد:

''مولانا ظفر علی خان کے صاحبزادے مولانا اختر علی خان کے ہمراہ غلام محمد و غلام یٰسین بذریعہ ٹرین ۲۹ /جولائی کو کوئٹہ پہنچے، مگر انہوں نے صبح کے اجلاس میں شرکت سے قاصر رہے، انہوں نے شام کے اجلاس میں شرکت کی۔

مولانا اختر علی خان اوراس کے ساتھیوں کو کمیٹی کی مدد کرنے کارروائی اور قرار دادوں کومسودے کی شکل دینے اور کارکردگیوں میں رہنمائی کرنے کی غرض سے دعوت دی گئی تھی۔

تمام مہمانان گرامی مگسی ہاؤس میں سردار یوسف علی خان مگسی کے ساتھ رہائش پذیر ہوئے''۔(۳)

مسودہ کمیٹی کے اجلاس کے فیصلے اور قرار دادیں:

''اس اجلاس کا اہم مقصد یہ تھا کہ عبدالصمد خان اچکزئی بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس میں پاس کی گئی مطالبات وقراردادوں کومسودہ کی شکل میں جوائنٹ پارلیمانی کمیٹی کو پیش کریں۔

اجلاس کے دودسرے ایجنڈے پر بحث کی گئی جس میں فیصلہ کیا گیا کہ ''بلوچ کانفرنس'' کے مرکزی دفتر کو جیکب آباد سے کوئٹہ منتقل کیا جائے۔

یہ بھی تجویز دی گئی کہ ''بلوچ کانفرنس'' کے لئے ایک سیکرٹری کی تعیناتی عمل میں لائی جائے۔

بلوچ کانفرنس کا یہ اجلاس درج ذیل وجوہات کی بنا پر اہمیت کا حامل ہے۔

☆ یہ بلوچستان کی حدود میں بلوچ کانفرنس کا پہلا اجلاس تھا۔ اس سے قبل کوشش کی گئی کہ یہ اجلاس سبی میں ہو۔لیکن چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر اسے کوئٹہ میں منعقد کیا گیا۔

☆ یہ اجلاس بلا اجازت ایک عوامی عمارت میں منعقد ہوا۔

☆ بلوچ کانفرنس کا منعقدہ اس اجلاس کا ایجنڈا سیاسی تھا۔جس میں با اعتماد سرکاری ملازمین نے بھی حصہ لیا۔

☆ صدر نے بڑی احتیاط سے اس اجلاس کو خفیہ رکھنے کی تدابیر اختیار کیں۔

☆ پارٹی کے عہداروں اختیارات و ذمہ داریوں کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا اور اسے اگلے اجلاس سبی میں جس کا انعقاد طے پایا رکھا گیا۔

☆ بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس منعقدہ جیکب آباد کے مالی امور کی منظوری دے دی گئی۔ جیکب آباد کانفرنس میں پاس کی گئی قراردادوں کی توثیق کی گئی۔

☆ بلوچ کانفرنس سیکرٹریٹ کے لئے درج ذیل تبدیلیاں کی گئی۔محمد اعظم ڈیرہ غازی خان جنرل سیکرٹری کو مالی امور میں مبلغ ۵۰۰ روپے کی بے ضابطگیوں کے حوالے سے ہٹایا گیا۔

☆ عطا محمد خان مرغزانی سابقہ تحصیلدار سبی کو یوسف علی خان مگسی کی جگہ نائب صدر منتخب کیا گیا۔ واضح رہے عطا محمد نے بلوچ کانفرنس کے انعقاد میں سرگرمی سے حصہ لیا تھا۔

☆ اس اجلاس کا اہم ترین ایجنڈا جوائنٹ پارلیمانی کمیٹی لندن کے سامنے اہم ترین قرار دادوں اور مطالبات کو مسودے کی شکل میں پیش کرنا تھا، پر اتفاق کیا گیا۔

☆ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ کانفرنس کا اگلا اجلاس سبی میں دوران ''دربار'' منعقد ہوگا۔ لیکن اجلاس کی تاریخ طے نہیں کی گئی اور یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ انڈیا کے تمام بلوچ سرداروں کو اس اجلاس میں شرکت کی دعوت دی جائے۔ لہٰذا درج ذیل سرداروں کو دعوت نامے جاری کئے جائیں۔

نواب جمال خان لغاری M-L-C آف ڈی آئی خان

خان بہادر شیر محمد خان جیکب آباد

خان بہادر شاہنواز خان بھٹو M-I-C سندھ

ملک برکت علی ایڈووکیٹ لاہور (جو کہ مسلم قوم پرست لیڈر کے حوالے سے مشہور تھے)

اس اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ اگلے اجلاس کی مقررہ تاریخ اخبارات میں دی جائے گی۔ اجلاس میں طے پایا کہ

☆ سردار یوسف علی خان اجلاس کے آدھے اخراجات دیں گے اور بقیہ آدھے پارٹی کے ممبران دیں گے۔

☆ لوکل گورنمنٹ سے درخواست کی جائے، میر شہباز خان نوشیروانی کی جائیداد کا جائز حصہ نواب آف خاران سے لیں۔ (اس قرارداد کی ایک کاپی نواب آف خاران کو بھیجی جائے)۔

☆ اجلاس میں یہ بھی طے کیا گیا کہ اس کی ایک کاپی نواب محراب خان بگٹی کو دی جائے جو کہ اپنے بیٹے عبدالرحمٰن بگٹی کے لئے نامناسب رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔

☆ اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ گل محمد خان جب سے وزیر اعظم مقرر ہوئے ہیں۔ انہوں نے ملکیوں کی تعلیم اور معاشی بہتری کے لئے کوئی بھی قدم نہیں اٹھایا اور تمام مسائل کو لوکل گورنمنٹ کی نوٹس میں لایا جائے اور اس قرار داد کی ایک کاپی وزیر اعظم کو بھی دی جائے اور ان سے درخواست کی جائے کہ ان مسائل پر غور کریں۔

☆ اس اجلاس میں مقامی ملکی افراد کی سرکاری ملازمتوں میں بھرتیوں پر اجتناب بھرتنے پر تشویش کا اظہار کیا گیا۔ نیز شادی

خان ،حرمت خان اور قاضی نور محمد کی بھرتیوں کے احکامات کو روکنے کی مذمت کی گئی۔ سرکاری احکامات میں یہ اشخاص ترجیحی بنیادوں پر نائب تحصیلدار کی اسامیوں پر بھرتی کئے گئے ۔لیکن اب تک انہیں تعینات نہیں کیا گیا۔محمد صادق جسے حال ہی سب انسپکٹر کی اسامی پر بھرتی کیا گیالیکن تا حال انہیں ان کے ساتھ بھرتی کے معاملے میں تُرش رویہ رکھا جارہا ہے۔

☆ اس اجلاس میں روزنامہ ’ زمیندار‘ لاہور کی بلوچ جدوجہد کے حوالے سے خدمات کو سراہا گیا۔ اس اجلاس میں یوسف علی خان مگسی نے ’زمیندار‘ کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ’زمیندار‘ بلوچوں کی دفاع کے لئے ایک ’ننگی تلوار‘ کی حیثیت رکھتی ہے ۔انہوں نے اختر علی خان ایڈیٹر’زمیندار‘ کو مبلغ ۴۰۰ روپے اورالحنیف کے ایڈیٹر مولوی محمد حسین کو عطیہ دیا۔

☆ اجلاس میں میر حبیب اللہ شاہوانی کلی غلام پڑینز مستونگ جنہوں نے جیکب آباد بلوچ کانفرنس میں مالی مدد کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ان سے گزارش کی جائے کہ جلد از جلد مالی مدد کے لئے پیسے مہیا کریں۔

کوئٹہ میں منعقدہ اس اجلاس میں بلوچ کانفرنس کے عہدیداروں میں درج ذیل تبدیلیاں کی گئیں۔

۱۔ غلام رسول قرائی سابقہ جج نائب صدر و جنرل سیکرٹری

۲۔ عطا محمد خان مرغزانی سابقہ تحصیلدار سیکرٹری مالیات

۳۔ غلام قادر وکیل سیکرٹری

۴۔ جام نور اللہ خان اپنی خواہش پر عہدے سے مستعفی ہوئے۔

۵۔ اس اجلاس میں عبدالصمد خان اچکزئی جو ذاتی دلچسپی سے ایک اخبار کا اجراء کرنے کی آرزو رکھتے ہیں نے کانفرنس کے رہنماؤں سے مالی مدد کی اپیل کی۔

شام کے اجلاس میں وزیراعظم ریاست قلات اورنواب بگٹی کے حوالے سے پاس کی گئی قراردادوں پر بلوچ کانفرنس کے رہنماؤں غلام رسول قرائی اور یوسف علی خان کے مابین گرما گرم بحث و مباحثہ ہوا۔اس بحث کے دوران اجلاس میں شامل رہنماؤں نے یوسف علی خان کے موقف کی تائید کی جو غلام رسول قرائی کو ناگوار گزرا،وہ اجلاس سے اٹھ کر شاہی سرائے چلے گئے غلام رسول قرائی نے اپنے موقف پر مبنی ایک خط ’البلوچ‘ کراچی کو روانہ کیا اور یوسف علی خان نے ’’زمیندار‘‘ لاہور کو اپنے موقف پر مبنی ایک خط بھیجا۔مگر اس تلخی کو جلد ہی نمٹا دیا گیا۔ بعد میں دونوں نے اپنے اپنے موقف پر بھیجے گئے خطوط کو متعلقہ اخبارات کو شائع کرنے سے منع کیا‘‘۔(۴)

عطا محمد مرغزانی کا عہدے سے معذوری:

’’بمورخہ ۷ / اگست ۱۹۳۳ء‘‘ زمیندار‘‘ لاہور نے عطا محمد مرغزانی کا ایک خط شائع کیا جو کہ سیکرٹری مالیات ’’بلوچ کانفرنس‘‘ مقرر ہوئے تھے۔

انہوں نے اپنے خط میں ایڈیٹر سے درخواست کی کہ ورکنگ کمیٹی بلوچ کانفرنس کسی اور اہل ممبر کو اس عہدے پر تعینات کرے۔انہوں نے اپنے خط میں لکھا کہ وہ اس اہم اور ذمہ دار منصب کا خود کو اہل نہیں سمجھتا۔(۵)

اصلاحات کے لئے تجاویز:

(بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس منعقدہ ۲۷/دسمبر تا ۳۰/دسمبر ۱۹۳۲ء جیکب آباد کے مختلف اجلاسوں میں پاس کی گئی قراردادوں کا مسودہ جسے ۳۰/جولائی ۱۹۳۳ء کو کوئٹہ میں ایگزیکٹو کمیٹی کے اجلاس میں ترتیب دیا گیا)۔

منجانب:۔ چیئرمین ’’بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس‘‘ گلستان بلوچستان

بجانب:۔ کلرک جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی ہاؤس آف لارڈز لندن

مورخہ یکم رمئی ۱۹۳۳ء

جناب والا!

(۱) میرے لئے یہ اعزاز کی بات ہے کہ میں آپ کو بلوچستان کے بارے میں منعقدہ اجلاس کی کارروائی کے بارے میں آگاہ کروں، جوکہ جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی کے مشترکہ اجلاس میں ورکنگ کمیٹی آف بلوچستان اور آل انڈیا بلوچ کانفرنس سے منظور ہوا۔

(۲) اگر کمیٹی ہمارے اجلاس کے شوائد سننے پر رضا مندی کا اظہار کرتی ہے تو ہم تین ارکان کو خدمات کی انجام دہی کی ذمہ داری کے لئے نامزد کریں گے۔

(۳) برائے مہربانی وصولگی سے مطلع فرمائیں۔

جناب والا!

مجھے آپ کی تابعداری کا شرف حاصل ہے۔

عبدالصمد خان اچکزئی (چیئرمین)

بلوچ کانفرنس کا مختصر جائزہ:

بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کا مختصر جائزہ

تعارف:۔

بلوچستان برطانوی سلطنت کا سب سے زیادہ پس ماندہ اور نظر انداز کیا گیا حصہ ہے جس کی یہ خصوصیت اسے نہ صرف شمال مغربی سرحدی صوبے کی نسبت پوری دنیا بلکہ ہندوستان میں ایک انوکھی اور منفرد حیثیت کا درجہ دیتی ہے۔

بلوچستان کے طبعی خدوخال، جغرافیائی ساخت سیاسی وانتظامی ڈھانچہ اوران سب سے بڑھ کر بلوچستان کے عوام کے باہمی قبائلی تعلقات اورسم رواج نے اسے عجیب وغریب خاصیت کا حامل بنا دیا ہے۔

بلوچستان جوایک وسیع وعریض خطہ زمین ہے جو تپتے میدانوں منجمد وادیوں، پھیلے ہوئے (سرسبز وشاداب) باغات، بنجر زمینوں اڑتی ہوئی ریت، گردباد کے طوفانوں پر مشتمل ہے اپنی اس جغرافیائی ساخت کے باعث اس خطہ کو ایک اہم سیاسی حیثیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برطانوی سلطنت کو ایرانیوں، افغانیوں اور دیگر غیر ملکیوں سے کھلا خطرہ محسوس کرتے ہوئے درہ بولان پہ گہری نظر رکھنا پڑتی ہے۔

بلوچستان کا عجیب وغریب سیاسی وانتظامی ڈھانچہ قومی تعمیر وترقی میں کوئی موثر کردار ادا کرنے سے قاصر ہے۔جس کی نمایاں وجوہات میں باہمی قبائلی وعلاقائی تعلقات، رسم ورواج، باہمی وراثتی اتفاق واتحاد بہت واضح اور نمایاں ہے۔جسے غیر ملکی باآسانی سمجھنے اور محسوس کرنے سے قاصر ہیں۔اس باہمی اتفاق واتحاد میں علاقائی حد بندی کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

بلوچستان کے تمام اضلاع اورحصوں میں کسی علاقائی تخصیص کے بلوچ، براہوئی اور پٹھان بستے ہیں۔بلوچستان کی عام آبادی کے دس میں سے اگر ایک آدمی کو دیکھا جائے تو اس کا تعلق بلوچستان میں قائم الگ انتظامی ڈھانچہ سے ہوگا۔فرض کریں کہ وہ ایک برطانوی (برٹش بلوچستان) کا شہری ہے اور ریاست میں جائیداد رکھتا ہے اس کے باوجود اس کا تعلق بلوچستان کے کسی نہ کسی علاقائی قبیلہ یا ایجنسی سے ہوگا۔باوجود اس کے کہ وہ علاقہ یا ایجنسی حکومت برطانیہ کے زیر تسلط ہی کیوں نا ہو۔

بلوچستان کا تمام علاقہ کسی نہ کسی قبائلی یا علاقائی ایجنسی سے منسلک ہے یا اس کے قریب تر ہے۔اگر قلات کے پولیٹیکل ایجنٹ کو دیکھا جائے۔تو وہ ریاست برطانیہ کا سیاسی نمائندہ ہوتے ہوئے چاغی ایجنسی اور ضلع بولان کے اجارے میں لئے گئے علاقہ کا انتظامی سربراہ بھی ہے۔

لہٰذا بلوچستان کا ہر عام شہری صوبہ کو اپنا گھر سمجھتا ہے۔خواہ برطانوی سلطنت کے زیر تسلط یا برطانوی ضلع (Niabat) کی ریاست ہی کیوں نہ ہو۔

اس اتحاد اور یکجہتی کا زبردست مظاہرہ بلوچستان کی تمام قبائلی تنظیموں ،کانفرنسوں اور دیگر معاہدات میں بھرپور تعاون کی شکل میں نظر آتا ہے۔اسی مضبوط اتحاد واتفاق کی وجہ سے مستقبل کی ترقی کی مضبوط بنیاد رکھی جاسکتی ہے۔مگر غیر ملکی اس حقیقت کو دانستہ یا غیر دانستہ محسوس نہیں کرتے۔جس کے سبب وہ بلوچستان میں آئینی اصلاحات کے نفاذ مین کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوپاتے۔

(۲) تاہم ہمارا یہ مقصد ہے کہ بلوچستان میں بین الاقوامی طرز کی متحدہ حکومت ہو جو مرکز کے ساتھ وفاقی اکائی کی حیثیت سے وابستہ ہو۔کوئی بھی شخص جو ہماری جانب سے دی گئی تجاویز پر ہمدردانہ غور وخوص کرے،تو یقیناً اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ بکھرے ہوئے صوبہ کو متحد رکھنے کے لئے اس سے فائدہ مند اور بہتر کوئی اور تجویز ہو ہی نہیں سکتی۔بمقابلہ اس کے جو ہماری جانب سے پیش کی گئی ہے۔یہ اب حکومت پر منحصر ہے کہ ہماری تجویز کو منظور یا رد کرے۔جبکہ یہ تجویز دونوں فریقوں کے لئے فائدہ مند ہے اب یہ حکومت پر ہے کہ وہ متحدہ ریاست کے قیام کو ممکن بناتی ہے یا بکھرے ہوئے صوبے کو رکھنا چاہتی ہے۔متحدہ ریاست کے قیام کی تجویز کو رد کئے جانے پر ہماری جانب سے Matalis Mutandis کی سکیم کو بہتر سمجھا جائیگا۔

(۳) یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ یہ قرارداد ۲۹ر دسمبر ۱۹۳۲ء کو جیکب آباد کے مقام پر کانفرنس کے کھلے اجلاس میں منظور ہوئی۔کسی بدگمانی یا بدنیتی پر مشتمل ہونے کی بجائے یہ تجویز زیر انتظام صوبے کے مقاصد کے حصول کا احساس دلانے کے لئے پہلا قدم ہے ہمارا ارادہ یہ نہیں ہے کہ یہ تجویز ہندوستان کے لئے کی جانے والی اصلاحات کے مقابلے میں غور کے لئے پیش کی جائے۔ہماری رائے ہے کہ بلوچستان سے متعلق اصلاحات پر اس وقت غور کیا جائے۔جب ہندوستان میں اصلاحات ہوچکی ہوں۔ہندوستان نے اپنی فلاح و بہبود کے لئے کئی اقدامات کئے ہیں۔جبکہ بلوچستان کو نظر انداز کیا گیا ہے یہ انصاف پر مبنی اقدام ہے کہ مذکورہ مطالبات کو ہندوستان کی آئینی اصلاحات کے بل سے پہلے منظور کرکے وفاداری کا صلہ دیا جائے۔

(۴) مذکورہ بیان کے اختتام سے قبل یہ نقطہ غور طلب ہے کہ مالی معاملات کو مذکورہ اجلاس میں زیر بحث نہیں لایا گیا' جسے یہاں بیان کرنے کی ضرورت ہے۔بیشک برطانوی بلوچستان کے مالی معاملات کو مرکزی حکومت کی جانب سے ملنی والی امداد سے حل کیا جاتا ہے۔اگر ریاست بلوچستان کو متحدہ ریاست میں شامل کیا جاتا ہے۔نئے صوبے کو ملنے والی مالی امداد کے حصہ کو خرچ کرنے کی ذمہ داری وفاقی حکومت کی طرح سے شاہی جرگہ کو سونپی جائے گی اور اس طرح دیگر معاملات بھی جرگہ کے ذریعہ حل ہونگے۔

(۵) گرچہ یہ ایک طویل یادداشت ہے جس میں ضروری ہے کہ اس غلط فہمی کو جو کہ خاص طور پر مرکزی حکومت اور عام طور پر کمیٹی کے ذہن میں ہے دور کی جائے جو صوبے کے مختلف علاقوں کے بسنے والے لوگوں کی مختلف خصوصیات کی بناء یہ فرض کی جاتی ہے۔

(۶) موجودہ انتظامی ڈھانچہ کی خامیاں:

کمیٹی کی تجاویز میں ضروری ہے کہ برطانوی بلوچستان کے انتظامی ڈھانچہ کا وہ خاکہ پیش کیا جائے۔ جو تمام صوبے اور ایجنسیوں میں آج تک انتظامی حوالے سے ناکامی کا سبب بنا ہے۔

(۷) ہم موجودہ انتظامی نظام/انتظامیہ سے متعلق مندرجہ ذیل نکات پر مشتمل تجاویز پیش کرتے ہیں۔

(الف) سرحدی جرائم سے متعلق قرارداد، بلوچستان سے متعلق اصول وقواعد اسی طرح سے دیگر اصول:

یہ تمام مذکورہ قوائد بلوچستان کی ترقی میں رکاوٹ کا باعث ہیں۔ ملکی قوانین میں تبدیلی کے لئے لازمی ہے کہ ملکی حالات اور عوام کی ذہنیت کو تبدیل کیا جائے۔ یہ اصول وقواعد یقیناً اس وقت ملکی قوانین میں تبدیلی کا باعث بنیں گے، جب یہ انصاف اور مساوات کے جذبہ کے مخالف نہ ہوں۔

(ب) سیاسی آفیسران کے اضافی اختیارات:

سیاسی نمائندوں یا آفیسرز اپنے ضلع کے تمام محکموں کے سربراہ ہیں۔ مثلاً پولیٹیکل ایجنٹ، ڈپٹی کمشنرز، ضلع مجسٹریٹ B ایریا کے لیویز انچارج کو حاصل اختیارات، ان کو عوام کا خادم بنانے کے بجائے آقا بناتے ہیں۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے جو اختیارات کی مرکزیت کا سبب ہے۔

(ج) جرگہ کے ذریعہ مقدمات سننے کا طریقہ کار:

جرگوں کے پاس تمام نوعیت کے مقدمات سننے کا اختیار ہے، جس میں معمولی جرائم سے لیکر تمام اہم نوعیت کے سیاسی مقدمات بھی شامل ہیں۔ مقدمات سننے کا طریقہ کار غیر موثر ہے، جس میں مقدمہ سے متعلق شوائد اور عام حالات کو مدنظر نہیں رکھا جاتا۔ مقدمات کی تحریری تفصیل اور دوبارہ غور وخوص کا کوئی طریقہ کار نہیں۔ ملوث پارٹیوں کو جرگہ میں دوبارہ اپیل کرنے کا حق بھی نہیں دیا گیا۔

(د) شاہی جرگہ:

شاہی جرگہ کے پاس دوہرے اختیار ہیں۔ جو بہ یک وقت بغیر کسی رہنما اصولوں کے نہ صرف قانون سازی کرتا ہے بلکہ مقدمات کے فیصلوں کا اختیار بھی رکھتا ہے۔

(س) **محاصل آمدنی وصول کرنے والے آفیسرز کے عدالتی اختیارات:**

مذکورہ نظام ہندوستان کی نسبت بلوچستان کے لئے زیادہ نقصان دہ ہے۔

(ص) **پولیس کی جانب سے رکاوٹ:**

ہندوستان سے بلوچستان گھومنے پھرنے کی غرض سے آنے والوں کے لئے پولیس کی جانب سے سخت رکاوٹ حائل ہے۔بغیر کسی اجازت بلوچستان میں سفر کرنے والوں کی نگرانی کی جاتی ہے۔جس کی وجہ سے شہریوں کو حقوق حاصل نہیں۔

(ض) **تقریر وتحریر پر پابندی:**

آزادی تقریر کا حق حاصل نہیں۔جس میں سیاسی ، سماجی بلکہ مذہبی تقریر پر بھی پابندی ہے۔اگرچہ وہ معاشرہ کے لئے اصلاح کا باعث ہی کیوں نہ ہو۔کسی بھی ایسے اخبار کی اشاعت کی اجازت نہیں ،جس میں آزادانہ تنقید، سیاسی خبریں اور سیاسی مسائل پر بحث شامل ہو۔

(ط) **تعلیم:**

نظام تعلیم میں عوام کا کوئی اختیار نہیں۔نصاب میں مذہبی تعلیم کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ۔تعلیمی ترویج کا کوئی انتظام نہیں۔تعلیم یافتہ بلوچستانیوں کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی۔ مذکورہ سلوک کے باعث عوام میں تعلیم حاصل کرنے کا شوق اورحوصلہ پیدانہیں ہورہا۔

(ظ) **زراعت جانوروں کی پرورش/افزائش نسل اورتجارت:**

پھلوں کی کاشتکاری کے لئے عوام کو جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں کوئی ہدایات اور رہنمائی حاصل نہیں اور نہ ہی ان کی بھرپور حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔محکمہ حیوانات کی ترقی کے لئے کوئی جدید تحقیقات موجود نہیں۔پھلوں کی تجارت کے لئے بھی سہولیات حاصل نہیں ہیں۔غیر ملکی تجارت میں بغرض مقابلہ شرکت کے لئے تحفظ حاصل نہیں۔

(ع) **نوکریاں:**

بلوچستان میں عوام کو روزگار کی فراہمی کے لئے حکومتی سرپرستی کا کوئی نظام قائم نہیں اور نہ ہی اعلیٰ نوکریوں کے لئے براہ راست تقرری کا طریقہ کار ہے۔

(۸) **وائٹ پیپر اور بلوچستان:**

صوبے سے متعلق تجاویز جو وائٹ پیپر میں شامل ہیں۔ بلوچستان کے عوام کی جانب سے متفقہ طور پر مسترد کی جاتی ہیں۔ بلوچستان براہ راست گورنر جنرل کے ماتحت نہیں رہنا چاہتا۔ بلوچستان کے سیاسی معاملات کو مطلوبہ اہمیت اور نمائندگی نہیں دی گئی۔

(۹) الحاق کے مسائل:

جہاں تک بلوچستان کا ہندوستان کے دیگر صوبوں کے ساتھ الحاق کا تعلق ہے، تو بلوچستان کے لئے یہ قابل قبول نہیں ۔خوش قسمتی سے تمام حقائق اور ممکنات اس کے حق میں موافق نہیں ہیں ۔

صوبہ پنجاب کے ساتھ الحاق بلوچستان کے عوام کیلئے کوئی اخلاقی جواز یا لگاؤ نہیں رکھتا۔صوبہ سندھ اور شمال مغربی سرحدی صوبہ جو پہلے ہی سے مالی پس ماندگی کا شکار ہیں جس کی وجہ سے بلوچستان کے الحاق کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر اٹھانے سے قاصر ہیں ۔

تجاویز:

آئینی اصلاحات کیلئے درج ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں ۔

(۱۰) شاہی جرگہ کی ازنوتشکیل:

شاہی جرگہ کے پاس بلوچستان کیلئے قانون سازی کے مکمل اختیارات ہونے چاہئے ۔

شاہی جرگہ کو بلوچستان میں قانون سازی کے مکمل اختیارات دیئے جائیں۔ برطانوی بلوچستان کی حکومت میں نمائندگی کا پورا اختیار ہو جس میں قلات،لسبیلہ کی ریاستوں سے متعلق بھی قانون سازی کا اختیار شامل ہے۔جو کہ متحدہ بلوچستان کیلئے قانون سازی کرے۔جس کے پاس قانون سازی کے متعلق تفصیل طلب کرنے، تحریک یا تجویز کو روکنے، قرارداد کو پاس کرنے کا اختیار ہو۔ یہ جرگہ ۷۵/ارکان پر مشتمل ہو۔

i۔	منتخب ارکان کی تعداد	۱۹
ii۔	نامزد ارکان کی تعداد	۲۱
iii۔	آفیسران کی تعداد	۶
iv۔	مری، بگٹی قبائل کے نامزد ارکان کی تعداد	۲
v۔	ریاست قلات بشمول حاران	۲۳
vi۔	ریاست قلات کا آفیسر	۱
vii۔	ریاست لسبیلہ کے ارکان کی تعداد	۲
viii۔	ریاست لسبیلہ کا آفیسر	۱
	ٹوٹل تعداد	۷۵

ممبران کو اجلاس میں شرکت کیلئے اپنے آبائی علاقہ سے کرایہ کی مد میں سیکنڈ کلاس کا دوگنا کرایہ اور (۱۰ روپے) روزانہ کے حساب سے رہائش الاؤنس دیا جائے۔ شاہی جرگہ کی معیاد تین سال ہو۔

شاہی جرگہ کے اخراجات پر برطانوی بلوچستان، قبائلی علاقوں کے ممبران کو رائے دہی اور بحث کرنے کا حق حاصل ہو۔ شاہی جرگہ کے پاس مختص بجٹ میں کمی بیشی اور تفصیل طلب کرنے کا اختیار ہو۔ نیز مختص موزوں پر تنقید اور بحث کرنے کا اختیار حاصل ہو۔

(۱۱) حق رائے دہی:

ہر وہ شخص جو درج ذیل شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی پوری کرتا ہے۔ رائے دینے کا حقدار ہونا چاہئے۔

i۔ ہر وہ شخص جو زمینی آمدنی سے سالانہ ۵/روپے ادا کرتا ہو۔

ii۔ ہر وہ شخص جو سالانہ ۲/روپے ٹیکس غلہ بانی یا جانوروں کی چرائی کے عوض ادا کرتا ہو۔

iii۔ ہر وہ شخص جو ماہانہ ڈھائی روپے گھر یا دوکان کا کرایہ ادا کرتا ہو۔

iv۔ ہر وہ شخص جو آمدنی پر مقرر ٹیکس ادا کرتا ہو۔

v۔ ہر وہ شخص جو ایک گھر کا مالک ہو۔

vi۔ ہر وہ شخص جس نے یونیورسٹی سے مڈل کا امتحان پاس کیا ہو یا جماعت چہارم تک انگریزی پڑھا لکھا ہو۔

(۱۲) انتظامی نظام:

ریاست کا نظام متعلقہ ریاست کے امراء، شہزادوں کے پاس ہونا چاہئے۔ برطانوی بلوچستان کا انتظام چیف کمشنر۔۳/ ممبران پر مشتمل کونسل کے ذریعہ سرانجام دے۔ جو ایک مشیر اور ۲/ وزیروں پر مشتمل ہونی چاہیے۔ مشیر کی نامزدگی گورنر جنرل کی جانب سے کی جائے گی، جس کے پاس مخصوص محکموں کا قلمدان ہوگا جبکہ وزراء کے پاس دیگر محکموں کے قلمدان ہوں گے۔

محاصل آمدنی کے وزیر کے پاس (۱) زمینوں سے آمدنی (۲) زراعت (۳) جنگلات (۴) کاشتکاری (۵) کانیں (۶) ایکسائز کے محکموں کا قلمدان ہوگا۔

وزیر تعلیم کے پاس (۱) تعلیم (۲) صنعت (۳) صحت (۴) مقامی بنیادی حکومت کا قلمدان ہوگا۔

وزراء کا انتخاب شاہی جرگہ برطانوی بلوچستان کے اپنے ممبران کے درمیان سے کرے گا۔ جو جرگہ کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ وزراء کو تنخواہ کی مد میں ۲۰۰۰/روپے کی ادائیگی کی جائے گی۔

(۱۳) بلوچستان اور مرکز:

بلوچستان کو ہندوستان کی وفاقی حکومت کی اکائی کا درجہ حاصل ہونا چاہئے۔ جس کی نمائندگی کے لئے ۲ ارکان چنے جائیں۔ جن میں سے ایک ریاست کی جانب سے وفاقی قانون سازی میں حصہ لے گا، جبکہ دوسرا عوامی اسمبلی میں نمائندگی کرے گا۔

(۱۴) عدالتیں:

سرحدی جرائم سے متعلق قرار داد اور دیگر اسی نوعیت کے اصولوں کو منسوخ کیا جائے۔ عام رسم و رواج سے متعلقہ اصول وقواعد کا شریعت اور جدید مساوات کی روشنی میں جائزہ لیا جائے، جو کہ تمام بلوچستان کیلئے قابل قبول ہو۔ تمام طریقہ کار کو تحریری شکل میں محفوظ کیا جائے اور مقدمات لڑنے والے حریفوں کو دیگر جگہوں پر سہولیات کے حصول کی فراہمی کی اجازت حاصل ہونی چاہئے۔

(الف) مقامی اور ضلعی جرگہ:

ان عدالتوں کے ممبران کی نامزدگی کا عام طریقہ کار ہوگا، جبکہ شاہی جرگہ کے ممبران مذکورہ نامزدگی کے اہل نہیں ہونگے۔ وہ عام رسم و رواج کے مطابق مقدمات کا فیصلہ کریں گے۔

(ب) اعلیٰ عدالت:

ریاستوں کی اپنی اعلیٰ عدالتیں ہوں گی۔ چیف کمشنر، دو قانونی مشیروں جن میں سے ایک مقامی مسلمان ہونا ضروری ہوگا کی ہدایت پر عدالت قائم کرے گا۔

(ج) بلوچستان کی وفاقی عدالت:

وفاقی عدالت برطانوی بلوچستان اور ریاست کے پانچ نامزد ارکان پر مشتمل ہوگی۔

(۱۵) پولیس:

محکمہ پولیس چیف کمشنر کے ماتحت ہوگا۔ جس کی حیثیت انسپکٹر جنرل کی ہوگی۔ تاہم شاہی جرگہ کو محکمہ کے کسی بھی ممبر کے اقدام پر تنقید کا حق حاصل ہوگا۔

(۱۶) مقامی حکومتیں:

کوئٹہ میونسپل کمیٹی کو انتخابی ادارہ کا درجہ حاصل ہوگا۔ ے میل کے دائرہ حدود میں واقع دیہاتوں کو ایک شہر میں بغرض نامزدگی اور انتخاب شامل کیا جائیگا۔ مذکورہ حدوں میں بسنے والے ہر شہری کو ایک ووٹ کا حق حاصل ہوگا۔ سبی،

لورالائی اوراس طرح کے دیگر شہروں میں چھوٹی ٹاؤن کمیٹیاں قائم کی جائیں گی۔ بازار، فنڈز کو مقامی ضلعی بورڈ زمیں تبدیل کیا جائے گا۔ سرکاری کارندوں کو بورڈز کا سر براہ نہ بنایا جائے۔

(۱۷) حاصل بحث:

ہم اپنے اجلاس کے اختتام پر ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ چند الفاظ نتیجتاً کہے جائیں۔ بلوچستان میں کی گئی اور کی جانے والی اصلاحات کے جائزہ کے لئے کوئی کمیٹی نہیں بنائی گئی ہے کہ کسی نوعیت کی اصلاحات کی ضرورت ہے یا کی جائیں؟ جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی کی جانب سے جو موقع ہمیں فراہم ہوا ہے، ہمیں اس سے بے تابی سے مستفید ہونا چاہئے اور ہم اس اجلاس میں ایک جامع اور قابل عمل سکیم پیش کرتے ہیں۔ ہم نے بلوچستان سے متعلق ثانوی نوعیت کے نکات بھی اس میں شامل کئے ہیں جن کے بارے میں ہمیں یقین ہے کہ یہ اس سے پہلے ذمہ دار اشخاص پر مشتمل کسی کمیٹی میں پیش نہیں ہوئے۔

(۱۸)

دو دلائل جو بلوچستان سے متعلق کی جانے والی اصلاحات میں بہت اہمیت کے حامل ہوسکتے ہیں۔ فنڈز کی کمی اور بلوچستان کی بکھری ہوئی آبادی، اتنے اہم مسائل نہیں کہ جن کی خاطر صوبے کے عوام کے قانونی حقوق کی قربانی دی جائے۔ فنڈز کی کمی کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے صوبہ کو گورنر کی بجائے چیف کمشنر کے ماتحت رکھنے کی دلیل پہلے سے دی گئی ہے۔ مقابلتاً وزراء کی تنخواہوں میں کمی اور شاہی جرگہ کے اخراجات کم کئے جائیں۔

بلوچستان کی بکھری، آبادی قدرت کی جانب سے ایک خامی ہے، جسے انسانوں کی تنظیم سے درست نہیں کیا جاسکتا۔

ہمیں پوری امید ہے کہ اس خاکہ پر بلوچستان کے مطالبات پر ہماری جانب سے مقرر کردہ ممبران کو اپنے بھرپور بحث اور تجاویز کی خوبیوں اور خامیوں کے بارے میں وضاحت کی دعوت دیں گے۔ جس کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے کمیٹی بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لئے تیار ہے، اگر ضرورت پڑی۔ ہمارے ان تجاویز پر بھرپور غور کرتے ہوئے جتنی جلدی ممکن ہو عمل درآمد کیا جائے۔

خان عبدالصمد خان اچکزئی

چیئرمین، بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس‘‘ (۶)

حوالہ جات:

۱تا۵۔ ماخوذ از سرکاری دستاویزات

۶۔ ڈرافٹ بعنوان، اصلاحات کے لئے تجاویز۔ (بشکریہ: محبوب شاہ)

باب ہشتم

حیدرآباد کانفرنس کی تیاریاں

حیدرآباد اجلاس بتاریخ ۲۸ رستمبر ۱۹۳۳ء کا دعوت نامہ :

۲۰ رستمبر ۱۹۳۳ء کو صدر ’’آل انڈیا بلوچ کانفرنس‘‘ عبدالصمد خان اچکزئی نے ایک ٹیلی گرام کے ذریعے پریس ریلیز جاری کی۔ جس میں کانفرنس کے جنرل سیکرٹری نے کانفرنس کے ایماء پر ایگزیکٹو کمیٹی کے ممبران کو مطلع کیا، کہ ایگزیکٹو کمیٹی کا ایک اجلاس ۲۸ رستمبر کو حیدرآباد سندھ میں منعقد ہوگا۔ جس میں ایگزیکٹو کمیٹی کے تمام ممبران کو شمولیت کی تاکید کی گئی۔ اس اجلاس کا مقصد یہ ہے کہ ’بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ‘ کانفرنس کے حیدرآباد میں ہونے والے سالانہ اجتماع کے ایجنڈا کو ترتیب دیا جائے۔ اس اجلاس میں صدر کا انتخاب، مالیاتی حساب کتاب، جنرل سیکرٹری کا چناؤ اور دوسرے اہم مسائل زیر بحث آئیں گے۔ جن معزز ممبران کو نوٹس نہیں ملا۔ برائے مہربانی وہ اس پریس ریلیز کو دعوت نامہ سمجھ کر اجلاس میں شریک ہوں۔

(یاد رہے کہ اس اجلاس کو سبی میں منعقد ہونا تھا، پولیٹیکل ایجنٹ کی طرف سے سبی میں اجازت نہ ملنے پر اجلاس حیدرآباد منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا)

حیدرآباد ۲۸ رستمبر ۱۹۳۳ء کے اجلاس کی کارروائی :

حیدرآباد بمورخہ ۲۸ رستمبر ۱۹۳۳ء بوقت ۹ بجے ’بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس‘‘ کا ایک اہم اجلاس زیرصدارت عبدالصمد خان اچکزئی منعقد ہوا۔ جس میں ایگزیکٹو کمیٹی کے درج ذیل ممبران نے شرکت کی۔

میر شہباز خان نوشیروانی، عبدالعزیز خان کرد مستونگ، پیر بخش نسیم تلوی، ماسٹر محمد حسین عنقا کچھی بلوچستان، محمد امین کھوسو سٹوڈنٹ علی گڑھ بی اے، ایل ایل بی، غلام قادر پلیدار جیکب آباد جنرل سیکرٹری آل انڈیا بلوچ کانفرنس، مولوی محمد عثمان آف کراچی، ماسٹر پیر بخش سندھ مدرسہ کراچی، عبدالغفور ولد سھر وو کراچی، مولوی عبدالرحیم داد معلم عربی، سندھ مدرسہ کراچی، میر محراب خان لس بیلہ، کے ایس اللہ بخش گبول، آنریری مجسٹریٹ کراچی، میر بندہ علی ’’ایم ایل سی‘‘ حیدرآباد میر حسین بخش تالپور آف حیدرآباد ڈسٹرکٹ، کے ایس خان، محمد خان، دوست محمد خان سابقہ سپرنٹنڈنٹ پولیس حیدرآباد کے علاوہ اخبارات کے درج ذیل مدیران نے بھی اس اجلاس میں شرکت کی۔ نبی بخش ایڈیٹر ’اتحاد‘ حیدرآباد سندھ، مولوی محمد حسین ایڈیٹر ’الحنیف‘ جیکب آباد سندھ، ایم اسماعیل ایڈیٹر ’اتحاد بلوچاں‘ کراچی، مولوی نور محمد نظامانی ایڈیٹر ’طائران ابابیل‘ کراچی۔

اس اجلاس میں درج ذیل فیصلے کئے گئے ۔

۱۔ سردار اعظم جان مزاری (روجھان) کا استعفیٰ بحیثیت کانفرنس کے جنرل سیکرٹری منظور کیا گیا اور جنرل سیکرٹری کے عہدے پر غلام قادر پلیدار کو مقرر کیا گیا۔

۲۔ درج ذیل ممبران پر مشتمل ایک سب کمیٹی بنائی گئی۔ میر حسین بخش تالپور حیدر آباد، میر بندہ علی ایم ایل سی حیدر آباد کے ایس خان محمد خان سابقہ سپرنٹنڈنٹ پولیس ضلع حیدر آباد کے ایس اللہ بخش گبول آنریری مجسٹریٹ کراچی، غلام قادر پلیدار جیکب آباد۔ غلام قادر پلیدار بحیثیت جنرل سیکرٹری کانفرنس۔

۳۔ ایک سب کمیٹی بنائی گئی جو ہز ہائی نس میر آف خیر پور میر علی نواز تالپور سے صدارت قبول کرنے کی بات کرے اور ان سے کانفرنس میں آنے کی درخواست کریں، اگر انہوں نے صدارت قبول کی تو سیشن خیر پور میرس میں ہوگا۔ قبول نہ کرنے کی صورت میں بلوچ کانفرنس دسمبر ۱۹۳۳ء کو بمقام حیدر آباد منعقد ہوگا اور صدارت کسی اہل موزوں و ذمہ دار شخص سے کرائی جائے گی۔

۴۔ اس عرضداشت پر دوبارہ غور وخوض ہوا جس میں حکومت سے استدعا کی گئی ہے کہ نمائندگان کو اجازت دی جائے کہ مستقبل کے آئین میں جوائنٹ پارلیمانی کمیٹی کو بلوچستان کے حقوق کے حوالے سے شوائد پیش کریں۔

۵۔ خان آف قلات خان صاحب خان اعظم جان کی وفات پر دلی رنج وغم کا اظہار کیا گیا۔ اور ان کے جانشین احمد یار خان کو منصب سنبھالنے پر مبارک باد دی گئی۔

۶۔ کے۔ ایس اللہ بخش بحیثیت نائب صدر بلوچ کانفرنس منتخب کئے گئے۔

۷۔ محمد امین کھوسو بی اے طالبعلم علی گڑھ نے اپنے خطاب میں حکومت کو مورد الزام ٹھہرایا۔ کہ حکومت ظلم و جبر کی پالیسی پر گامزن ہے۔ سرحدوں پر ہوائی بمباری کے ذریعے آپریشن کیا جارہا ہے۔ انہوں نے اپنے خطاب میں سرکار کے اس عمل کو رد کیا اور سرحدی باشندوں کے ساتھ ہمدردانہ رویۂ اختیار کیا۔ انہوں نے کہا کہ اس حوالے سے قرارداد پیش کی جائے۔

محمد امین کھوسو کی قرارداد پر بحث کرتے ہوئے کے۔ ایس خان محمد خان سابقہ سپرنٹنڈنٹ پولیس میر حسین بخش خان تالپور، اور کے۔ ایس گبول نے اس قرارداد کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ ''بلوچ کانفرنس'' پولیس کے ناپسندیدہ عناصر کے خلاف مہم میں رکاوٹ بننا نہیں چاہتی۔ اس لئے اس قرارداد کو داخل دفتر کیا جائے۔ اس اجلاس نے اس قرارداد کو منظور نہیں کی۔

چندہ کمیٹی برائے کانفرنس:

درج ذیل افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی ۔ جو سالانہ 'بلوچ کانفرنس' کے انعقاد کے لئے فنڈ جمع کرے گی ۔

کراچی:

مولوی محمد عثمان، میر محراب خان آف لسبیلہ، مہیا خان مکرانی، پیر بخش کلرک سندھ مدرسہ کراچی، خانصاحب فضل محمد خان، خانصاحب اللہ بخش خان گبول مجسٹریٹ، حاجی پنو خان، فقیر محمد خان مکرانی

حیدر آباد:

میر بندہ علی M.L.C، میر حسین بخش خان تالپور، خانصاحب خان محمد سابقہ DSP، میر غلام حسین، خلیفہ اللہ بخش ۔

تھر ڈسٹرکٹ:

خانصاحب میر اللہ داد خان، جان محمد خان بھرگڑی، میر غلام حیدر، میر فتح خان، خانصاحب محمد خان مری، خانصاحب مراد بخش خان مری۔

نواب شاہ ڈسٹرکٹ:

خان صاحب شاہنواز خان جتوئی، خان محمد خان جلبانی، خانصاحب گل محمد خان، خیر محمد خان مری، شیر محمد خان۔

دادو ڈسٹرکٹ:

خانصاحب قادر بخش جتوئی، شفیع محمد خان مگسی، خانصاحب غلام رسول خان چانڈیو، سردار میر محمد خان جمالی، حاجی خدائے داد شہانی ۔

سکھر ڈسٹرکٹ:

خانصاحب قیصر خان بزدار، خانصاحب دادن خان لنڈ، خانصاحب رحمت خان بلوچ، قلندر بخش چانڈیو۔

لاڑکانہ ڈسٹرکٹ:

لطف علی خان مگسی، میر محمد خان چانڈیو، گل محمد خان چانڈیو، خانصاحب اللہ بخش خان جلبانی ۔

جیکب آباد ڈسٹرکٹ:

خانصاحب شیر محمد خان بجارانی، خانصاحب چاکر خان سورانی، خانصاحب دل مراد خان کھوسو، حاجی عبدالعزیز خان کھوسو، سردار نور محمد خان گولہ۔

بلوچستان:

یوسف علی خان مگسی، خان عبدالصمد خان اچکزئی، نواب محراب خان بگٹی، نواب جوگیزئی

پنجاب:

سردار جمال خان لغاری، غلام رسول خان قرائی، سردار بہادر خان دریشک، مشتاق احمد خان گورچانی، سردار عظیم خان مزاری، خان عبدالحمید خان پلیدار، سردار احمد خان آنریری مجسٹریٹ جھنگ، خانصاحب فتح شیر مزنگ پُونا، خان صاحب قلندر علی خان پلیدار لاہور، پروفیسر حبیب اللہ خان بلوچ پونا، سردار نور محمد خان رحیم یار خان، خانصاحب قادر بخش خان گبول بہاولپور، سردار حسین بخش خان بلوچ میرٹھ، حاجی میر احمد خان مظفر نگر۔

نواب محراب خان بگٹی کا تعاون کی یقین دہانی:

نواب محراب خان بگٹی اس اجلاس میں شرکت نہ کر سکے۔ مگر ۲۶ر ستمبر ۱۹۳۳ء کو نواب صاحب نے خانصاحب اللہ بخش خان گبول اور غلام قادر پلیدار سے ملاقات کی۔ انہوں نے تعاون و مالی امداد کا وعدہ کیا۔

کانفرنس کی صدارت:

روزنامہ ''انقلاب'' لاہور بمورخہ ۲۱ر اکتوبر ۱۹۳۳ء میں شائع ہونے والی ایک خبر کے مطابق ۱۹ر اکتوبر ۱۹۳۳ء کو جیکب آباد میں ہزہائی نس نواب آف خیر پور میر علی نواز خان تالپور کے ساتھ نمائندگان بلوچ کانفرنس نے ملاقات کی اور اسے بلوچ کانفرنس کا اجلاس منعقدہ حیدر آباد بتاریخ ۲۸ر ستمبر ۱۹۳۳ء کے فیصلے سے آگاہ کیا اور ان سے ۲۸ دسمبر کو حیدر آباد میں منعقد ہونے والے ''آل انڈیا بلوچ کانفرنس'' کے سالانہ اجتماع کی صدارت قبول کرنے کی درخواست کی گئی۔ انہوں نے بلوچ کانفرنس کے نمائندگان کو صدارت قبول کرنے کی یقین دہانی کرائی۔

میر علی نواز تالپور کی اپیل:

روزنامہ انقلاب لاہور بمورخہ ۹ر نومبر ۱۹۳۳ء

ہزہائی نس میر علی نواز خان تالپور والئی ریاست خیر پور نے بلوچوں سے اپیل کرتے ہوئے کہا کہ:

آج کے دور میں ہندوستان کی تمام اقوام اپنے عمومی حقوق و اصلاحات سے قبل تنظیم کاری کو اولیت دیتی ہیں اور اپنے آپ کو اس نہج پر پہنچاتے ہیں کہ اپنے مخالف کو زیر کر سکیں۔ بلوچ جو کہ کئی حوالوں سے پسماندہ حالت میں زندگی گزار رہے ہیں، وہ اس وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کمزوریاں جو کہ ان میں پائے جاتے ہیں ختم کریں۔

ان مسائل کو زیرِ غور لاتے ہوئے میں بلوچ کانفرنس کے سلسلے میں ہونے والے اجتماع جو ۲۶ تا ۲۸ر دسمبر ۱۹۳۳ء بمقام حیدر آباد منعقد ہو رہا ہے میں شریک ہونے کے لئے طول وعرض سے بلوچوں کو سختی سے تاکید کرتا ہوں کہ وہ اس سالانہ بلوچ کانفرنس میں حصہ لیں اور اسے کامیاب بنائیں۔

میں یہ ضروری سمجھتا ہوں اور وضاحت سے کہتا ہوں کہ یہ کانفرنس سرکار مخالف نہیں، یہ اجتماع من حیثیت القوم بلوچوں کا ہے۔جس کا صدارت کے لئے مجھے نامزد کیا گیا ہے۔

جیکب آباد اجلاس:

(سرکاری رپورٹ):بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس بمقام جیکب آباد منعقد ہوا،اوراس اجلاس میں درج ذیل مسائل زیرِ بحث آئے۔

۱۔ ہز ہائی نس میر علی نواز خان تالپور والئی ریاست خیر پور کی صدارتی تقریر۔

۲۔ استقبالیہ کمیٹی کے صدر کی تقریر

۳۔ اخراجات

۴۔ نظمیں جو کہ کانفرنس میں پڑھی جائیں گی۔

۵۔ دعوت نامے جو کہ پنجاب، سندھ، یوپی سمیت تمام معززین بلوچ قوم کو بھیجے جائیں گے۔

۶۔ میر خیر پور صدر کے قیام وطعام کا انتظام۔

۷۔ سندھ سے رضا کاروں کی فہرست مرتب کرنا۔

خان عبدالصمد خان کا پیغام:

روزنامہ ''آزاد'' لاہور بتاریخ ۱۲ر دسمبر ۱۹۳۳ء کے شمارے میں خان عبدالصمد خان کا ایک پیغام شائع ہوا جو کہ درج ذیل ہے:

''میرے کئی دوستوں نے کہا کہ وہ بلوچستان اور آل انڈیا بلوچ کانفرنس کو نمائندہ نہیں سمجھتے وہ فطری طور پر بلوچ کانفرنس کے اجتماع میں اپنی شمولیت کو اہمیت نہیں دیتے، میں چاہتا ہوں کہ ذاتی طور پر بلوچستان خصوصی طور پر افغان علاقوں کا ماہ دسمبر میں دورہ مکمل کروں،اس سے مراد یہ ہے کہ دور دراز علاقوں میں بسنے والے اپنے بھائیوں کی توجہ اس کانفرنس کی اہمیت کی طرف دلاؤں میں نے اپنے دورے کا پروگرام ترتیب دے دیا ہے اور تمام دوستوں کو اپنے دورے کی مناسبت سے خطوط بھی لکھے

۔ میں جلد دہلی سے واپس روانہ ہوں گا۔ میں دہلی ذاتی غرض سے نہیں بلکہ قومی مقصد کے لئے آیا ہوں۔ میرے سیاسی دوست اس سے آگاہ ہیں۔

یہاں کے حالات مجبور کر رہے ہیں کہ ۱۶/ دسمبر تک میں دہلی میں رہوں ۔ اس کے بعد بھی میں یقینی طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ کانفرنس سے قبل میں بلوچستان پہنچوں گا۔

لہٰذا میری خواہش ہے کہ اس قومی اجتماع کے تمام ہمدرد اپنے اپنے علاقوں و گردونواح میں اس کی تشہیر کریں اور حتی الوسع کوشیں کریں کہ یہ کانفرنس کثیر لوگوں کی شمولیت کی وجہ سے کامیاب ہو۔ میرا یہ پیغام خصوصی طور پر اپنے افغان عوام کے لئے ہے"۔

نوٹ ...... عبدالصمد خان اچکزئی کا قومی مقصد سے مراد اس کی کوششیں اور دلچسپی کوئٹہ سے ایک اخبار کی اشاعت کے بارے میں تھا۔ پولیٹیکل ایجنٹ کوئٹہ کا اجازت نہ دینے پر اسمبلی ممبران سے بات کرنے اور اس مسئلے کو اسمبلی میں اٹھانے کے لئے عبدالصمد خان اچکزئی دہلی گئے تھے۔

حیدرآباد کانفرنس کے پمفلٹ اور پوسٹرز:

ایک سرکاری رپورٹ کے مطابق "بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس" بمقام حیدرآباد بتاریخ ۲۶ تا ۲۹ دسمبر ۱۹۳۳ء کے اشتہاروں پر مبنی پوسٹرز سندھ و بلوچستان کے کئی ضلعوں میں دیواروں پر چسپاں کئے گئے ہیں اور مختلف علاقوں میں پمفلٹ تقسیم کئے جا رہے ہیں ان پوسٹروں اور پمفلٹوں میں عوام سے "بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس" میں شرکت کی اپیل کی گئی ہے۔

ان پوسٹروں اور پمفلٹوں میں درج ذیل مشتہرین کے نام ہیں۔

عبدالصمد خان اچکزئی

میر حسین بخش خان تالپور

خان صاحب اللہ بخش خان گبول سپیشل مجسٹریٹ، ڈسٹرکٹ صدر لوکل بورڈ کراچی

میر بندہ علی خان تالپور، ایم ایل سی، سپیشل مجسٹریٹ صدر لوکل بورڈ حیدرآباد سندھ

خان صاحب، خان محمد خان ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ پولیس حیدرآباد سندھ

مسٹر غلام قادر بلوچ جنرل سیکرٹری بلوچ کانفرنس جیکب آباد سندھ

استفادہ

باب نہم

حیدرآباد کانفرنس

۱۹۳۳ء میں ایک طرف میر یوسف عزیز مگسی کے عظیم تعلیمی، صلاحی، فلاحی منصوبوں نے ریاستی امراء کے ایوانوں میں تہلکہ مچا رکھا تھا تو دوسری طرف میر عبدالعزیز کرد کے انقلابی مقالات اور تنقیدی مضامین نے ریاست قلات کے طول وعرض اور برٹش بلوچستان میں بھونچالی کیفیت طاری کی ہوئی تھی۔اس سے قبل کہ حالات انتہائی پیچیدہ شکل اختیار کریں اور رہنماؤں کی گرفتاریاں عمل میں لائی جائیں حیدرآباد کے مقام پر دوسری بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کا اعلان کیا گیا۔

دوسرا سالانہ بلوچ کانفرنس حیدرآباد ۱۹۳۳ء:

''بلوچستان اور آل انڈیا بلوچ کانفرنس'' کا دوسرا سالانہ اجتماع بتاریخ ۲۶ تا ۲۸ دسمبر ۱۹۳۴ء بمقام حیدرآباد سندھ منعقد ہوا۔کانفرنس کے نامزد صدر ہز ہائی نس میر علی نواز خان تالپور والئی ریاست خیر پور بوجہ علالت کانفرنس میں شرکت نہ کر سکے۔لہٰذا خان بہادر میر بندہ علی خان تالپور کو کرسیِ صدارت سونپی گئی۔اس سالانہ اجتماع میں ''برٹش بلوچستان'' ریاست قلات،سندھ، پنجاب،ایران اور ہندوستان کے دیگر علاقوں سے آئے ہوئے وفود نے شریک ہوئے۔حیدرآباد اور گرد و جوار کی آبادی کے مقامی لوگوں کی بڑی تعداد نے اس کانفرنس میں شرکت کی۔کانفرنس میں شیخ عبدالمجید سندھی صدر آل انڈیا خلافت کمیٹی، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، میر جیٹھ مل کراچی، معروف شخصیت نور محمد پلیدار سابق MLC رائے بہادر ہوت چند، چندی مل اور آر جی جگت سنگھ خصوصی طور پر موجود تھے۔

کانفرنس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

بمورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۳۳ء کی کاروائی:

دوسرا ''بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس'' کا افتتاحی اجلاس بمورخہ ۲۶/ دسمبر ۱۹۳۳ بوقت ۱۱ بجے ڈاک بنگلہ حیدرآباد کے قریب ایک خصوصی پنڈال میں خان بہادر بندہ علی خان کی زیر صدارت شروع ہوا۔ پنڈال کچا کچ بھرا ہوا تھا۔

اجلاس کی کارروائی کی ابتداء تلاوت کلام پاک سے ہوئی۔تلاوت کے بعد نعت رسول پاک ﷺ پڑھی گئی۔

صدر جلسہ نے ڈاکٹر راس مسعود چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور جمشید این مہتا کراچی میونسپلٹی کے صدر کے کانفرنس کی کامیابی کے لئے نیک خواہشات کے پیغامات پڑھے اور ان کا شکریہ ادا کیا۔

علی محمد ولد عطا محمد مری باشندہ برنی ضلع نواب شاہ نے حاجی میر حسین بخش تالپور چیئرمین استقبالیہ کمیٹی کا تحریری پیغام پڑھا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ ''اس کانفرنس کا مقصد بلوچ عوام کی ترقی و فلاح و بہبود کے لئے سرکار کی مدد سے کام کرتا تھا۔ چیئرمین نے گزشتہ کانفرنس منعقدہ جیکب آباد کے مطالبات منظور ہونے پر روشنی ڈالی اور بلوچستان میں کانفرنس کے اکابرین کی طرف سے کام کو سراہتے ہوئے کہا کہ انہوں نے بلوچستان میں اصلاحات کا مطالبہ جیسے کہ دوسرے صوبوں کو آنے والے انڈین آئین میں دیئے گئے ہیں۔ بلوچستان کو ان اصلاحات سے مستفید کرنے پر زور دیا۔ انہوں نے مزید ضروری تاکید کرتے ہوئے کہا کہ سندھ میں ایک ''بلوچ کالج'' بنایا جائے، جس سے بلوچ عوام تعلیم سے بہرور ہوں اور یہ کالج علم کے پھیلاؤ کے لئے مدد گار ہو۔ اس مقصد کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی جائے۔ جو اس مقصد کو پایہ تکمیل تک پہنچائے''۔

قائم مقام صدر کانفرنس بندہ علی نے کانفرنس میں سندھی میں تحریر شدہ تقریر پڑھی جس میں کہا گیا کہ کانفرنس اس لئے بلائی گئی کہ ''بلوچ عوام کی ترقی کے لئے پروگرام ترتیب دیا جائے جس کا مقصد بلوچ عوام کی تعمیر و ترقی ہو''۔

خطبہ صدارت میر علی نواز تالپور:

میر علی نواز خان تالپور والئی ریاست خیر پور کے پرائیویٹ سیکرٹری مسٹر عباسی نے میر علی نواز خان تالپور کا (جو کہ علالت کی وجہ سے کانفرنس میں شرکت نہ کرسکے) خطبہ صدارت اردو میں پڑھا۔

انہوں نے سامعین کی توجہ معاشی بدحالی کی طرف مبذول کراتے ہوئے انہیں خبردار کیا کہ بچوں کو پڑھانے کا مقصد نوکریوں کا حصول نہیں ہونا چاہئے۔ انہیں اس طرح پیشہ ورانہ تربیت دی جائے کہ وہ آزادانہ حصول کاروبار جیسے کہ فنون حرفت و تجارت اپنائیں۔

انہوں نے مزید کہا کہ ہندوستان میں خام مال کے بہت سے ذرائع ہیں۔ جوانوں کے ذہن اس طرف راغب کرنے کی ضرورت ہے۔

تا کہ مستقبل میں نہ صرف ہندوستان خود انحصار ہوگا، بلکہ یہ خود انحصاری آزادی میں مددگار ثابت ہوگا اور اس سے لاکھوں بھوک و افلاس سے متاثر عوام کو روزگار مہیا ہوگا۔ انہوں نے اپنے عوام کو متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ غیر قانونی کاموں سے اجتناب برتیں انہوں نے تعلیم صنعت و تجارت کی طرف تعمیری پروگرام ترتیب دینے کی خواہش ظاہر کی۔

انہوں نے بلوچ عوام کے مفادات اور حقوق کے تحفظ کے لئے تلقین کرتے ہوئے کہا کہ صوبائی سطح پر کانفرنسیں منعقد کی جائیں۔

عزت مآب نے سندھ فرنٹیئر ریگولیشن ایکٹ کے بارے میں اپنی رائے دیتے ہوئے کہا کہ یہ ایکٹ بلوچستان کی

موجودہ صورت حال کے تناظر میں جائز ہے اور بلوچ عوام اپنی توجہ معاشی ترقی، تعلیمی ترقی اور موجودہ بدحالی اور کمزوریوں کی طرف راغب کریں اور وہ اصلاحات جو دوسرے صوبوں کو دی گئی ہیں انہیں حاصل کرنے کے لئے تگ و دو کریں۔

سیکرٹری رپورٹ:

عبدالقادر سیکرٹری بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس نے سیکرٹری رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا کہ آل انڈیا بلوچ کانفرنس سردار محمد یوسف علی مگسی کی کوششوں سے ممکن ہوا۔ ان کا مقصد جھل میں قبائلی عوام پر ظلم وستم وانصافیوں کے خلاف آواز بلند کرنا تھا جو کہ ان کے بڑے بھائی نواب گل محمد مگسی کی طرف سے روا رکھی گئی تھیں اور ان کا مقصد ایک تحریک تھا کہ وہ جھل کے عوام کو ان ناانصافیوں سے چھٹکارا دلائیں۔

انہوں نے کانفرنس کے مقاصد بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس کا مقصد بلوچ عوام کی معاشی، سماجی اور تعلیمی بہتری ہے۔ تاہم آل انڈیا بلوچ کانفرنس کے نام کو بلوچستان میں بسنے والے پٹھانوں نے بہتر نہ سمجھا اس لئے اس کا نام بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس رکھا گیا ہے۔

جلسہ گاہ میں پمفلٹ کی تقسیم:

ایک پمفلٹ بعنوان محراب گردی پبلشر میر خاوند بخش ولد سردار نذر خان بگٹی نے مولوی محمد حسین کے الحنیف پریس جیکب آباد سے شائع کیا۔ جس میں نواب محراب خان بگٹی کی چیرہ دستیوں، ظلم وتشدد کو بیان کیا گیا تھا۔ جلسہ گاہ میں یہ پمفلٹ تقسیم کی گئی۔

پروفیسر حبیب اللہ کی تقریر:

پروفیسر حبیب اللہ ایگریکلچرل کالج پونا نے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''پسماندگی کو دور کرنے کے لئے تعلیم کا حصول ناگزیر ہے۔ انہوں نے بلوچ عوام کو تعلیم کی طرف توجہ دینے پر زور دیا اور یکجہتی کی تلقین کی''۔

قرارداد:

پروفیسر حبیب اللہ کی تقریر کے بعد ایک قرارداد پیش کی گئی۔ جس میں افغانستان کے بادشاہ نادر خان، عراق کے بادشاہ فیصل، نواب مہر اللہ خان مری، خانصاحب بہادر میر غلام محمد خان تالپور OBE میر محمد بلوچ MLC کراچی، سر امام علی اور حسن امام کے وفات پر اظہار افسوس کیا گیا اور اس قرارداد کو متفقہ طور پر منظور کیا گیا۔

سب جیکٹس کمیٹی کے ممبران کی نامزدگی:

اس جلسہ کے دوران ایک سب جیکٹس کمیٹی کے ۸۷ ممبران کی نامزدگی عمل میں لائی گئی جو درج ذیل ہیں:

بلوچستان:

(۱) نواب یوسف علی خان (۲) خان عبدالصمد خان (۳) میر حسین بخش خان مگسی (۴) میر کریم بخش خان رئیسانی (۵) میر حبیب اللہ خان شہوانی (۶) میر خیر بخش خان رئیسانی (۷) میر شہباز خان نوشیروانی (۸) محمد ایوب خان اچکزئی (۹) عبدالعزیز خان کرد (۱۰) ملک فیض محمد یوسفزئی (۱۱) مرزا عبدالحئی حمید (۱۲) میر مٹھا خان خضر مری (۱۳) ماسٹر محمد حسین آزاد (۱۴) محمد حسین عنقا (۱۵) پیر بخش نسیم (۱۶) ماسٹر صالح محمد بگٹی (۱۷) مولوی عرض محمد (۱۹) سید لال محمد شاہ (۲۰) میر فیض محمد خان بگٹی (۲۱) عبدالعزیز۔

کراچی ڈسٹرکٹ:

(۲۲) مولانا عبدالصمد سر بازی (۲۳) خان بہادر اللہ بخش خان گبول (۲۴) مولانا عبداللہ (۲۵) عبدالغفور ولد سھبر و (۲۶) محراب خان (۲۷) محمد رحیم خان (۲۸) پیر بخش شہداد زئی (۲۹) محمد ایوب خان (۳۰) محمد ہاشم۔

حیدر آباد ڈسٹرکٹ:

(۳۱) میر حسین بخش خان تالپور (۳۲) کے ایس (۳۳) خان محمد خان ریٹائرڈ ڈی ایس پی (۳۴) میر غلام اللہ خان (۳۵) خیر محمد خان چانڈیو (۳۶) میر فضل علی خان (۳۷) میر فتح خان (۳۸) نواب غلام محمد خان تالپور (۳۹) علی بخش خان میوہ خان نظامانی (۴۰) نور محمد محمد علی نظامانی (۴۱) بخشان خان نوتکانی۔

دادو ڈسٹرکٹ:

(۴۲) مولوی عبدالرحیم (۴۳) محمد اسماعیل (۴۴) گل محمد خان مزاری (۴۵) محراب خان (۴۶) محمد صالح ولد محمد عرب۔

لاڑکانہ ڈسٹرکٹ:

(۴۷) حیدر بخش خان جتوئی

جیکب آباد ڈسٹرکٹ:

(۴۸) پلیدار غلام قادر (۴۹) غلام سرور خان (۵۰) محمد امین کھوسو علیگ (۵۱) قیصر خان (۵۲) میاں تاج محمد خان (۵۳) میر مدد خان (۵۴) اندال خان۔

تھرپارکر ڈسٹرکٹ:

(۵۵)خان بہادر میر اللہ داد خان (۵۶) میر ڈتل خان (۵۷) پلیدار عبدالغفار خان (۵۸)میر غازی خان (۵۹)مولوی عبدالحئی کنگوزئی (۶۰)مولوی عبداللہ (۶۱) حاجی مراد بخش خان مری (۶۲)مصری خان (۶۳)میر فتح محمد خان (۶۴)میر احمد خان (۶۵) رسول بخش خان مری (۶۶)رکھیل خان۔

نواب شاہ:

(۶۷) میر ابراہیم خان (۶۸)میر اللہ بخش خان(۶۹)علی محمد ولد عطا محمد مری (۷۰)جان محمد خان (۷۱)خیر محمد خان مری(۷۲)مہر بہادر خان (۷۳)صاحب خان (۷۴)رسول بخش خان (۷۵) گھور خان مری

پنجاب:

(۷۶)مرید حسین خان آف ملتان(۷۷)نوبزادہ محمود خان ڈی جی خان (۷۸)رجب علی خان لائلپور(۷۹) عبدالمجید خان لاہور۔

تقریر مولوی احسان احمد:

''بلوچستان اینڈ بلوچ کانفرنس'' کے اجتماع سے مولوی احسان احمد ممبر سب جیکٹس کمیٹی ملتان ڈسٹرکٹ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ

''بلوچ عوام اپنی حالت زار کا ادراک کریں، انہوں نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مسلمان اس لئے پسماندہ ہیں کیونکہ انہوں نے قرآنی تعلیمات چھوڑ دیں اور پیغمبر کی روایات سے دور ہوئے انہوں نے بلوچوں کی یکجہتی پر زور دیا اور کہا کہ ہم اتحاد ہی سے اپنے حقوق حاصل کرسکیں گے''۔

تقریر شیخ عبدالمجید لالا رام M.L.C

انہوں نے اتحاد کانفرنس الہ باد میں شرکت کی اُس دوران جیکب آباد میں ''بلوچ کانفرنس'' جاری تھا۔انہوں نے کہا کہ ممبران ہندوسبھا جو گول میز کانفرنس کے ممبر تھے۔انہوں نے بلوچستان میں اصلاحات کی مخالفت کی اور ''اتحاد کانفرنس'' نے بڑی بحث و مباحثے کے بعد اس پر رضامندی ظاہر کی۔

برٹش بلوچستان میں مستقبل کے آئین کیلئے تجاویز مرتب کرنے کی ذمہ داری بلوچ کانفرنس پر چھوڑ دیں،اور ان کی نشاندہی بذریعہ تار بلوچ کانفرنس کے زعماء کو دی گئی انہوں نے مزید کہا کہ سندھ کی علیحدگی اور N.W.F.P اور برٹش بلوچستان کا مسئلہ آل انڈیا مسلم لیگ نے ۱۹۲۶ء میں اٹھایا تھا اور اس میں ۱۴ مطالبات شامل کئے۔

انہوں نے کانفرنس کے ورکروں سے درخواست کی کہ وہ برٹش بلوچستان میں اصلاحات کے لئے جدوجہد کریں اور اپنے مفادات کو مسلمانان ہند سے جدا نہ کریں۔

انہوں نے آخر میں کانفرنس کی کامیابی پر خوشی کا اظہار کیا اور دعا کی اللہ پاک ہمیں کانفرنس کے اغراض و مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے ہمیں عطا کرے۔

تقریر یوسف علی خان مگسی:

بلوچ کانفرنس کے ہر دلعزیز متحرک رہنما میر یوسف علی خان نے اپنے خطاب میں کہا کہ کانفرنس کا اولین مقصد بلوچستان میں اصلاحات کے لئے جدوجہد کرنا ہے۔ یہ سرکار کی ذمہ داری ہے کہ بلوچستان میں تعلیم عام کرے۔انہوں نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے پاس تا حال کوئی قومی اخبار نہیں جس کے ذریعے ہم اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اپنے پروگرام کی تشہیر کریں۔

میر یوسف علی خان نے مزید کہا کہ اغیار نے ہمیں بیہودہ اور ڈاکو گردانا، لیکن ہم ڈاکو نہیں بلکہ ہمارے مفلوک الحال عوام کے حقوق پر ڈاکے ڈالے گئے ہیں، ہمیں بزور طاقت محکوم بنایا گیا ہے۔ ہم معاشی، تعلیمی اور سماجی ترقی کے ذریعے اس محکومی سے چھٹکارا پاسکتے ہیں۔ انہوں نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ بلوچ کالج بنانے کا اب تک کوئی واضح پروگرام سامنے نہیں آیا اور نہ ہی بلوچستان میں اصلاحات کے بارے میں کوئی سنجیدگی ظاہر کی گئی انہوں نے اپنے خطاب میں سوال کیا کہ کیا یہ ایک آئینی صوبہ کے باشندوں پر حملہ نہیں؟

میر یوسف علی خان نے کانفرنس کے انعقاد پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اس کا مقصد ہندوستان بھر کے بلوچوں کو منظّم کرنا ہے اور بلوچوں کے اتحاد کو پروان چڑھانا ہے۔

میر یوسف علی خان کی تقریر کے بعد جلسے کی کاروائی سہ پہر ۵ بجے ختم ہوئی۔

۲۷ر دسمبر ۱۹۳۳ء کی کارروائی:

صبح ۹ بجے سب جیکٹ کمیٹی نے قراردادیں مرتب کیں اور انہیں کھلے سیشن میں ۲۷ر دسمبر ۱۹۳۳ء میں پیش کیا یہ قرارداد بحث و مباحثے کے بعد منظور کی گئیں۔

کانفرنس کا اجلاس دن ۱۱ بجے شروع ہوا۔ صدارت بندہ علی خان تالپور M.L.C نے کیا۔ اجلاس میں سینکڑوں کی تعداد میں لوگ شریک تھے۔اس سیشن میں عہدیداروں کا انتخاب، ایگزیکٹو کمیٹی اور ورکنگ کمیٹی کے انتخابات عمل میں لائے گئے۔

عہدیداروں کا انتخاب:

نئے سال کے لئے درج ذیل عہدیداروں کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔

صدر	میر حسین بخش خان تالپور
نائب صدر	عبدالصمد خان اچکزئی
نائب صدر	محمد یوسف علی خان مگسی
نائب صدر	خانصاحب خان محمد خان ریٹائرڈ DSP سندھ پولیس
نائب صدر	خانصاحب اللہ بخش خان گبول، کراچی
جنرل سیکرٹری	غلام قادر پلیدار، جیکب آباد
جوائنٹ سیکرٹری	علی محمد، عطا محمد
جوائنٹ سیکرٹری	محمد ایوب خان اچکزئی
پبلسٹی سیکرٹری	عبدالعزیز خان کرد
خزانچی	میر بندہ علی خان

ایگزیکٹو کمیٹی کا انتخاب:

اس کانفرنس میں ۱۲۰ ممبران پر مشتمل ایگزیکٹو کمیٹی کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔جس کی تقسیم یوں تھی۔

بلوچستان	۳۰
کراچی ڈسٹرکٹ	۱۰
حیدرآباد ڈسٹرکٹ	۱۰
دادو ڈسٹرکٹ	۵
لاڑکانہ ڈسٹرکٹ	۵
جیکب آباد ڈسٹرکٹ	۷
تھرپارکر ڈسٹرکٹ	۱۲
نواب شاہ ڈسٹرکٹ	۹
سکھر ڈسٹرکٹ	۵

خیر پور اسٹیٹ	۷
پنجاب	۱۴
ایرانی بلوچستان	۲
دیگر صوبے	۴

ایرانی بلوچستان کے ممبران ایگزیکٹو کمیٹی:

مولوی عبداللہ دھرمانی اور مولوی محمد عثمان کو ایرانی بلوچستان کے لئے ایگزیکٹو کمیٹی کا ممبر بنایا گیا۔

یہ فیصلہ کیا گیا کہ سب جیکٹس کمیٹی کے ممبران کا انتخاب ایگزیکٹو کمیٹی کرے گی۔

باقی ماندہ ممبران کی تعیناتی متعلقہ ڈسٹرکٹ کرے۔

ورکنگ کمیٹی کا انتخاب:

میر اللہ بخش خان نواب شاہ ڈسٹرکٹ ،بخشن خان نوتکانی حیدرآباد ڈسٹرکٹ ،میر ابراہیم خان نواب شاہ، ڈسٹرکٹ، میر شہباز خان نوشیروانی بلوچستان، محمد اسماعیل خان اچکزئی بلوچستان، محمد امین کھوسو علیگ بلوچستان، محمد حسین عنقا بلوچستان، خیر محمد خان چانڈیو حیدرآباد ڈسٹرکٹ، خان صاحب مہر اللہ داد خان تھرپارکر ڈسکٹر ،مراد بخش خان مری نواب شاہ ڈسٹرکٹ، خیر محمد خان مری نواب شاہ ڈسٹرکٹ، میر فتح خان حیدرآباد ڈسٹرکٹ، عبدالغفور سلبر وکراچی، پیر بخش شہدادزئی کراچی، رسول بخش خان نواب۔

قراردادیں:

بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کے اس اجلاس میں درج ذیل قراردادیں منظور کی گئیں

☆ ہندوستان اور خصوصی طور پر سندھ کے بلوچ عوام ہر ضلع میں انجمن بلوچاں منظّم کریں تاکہ تعلیمی ، معاشی ، سماجی اور سیاسی طور پر بلوچوں کو ترقی کی راہ پر ڈالا جاسکے اور اسے آل انڈیا بلوچ کانفرنس سے منسلک کیا جائے۔ درج ذیل قرارداد خانصاحب گبول نے پیش کیں اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔

اس کے بعد علی محمد عطا محمد نے کہا کہ ہم اس قرارداد کی مکمل حمایت کرتے ہیں۔

☆ اس کانفرنس میں ایک قرارداد کے ذریعے آل انڈیا مسلم کانفرنس کا شکریہ ادا کیا گیا کہ اس نے بلوچستان میں اصلاحات کے سوال کو اپنے مطالبات میں شامل کیا اور حاجی عبداللہ ہارون MLA، شیخ عبدالمجید MLC اور میر محمد بلوچ MLC کا اس پر کام کرنے کا شکریہ ادا کیا۔

ذیل کی قرارداد محمد امین کھوسو نے پیش کی اور تائید نوابزادہ یوسف علی خان مگسی اور عبدالصمد خان اچکزئی نے کی۔

☆ اس اجلاس میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جسے کانفرنس کے قواعد از سرنو ترتیب دینے کی ذمہ داری دیدی گئی۔ کمیٹی کے ممبران درج ذیل تھے:

(۱) نواب زادہ یوسف علی خان (۲) اللہ بخش تالپور (۳) عبدالصمد اچکزئی (۴) غلام قادر پلیدار (۵) علی محمد عطا محمد

☆ ریاست قلات کے حکام سے مطالبہ کیا گیا کہ مرکزی جرگہ میں ریاست کے ان زمینداروں کو نمائندگی دی جائے جو زرعی ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ درج بالا قرارداد میر یوسف علی خان مگسی نے پیش کی۔

خان عبدالصمد خان اچکزئی نے درج ذیل قراردادیں پیش کی جس میں:

بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کی جانب سے بلوچستان کی جداگانہ صوبے کی حیثیت کو مسترد کرنے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اسے غیر منطقی قرار دیا۔ اس رویئے کو بلوچستان کے عوام کی دل آزاری سے تعبیر کیا۔

☆ یہ کانفرنس بلوچستان میں اصلاحات کے نفاذ کو بنیادی اور پیدائشی حق سمجھتی ہے۔ اہل بلوچستان کی خواہش ہے کہ ان تمام اصلاحات سے مستفید ہوں جو کہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کو دیدی گئی ہیں۔ یہ کانفرنس حکومت ہند اور برطانوی عوام سے درخواست کرتی ہے کہ بلوچ عوام کے احساسات کو مزید مجروح نہ کریں اور بلوچستان میں اصلاحات جلد سے جلد متعارف کئے جائیں اور ہمارے اس مطالبے کو مزید نظر انداز نہ کیا جائے۔

یہ قرارداد پیش کرتے ہوئے خان عبدالصمد خان اچکزئی نے کہا کہ ہندوستان بھر میں حتیٰ کہ چٹاگانگ، بنگال اور برما پر انہی قوانین کے تحت حکمرانی کی جارہی ہے، لیکن بلوچستان میں کسی قسم کا قانون کا نفاذ نہیں۔ ہندوستان کے کسی بھی حصے میں ایسے حالات نہیں پائے جاتے بلوچستان میں اگر کوئی اخبار کے اجراء کے لئے درخواست دیتا ہے تو اسے تنبیہ کی جاتی ہے کہ انفرادی و گروہی سیاست سے اجتناب کیا جائے۔ ان حالات میں کسی بھی اخبار کا اجراء ممکن نہیں۔ یہ مرکز کی کیسی آزادی اور ذمہ داری ہے اور یہ کیسی صوبائی خودمختاری ہے جس میں ایک صوبہ انحصار (حقوق کے لئے) کرے؟

انڈیا میں کوئی صوبہ NWFP جیسا ترقی و کامیابی کا نمونہ پیش نہیں کرسکتا۔ ان عناصر کے حوالے سے جن کی اصلاحات کے خواہش مند جیل میں مقید ہوں۔ جب ان کے لوگ جیل سے باہر نکلیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ یہ کونسل یورپ سے بہتر ہوگا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ NWFP کے لوگ بہت جمہوریت پسند ہیں۔ وہاں کوئی جرم نہیں وہاں اگر ڈاکے اور قتل و غارت رونما ہورہے ہیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ عوام کو متشددانہ قوانین کے ذریعے دبایا جارہا ہے۔ وہاں سزا یافتہ کو اپیل کی کوئی گنجائش نہیں اس لئے لوگ مجبور ہوجاتے کہ سرکاری اہلکاروں کو جان سے ماردیں۔ وہاں مجرم کی جگہ اس کے رشتہ دار کو قید میں رکھنا

اسے مجرم بنالیتا ہے۔تمام صوبے میں کوئی کالج نہیں صرف چند مڈل اور ہائی سکول پائے جاتے ہیں۔ NWFP میں قبائلی سربراہ سے سرزد جرم کا جرمانہ وغیرہ حکومت ادا کرتی ہے۔

ہم نے سبی میں ورکنگ کمیٹی کا ایک اجلاس بلایا لیکن پولیٹیکل ایجنٹ نے اس اجلاس کی اجازت نہیں دی۔اگرچہ یہ ایک نجی میٹنگ تھی۔اس کے لئے کسی بھی اجازت کی ضرورت نہیں تھی۔لہٰذا ان حالات میں آپ انسانی حقوق کے نام پر اس قرار داد کو منظور کریں۔

محمد امین کھوسہ نے اس قرار کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ بلوچستان کے انسانوں کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک روا رکھا جاتا ہے۔انہوں نے مزید کہا کہ ہندو اپنے آپ کو قوم پرست کہلواتے ہیں انہیں خطرہ ہے کہ بلوچستان کے عوام ......کو اصلاحات مل جائیں۔مگر جب حالات بدل جائیں گے تو یہ خیالات بھی مفقود ہو جائیں گے۔

☆ کانفرنس میں آل انڈیا مسلم لیگ کے ۱۴/ نقاط کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے جنرل سیکرٹری کو یہ اختیار دیا گیا کہ آل پارٹیز ورکرز کانفرنس زیر صدارت سر آغا خان بمبئی میں منعقد ہو رہا ہے۔جس میں شرکت کے لئے بلوچستان اینڈ بلوچ کانفرنس کے درج ذیل ممبران کو شرکت کی اجازت دی جائے۔

(۱) خان عبدالصمد خان اچکزئی، بلوچستان (۲) خانصاحب اللہ بخش خان گبول، کراچی (۳) علی محمد عطا محمد مری (۴) میر اللہ بخش خان تالپور (۵) محمد ایوب خان اچکزئی (۶) عبدالعزیز خان کُرد (۷) محمد امین کھوسو (۸) میر حسین بخش خان تالپور (۹) خان بہادر خان محمد خان ریٹائرڈ ڈی ایس پی (۱۰) میر بندہ علی خان تالپور MLC (۱۱) پلیدار غلام قادر (۱۲) محمد حسین عنقاء (۱۳) محمد اسماعیل خان (۱۴) میر ابراہیم خان (۱۵) مولوی محمد عثمان (۱۶) میر شہباز خان نوشیروانی (۱۷) میر حسین بخش رئیسانی (۱۸) ماسٹر محمد ایوب خان کراچی (۱۹) محمد صالح ولد محمد عرب (۲۰) مولوی عبدالرحیم خان دادو (۲۱) نواب جمال خان (۲۲) غلام رسول قرائی (۲۳) کریم بخش آف پنجاب (۲۴) حبیب اللہ بلوچ (۲۵) میر تاج محمد (۲۶) میر قیصر خان (۲۷) محمد اعظم خان مزاری اس اجلاس میں خان عبدالصمد خان اچکزئی نے درج ذیل قرار دادیں پیش کیں۔جنہیں متفقہ طور پر منظور کیا گیا۔

اس اجلاس میں خان عبدالصمد خان اچکزئی نے درج ذیل قرار دادیں پیش کیں۔جنہیں متفقہ طور پر منظور کیا گیا۔

مختلف صوبوں میں قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے تشریح کنندگان کی تجویز پیش کی گئی۔

☆ حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ کانفرنس کے گذشتہ اجلاس کے مطالبات پر عمل پیرا ہو۔

☆ ممبران کو ڈسٹرکٹ بنیادوں پر کانفرنس کے علاقائی یونٹوں کو منظّم کرنے کی تاکید کی گئی۔

☆ یہ کانفرنس بلوچستان کے سرداروں کے خلاف مذہبی منافرت کی بنا پر پروپیگنڈے کو رد کرتی ہے اور حکومت سے درخواست کی جاتی ہے کہ اس متعصّبانہ پروپیگنڈوں کو زیرِغور نہ لائے۔

انہوں نے اس قرارداد کا پس منظر بیان کرتے ہوئے کہا کہ چند ہندو انتہا پسند اخبارات نے سندھ میں بلوچستان کے زمینداروں اور سرداروں (جعفر خان جمالی) کے خلاف پروپیگنڈے کیا ہے کہ وہ عبدالرحمٰن ڈکیت کو تحفظ مہیا کرتے ہیں جو من گھڑت ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ جن کے خلاف شوائد ہوں ان کے خلاف اقدامات اٹھائے جائیں۔ مگر اس گروہی پروپیگنڈے پر غور نہ کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ ہندو اور مسلمان یکساں طور پر عبدالرحمٰن ڈکیت کی وجہ سے مسائل سے دوچار ہیں ہندوؤں کو زیادہ اس لئے لوٹا جاتا ہے کہ وہ دولت مند ہیں، جبکہ باقی بلوچ بذات خود غربت کے شکار ہیں۔ یہ کوئی مذہبی معاملہ نہیں اور کہا کہ عبدالرحمٰن کی پشت پناہی کا بلوچ زمینداروں اور سرداروں سے تعلق نہیں۔

انہوں نے سرکار سے درخواست کی کہ لیاری کوارٹرز میں مفت انگلش میڈیم سکول کھول کر تعلیم دی جائے۔

☆ صدر کو یہ اختیار دیا جائے کہ ایک کمیٹی تشکیل دے جو بلوچوں کے قبائلی تنازعات حل کرنے کے لئے کوشش کرے۔

☆ اس کانفرنس کے توسط سے حکام سے درخواست کی جاتی ہے کہ عبدالصمد خان اچکزئی کو اخبار کے اجراء کی اجازت دے۔

☆ بلوچ عوام سے اپیل کی جاتی ہے کہ 'بلوچ کالج' کے قیام کے لئے ایک لاکھ روپیہ جمع کرنے میں مدد کرے۔

☆ خان آف قلات سے درخواست کی جاتی ہے کہ خواتین کو حق وراثت دینے کے لئے احکامات جاری کریں۔

☆ خان آف قلات سے ریاست میں سکول کھولنے کی قرارداد پیش کی گئی۔

☆ جنرل سیکریٹری کو اختیارات دیا جائے کہ ہندوستان بھر میں بلوچوں کی اعداد و شمار مرتب کرے۔

☆ گورنمنٹ سے درخواست کی جاتی ہے کہ سندھ کے بلوچوں کو پولیس میں بھرتی کرے اور بلوچوں کو ملٹری کالج میں داخلے کی سہولیات مہیا کی جائیں۔

☆ بلوچستان کے حکام سے درخواست کی جاتی ہے کہ لچکیوں کے حقوق خان آف قلات سے لئے جائیں۔

☆ نواب آف خاران اور دیگر سرداروں سے درخواست کی جاتی ہے کہ بلوچستان میں تعلیم عام کرنے کے لئے سکول کھولنے کے اقدامات کئے جائیں۔

☆ ایران کے شاہ رضا شاہ پہلوی سے درخواست کی جاتی ہے کہ ایرانی بلوچ مہاجرین جو کراچی اور سندھ کے دوسرے علاقوں میں رہائش پذیر ہیں انہیں ایران واپس جانے کی اجازت دی جائے۔

خان عبدالصمد خان اچکزئی نے قلندر علی خان پبلک پراسیکوٹر لاہور کا پیغام پڑھا، جس میں کانفرنس کی کامیابی پر مبادک باددی گئی تھی۔

خان صاحب خان محمد خان ریٹائرڈ ڈی ایس پی پولیس نے اپنے خطاب میں عوام سے اپیل کی کہ وہ برائیوں سے اجتناب بھرتیں اور تعلیم حاصل کریں، محنت اور لگن سے قوم کی خدمت کریں۔

آخر میں مولوی احسان احمد شاہ شجاع آبادی نے ایک تقریر کی جس میں انہوں نے بلوچ زعماء کومشورہ دیا کہ اپنی زندگی کومثالی بنائیں تاکہ بلوچ عوام اپنی زندگی بہتر بنائیں۔

صدر اور ممبران کے شکریہ کلمات کے ساتھ شام 6 بجے کانفرنس کے اس سالانہ اجتماع کا اختتام ہوا۔

بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کے اجلاسوں میں بلوچستان سے درج ذیل افراد جو کہ منتخب شدہ نہیں تھے انہوں نے اس کانفرنس میں شرکت کی۔

(۱) ماسٹر صالح محمد بگٹی (سبی)۔(۲) حکیم پنوں خان (۳) بلدیو سہائے صحرائی (سبی)

نواب محراب خان بگٹی کا تعاون:

نواب محراب خان بگٹی حیدر آباد بلوچ کانفرنس میں شرکت نہ کر سکے۔مگر ۲۶/ستمبر ۱۹۳۳ءکو نواب صاحب سے، خانصاحب اللہ بخش خان گبول اور غلام قادر پلیدار نے ملاقات کی تھی۔انہوں نے حیدر آباد کانفرنس کے لئے تعاون و مالی امداد کا وعدہ کیا۔جسے انہوں نے بوقت کانفرنس نبھایا۔

حیدرآباد کانفرنس کے تمام اجلاسوں میں شرکت کرنے والے زعماء:

بلوچ کانفرنس کے اجلاس میں شامل چند زعما جو کانفرنس کے تمام اجلاسوں میں شریک تھے ان کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) عبدالصمد خان اچکزئی (۲) یوسف علی خان مگسی (۳) میر بندہ علی خان MLC (۴) میر خدائے رحیم تالپور (۵) میر علی احمد خان (۶) خان صاحب رئیس مراد بخش خان (۷) خان صاحب میر یار محمد خان (۸) خانصاحب رئیس رکھیل خان (۹) رئیس خان محمد خان (۱۰) رئیس گوہر خان (۱۱) میر ڈنل خان (۱۲) میر فتح خان (۱۳) اللہ بخش خان (۱۴) خانصاحب خان محمد خان ریٹائرڈ ڈی ایس پی (۱۵) پروفیسر حبیب اللہ بلوچ (۱۶) عبدالعزیز خان کرد (۱۷) خان فیض اللہ خان (۱۸) قاضی عبدالرسول (۱۹) آر بی ہوت چند (۲۰) علی احمد غلزئی (۲۱) عبدالغفور کوئٹہ (۲۲) اللہ بخش گبول (۲۳) محمد ایوب خان ولد محمد یعقوب خان دکی بلوچستان (۲۴) پیر بخش ٹیچر (۲۵) محمد حسین عنقا (۲۶) میر عبدالرحمٰن بگٹی (۲۷) ماسٹر پیر بخش، (۲۸) ماسٹر صالح محمد بگٹی اور (۲۹) بلدیو سہائے صحرائی۔

استفادہ

باب دہم

سرگرمیاں بعد از حیدر آباد کانفرنس

سندھ مگسی ایسوسی ایشن کا قیام:

بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس منعقدہ حیدر آباد بتاریخ ۲۷ر دسمبر ۱۹۳۳ء کے موقع پر نواب یوسف علی خان مگسی کی زیرِ سرپرستی سندھ مگسی ایسوسی ایشن کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس کے عہدیدار درج ذیل منتخب کیئے گئے۔ ایسوسی ایشن کا صدر مولوی عبدالرحیم ٹیچر سندھ مدرسہ کراچی۔ نائب صدر شفیع محمد مگسی آف مہر۔ حاجی امیر علی ولد پیر بخش ٹھٹھہ۔ الٰہی بخش آف ریاست خیر پور۔

جنرل سیکرٹری سید خان ولد اللہ ڈنہ خان سکنہ ضلع دادو۔

جوائنٹ سیکرٹری خان محمد ولد سہراب خان دادو شیر محمد ولد محمد خان خیر پور بتھیرو۔

اس اجلاس میں درج ذیل قراردادیں پاس کی گئیں۔

☆ سردار یوسف علی خان مگسی پر اعتماد کا اظہار کیا گیا۔

☆ بلوچستان کے حکام اور خان آف قلات کا یوسف علی خان کو سردار منتخب کرنے پر شکریہ ادا کیا گیا۔

☆ سردار یوسف علی خان سے درخواست کی گئی کہ وہ زیرین سندھ کے کسی مقام پر مگسی قبیلے کا اجلاس بلائیں۔

☆ مگسی عوام سے درخواست کی گئی کہ وہ ''الجہاد'' کراچی کی ممبر شپ حاصل کر کے سالانہ خریدار بنیں۔

بلوچ کانفرنس اور سندھ کے مسلم رہنماؤں کا مشترکہ اجلاس:

۲۹ر دسمبر ۱۹۳۳ء

بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس اور سندھ کے چند مسلم رہنماؤں کا ایک مشترکہ اجلاس نور محمد سجاول کی رہائش گاہ بمقام حیدر آباد میں بمورخہ ۲۷ر دسمبر ۱۹۳۳ء شام منعقد ہوا، جس کا مقصد سندھ کے مسلم اسمبلی ممبران اور دوسرے اہم مسلم رہنماؤں کو سندھ اور بلوچستان اور سندھ مسلم یکجہتی کانفرنس سندھ حیدر آباد میں منعقد کرنے کے لئے بلائی جائے جو سندھ کے

تمام مسلم فرقوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے میں مددگار ثابت ہو۔اس اجلاس میں ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے عہدیداران درج ذیل ہیں:

چیئرمین	میر حسین بخش تالپور	
جنرل سیکرٹری	شیخ عبدالمجید لیلارام	M.L.C
جوائنٹ سیکرٹری	سید میران محمد شاہ ذین العابدین شاہ	M.L.C
جوائنٹ سیکرٹری	پلیدار نور محمد سجاول،نواب یوسف علی مگسی	
خزانچی	میر بندے علی تالپور	

علاوہ ازیں درج ذیل اہم اشخاص اجلاس میں موجود تھے:

(۱) خان عبدالصمد خان اچکزئی (۲) خان صاحب خان محمد خان ریٹائرڈ ڈی ایس پی (۳) خانصاحب اللہ بخش گبول (۴) عبدالعزیز کرُد (۵) قاضی عبدالرحمٰن چیف آفیسر کراچی D.L.B(۶) میر اللہ بخش خان تالپور (۷)سید میران محمد شاہ M.L.C۔

یہ اجلاس شیخ عبدالمجید لیلارام M.L.C اور پلیدار نور محمد کی کوششوں سے منعقد ہوا۔ جو بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس میں سرگرم رہے تھے۔

اس اجلاس میں ایک جداگانہ کانفرنس کے انعقاد کے لئے سندھ کے مسلمانوں کے ذہنوں میں پیدا شدہ گھمبیر حالات کے حوالے سے بلوچ رہنماؤں کی توجہ مبذول کرائی گئی۔

انہوں نے سب سے پہلے سندھی اور بلوچ رہنماؤں اور سندھ کے مسلم اسمبلی ممبران سے مجوزہ کانفرنس کے بارے میں تبادلہ خیال کیا اور کوشش کی کہ سندھیوں اور بلوچوں کو علیحدگی کی تحریکات سے دور رکھیں اور بلوچ رہنماؤں سے اثر پذیر ہوں۔

شیخ عبدالمجید اور پلیدار نور محمد کو اس اجلاس میں ذمہ داری دی گئی کہ کانفرنس کے انعقاد کے متعلق ایک بیان جاری کریں۔

خان عبدالصمد خان اچکزئی کا پریس انٹرویو:

۳۱ر دسمبر ۱۹۳۳ء

بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کے نائب صدر خان عبدالصمد خان اچکزئی نے بلوچستان کے مطالبات کے بارے میں حیدرآباد سے شائع ہونے والے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا۔

”میں لازمی اور فطری طور پر بلوچستان کے بارے میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔اس وجہ سے نہیں کہ میرا تعلق بلوچستان سے ہے، بلکہ اس لئے کہ بلوچستان نہ صرف برطانوی ہندوستان کا بلکہ پوری دنیا کا تاریک حصہ ہے۔اس لئے پریس میں اس بارے میں کہنا بہت ضروری ہے کیونکہ پریس نے ہمیشہ مسائل کو اجاگر کرنے میں اہم ذمہ داری نبھائی ہے۔

بلوچستان حد سے زیادہ ظلم و جبر کا شکار ہے اور افسوس سے کہا جاتا ہے کہ ہمارے بار بار شور وغوغا کے بعد بھی انڈین عوام اور پریس کی طرف سے ہمارے لئے بڑی مشکل سے ہمدردی کا اظہار کیا جاتا ہے۔

ہم آئینی حکومت چاہتے ہیں جو کہ موجودہ وقت میں بلوچستان میں قصداً موجود نہیں۔ مجھے انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ چند اشخاص ہمارے مطالبات کی اس بناء پر مخالفت کرتے ہیں کہ ہماری آبادی کم ہے اور آمدن نہ ہونے کے برابر ہے۔اور اس طرح کے دوسرے مسائل سے ہم دوچار ہیں۔

لیکن میں نہیں سمجھتا کہ عوام ان نام نہاد کمزوریوں کے ذمہ دار ہیں۔ ان تمام مسائل کو ذہن میں رکھتے ہوئے میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ ’کورگ‘ اور ’دہلی‘ کیسے علیحدہ صوبے بنائے گئے تاہم کارڈ سرکار کے ہاتھ میں ہے۔جس کی وجہ سے وہ عوام کا استحصال کرتا ہے۔ سرکار کا یہ کہنا کہ ایک مشغلے یا وقت گزاری کے طور پر لوگوں کا ’قتل و غارت‘ بلوچ قبائل کا وطیرہ ہے، لہٰذا انہیں لازماً بندوق اور جبر سے مرعوب کیا جائے۔ یہ کہنا کہ وہ سب کے سب ڈاکو ہیں مگر میں ان تمام من گھڑت الزامات سے اختلاف رکھتے ہوئے انہیں بے بنیاد قرار دیتا ہوں۔ میری خواہش ہے ان امور کو عوام کے سامنے رکھوں کہ بلوچ قبائل امن پسند اور جمہوری لوگ ہیں، سوائے چند واقعات کے جو حکومت کے جبر اور غیر ہمدردانہ رویے کی بناء پر وقوع پذیر ہوئے ہیں۔

اگر حکومت اور ہندوستان کے عوام چاہتے ہیں کہ ہم اپنے آپ کو ہندوستان کے پر امن شہری ثابت کریں تو انہیں ہمارے مطالبات تسلیم کرنے چاہیں۔ ہمارے مطابق جو کہ مستقبل کی حکومت (آئین) میں ہمارے فطری حقوق ہیں۔

سر فضل حسین کے نام یادداشت:

دسمبر ۱۹۳۴ء میں خان عبدالصمد خان اچکزئی چیئرمین بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس نے بلوچستان کی موجودہ ضروریات کے پیش نظر ذیل کی یادداشت سر فضل حسین کو پیش کردی جن کا متن ذیل ہے:

ا۔ **سر فضل حسین وزیر تعلیم کے نام:** صوبہ بلوچستان کے لئے موجودہ صورت میں ذیل کے آئینی مطالبات ہوں گے۔

ا۔ ذیل کے تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تعلیمی بجٹ میں کافی روپیہ کا اضافہ کیا جائے۔

ب۔صوبہ بھر میں کوئی کالج نہ ہونے کی وجہ سے اس کے افتتاح کے لئے پیسے کا بندوبست کیا جائے۔

ج۔ذیل کے مقامات پر مڈل سکول کھولنے کی فوری ضرورت ہے ۔گلستان ، مچھ ، جھٹ پٹ ،نوشکی ، ڈیرہ بگٹی ، ڈیرہ مری (کاہان) اور مے زئی نیز پشین اور فورٹ سنڈیمن کے مڈل سکولوں کو ہائی سکول درجہ دیا جائے۔

د۔ بلوچستان کا تعلیمی پروگرام جو 1937ء کو ختم ہوگا AGG کی ہدایت کے بغیر سپرٹینڈنٹ اپنی طرف سے کوئی نئی تجویز پیش نہیں کرسکتا، منسوخ کیا جائے۔

۲۔ ہوم ممبر کے نام: بلوچستان کے لوگوں کو موجودہ وقت میں ذیل کی تکالیف ہیں۔

ا۔آزادی: رائے عامہ کی آئینی خواہشات کی ترجمانی کے لیے تقریر و تحریر کی آزادی دی جائے۔

ب۔اخبارات ورسائل: آپ نے ہندوستان کے اخبارات کو بلوچستان میں اجرائے اخبار کی ممانعت کے خلاف احتجاج کر تے دیکھا ہوگا۔

ج۔ عام جلسے: یہ حقیقت ہے کہ ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل نے بذات خود بعض قومی سرداروں کو بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس میں شرکت کرنے سے منع کیا اور مقتدر سرداروں، افسروں، سپرنٹنڈنٹ پولیس ،پولیٹیکل ایجنٹ ،چیف سیکریٹری اور ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل نے کانفرنس کے چیرمین اور دیگر معزز ممبروں کی تذمیم کی اور پبلک کو غیر آئینی اقدامات اور پروپیگنڈے سے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی ،قومی کارکنوں کے خلاف رسوا عدالتوں (جرگوں) میں مقدمات چلائے جاتے ہیں اور حکام کے ایسے نامناسب یعنی اقدامات کا میں پہلا شکار ہوں۔

حکام نے جو رویہ اور سلوک اختیار کر رکھا ہے اسی سے حاجت ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عوام کے جذبات کو مشتعل کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

۳۔ملازمین: صوبہ کی ملازمتوں کے متعلق ذیل کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

ا۔اعلیٰ ملازمتیں براہ راست ملکیوں سے پُر کی جائیں اور غیر ملکیوں کو ان میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔

ب۔دوسرے ملازمتوں کے سلسلے میں خالی آسامیوں کی باقاعدہ تشہیر بذریعہ اخبارات کی جائے اور مستحق ملکیوں کو ترجیع دی جائے۔

ج۔ دوران سال میں دوسب انسپکٹر پولیس ایک نائب تحصیلدار اور دو انگلش ٹیچر بھرتی کیے گئے جو سب کے سب غیر ملکی تھے۔

د۔تمام دفاتر کے اندرون معائنہ خصوصاً دفتر تعلیم کے معائنہ کرنے والے افسر ملکی ہونے چاہیے۔

سندھ کے مسلم رہنماؤں سے گفت وشنید:

بمورخہ ۱۴/جنوری ۱۹۳۴ء میر یوسف علی مگسی ، عبدالصمد خان اچکزئی ، نور محمد اچکزئی نے عبداللہ ہارون ، شیخ عبدالمجید اور دیگر اہم مسلم رہنماؤں سے کراچی میں ملاقات کی ۔ اس ملاقات میں انہوں نے درپیش مسائل پر گفتگو کی اور مستقبل کے آئین میں بلوچستان کی بات کی اور انہوں نے خطے میں اصلاحات متعارف کرنے پر زور دیا۔اس بارے میں انہوں نے آپس میں مزید اجلاس منعقد کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔

پریس سے میر عبدالعزیز کرد کا شکوہ:

روزنامہ ’آزاد‘ لاہور بمورخہ ۹/جنوری ۱۹۳۴ء کے شمارے میں عبدالعزیز کُرد کا ایک مضمون شائع ہو۔جس کا عنوان نیوز ایجنسیوں کی نظراندازی بحوالہ آل انڈیا بلوچ کانفرنس تھا۔

مضمون میں میر عبدالعزیز کرد نے نیوز ایجنسیوں سے شکوہ کیا۔ کہ انہوں نے حیدرآباد میں منعقدہ کانفرنس کی کوریج نہیں کی ،اور میر یوسف علی خان کی کانفرنس میں موجودگی اور کانفرنس کی معاشی مدد کو اہمیت نہیں دی ۔انہوں نے اپنے مضمون میں سندھ کی بعض خبررساں ایجنسیوں کے رویے کو افسوسناک قرار دیا۔جس کے نتیجے میں آل انڈیا بلوچ کانفرنس منعقدہ حیدرآباد سندھ کی کارروائی کو نظرانداز کیا گیا۔انہوں نے اپنے مضمون میں قصداً لکھ کر اخبارات کی خبروں میں یوسف علی خان کو شرکاء میں شامل نہ کرنے سے عوام میں غلط فہمیاں پیدا کی گئیں۔۲/جنوری ۱۹۳۴ء کو آزاد میں ایک مضمون شائع ہوا جس میں یوسف علی خان کی غیر موجودگی کو حیران کن بتایا گیا۔حقیقت یہ ہے کہ یوسف علی خان نہ ہی بوجہ بیماری غیر حاضر تھے بلکہ انہوں نے (یوسف علی خان) نے بہ نفس نفیس بلوچ کانفرنس کے افتتاح سے اختتام تک تمام کارروائیوں میں حصہ لیا۔

یہ کہ نیوز ایجنسیوں نے جلسے کی کارروائیوں کو سندھ کے چند محدود اخبارات میں جگہ دی اور ملک کے دیگر شہروں سے نکلنے والے اخبارات میں شائع کرنے سے اجتناب بھرتا گیا۔جسکے نتیجے میں علاوہ سندھ باقی ماندہ ملک کے تمام جرائد کانفرنس کے منظورشدہ قراردادوں سے بے خبر رہے اورانہیں اندھیرے میں رکھا گیا۔

انہوں نے اپنے مضمون میں اس بارے میں حیرانگی کا بھی اظہار کیا۔ کہ کانفرنس کے جنرل سیکرٹری نے اس اہم مسئلے پر توجہ نہ دی ۔انہوں نے لکھا کہ میں توقع رکھتا ہوں کہ وہ اس مسئلے پر جلدازجلد متوجہ ہوں گے ۔

مجلس احرار ہند کا یوسف علی سے مشاورت کا فیصلہ:

مولانا حبیب الرحمٰن صدر مجلس احرار ہند نے قاضی احسان احمد شجاع آبادی کو نواب یوسف علی خان کے ہاں بھیجا کہ ان سے بلوچستان میں احرار کے احتجاجی پروگرام کے متعلق بات کریں اور انہیں گوش گزار کریں کہ ملتان میں مولانا حبیب

الرحمٰن صدر مجلس احرار ہند کے مستقبل قریب میں بلوچستان میں احتجاجی پروگرام کے متعلق جلد ہی یوسف علی خان سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔

یاد رہے نواب یوسف علی خان اوران کے ساتھیوں عبدالصمد خان اچکزئی اور عبدالعزیز خان کرد کے لاہور کے صحافیوں اور مجلس احرار کے ساتھ قربت رہی ہے اورنواب یوسف علی خان نے زمیندار ورآزاد کی طرح کئی بار مالی مشکلات میں مجلس احرار کی مالی واخلاقی مدد کی ہے۔

عبداللہ ہارون کا اسمبلی میں خطاب:

روزنامہ سیاست بمورخہ ۱۰رفروری ۱۹۳۳ء اسمبلی میں ایک خبر کے مطابق حاجی عبداللہ ہارون MIA نے اسمبلی میں درج ذیل سوالات رکھے۔

(۱)انہوں نے بلوچ کانفرنس منعقدہ جیکب آباد کی طرف حکومت کی توجہ مبذول کراتے ہوئے کہا کہ بلوچ کانفرنس کی قرارداد کے مطابق بلوچستان کو گورنری صوبہ بنایا جائے۔

(۲) کیا حکومت اس کے لئے تیار ہے اور اسے منظور کرتے ہوئے حکومت عرصہ دراز سے بلوچوں اور ہندوستان کے مسلمانوں کے دیرینہ خواہشات کی تکمیل پر آمادہ ہے؟

(۳) کیا حکومت نے بلوچوں کی تعلیمی، سماجی، اخلاقی اور معاشی بہتری کے لئے کوئی موثر طریقہ پر عمل کرنا ہے؟

(۴) بلوچستان اور سندھ کے باشندوں کی تعلیمی بہتری کے لئے اب تک کیا اقدامات اٹھائے گئے ہیں؟

(۵) کیا حکومت نے بلوچ کانفرنس کے اس مطالبے کی طرف توجہ دی ہے، جس میں سندھ اور بلوچستان کے ذمہ داران سے درخواست کی گئی ہے کہ زرعی ٹیکس کو کم کیا جائے؟ علاوہ ازیں حکومت نے کاشتکاروں کو ذیلی قرضہ دینے کے لئے کیا اقدامات اٹھائے ہیں؟

(۶) بلوچ کانفرنس میں فرنٹیئر قوانین کے چند دفعات کو ختم کرنے کے لئے حکومت سے استدعا کی گئی تھی، کیا اس قرارداد پر عمل کیا گیا؟ کیا حکومت سمجھتی ہے کہ ان دفعات کو ختم کریں جو کہ سرحدی لوگوں کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں؟

(۷) کیا حکومت اس امر سے باخبر ہے، کہ کاشتکاروں سے غیر کاشتکاروں کو زمینوں کی منتقلی ہورہی ہے؟

(۸) کیا حکومت نے کوئی ایسی کمیٹی تشکیل دی ہے جس سے بلوچستان کی خالی آسامیوں پر وہاں کے باشندوں کی بھرتیاں صحیح طور پر ہورہی ہیں؟

(۹) کیا حکومت کو مستقبل میں بلوچستان کی پولیس فورس اور فوج میں بلوچوں کی شمولیت نظر آتی ہے۔ اگر سرکار اس طرح عملدرآمد پر تیار نہیں تو وجہ بتائے کہ کیوں؟

استفادہ

باب پانزدہم

منصب نوابیت واصلاحات

میر یوسف عزیز ذہنی الجھن کا شکار:

’’میر یوسف علی خان عزیز مگسی ۱۱فروری کو لاہور سے بذریعہ ٹرین ساتھیوں سے سماجی وسیاسی مسائل پر صلاح ومشورہ کرنے آئے۔

سبی قیام کے دوران انہوں نے بلوچ کانفرنس کے اراکین سے سیاسی حالات پر گفت شنید کی۔میر یوسف عزیز نے بلوچ کانفرنس کی مینجنگ کمیٹی کے رکن بلدیوسہائے صحرائی سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں انہوں نے کہا کہ کچھ ذاتی وقبائلی معاملات میں زیادہ سرگرمی سے اپنے سیاسی فرائض انجام نہیں دے سکتا۔ کیونکہ ان کے قبائلی معاملات نے گھمبیر صورتحال اختیار کرلی ہے اور مگسی قبیلہ اس کے بڑے بھائی کو کسی بھی صورت مزید برداشت نہیں کر سکتے، یہ کہ مگسی قبیلہ کا اصرار ہے کہ وہ سردار بنیں حکام کی بھی یہی رائے ہے مگر حکمران کچھ یقین دہانیاں چاہتے ہیں۔جن پر وہ (یوسف عزیز) قائم نہیں رہ سکتے۔

وہ (یوسف علی) اس بارے میں ذہنی الجھن کا شکار ہے کہ کیا کیا جائے! اگر میں قبیلے کے اصرار پر سرداری قبول کروں تو اجتماعی قومی مقصد جس کا بیڑا میں نے اٹھایا تھا، کیا میری سرداری اس پر اثر انداز نہیں ہوگی اور اگر میں اسے مسترد کردوں تو میرا قبیلہ بغاوت پر اتر آئے گا اور سرداری ہم سے چلی جائے گی۔ تاہم میں دونوں کو ساتھ ساتھ چلاؤں گا اور میں اس کی بھی کوشش کررہا ہوں کہ عبدالعزیز کرد اپنے عہدے پر بحال ہوں میں اس کی کامیابی کے بارے میں پرامید ہوں۔(۱)

سیاسی کارکنوں میں ہیجانی کیفیت:

سردار گل محمد مگسی کے دور میں وزیراعظم سرشمس شاہ کے ظلم وزیادتیوں نے علاقہ جھل مگسی کے عوام میں شدید بے چینی و اضطراب کی کیفیت پیدا کردی تھی۔ ہزاروں کی تعداد میں مگسی قبائل جھل مگسی سے سندھ ہجرت کر چکے تھے۔انتشار اور بدامنی نے انارکی کی صورت اختیار کی تھی جس نے تمام علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔مگسی قبائل کسی صورت سردار گل محمد کو اس منصب پر مزید گوارا کرنے سے عاجز تھے اور بالآخر خان آف قلات نے برٹش حکام کو سردار گل محمد کی جگہ یوسف علی خان کو مگسی قبیلے کا سردار مقرر کرنے کی تجویز دی۔

’’قبیلہ مگسی کے متعلقہ مطالبہ اور خان قلات کی حمایت کے پیش نظر بلوچستان کی برطانوی حکومت کو طوعاً وکرھاً اس کی تائید کرنی پڑی۔

میر یوسف علی خان کی سرداری کا مسئلہ اگرچہ حکومت کی طرف سے طے ہو چکا تھا، لیکن بلوچستان کے سیاسی کارکنوں میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ کیونکہ انجمن اتحاد بلوچستان کی تحریک سرداری سسٹم کے خلاف اور بالغ رائے دہی سے ذمہ دار حکومت کے قیام کے حق میں تھی۔ وہ سرداریت کو ختم کر کے قبائل کو آزاد شہری کی حیثیت دینا چاہتے تھے۔ تب یہ کیسے جائز ہوسکتا تھا۔ کہ ان کا ایک اپنا ممبر سرداری کو قبول کر کے اس مشن کا ایک پرزہ بنے، جو سرکار برطانیہ کے زیر تسلط ہو‘‘ (۲)

سرداری کا مسئلہ اور انجمن کا اجلاس:

’’میر یوسف علی خان کے سرداری کے مسئلے پر انجمن کے ارکان میں بحث چل پڑی تھی۔ سیاسی کارکنوں میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ عوام کی جانب سے مختلف آراء سامنے آرہی تھیں۔ اس مسئلے کے حتمی حل کے لئے بالآخر سبی کے مقام پر بلوچستان کے سیاسی رہنماؤں کا ایک اجلاس طلب کیا گیا۔ اس اجلاس میں طویل بحث و مباحثے کے بعد یہ طے پایا کہ میر یوسف علی خان سرداری سسٹم کو توڑنے کے لئے مگسی قبیلہ کی سرداری قبول کرے۔ اس سے ہماری تحریک کو شاہی جرگہ میں نمائندگی ملے گی اور میر یوسف علی خان جیسے ایک مخلص معتمد اور باأثر نوجوان کی حیثیت سے ہر اس فیصلے پر اثر انداز ہونگے جو برطانوی حکومت کے نمائندے بلوچستان کے عوام کی آزادی کے خلاف حاصل کرنا چاہیں گے، اس سے تحریک کو تقویت ملے گی لہٰذا میر یوسف علی خان نے اپنے سیاسی رفیقوں کی منظوری سے مگسی قبیلے کی سرداری قبول کی۔ جسے خان قلات اور وائسرائے ہند نے منظور کرلیا‘‘۔ (۳)

منصب نوابیت:

۱۹۳۲ء میں بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کے کامیاب انعقاد اور بلوچ عوام کی کانفرنس میں والہانہ شرکت، کانفرنس کے فیصلوں اور قراردادوں سے دلی وابستگی نے ریاست قلات کی حدود اور برٹش بلوچستان کے ایوانوں میں ایک بھونچال کی سی کیفیت پیدا کی۔ جس سے انگریز حکمرانوں اور ریاستی سرداروں کے پاؤں ڈگمگانے لگے۔ بالآخر مگسی قبیلے کی پرامن جدوجہد اور انجمن اتحاد بلوچستان کی عملی حمایت سے نواب گل محمد زیب مگسی اپنی خاموش طبیعت اور حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے مگسی قبیلے کی سربراہی سے مستعفی ہوئے اور یوسف عزیز نے نہ چاہتے ہوئے بھی مگسی عوام کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور یوں میر یوسف عزیز مسند نوابیت پر براجمان ہوئے، تمندار مگسی بنے اور حاکم جھل مگسی۔

جھل مگسی کا جغرافیہ کچھ یوں ہے۔ مشرق کی جانب میر پور اور نصیر آباد واقع ہیں۔ مغرب کوہ کھیر تر سے منسلک ہے۔ شمالاً گنداواہ و میر پور اور جنوباً شہداد کوٹ علاقہ جھل مگسی کو علیحدہ کرتا ہے۔

جھل مگسی کا رقبہ چھ سو چالیس مربع میل ہے۔طول شمالاً جنوباً ۴۰رمیل اور عرض مشرقاً،غرباً سولہ مربع میل ہے۔

جھل مگسی کے وسیع وعریض علاقے کو مولہ ندی، ڈھورڈی، ساگی اور بادرہ کے برساتی نالے اور دریائے سندھ سے کھیرتر نہراور کاریزات سیراب کرتی ہیں۔فصلات میں جوار، تل، گندم، مونگ، سرسوں، جو، موٹھ کثرت سے کاشت کئے جاتے ہیں اور کئی دیگر فصلات بھی کاشت کئے جاتے ہیں۔پھلوں یں آم، لیموں، فالسہ، مالٹے،کینوں، انار،توت، کھجوراور دیگر پھلوں کے باغات ہیں۔

میر یوسف علی خان مگسی اس وسیع وعریض علاقے کا ایک ایسا حاکم اور تمندار جس کی سوچ وفکر،حرکت وتحریک اپنے عوام کے لئے تھی،عوامی فلاح و بہبود کے لئے۔یوں علاقہ جھل مگسی میں ایک ایسے دور کا آغاز ہوا جس کی نظیر بلوچ قبائلی معاشرے کی تاریخ میں نہیں ملتی ایک ایسا نواب اور ایسا انسان جس کا خلاء بلوچ قبائلی معاشرتی نظام اب تک پُر کرنے سے قاصر ہے۔

بلوچ سیاسی زعماء میر یوسف عزیز کی گرانقدر خدمات کے حوالے سے اسے عوامی نواب کی حیثیت سے یاد کرتے ہیں۔ ڈاکٹر شاہ محمد مری اسے بلوچ قبائلی سماج میں ’’نواب ٹالسٹائی‘‘ کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔میں اسے ان عظیم فلسفیوں کی صف میں کھڑا پاتا ہوں جنہوں نے انسانی سوچ وفکر کی آزادی اور معاشرتی نظام کو ترقی پسندانہ خطوط اور معنوی طور پر تبدیل کرنے کی کوششیں کیں۔اس کی آنکھوں میں ’یوٹو پیا‘ کے مصنف ’’تھامس مور‘ کے سپنے بسے تھے، جوسماجی مساوات کا داعی اور ذاتی ملکیت کے خلاف تھا جو یہ سمجھتا تھا کہ جب تک کوئی بھی ملکیت موجود ہے ایک قوم پر منصفانہ طریقے اور خوشی سے حکومت نہیں کی جاسکتی۔

اس کے ذہن پر’’سورج کے شہر‘‘ کے منصف ’کمپینیلا‘ کے خیالات چھائے ہوئے تھے جس کی تصنیف’’سورج کے شہر‘‘ میں تمام شہری جس میں عورتیں بھی شامل ہیں ریپبلک کی عظیم کونسل کے اجلاس میں شریک ہوتے ہیں۔جہاں منتظمیں کا انتخاب کیا جاتا ہے سورج کے شہر کا سربراہ ’’ہو‘‘ نامی شخص ہے جو کہ علم،دانائی کی مجسم صورت اور جمہوریہ کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا ہے اور اس کے تین مشیر ہیں جن کے نام ’محبت، طاقت اور دانائی‘ ہیں۔اس ریاست کا ہر آدمی کام کرتا ہے،کام کے اوقات چار گھنٹے ہوتے ہیں۔تمام شہری ایک ساتھ رہتے ہیں۔لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان مکمل مساوات ہے،انہیں ایک ہی قسم کی پرورش اور تعلیم ملتی ہے’’سورج کے شہر‘‘ میں معاشی انصاف اور برابری کے خیالات پائے جاتے ہیں۔

وہ ’’ہسٹری ڈی سیوارام‘‘ (History De Savaram) کا مصنف وائرس (Veiras) تھا جس کے نزدیک معاشرے کی بنیادی اکائیاں محنت کش مردوں اور عورتوں کے گروپوں سے بنی ہوئی ایسوی ایشن ہوتی ہیں۔جن کے نزدیک معاشرے کی بنیادی اکائیاں محنت کش مردوں اور عورتوں کے گروپوں پر مبنی ہیں۔جہاں پیداوار مشترک اور اشیاء کی تقسیم برابری

کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ میر یوسف عزیز فرانس کا 'میبلے' تھا، جو ایک اشرافیہ گھرانے میں پیدا ہوا۔ میر یوسف عزیز 'میبلے' کی طرح معاشرے کی طبقوں، امیر غریب طبقوں میں تقسیم کو تمام برائیوں کی جڑ سمجھتا تھا۔ وہ قانون کی حکمرانی چاہتا تھا اور قانون کے ذریعے سماجی برائیوں اور ہر قسم کی فضول خرچیوں کو ممنوع قرار دیتا تھا۔

میر یوسف عزیز مگسی کے رفیق کار ''خان عبدالصمد خان اچکزئی'' آپ کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

''مگسی سردار کی ساری جائیداد اور چالیس ہزار تپہ ان کے حوالے ہوا، جو کہ وسیع زمین اور اچھی خاصی ریاست تھی۔ زمینوں سے سالانہ لاکھوں روپوں کی پیداوار ہوتی تھی اور قبیلہ بھی سردار کے کہنے پر جو کچھ وہ مانگتا دے دیتا اسی جاگیر کا نام ''جھل مگسی'' ہے جس کی اپنی عدالت اور جیل ہے۔ یہ علاقہ منافع بخش اور دیگر اشیاء کے ساتھ قلات کے کچھ دیگر سرداروں کی طرح شراب کی اپنی بھٹی رکھتا تھا جہاں ہندو ٹھیکیداروں کے ہاتھوں شراب بنتی تھی اور چوری چھپے سندھ بھیجی جاتی تھیں۔ منافع سردار کا......۔

مگسی سردار بھی دوسرے بڑے بلوچ سرداروں کی طرح شاہی جرگے کے علاوہ قلات سٹیٹ کونسل کا ممبر تھا خان قلات بھی کچھ تنخواہ دیتا تھا۔'' (۴)

شاہ محمد مری نے یوسف عزیز کے منصب نوابی اور جائیداد کے بارے میں اپنے خیالات کا یوں اظہار کیا ہے: ''یہ کوئی معمولی سرداری نہ تھی ایک اچھا خاصا وسیع علاقہ تھا۔ اک اچھی خاصی افرادی قوت تھی جو یوسف عزیز مگسی جیسے انقلابی کے ہاتھ آ گئی تھی اس زرخیز آبادی پر مشتمل رعیت کی مطلق نوابی ملنا چھوٹی بات نہ تھی یہ ایک ایسا موقع تھا جہاں پر نواب یوسف عزیز کے گفتار اور کردار کے مابین موجود کوئی معمولی تضاد بھی ابھر کر سامنے آ سکتا تھا۔ مگر مگسی صاحب نے اصلاحات کے بارے میں اپنے نظریات کو عملاً نافذ کرنے کا فیصلہ کیا''۔ (۵)

یہ پرخیال روشن دماغ وسیع النظر میر یوسف عزیز مگسی ہی تھے جو نوابی کے منصب کو قبیلے کے خادم کی نظر سے دیکھتے تھے۔ جو نسل در نسل منتقل ہونے والی جائیداد کو قبیلے کی محنت کے استحصال اور لوٹ سے تعبیر کرتے تھے۔ وہ ایک ایسے سماج کے داعی تھے جو محبت، محنت، امن اور خوشحالی پر مبنی ہو۔ جو انسانیت کے عظیم قدروں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہو۔ میر یوسف عزیز مگسی ذاتی ملکیت کے منافی اجتماعی ملکیت کے علمبردار تھے۔ نوابی کا منصب ملتے ہی اس نے اپنے نظریات کو حقیقت کا روپ دینے کے لئے اپنی مختصر سی زندگی میں ذاتی جائیداد کا کیا حشر نشر کیا، اسے ہم اس کے عظیم تعلیمی و معاشی اور فلاحی منصوبوں کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔

عظیم تعلیمی وفلاحی منصوبے:

سُورج کے شہر کا سربراہ میر یوسف عزیز اوراس کے مشیران کا رہمہ گیر وسعت نظر لئے ہوئے تھے وہ سماجی ومعاشی طور پر کیفیتی تبدیلیاں لانے کیلئے غیر معمولی عظیم تعلیمی منصوبوں اورفلاحی اصلاحات کے ذریعے سورج کے شہر کی حدود کے اندر ایک نئے خوشحال پرامن سماج اور قبائلی و روایتی سماج کے بطن سے ایک جدید قوم کی تشکیل کیلئے مصروف کار تھے۔ کیونکہ میر یوسف عزیز مگسی شعوری طور پر جانتے تھے کہ ہمارا سماج زیر تسلط ہے جو قبائلی روایتی نوآبادیاتی جبر اور طبقاتی اونچ نیچ کا شکار ہے۔ یہ نوآبادیاتی جبر، بین الاقوامی سامراجی تقسیم محنت کا حصہ ہے۔ سامراجی استعماری نظام کے زیر تسلط اور سیاسی و معاشی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔

ہمارا معاشرتی قبائلی نظام حکومت جہالت اورفرسودہ قبائلی روایوں کے ستونوں پر کھڑا ہے یہ نہ صرف قومی وحدت کی راہ میں رکاٹ، بلکہ قبائلی نظام کے بندھنوں میں جکڑے ہونے کی وجہ سے قومی وجود کو پارہ پارہ کرنے کے درپے ہے۔ ایسے وقت میں انہوں نے اپنا فرض جانا کہ مسائل و مشکلات کے حل کیلئے راہوں کو تلاش کریں۔ اپنے سماجی تضادات سے آنکھیں نہ چرائیں بلکہ علم کی دولت سے منور ہوکر سچائی کی روشنی میں اپنے مسائل و مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کریں اور ایسی راہوں کا تعین کریں جو ہمارے پسے ہوئے عوام کو ناکارہ فرسودہ وقبائل سماجی جبر وقید سے آزاد کر کے قومی وحدت میں پرونے کا کام سرانجام دے۔

جب میر یوسف عزیز مگسی کی قبیلہ کے سربراہ کی حیثیت سے دستار بندی کی گئی تو آپ نے قبیلہ میں جہالت ،توہم پرستی دور کرنے اورمہذب اورعلم کی دولت سے روشن ذہنوں کی نشوونما کے لئے تعلیمی اداروں کی ضرورت کو اہم ترین ضرورت سمجھتے ہوئے تعلیمی مدارس کے قیام کی جانب بھرپور توجہ مرکوز کی۔

بلوچ قبائلی معاشرتی نظام میں جہاں بعض ٹھوس، بے حس وحرکت ،اٹل اور تبدیل نہ ہونے والے روایات صدیوں سے مروج تھے۔ جن کے قوائد پتھر کی طرح سخت اور جو زمانے کی رفتار سے میل نہیں کھاتے تھے۔ یوسف علی خان نے بعض ایسے رسومات کی بیخ کنی کی جو انسانی اقدار کے منافی تھے اور بعض کی اصلاح کی۔ لوگوں کے رہن سہن اور اوڑھنے بچھونے میں بھی مثبت تبدیلیوں کو رواج دیا اور بعض منفی اقدار کی جگہ مثبت اقدار کو بزور طاقت جبراً نافذ کیا۔

آپ جانتے تھے کہ ہمارے پسماندہ قبائلی اور روایاتی سماج میں جدید علم کے زیور سے آراستہ نسل ہی مستقبل میں سچائی کے معیار پر، اپنے فرسودہ اور مجرّد اقدار کو پرکھ کر اوران کے ارتقاء پذیر خصلت کو ساتھ لیکر اپنے قبائلی سماج کے بطن سے قومی وحدت کی تعمیر نو کرے گی، اورپسماندہ قبائل کو جہالت کے اندھیروں سے نکالنے اور روشنی کی جانب راغب کرے گی، اپنے وطن

کی سیم زدہ مٹی میں یوسفی ارمانوں کے کھلیانوں سے گل لالہ کے شگوفوں کو جنم دے گی اور اپنے مفلوک الحال عوام کے دیرینہ خوابوں کی تعبیر اور امیدوں کی کرن بن کر ثمر بار تناور درخت کے طور پر ابھرے گی۔

جامعہ یوسفیہ کی تعمیر:

میر یوسف عزیز پہلے بلوچ نواب تھے جنہوں نے قبائلی نظام میں دراڑیں ڈالنے کیلئے لازمی تعلیم کا نظام رائج کیا۔ انہوں نے دینی و دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ انگریزی علوم اور سائنس کی تعلیم کی ضرورت پر زور دیا۔ تعلیمی مقصد کے حصول کے لئے یوسف عزیز نے مگسی علاقہ میں ایک عظیم تعلیمی منصوبہ کا آغاز کیا انہوں نے ۱۵/اکتوبر ۱۹۳۳ء کو جھل مگسی میں جامعہ یوسفیہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ وسیع و عریض رقبے پر محیط جامعہ یوسفیہ بقول پروفیسر محمود علی شاہ جو انہوں نے ایک سیمینار میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''جامعہ یوسفیہ اب بھی رقبے کے لحاظ سے بلوچستان یونیورسٹی سے بڑا ہے اور اس کے ہاسٹلوں کی تعداد بلوچستان یونیورسٹی سے زیادہ ہے۔ جواب بھی یونیورسٹی بننے کا اہل ہے''۔ کوٹ یوسف علی اور پنجک میں پرائمری سکول تعمیر کئے تاکہ تعلیم کے زیور سے آراستہ نسل مستقبل میں حقیقت پسندی سے قومی وحدت کی تعمیر نو کے لئے آگے بڑھے اور اپنے قبیلے کو جہالت کے اندھیروں سے نکالنے اور روشنی کی طرف راغب کرنے کیلئے کام کرے۔

ہاسٹل کی تعمیر اور لازمی نظام تعلیم:

میر یوسف عزیز نے تعلیمی اداروں کے ساتھ ساتھ دور دراز سے آئے ہوئے غریب و نادار طلباء کے لئے رہائش کی غرض سے ہاسٹل بھی تعمیر کروائے جہاں قیام و خوراک کا انتظام جامعہ کی طرف سے تھا پانچ سے نو سال کی عمر تک کے بچوں کے لئے لازمی تعلیم کا حکم جاری کیا اور اپنی زرعی آمدنی کا دسواں حصہ تعلیم پر خرچ کرنے کا فیصلہ کیا۔ علاقے کی تعلیم کے انتظام کے لئے ایک علیحدہ افسر مقرر ہوا جسے ناظم جامعہ یوسفیہ کہتے تھے۔ میر یوسف عزیز جو علم کے دلدادہ اور صاحب بصیرت انسان تھے۔ وہ وسیع ذہن عوامی فکر اور لاتعداد صلاحیتوں کے مالک تھے دور اندیش اور معاملہ فہم نوجوان تھے۔ خدا کے فضل و کرم سے مگسی قبیلے کو ایک ایسا نوجوان نواب ملا جو اجتماعی قبائلی مفادات کو انفرادی مفادات پر مقدم سمجھتا تھا جو اپنے ذاتی اخراجات کو اجتماعی قبائلی فلاح و بہبود کے تصرف میں لاتا تھا۔

جریدہ 'ینگ بلوچستان' جامعہ یوسفیہ اور جھل کے شاندار مستقبل کے بارے میں یوں تبصرہ کرتا ہے: ''عرب کے زمانہ جاہلیت کی یاد تازہ کرنے والا جھل نہ صرف جہل بلکہ حقیقی معنوں میں جہل کا مرکب تھا' یہاں کے باشندے شراب بھنگ اور افیون اور چرس جیسی نجس و ناپاک منشیات کے سحر میں مبتلا تھے۔ ان منشیات پر پابندی کے قانون نے ان کو تحت الثریٰ تک پہنچنے سے پہلے جگا دیا۔ علاقے کا بچہ بچہ اپنی کھوئی ہوئی اور زنگ آلود قوتوں کو صیقل کرنے کے لئے میدان عمل میں کود پڑا بھلا قدرت کا اس سے بڑھ کر ان پر اور کیا احسان ہوسکتا تھا کہ ان کو نواب محمد یوسف علی خان جیسے مرد مجاہد کی قیادت نصیب ہوئی انہوں نے ان تمام

خلاف شرع رسموں کو جنکے باعث قوم کی بنیادیں کھوکھلی ہوچکی تھیں ۔اس احتیاط کے ساتھ پیوند خاک کر دیا ہے، کہ وہ قیامت تک سر نہ اٹھا سکیں۔آپ (نواب یوسف علی خان) نے اپنے قبیلہ کو مہذب اور شائستہ بنانے کے لئے نصف لاکھ کے ذاتی مصرف سے جامعہ کی بنیاد رکھی جہاں قوم کے بچے دینی اور دنیاوی تعلیم کے علاوہ علوم جدید سے بھی خاطر خواہ طور پر بہرمند ہورہے ہیں''۔(۶)

میر یوسف عزیز کے دور میں جامعہ یوسفیہ اور دیگر قائم کئے گئے پرائمری سکولوں کی بنیادیں مستحکم بنیادوں پر استوار کی گئی تھیں ''اچھے اور قابل اساتذہ باہر سے منگوائے گئے، ماہرِ تعلیم مولانا عبدالکریم کو ناظم تعلیمات 'جھل' مقرر کیا گیا جس نے ابتدائی مدارس کا نصاب تعلیم اور دستور العمل مرتب کر کے چھاپا۔ جامعہ یوسفیہ کے نصاب کی ترتیب کے لئے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے مجوزہ نصاب تعلیم کو ناخن تدبیر کی حیثیت سے ترتیب دیا گیا۔(۷)

میر یوسف عزیز علم کے پھیلانے کے لئے ہمہ وقت کوشاں رہے۔عوام میں علم کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے متحرک رہے۔اپنے قبائل کے پاس خود جاتے، انہیں تعلیم کی اہمیت اور ضرورت کے بارے میں آگاہ کرتے تھے۔اسی طرح اپنے علاقے میں قائم کئے گئے تعلیمی اداروں سے بھی برابر رابطہ میں رہتے ۔وہ بچوں میں علم کی شوق بڑھانے کے لئے جامعہ میں خود جاتے ،بچوں سے باتیں کرتے، تعلیمی حالت کا جائزہ لیتے اور ''رائے بک'' میں عملی ترقی اور عام معیار کی بلندی کے لئے تجاویز مرتب کرتے علاقے میں تعلیم عامہ کے ساتھ ساتھ بہت سی اصلاحات علاقے اور عوامی فلاح و بہبود کے لئے نافذ کیں، جو درج ذیل ہیں:

☆ کیرتھر نہر:

دریائے سندھ سے علاقہ مگسی کو سیراب کرنے کے لئے کیرتھر نہر کھدوائی، اس کی وجہ سے علاقے میں زراعت کے میدان میں انقلاب برپا ہوا۔ کیرتھر نہر سے مفلوک الحال کسانوں کو اپنی بنجر زمینیں زرخیز کرنے اور زراعت کو ترقی دینے کا عظیم موقع میسر آیا۔

☆ ڈسپنسری :

عوامی علاج و معالجہ کی غرض سے ڈسپنسریاں قائم کیں۔ جہاں میڈیکل سٹاف کی خدمات حاصل کی گئیں ۔جن کی تنخواہوں کی ادائیگیاں یوسف عزیز کی جائیداد سے ہوتی تھی، علاج و معالجہ مفت ہوتا تھا۔

☆ کوٹ یوسف علی و دیگر دیہاتوں کی تعمیر:

ایک چھوٹے سے شہر کوٹ یوسف علی کی بنیاد ڈالی جس کی گلیاں کشادہ مگر ترتیب سے تھیں، جہاں پرائمری سکول بھی تعمیر کیا۔اس کے علاوہ پنچک اور مصر دیہات تعمیر کروائے۔

☆ دارالاقامہ کا بندوبست:

مُسافروں اورغریبوں کے لئے دارالاقامہ کا بندوبست کیا یہ تمام اصلاحات ایک مختصر عرصے میں پایہ تکمیل تک پہنچائی گئیں ۔

ان تمام فلاحی کاموں کے اخراجات یوسف عزیز اپنے ہی جیب سے ادا کرتے تھے ۔

☆ لائبریری کا قیام:

کتب بینی اور علمی استعداد بڑھانے کی غرض سے جامعہ یوسفیہ میں ایک لائبریری قائم کی ،جس میں مذہبی ، سائنسی اور جدید موضوعات پرمبنی کتابیں اور بچوں کی ذہنی نشوونما کے لئے دلچسپ وسبق آموز کہانیاں ،ڈائجسٹ اور کتابیں وافر مقدار میں خرید کر لائبریری کی زیب وزینت بنائی ۔

سورج کا شہر:

سورج جوزندگی ہے۔ جسے زمانہ قدیم سے زندگی کی علامت جانا جاتا ہے ۔کائنات کی رعنائیوں کا دارومدار سورج سے وابستہ ہے ۔سورج ہی سے ہر شے کا ارتقاء (نشوونما) کا عمل ممکن ہے عظیم فلاسفر ' کمپینیلا ' نے ' سورج کا شہر' نامی کتاب تصنیف کر کے ایک خیال کوجنم دیا۔ میر یوسف عزیز طاقت اوراختیار ملتے ہی اپنے زیرکنٹرول ایک وسیع علاقہ (بقول خان عبدالصمد خان اچکزئی ایک اچھی خاصی ریاست) میں ' کمپینیلا ' کے اس خیال کوحقیقت کا روپ دینے کیلئے کمربستہ ہوکرپیش قدمی کی۔اس نے اپنے زیرکنٹرول وسیع وعریض قبائلی علاقے میں سورج کے شہر کے سربراہ '' ہو'' کا کردار نبھایا اور اپنے مشیران جن کے نام محبت،طاقت اور دانائی تھے۔محبت کے لئے مولانا ظفرعلی خان کا انتخاب کیا جس کے دل میں بلوچ عوام سے بے پناہ محبت بسی ہوئی تھی۔ طاقت کیلئے میر عبدالعزیز کرد کومنتخب کیا جوحرفوں کوالفاظ کا روپ دے کراوران الفاظ کوقلم کی زبان کے ذریعے طاقت کا ذریعہ بنانے کے خوگر تھے اور جس کا عقیدہ تھا کہ قلم کی نوک تلوار کی دھار سے زیادہ طاقت ور ہے ۔(۸)

مشیر دانائی کے لئے مستند عالم دین مسلمانان عالم کے عظیم دانشور امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد کو چنا ۔کمپینیلا کی تصنیف ' سورج کے شہر' کے سربراہ ' ہو' کے تین مشیر تھے ۔ یوسف نے اپنے مشیروں میں دومشیروں کا مزید اضافہ کیا۔ان اضافی مشیروں میں مولانا عبدالکریم جوتحریک آزادی کے سرگرم کارکن تھے اور ایک پرخلوص انسان اور دوسرا محمد امین خان کھوسہ جوآپ کے رفیق خاص تھے۔

یوسف کی ریاست ' سورج کے شہر' کے یہ مشیر آئیڈیل سماجی نظام کے خواب کوحقیقت کا روپ دینے کے لئے یوسف کے مددگار بنے۔یوسف ان سے مشہورے لیتا،ان مشوروں کو پلاننگ کی شکل دیتا اور پلاننگ کو اپنی ہی ذاتی آمدنی سے '' Impliment ' کرتا ۔ بروئے کار لاتا ، اور خود ہی ان کاموں کی نگرانی کرتا اور ان سے منافع بخش اثرات برآمد کرتا۔اپنے

مشیروں کے مشوروں سے سورج کے اس شہر کے انتظامی امور چلاتا اور سورج کے شہر کے باسیوں کے لئے معاشی ترقی کے منصوبے بھی بناتا۔ان منصوبوں پر آنے والی لاگت اور اپنی ذاتی پیداوار کے حساب کتاب کا کام بھی خود سرانجام دیتا۔

سورج کے شہر کا سربراہ یوسف اپنے ان پانچ مشیروں کے جاندار اور فائدہ مند مشوروں سے اپنی رعایا کے لئے معاشی اور سماجی ترقی کے دروازے کھولتا ہے یوسف کے زیر کنٹرول سورج کا یہ شہر اپنے دور کے آس پاس کے نوابوں کے زیر کنٹرول قبائلی علاقوں سے بنیادی طور پر مختلف انداز میں ابھر رہا تھا۔سورج کے اس شہر کے باسیوں پر صدیوں سے رائج بوسیدہ قبائلی وروایتی قوانین بدل رہے تھے ،ان کے رہن سہن کا ڈھنگ تبدیل ہورہا تھا ان کے حالات زندگی بہتر ہورہے تھے کام کاج کے جدید طریقے اپنائے جارہے تھے کسانوں کی صدیوں سے پیاسی زمینوں کی پیاس بجھانے کے لئے دریائے سندھ سے نہر نکالنے کے لئے اجتماعی طور پر کھدائی کی جارہی تھی۔عوام اس کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے نئے دیہات تعمیر کئے جارہے تھے جن کے کمرے ہوادار، صحن کشادہ اور گلیاں چوڑی تھیں ، نکاسی آب کا انتظام تھا۔صاف پانی کے حصول کے لئے کنویں کھودے جارہے تھے صحت عامہ کے لئے ڈسپنسریاں کھولی جارہی تھیں ان ڈسپنسریوں میں عوام الناس کوادویات مفت مہیا کی جارہی تھیں۔ لازمی نظام تعلیم نافذ کرکے حصول علم کے لئے سکول کھولے جارہے تھے طلباء کے لئے ہاسٹل تعمیر کئے جارہے تھے، مسافروں کے لئے سرائے تعمیر کئے گئے تھے،دارالاقامہ کا بندوبست کیا گیا تھا۔زرعی اصلاحات کے نفاذ کا اعلان کیا گیا، بے زمین کسانوں کو یوسف نے اپنی ہی جاگیر سے زمینیں دینے کا اعلان کیا۔اس اعلان کے بعد آپ کی والدہ' مائی پھلین' نے بیٹے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ آباؤ اجداد کی زمینوں کو اس طرح بانٹ رہے ہیں کیا ہم سانپ ہیں مستقبل میں مٹی پر گزارکریں گے؟ بیٹے یوسف نے کہا کہ' ماں صدیوں سے یہ بے زمین کسان سانپ بنے رہے اور مٹی پر گزارا کرتے رہے اگر ان اصلاحات سے خوشحالی ان بے زمین کسانوں کے قدم چومے اورہمیں مٹی پر گزارا کرنا پڑے تو اس پر مجھے کوئی پشیمانی نہیں ہوگی''۔(۹)

''ایک نئے دیہات مصر کا سنگ بنیاد رکھتے وقت دیہاتیوں کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ'' میں یوسف ہوں جھل کو مصر بنا کر دم لوں گا''۔(۱۰)

''مٹھو دیہات میں میر کمال خان مگسی کی عذرخواہی کے موقع پر قبائل سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ'' میں آپ لوگوں کا سردار ہوں، چھ گز کے کپڑوں پر گزارا کرتا ہوں اور آپ 12 گز کی شلوار 6 گز کا کرتا اور سر پر بھاری پگڑی پہنتے ہیں۔ مجھے ایسی رعایا نہیں چاہئے جو اپنی دولت کو فضول ضائع کررہی ہو، یوسف کے اس خطاب کے بعد قبائل نے اپنے کرتوں ،شلواروں اور پگڑی کی ناپ میں تبدیلی لاکر انہیں ضرورت کے مطابق بنایا۔(۱۱)

''کنوؤں اور تالابوں سے پانی لانے اور موسم گرما میں پانی کو ٹھنڈا رکھنے کے لئے وافر مقدار میں مٹکے لائے''۔(جو اب بھی یوسفی مٹکہ کہلاتے ہیں)۔(۱۲)

تو ہم پرستی کو غیر شرعی قرار دیا گیا۔ بھنگ کی کاشت پر پابندی لگادی گئی جو وہاں وافر مقدار میں کاشت کی جاتی تھی۔ بھنگ کی فصل کے قلع قمع کرنے کے بعد یوسف نے قبائل سے خطاب کے دوران کہا کہ ’’مجھے علی مارے تمہاری اولادوں سے میں بھنگ پینے والے پیدا نہیں ہونے دوں گا‘‘۔(۱۳)

عید کے موقع پر کوٹ سوٹ پتلون پہن کر نماز عید ادا کی، جو اس سے پہلے قبائل میں معیوب سمجھا جاتا تھا اور کہا ’’کہ میں آپ کا سربراہ ہوں پتلون پہن کر نماز ادا کر رہا ہوں پتلون پہننے میں کوئی حرج نہیں‘‘ (۱۴) اس طرح قبائل کے پڑھے لکھے لوگوں نے پتلون پہننا شروع کی، آپ نے ٹوپی پہن کر پگڑی کی جگہ ٹوپی کو رواج دیا اور اس طرح یوسف نے اپنے مشیروں کے مشوروں سے ’’سورج کے شہر‘‘ میں مروّج سماجی نظام میں بنیادی وکیفیتی تبدیلی لاکر اسے ترقی پسندانہ اور انقلابی خطوط پر بدلنے کی کوششیں کیں اور اسی طرح سورج کے شہر کی حدود میں پرانے معاشی اور سماجی تعلقات کی جگہ نئے معاشی اور سماجی تعلقات کے ظہور کو ناگزیر بنا کر پروان چڑھانا شروع کیا۔

یوسف عزیز کی سٹیٹ کونسل میں نمائندگی:

۱۹۳۲ء میں خان آف قلات خان میر اعظم خان کا انتقال ہوگیا نواب یوسف عزیز مگسی نے قبیلے کے سربراہ کی حیثیت سے شہزادہ میر احمد یار خان کے ’خان آف قلات‘ کی حیثیت سے انتخاب و دستار بندی میں حصہ لیا۔ ۲۰ رنومبر ۱۹۳۳ء کو شہزادہ میر احمد یار خان نے اپنے والد خان میر اعظم جان کی جگہ تخت قلات پر جلوہ افروز ہوئے، اور عنان حکومت سنبھال لی۔ قبل از اقتدار میر احمد یار خان کے ’انجمن اتحاد بلوچستان‘ کے رہنماؤں کے ساتھ تعلقات انتہائی قریبی اور اچھے تھے۔ میر احمد خان میر اعظم جان کے بیٹوں میں دوسرے نمبر پر تھے۔ بڑے بھائی شہزادہ اکرم جان نفسیاتی مرض میں مبتلا تھے۔ ذہنی حالت میں خلل کے سبب ان کے بھائی شہزادہ میر احمد یار خان کو ’’خان آف قلات‘‘ کے لئے نامزد کیا گیا۔ شہزادہ احمد یار خان نے انجمن کے رہنماؤں کو اقتدار میں آنے کے بعد نیک خواہشات اور اچھے مراسم رکھنے کا عندیہ بھی دیا تھا اور خان آف قلات میر احمد یار خان کی سربراہی میں قائم کونسل میں میر یوسف عزیز بحیثیت نواب ممبر تھے انجمن اتحاد بلوچستان کے قائد اور اسٹیٹ کونسل کے ممبر کی حیثیت سے ریاست قلات میں ذمہ دار حکومت کے قیام کا مطالبہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ سٹیٹ کونسل کے اختیارات میں توسیع بجٹ پر بحث و مباحثہ، منظوری اختیارات، اور وزراء کے کام پر تبصرہ ورائے دہی، ریاست کے اجتماعی مفاد کی دیگر سکیموں، اور وزراء کی تعداد میں اضافہ کی تحریک کونسل میں پیش کی۔ نواب یوسف عزیز مگسی سٹیٹ کونسل کے اس اجلاس کی روئیداد بتاتے ہوئے ۱۴؍اگست ۱۹۳۳ء کو قلات سے اپنے ایک مکتوب میں یوں رقمطراز ہیں۔

’’کل شام یہاں پہنچا رسمی امور کے اختتام کے بعد رات کو سردار شاہوانی (سردار محمد خان شاہوانی) کے سامنے میں نے اپنے خیالات بیان کئے ۔ سردار موصوف میرے ساتھ بالکل متفق ہوگئے اور میرے خیالات کی تعریف کی خیالات تو آپ کو معلوم ہیں، یعنی سٹیٹ کونسل کے اختیارات میں توسیع جس میں بجٹ پر بحث مباحثہ ومنظوری ، روزمرہ کے امور پر تبصرہ ورائے دہی اور ریاست کے مفاد اجتماعی کے لئے دیگر مفید سکیموں کو کونسل میں پیش کرنا اور دیگر وزیروں کی تعداد میں اضافہ شامل ہیں صبح کو نواب رئیسانی کے ساتھ بندہ نے گفتگو کی ۔ چنانچہ سید اورنگ شاہ اور نواب رئیسانی بھی متفق ہوگئے اور بندہ نے اس سکیم کو برائے مشورہ مزید خان آف قلات احمد یار خان کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے بھی کہا کہ آپ اسے سرداروں کے سامنے پیش کریں میں بصد خوشی تیار ہوں ۔ چنانچہ آدھے گھنٹے کے اندر اگرچہ دیگر رفقاء بالکل سرد پڑ چکے تھے مگر وزیراعظم کی کوشش سے سٹیٹ کونسل کے ارکان اور ایک دو اور سرداروں کو یکجا کیا۔ جس میں احمد یار خان (خان آف قلات) وزیراعظم خان بہادر گل محمد خان یہ سب موجود تھے مجھے کہا گیا کہ آپ اپنی تحریک کو پیش کریں ۔ چنانچہ بندہ نے دس پندرہ منٹ کی تقریر کے اندر اپنی تحریک پیش کی تقریر ختم کرتے ہی زرکزئی سردار (سردار رسول بخش زرکزئی) اور وڈیرہ بنگلزئی (وڈیرہ نور محمد بنگلزئی) نے بغیر کسی دلیل و حجت کے جاہلانہ طریق پر مخالفت کی ۔ مگر وڈیرہ بنگلزئی کی مخالفت بالکل جاہلانہ اور زوردار طریق پر تھی ۔ میں نے پھر ایک مختصر سی تقریر کی جس میں وزیراعظم (ریاست قلات خان بہادر گل محمد خان) نے میری تائید کی ، مگر افسوس ہے طنز آمیز جملوں سے وہ بھی بچ نہ سکے ۔ میں محسوس کرتا تھا کہ احمد یار خان (خان آف قلات) دل سے خوش ہورہا ہے ۔ مجلس کا رنگ دیکھ کر نواب رئیسانی (نواب اسد اللہ خان رئیسانی) اور شاہوانی (سردار محمد خان شاہوانی) نے بھی میرا ساتھ دیا مگر ان الفاظ کے ساتھ کہ آپ کی تحریک اچھی ہے مگر افسوس کہ حالات ویسے نہیں ۔ آخر میں، میں نے کہا کہ مجھے آپ کی حالت دیکھ کر احساس تھا کہ میری تحریک کا کیا حشر ہوگا اور میرے متعلق آپ سب حضرات کے دل میں مع شہزادہ (خان احمد یار خان) صاحب کے ذہن میں کس قسم کے جذبات پیدا ہوں گے ۔ مگر تاہم شکر ہے کہ میں اپنے ضمیر اپنی قوم اور غرباء کی ترجمانی کے فرض کے آگے تجل نہیں ہوا ، اور وقت آئے گا کہ ’’آپ یا آپ کی نسلیں پشیمان ہوں گی‘‘ عجیب قسم کے جانور ہیں (سردار صاحبان) اب میرے لئے دو راہ ہیں ایک تو یہ کہ جرگہ کے آخری دنوں میں شہزادہ صاحب کے حق میں رائے دینے کے ساتھ اپنی مندرجہ بالا اسکیم کو پیش کروں اور دوسری یہ کہ ان نا اہل سرداروں کے اختیارات اور حقوق کے خلاف اس کی ہر تحریک کی تائید کروں اور اب سرداروں کو کچلنا چاہئے ۔ ان سے سدھرنے کی امید فضول ہے‘‘ ۔ (۱۵)

یہ تھے نوجوان فرشتہ صفت انسان میر یوسف علی خان مگسی کی اپنے ہی طبقے کے بارے میں رائے ۔ واقعی اس کا طبقہ جانوروں پر مشتمل تھا جانوروں کی سی خصلت رکھتا تھا انسانیت کی بو سے دور حیوانات کے ذہن و کردار کا حامل ۔ بلکہ اس سے بھی نیچے درندگی کی صفات رکھنے والا آج تک یہ طبقہ اپنے مفادات کی راہ میں آنے والی ہر اس شے کو کچلنے میں ایک ’’مقدس اتحاد‘‘

بنائے ہوتے ہے جوکریکٹر، ذہن ،سوچ اور ادراک کے لحاظ سے ان سے مختلف ہوں۔ یہی خصوصیات ان کے طبقاتی کریکٹر سے عیاں ہے۔امتیازی سیاست سے عبارت ہے، جوان کی درندگی اور وحشیانہ شکل کو بیان کرتی ہے، جواستحصال کی بنیاداورسرچشمہ ہے اورسرداروں کا یہ مقدس اتحادناپاکی اور رجعت پسندی کے ہم معنی ہےاوران کا یہ فعل رجعت پسندانہ سیاست کو پروان چڑھاتا ہے۔ رجعت پسندانہ سیاست کی داغ بیل ڈالتا ہے۔سرداروں کا یہ انسان اور سیاست دشمن رویہ ابھی تک جاری ہے اورنہ جانے کب تک یہ سلسلہ چلتا رہے گااور ہم سرداروں کے اشاروں پرڈگڈگی (بندر نچانے والی ڈفلی) پرناچتے رہیں گے۔

حوالہ جات:

۱۔ سرکاری دستاویزات۔۱۹۳۳ء

۲۔ میرگل خان نصیر’’یادوں کے ادبار‘‘

۳۔ ایضاً

۴۔ خان صمد خان اچکزئی’’زما ژوند‘‘ جلددوئم۔ص ۴۵۰

۵۔ ڈاکٹرشاہ محمد مری ’’یوسف عزیز مگسی‘‘ص۔۹۲

۶۔ ینگ بلوچستان۔کراچی۱۹۳۴ء

۷۔ ڈاکٹرانعام الحق کوثر۔مکاتیب یوسف عزیز مگسی

۸۔ میرعبدالعزیز کرد۔خودنوشت سوانح۔بلوچی دنیا۔جون، جولائی۔۱۹۶۸ء

۹۔ واحد بخش مگسی، گفتگو۔ ۲۰۰۲ء

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ ڈاکٹرانعام الحق کوثر۔مکاتیب یوسف عزیز۔ ۱۹۷۸ء

۱۴۔ واحد بخش مگسی، گفتگو۔ ۲۰۰۲ء

۱۵۔ ڈاکٹرانعام الحق کوثر۔مکاتیب یوسف عزیز۔ ۱۹۷۸ء

باب دوازدہم

بلوچ میڈیا

قومی اخبارات کا اجراء :

سلسلہ وار مضامین اور قومی اخبارات کے اجراء کے سلسلے میں میر عبدالعزیز کرد پر جیکب آباد بلوچ کانفرنس کے اختتام کے بعد جو ذمہ داری عائد کی گئی تھی ، کام کی زیادتی کی وجہ سے وہ قومی اخبارات کے اجراء کے اہم فریضہ کے لئے کوئی قابل عمل لائحہ عمل طے نہ کر پائے تھے کہ حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے انجمن نے حیدر آباد کانفرنس کا اعلان کر دیا۔ اس طرح میر عبدالعزیز کرد اپنے رفقاء کار کے ہمراہ حیدر آباد کانفرنس کی تیاریوں کے سلسلے میں سرگرم عمل ہوئے ’’ حیدر آباد بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس ‘‘ کے اختتام پر میر عبدالعزیز کرد ، میر یوسف عزیز کی مشاورت سے قومی پریس کے قیام کی غرض سے اپنے دو رفیقوں محمد حسین عنقاء اور پیر بخش نسیم تلوی کو ساتھ لے کر لاہور گئے وہاں کے حالات کو اخبار کے اجراء کے لئے سازگار نہ پا کر دہلی کے سفر پر روانہ ہوئے ۔ دہلی پہنچنے کے بعد میر عبدالعزیز کرد نے ’’ ینگ بلوچستان ‘‘ کے نام سے ایک اخبار جاری کیا ، جو ہفتہ وار تھا لیکن اس اخبار کا صرف پہلا شمارہ شائع ہو سکا۔ دہلی سے جریدے کے اجراء کو بلوچستان تک رسائی کے لئے موافق نہ سمجھتے ہوئے آپ اپنے رفقاء کے ساتھ لاہور آئے ۔ مولانا ظفر علی خان سے صلاح و مشورے کے بعد میر عبدالعزیز کرد اپنے دونوں رفقاء کے ہمراہ کراچی آئے اور مولوی محمد عثمان صاحب اور قاضی عبدالصمد سر بازی کی رفاقت میں نکلنے والے ایک اخبار ’’ البلوچ ‘‘ کے ساتھ محمد حسین عنقاء اور نسیم تلوی کو نتھی کر دیا کچھ عرصہ بعد پیر بخش نسیم تلوی ایک اور اخبار ’’ بلوچستان جدید ‘‘ کے اجراء میں کامیاب ہوئے ۔ (۱)

میر عبدالعزیز کرد کراچی سے جب واپس بلوچستان پہنچے تو گرفتار کر لئے گئے اس طرح میر عبدالعزیز کرد اپنی گرفتاری سے قبل قومی اخبار کے اجراء کے سلسلے میں کامیابی سے ہمکنار ہوئے تھے کچھ عرصہ بعد آپ کے رفیق خان عبدالصمد خان اچکزئی بھی گرفتار کئے گئے ۔ میر عبدالعزیز کرد اور خان عبدالصمد خان اچکزئی کی گرفتاری اور پر کٹھن حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے کئی نوجوانوں نے ملازمتوں سے مستعفی ہو کر کراچی کا رخ کیا کراچی کو اپنا مرکز بنا کر بلوچستان کے عوامی مطالبات اور علاقائی و سیاسی مسائل کو اجاگر کرنے کے لئے قومی اخبارات کے اجراء کے سلسلے میں مصروف ہوئے سبی کے عطاء محمد مرغزانی نے کراچی سے کلمتہ الحق جاری کیا اور اسی طرح قاضی مجتبیٰ کی قیادت میں ’’ آفتاب ‘‘ جاری ہوا اخبارات کی ادارات نوجوانوں کے ہاتھوں میں تھی جو تند و تیز مضامین اور اداریوں کے ساتھ محو سفر تھے ایک اخبار پر پابندی لگنے کے بعد دوسرا جاری ہوتا دوسرے کی بندش پر تیسرا۔ اسی طرح بندش اور اجراء کا سفر جاری تھا اسی طرح مراد آوارانی کی ادارت میں انصاف جاری ہوا۔ پھر یکے بعد

دیگرے کاروان، اتحاد بلوچاں بولان، حقیقت اور بلوچستان نامی اخبارات صحافت کے افق پر روشن ستاروں کی طرح جگمگاتے رہے۔ ان اخبارات کے ماتھے پر میر یوسف عزیز کا نام سرپرست کے حوالے سے جھومر کی طرح چمکتا تھا۔ میر یوسف علی خان کی زیر سرپرستی میں ان اخبارات نے بلوچستان کی سیاسی وقومی بیداری میں اہم رول ادا کیا۔ صحافت اور سیاست کے میدان میں بلوچستان کے سیاسی سماجی اقتصادی اور تعلیمی مسائل پر بلاجھجک مضامین لکھے جو ہماری قومی بیداری کی تاریخ میں روشن باب کی طرح زندہ وجاوید ہیں۔

بلوچستان جدید ودیگر اخبارات کا اجراء:

پیر بخش نسیم تلوی نے ''بلوچستان جدید'' جریدے کی اجازت حاصل کر لی، جس کا پہلا شمارا یکم مارچ ۱۹۳۴ء کو جاری ہوا۔ محمد حسین عنقاء اس اخبار میں معاون کے طور پر فرائض انجام دینے لگا۔ جریدے کا سرپرست یوسف علی خان اور پالیسی یوسف علی خان اور عبدالصمد اچکزئی کے سیاسی نقطہ نظر پر رکھی گئی، جنہوں نے بلوچستان میں احتجاجی تحریک کی ابتداء کی۔ حقیقتاً یہ جریدہ ان ہی کی کاوشوں کا نتیجہ ہے''۔ (۲)

اخبار کے اغراض ومقاصد ان خطوط سے آشکار ہوتے ہیں، جو کہ پیر بخش نسیم تلوی اور محمد حسین عنقاء نے مولانا ظفر علی خان ایڈیٹر روزنامہ ''زمیندار'' لاہور، ڈاکٹر مختیار احمد انصاری ''دریا گنج دہلی، مولانا ابوالکلام آزاد ''سٹور گنج'' کلکتہ، مولانا کفایت اللہ مفتی صدر آل انڈیا جمعیت العلماء دہلی کو لکھے گئے خطوط میں ہے۔ جس کا متن حسب ذیل ہے:

> ''بلوچستان میں انگریزوں کے جبر وتشدد بلوچستان کے حقیقی باشندوں کو غلامانہ، بے یار ومددگار خصوصی طور پر حال ہی میں عوامی رہنماؤں کی گرفتاریاں محسوس کرتے ہوئے ہم نے کراچی سے ایک ہفتہ وار جریدے کا ڈکلریشن ''بلوچستان جدید'' کے نام سے حاصل کیا ہے کہ جو کہ یکم مارچ ۳۴ سے جاری ہوگا اور اسے ہم بروقت آپ کے لئے بذریعہ ڈاک روانہ کریں گے۔
>
> ہم دل کی گہرائیوں سے چاہتے ہیں کہ ہم ان مراحل سے گزریں جو کہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کو حاصل ہیں اور یہ اکیلے اور خود رو نہ ہوں، اور کشور ہندوستان کی تحریک میں کسی سے پیچھے نہ ہوں۔
>
> یہ بات باعث مسرت ہے کہ مادر بلوچستان کے بلوچ اور پشتون اب بیدا رہو چکے ہیں اور باعزت طور پر زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ اگر پہلے اور دوسرے شمارے میں نہیں ہیں تو جریدے کی تیسرے شمارے میں آپ حضرات کے بہت زیادہ حوصلہ افزاء پیغامات لازمی ہیں امید

ہے کہ آپ اس سے روگردانی نہ کریں گے ہندوستان کا بلوچستان کے ساتھ بہتر تعلقات کو استوار کریں گے۔ جیسے فوج اور کمانڈر ویسے ہی تحریک ہند کا بلوچ عوام کے ساتھ رشتہ استوار کریں گے ہم آپ حضرات کے پیغامات کو اپنے لئے روحانی حوصلہ اور نیک فال چاہتے ہیں۔

ہم ایک بار پھر استدعا کرتے ہیں کہ پہلی فرصت میں ہمارے جریدے کے لئے اپنا حوصلہ افزاء پیغام روانہ کریں۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ ہماری تحریک کے ابتداء کرنے والوں سے واقف ہیں جو کہ نواب یوسف علی خان اور عبدالصمد خان ہیں۔

ہمارے جریدے کی پالیسی وہی ہوگی جو کہ ان کا نقطہ نظر ہے اس جریدے کا اجراء ان کی کوششوں کا ثمر ہے''۔(۳)

بلوچستان جدید کے پہلے شمارے کے اداریے میں بلوچستان کے سیاسی کارکنوں کے قومی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے اس بات کا اعادہ کیا گیا کہ ''بلوچستان جدید بلوچستانیوں کو جگا کر دنیائے جدید کی قوموں کے برابر کھڑا کرنے کی کوشش کرے گا۔ بلوچستان جدید نہ محض خود آئین وقانون کا پابند ہوگا بلکہ بلوچستان کے پہاڑی باشندوں کو بھی آئین کی تلقین کرے گا اور حکومت کو بروقت بلوچستانیوں کی فریاد سنائے گا کہ وہ آئینی وقانونی ہونے کے لئے بے تاب ہیں ان کے اس فطری و بشری حق کو مستقل قریب میں انہیں دیا جائے، بلوچستان جدید اس کا گرویدہ ہے اس لئے وہ اپنا مقصد امن رکھے گا۔ بلوچستان جدید کسی ایک کی ذاتی ملکیت نہیں اور نہ ہی تجارتی اغراض سے جاری کیا گیا ہے یہ قومی اخبار ہے جو بلوچستان کے سوئے ہوئے باشندوں کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر خواب غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کرے گا اور انہیں آنے والی زندگی کی دوڑ کے لیے تیار کریگا، ان میں ان کی تکالیف اور ضروریات کا احساس پیدا کریگا''۔

مولانا ظفر علی خان بلوچستان جدید کا خیر مقدم کرتے ہوئے زمیندار کے اداریے میں یوں رقم طراز ہیں۔ ''بلوچستان میں قومی بیداری کی لہر جس حد تک پھیل چکی ہے اس پر گزشتہ چند ماہ کے واقعات بخوبی روشنی ڈالتے ہیں اور حال میں دو قومی رہنماؤں کی گرفتاری نے باب امید کے قفل توڑ کر رکھ دیئے ہیں۔ بلوچستان کی راہ تاریک پر ہر طرف کامیابی کی شعاعیں جھلک رہی ہیں اور نوجوانانِ بلوچستان عبدالعزیز کرد اور خان عبدالصمد خان اچکزئی کے نقش قدم پر چلنے والے ہزار ہا عبدالعزیز اور عبدالصمد پیدا ہو چکے ہیں اور وہ دن دور نہیں جب بلوچستان کے پسماندہ باشندے مطلق العنانی اور استبداد کی زنجیریں توڑ کر آزادی اور اطمینان کے ماحول میں زندگی بسر کریں گے''۔

بلوچستان کے اس امید افزاء دور جدید کے ساتھ ہمیں یہ معلوم ہو کر خوشی محسوس ہوئی ہے کہ پیر بخش صاحب نسیم اور محمد حسین صاحب عنقاء کی کوششوں نے کراچی سے ایک نئے جریدے 'بلوچستان جدید' کے اجراء کی بنیاد رکھ دی ہے جو یقیناً نئے بلوچستان کے تازہ آثارِ حیات کو صیقل کرنے اور ملک کے طول وعرض میں آزادی کی روح پھونکنے کے لیے ایک صحیح آلہ کار ثابت ہوگا۔

ہم اپنے نئے معاصر کا تہہ دل سے خیر مقدم کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ وہ اپنے حقیقی فرائض پر کاربند رہ کر ابدال آباد تک خدمت قوم و وطن کرنے کے قابل ہو سکے۔ ساتھ ہی ہم نواب یوسف عزیز مگسی کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں کہ آزادی وطن کے اس خواب کے شرمندہ تعبیر ہونے کا وقت آ گیا ہے جسے وہ چشم پر حسرت سے ایک عرصہ سے دیکھ رہے تھے اور امید ہے کہ 'بلوچستان جدید' اپنے لائحہ عمل کو نواب صاحب کی خواہشات کے مطابق مرتب کر کے سرزمین بلوچستان کو مصائب دائمی سے رہا کرانے کا موجب ہوگا۔

بلوچستان جدید کے منظر عام پر آتے ہی سندھ بلوچستان اور پنجاب کے سیاسی کارکنوں میں اسے بڑی پزیرائی ملی، بلوچستان جدید قومی وعوامی احساسات کو اجاگر کرنے کے لیے اپنے فرائض انجام دیتا رہا۔ کھٹن ومشکل حالات میں قومی فرائض سے غافل نہ رہا، میر یوسف عزیز، میر عبدالعزیز وخان صمد خان کے تحریک کے اغراض ومقاصد پر کاربند رہتے ہوئے اپنے عوام کو حالات وواقعات سے باخبر رکھتے ہوئے مستقل مزاجی کے نقش پر کاربند رہا۔ حاکمان وقت کی طرف بلوچستان میں تو اس کے داخلے پر پابندی تھی بلوچستان جدید پڑھنا ایک جرم کبیرہ گردانا جاتا تھا۔ ریاستی سردار اپنے اپنے قبائل میں اس اخبار کو پڑھنے اور اس کے نظریات سے دور رہنے کی تبلیغ کرتے تھے ان مشکل حالات میں انتہائی خفیہ طریقے سے بلوچستان جدید کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ، دوسرے سے تیسرے ہاتھ پہنچایا جاتا رہا۔

بل آخر حکومت نے بلوچستان جدید کو خطرے کی گھنٹی خیال کرتے ہوئے اس پر پابندی اور ۲۴؍جولائی ۱۹۳۴ء کا شمارا نمبر ۱۶ شائع ہوتے ہی اس کی پالیسوں کو خلاف قانون قرار دیتے ہوئے ایک ہزار روپے کی ضمانت داخل کرنے کا حکم صادر ہوا۔

حکومت ممبئی نے اپنے ایک نوٹس کے ذریعے پیر بخش ولد خدا بخش بلوچ پبلشر بلوچستان جدید کو ذیل کا حکم نامہ جاری کرتے ہوئے کہا کہ'' آپ پیر بخش بلوچ'' نے ۹؍فروری ۱۹۳۴ء ایڈیشنل ڈسٹرکٹ جج کے روبرو پریس اینڈ ریگولیشن ایکٹ ۱۸۶۷ء بلوچستان جدید کے پرنٹر اور پبلشر ہونے کا اعلان کیا تھا۔

آپکا اخبار ۱۸ اور ۱۶؍اپریل ۱۹۳۴ء کی اشاعت کے دو مضامین سیکشن (۴) سب سیکشن (۱) انڈین پریس ایکٹ ایمرجنسی پاورس ایکٹ ۱۹۳۱ء کی زد میں آنے والے نوعیت کے ہیں۔

اس لیے آپ پیر بخش ولد خدبخش بلوچ کو اخبار کے پرنٹر و پبلشر ہونے کی حیثیت سے حکم دیا جاتا ہے کہ ''سب سیکشن ۳/۷ سیکشن ۷ ایکٹ ۱۹۳۱ کے مطابق ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کراچی کے پاس ۳۰/ جولائی ۱۹۳۴ء سے پہلے پہلے ایک ہزار روپے کی ضمانت داخل کریں''۔

اس حکم نامے کی تفصیلات میں بلوچستان جدید کے دو اداریوں کو خلاف ضابطہ قرار دیا گیا جس کے عنوانات یوں ہے۔

پرچہ ۸/ اپریل کا اداریہ حصول اصلاحات کے لیے قربانی ضروری ہے پرچہ ۱۶/ اپریل پشین کے اسپیشل جرگہ نے مجاہد بلوچستان خان عبدالصمد خان اچکزئی کو تین سال کی سزا دے دی۔ بلوچستان جدید کا ضمانت داخل نہ ہوسکا کراچی سے نکلنے والا یہ پرچہ بند ہوا۔

ینگ بلوچستان: محمد حسین عنقاء جو پہلے ہی سے محمد عیسی ولد دلمراد کے سہ روزہ اخبار ''ینگ بلوچستان'' میں نگران کے طور پر اپنے قومی فرائض سرانجام دے رہے تھے اور نسیم تلوی اپنے قلم سے مختلف جریدوں میں قومی خدمات سرانجام دے رہے تھے انہوں نے اپنی محنت اور قومی لگن کے جذبے سے ینگ بلوچستان کو عروج بام تک پہنچایا۔

نجات: یوسفی تحریک کے ایک رہنما غلام محمد دریا خان نے کراچی سے سہ روزہ نجات کے ڈکلیریشن میں کامیابی حاصل کی اور نسیم تلوی محرر خصوصی اور محمد حسین عنقاء کو نگران مقرر کر کے ۱۲/ دسمبر ۱۹۳۴ء کو نجات کا پہلا شمارہ جاری کیا۔ جو یوسفی اغراض و مقاصد کو پالیسی بنا کر آگے بڑھا۔ جس کے پہلے اداریے میں بلوچستان میں اصلاحات اور ریاست قلات کا مسئلہ اصلاحات پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنا قومی فرض نبھایا۔

رہنمائے بلوچ: بلوچ کانفرنس نواب شاہ کے مقیم رہنماؤں نے ''رہنمائے بلوچ'' نامی جریدے کا اجراء کر کے کانفرنس کے اغراض و مقاصد کی تشہیر اور قومی بیداری کے احساس کو اُبھارنے کے لیے عملی طور پر میدان میں کود پڑے۔

ترجمان بلوچ: بلوچ کانفرنس کراچی کے متحرک رہنما مولوی محمد عثمان بلوچ کی سرپرستی میں ایک ہفتہ وار اخبار ''ترجمان بلوچ'' زیر ادارت طباعت واشاعت مولوی محمد حسین بلوچ جاری کیا گیا۔ اس جریدے کا پہلا شمارہ جولائی ۱۹۳۴ء میں کراچی سے شائع ہوا۔ اس خبار نے یوسفی تحریک کے ترجمانی کے فرائض انجام دینے میں حتی الوسع کوششوں کو بروئے کار لایا۔

نقیب کراچی: خدمت خلق وقومی و وطنی جذبات سے سرشار نقیب کراچی نے اپنے صحافتی سفر کا آغاز جولائی ۱۹۳۴ء سے کیا۔ اس کے پبلشر و ایڈیٹر کے فرائض شیخ عبدالعزیز نے سرانجام دی۔ اس اردو جریدے کی زبان و بیان صاف اور شستہ تھا۔ مضامین کا معیار عام سطح سے بلند تھی۔

کلمتہ الحق: سبی کے قومی کارکن عطا محمد مرغزانی نے کراچی سے قومی جذبات سے سرشار ہفت روزہ کلمتہ الحق جاری کیا جو قومی وملی جذبات کو اُبھارنے میں مصروف جہد رہا۔

آفتاب۔ قاضی مجتبیٰ حسین کے زیرِ نگرانی نکلتا رہا۔

انصاف۔ مراد آوارانی اس جریدے کے پبلشر تھے۔

پیر بخش نسیم تلوی اور محمد حسین عنقاء اِن تمام اخبارات سے منسلک رہے۔ان کی ادارت اور نگرانی کے فرائض دیتے رہے۔

سبی سے کلمتہ الحق کا اجراء کی درخواست:

بلوچ کانفرنس کے رہنما میر عطا محمد خان مرغزانی نے پولیٹیکل ایجنٹ سیوی کو درخواست دی تھی کہ ان کو ہفتہ وار کلمتہ الحق شائع کرنے کی اجازت دی جائے ایک طویل صبر آزما خاموشی کے بعد چیف کمشنر بلوچستان نے ان کو کلمتہ الحق شائع کرنے کی اجازت دیدی۔ (نجات ۲۱/مارچ ۱۹۳۵ء) کلمتہ الحق کا اجراء پریس اینڈ بکس رجسٹریشن ایکٹ کے نفاذ سے عمل میں آیا۔

بلوچستان گورنمنٹ کے ایک سرکاری اعلان کے مطابق پریس اینڈ بکس رجسٹریشن ایکٹ ۱۸۶۷ء جو اس سے پہلے بلوچستان میں نافذ نہ تھا۔بلوچستان کے ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل اینڈ چیف کمشنر کے نوٹیفکیشن نمبر ۱۹۔ ایس سی کے مطابق ۹ جنوری ۱۹۳۵ء سے سارے بلوچستان میں نافذ کر دیا گیا واضح رہے اس سے پہلے بلوچستان سے کسی اخبار یا کتاب کے شائع ہونے کی اجازت نہ تھی ڈکلیریشن کی اجازت ملنے کے بعد اجراء کے لیے بھاری زرِ ضمانت داخل کرنے کی وجہ سے بڑی دیر تک یہ جریدہ تعطل میں رہا جس کی وجہ ارباب اقتدار کی طرف سے میر عطا محمد مرغزانی کو بھیجا گیا وہ جواب ہے جسکا متن ذیل ہے:

''میر عطا محمد مرغزانی کو اس کی مورخہ ۲۳/دسمبر ۱۹۳۴ء کی درخواست بابت اجراء اخبار کا جواب یہ دیا جائے کہ سائل کی درخواست کہ اس کو سیوی سے اخبار چھاپنے کی اجازت دی جائے اِن شرائط کے ماتحت منظور کی جاتی ہے کہ اخبار چھاپنے سے قبل ڈیکلریشن زیر دفعہ ۴، ۵ پریس رجسٹریشن وبکس ایکٹ ۱۸۶۷ء داخل کرے اور ساتھ ہی مجریہ دفعہ ۳ (۱) اور ۷ (۱) انڈین پریس ایکٹ ۱۹۳۱ء کے مطابق ایک ہزار روپے اخبار اور ایک ہزار پریس کے لئے ضمانت بھی داخل کر دے۔ نیز میر عطا محمد مرغزانی کی توجہ خاص طور پر مجریہ ۴/انڈین پریس ایکٹ ۱۹۳۱ء کی طرف دلائی جائے اور تنبیہ وہدایت کردی جائے کہ ان کی خلاف ورزی نہ کی جائے''۔حالانکہ کلمتہ الحق کی پالیسی دیکھے بغیر ضمانت بیشتر سے طلب کرلی۔

محترم عطا محمد مرغزانی سبی کے مشہور ومعروف سردار والہاری خان مرغزانی کے بیٹے تھے۔والد انگریز حکمرانوں کے وفاداروں میں شمار ہوتے تھے۔جنگِ عظیم میں آپ کے والد نے انگریزوں کی خدمت گزاری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔

محترم عطا محمد مرغزانی بلوچستان کے سردار خیل گرانوں میں پہلے فرد تھے جو ایف ۔اے پاس تھے۔ میر عطا محمد کی علمی قابلیت صرف ڈگریوں تک محدود نہ تھی بلکہ آپکا علمی معیار اور ادبی استعداد و بلند مرتبے پر تھا۔جوانی سرکاری ملازمت میں گزاری ۔آپ اپنی قابلیت کردار و اخلاق کی وجہ سے اسسٹنٹ کمشنر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔سرکاری جرگہ کے ممبر تھے۔ذمہ دار زندگی گزارتے تھے۔طرز زندگی سادگی سے لبریز تھا۔نہائت حلیم الطبع ،منکسرالمزاج اور خوش اخلاق طبیعت کے مالک تھے۔ان تمام خدمت گزاریوں کے باوجود پالیسی وضع ہونے سے قبل ضمانت داخل کروانا حکومت بلوچستان کے ذمہ داروں کا صرف اور صرف ایک بہانا تھا۔جو پبلشر کو اپنے پابندیاتال دینے کے مترادف تھا۔اس طرح کلمتہ الحق کا سبی سے اجراء ہونے سے قبل گلہ گھونٹا گیا۔حکومت کا یہ اقدام بلوچستان میں پریس اینڈ پبلیکیشنز ایکٹ کے ماتھے پر ایک بدنما داغ کے طور پر ظاہر ہوا۔

اصلاح بلوچستان:

عبدالقدوس اچکزئی گلستان بلوچستان سے اصلاح بلوچستان کے اجراء کی درخواست دیدی تھی جو اسے مل گئی ۔لیکن اس جریدے سے بھی وہی سلوک کیا گیا جو کلمتہ الحق سے روا رکھا گیا۔بھاری زرضمانت طلب کرنے کے باعث جریدے کا اجراء نہ ہوسکا۔یہ تھا بلوچستان میں پریس اینڈ پبلیکیشنز ایکٹ کا وہ ڈھونگ جو بلوچستانیوں کے ساتھ روا رکھا گیا۔

پرمغز انقلابی مضامین کا سلسلہ:

پہلی بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کے اختتام کے فوراً بعد ہائی کمانڈ کے ایک اجلاس میں میر عبدالعزیز کرد کو بلوچستان کے مسائل اجاگر کرنے کے لئے ہندوستانی میڈیا خاص کر اخبار’’ زمیندار‘‘ مولانا غلام رسول مہر کے اخبار’ ’انقلاب‘‘ اور’’ آزاد‘‘ سے ربط اور بلوچستان کے حوالے سے قومی اخبارات کے اجراء کی جو ذمہ داری سونپی گئی تھی ان کی بجا آوری کے لئے میر عبدالعزیز کرد نے ہندوستانی اخبارات میں بلوچستان کے سلگتے ہوئے مسائل اور انجمن اتحاد بلوچستان کے موقف کو اجاگر کرنے کے لئے حقیقت پر مبنی پرمغز مضامین کا سلسلہ شروع کیا۔لاہور سے نکلنے والے ان جریدوں میں ریاست اور بلوچستان کے عوام کو سرداری نظام اور انگریزی اقتدار اعلیٰ کے خلاف جمہوری آور آئینی طریقوں پر جدوجہد کرنے کی ترغیب دی گئی تھی۔میر عبدالعزیز کرد نے اپنے پرمغز انقلابی مضامین کے ذریعے انگریزی سامراج سرداری نظام کے خلاف اور ریاست قلات میں آئینی حکومت کے قیام اور تاریخی جغرافیائی اور قومی بنیادوں پر سرزمین بلوچستان کے حصول کو موضوع بنایا۔

ریاست قلات اور حکومت برطانیہ کے مابین معاہدات کو زیر بحث لاتے ہوئے متحدہ بلوچستان کے حصول اور ذمہ دار حکومت کے قیام کو انجمن کا نصب العین قرار دیا۔

اور پہلی بار تاریخی جغرافیائی اور قومی بنیادوں پر متحدہ بلوچستان کا نقشہ جاری کیا۔

لاہور کے اخبارات ''آزاد، زمیندار، انقلاب'' میں تاریخی جغرافیائی اور قومی بنیادوں پر بلوچ علاقوں پر مبنی سرزمین بلوچستان کے حصول کے لئے رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے انگریز سامراج، سرداری نظام کے خلاف اور ریاست قلات میں آئینی حکومت کے قیام کے لئے قلم سے ہتھیار کا کام لے کر بلوچستان میں اصلاحات کے نفاذ پر زور دیا۔

میر عبدالعزیز کرد کے مضامین اور ان میں کیئے گئے مطالبات بلوچ قوم کی نئی پود کی امنگوں اور آرزوؤں کے آئینہ دار تھے۔ ان مضامین میں قومی و علاقائی اہم مسائل کو زیر بحث لا کر درج ذیل مطالبات کیئے گئے۔

۱۔ بلوچستان کے مستجار علاقوں پر برطانوی اجارہ داری اور ریاست قلات وحکومت برطانیہ کے مابین معاہدات منسوخ کر کے ان علاقوں کو ریاست قلات میں شامل کیا جائے۔

۲۔ ریاست قلات میں عوام کے منتخب نمائندوں کی اسمبلی قائم کی جائے۔

۳۔ لسبیلہ، خاران، مری اور بگٹی کے بلوچ قبائلی علاقوں کو (جو ریاست قلات کے حصے ہیں) قلات قومی حکومت میں شامل کیا جائے۔

۴۔ ڈیرہ غازی خان اور بالائی۔ سندھ کے خالص بلوچ علاقوں کو بلوچستان میں شامل کیا جائے۔

ان مطالبات کے علاوہ میر عبدالعزیز کرد رائے عامہ ہموار کرنے اور بلوچستان کے مختلف مسائل پر سیر حاصل بحث کے ذریعے تبصرے کر کے ان ہی مسائل کی بنیادوں پر اپنے عوام کو انجمن کے پرچم تلے مستقل جدوجہد کے لئے ابھارنے کا فریضہ انجام دے رہا تھا۔ میر عبدالعزیز کرد نے ان مضامین میں سچائی اور حقیقت پسندی سے حالات و واقعات اور مسائل کو مدنظر رکھ کر ٹھوس موقف اپنایا اور اپنے اس موقف کو عملی جامہ پہنانے کے لئے سیاسی صف بندی پر زور دیا اور ساتھ ہی خود بہ نفس نفیس ہندوستان کے دورے کیئے۔ برٹش سامراج کے خلاف نبرد آزما مختلف سیاسی رہنماؤں سے مل کر انہیں انجمن کے موقف اور بلوچستان کے مسائل اور کروٹ لینے والے حالات و واقعات سے آگاہ کیا۔ میر عبدالعزیز کرد کے ان سلسلہ وار مضامین اور انقلابی مقالات نے ریاست قلات کے اندر سیاسی حالات میں نمایاں تبدیلی پیدا کی اور بیرون بلوچستان خاص کر برصغیر کی سیاسی فضاء کی ریاست قلات کی قومی جدوجہد کے ساتھ یکجہتی پیدا کرنے میں بہت مدد کی ان ہی مضامین کے ذریعے میر عبدالعزیز کرد نے ریاست قلات کے اندر ابھرنے والی سیاسی تحریک کو برصغیر میں روشناس کرانے میں اہم رول ادا کیا ان ہی مضامین کے ذریعے انہوں نے انگریزی مفادات کے تحت ریاست قلات کے حصے بخرے کرنے کی سازشوں سے نقاب اٹھایا اور بلوچ عوام کو اپنے وطن کے حصول کے لئے ٹھوس جامع پروگرام دیگر سیاسی جدوجہد کے لئے ابھارا۔

میر یوسف عزیز مگسی کے رفیق کار میر عبدالعزیز کرد اپنے قلم کی آتش بیانی سے بلوچوں کے سوئے ہوئے جذبات میں ارتعاش پیدا کر کے انہیں قومی بنیادوں پر منظّم کر کے سیاسی جدوجہد کے لئے ابھار رہا تھا۔ میر عبدالعزیز کرد اپنی قومی ذمہ داریوں کو

نبھاتے ہوئے اپنے مضامین کے ذریعے ایک طرف اپنے عوام کو ایک قومی لڑی میں پرونے کا کام سرانجام دے رہا تھا تو دوسری طرف وہ ریاستی و برطانوی حکمرانوں کے کالے کرتوتوں کا پردہ چاک کرنے اور ان سے اپنے عوام اور برصغیر کے سیاسی زعماء کو باخبر رکھنے کے لئے قلم کی نوک سے تیز دھار تلوار کا کام سرانجام دے رہا تھا۔

میر عبدالعزیز کرد کے سلسلہ وار مضامین انقلابی خیالات اور حالات و واقعات پر تجزیوں کے باعث ریاست قلات کے اندرونی حالات ایک تشویش ناک صورتحال کی طرف بڑھ رہے تھے جسے بھانپتے ہی حکومت برطانیہ نے ریاست قلات کے خان میر احمد یار خان اور برٹش بلوچستان کے ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل اے جی جی کو میر عبدالعزیز کرد کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔

گرفتاریوں پر امین کھوسہ کا اظہار خیال:

ستیزہ کار رہاہے ازل سے تا امروز چراغ مطفوی سے شرار بولہبی
حیات شعلہ مزاج وغیور وشور انگیز سرست اسکی ہے مشکل کشی جفا طلبی

مجھے اپنے خیالات کی ترجمانی کے لیے بے ضرر قانون کی گرفت سے محفوظ، معصوم اور نرم الفاظ کی تلاش میں کریم اللغات اور غیاث اللغات کی ورق گردانی کی ضرورت نہیں اور نہ ہی اس مضمون کی بسم اللہ حکومت اور سردارانِ قوم کی قصیدہ خوانی قرار دینی ہے۔ کیوں کہ میرے الفاظ کتنے ہی نرم کیوں نہ ہوں اور مطلب کشائی واضح کیوں نہ ہو لیکن یارانِ طریقت کو اگر منظور ہو تو انکے تیز دماغ الفاظ کو پھیر پھاڑ کر خود معنی نکالینگے۔ وہ ہوگا انقلاب، بغاوت، سردارانِ کی توہین، قبائلی میں نفاق پھیلانے کی کوشش وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ میں ان قابل قدر دماغوں کی ذہنی کاوشوں کا احترام کرتا ہوں انکی ذہانت اور غیر معمولی قابلیت کا اعتراف اور انکے نتائج اخذ کرنے کے طریقے اور ذرائع میرے نزدیک بالکل قدرتی اور اشد ضروری ہوتے ہیں سچ تو یہ ہے کہ اس قسم کے مفسر اور شرح نہ ہوتے تو شاید ان سے مبالغہ اور اس کے ساتھ دروغ مصلحت گوئی کا فن مفقود ہو جاتا۔ خیر میں ان کے فرائض پر بغیر نقد و تبصرہ کیے ہوئے اپنے موضوع کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

سب سے اول اس بات کا اظہار لازمی ہے کہ بلوچستان کے سرداروں میں بعض ایسے حضرات بھی ہیں جو قوم کا درد رکھتے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہیں جو پڑھے لکھے اور نکتہ سنج دماغوں کے مالک ہیں۔ بعض ایسے بھی ہیں جو ایماندار اور دیانتداری کیساتھ قومی مسائل کے سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں بعض اپنے آپ کو مزدور اور کسان کہلانے میں روحانی خوشی حاصل کرتے ہیں بعض اللہ سے ڈرتے ہیں اور صوم وصلاۃ کے پابند، رقیق القلب سچے مسلمان اور سچے انسان ہیں لیکن میں نہ صرف بلوچستانی

نوجوان پارٹی کے اراکین اور مظلوم رعایا اور گورنمنٹ کے مصنف مزاج افسر اور خود سرداروں کے ایک روشن خیال طبقے کی ترجمانی کرتا ہوں بلکہ یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ یا تو سرداری کی سرشت میں ہی خرابیاں ودیعت کی گئی ہیں۔ یا زمانے کے تغیرات حالات اور وقت کے الٹ پھیرنے یا خود اس طریقے کے طبقہ تسخیر کے اثرات نے ایسے اسباب مہیا کر دیئے ہیں کہ ہم سرداری سسٹم کو مجموعی طور ایک نہایت ہی نقصان کار آلہ سمجھنے پر مجبور ہیں ایک ایسا آلہ جسکے سودمند باکار اور مفید پرزے بھی زنگ خوردہ ہو چکے، اور اسی آلے کے اجزا ہونے کی حیثیت میں وہ بھی نقصان اور ضرر پہنچانے کے بغیر کوئی اور کام نہیں کر سکتے۔ اسکو اچھی طرح سے سمجھا جائے جیسے کہ اگر پانی شکر اور دودھ میں زہر ملایا جائے تو اس مجموعہ کا اثر یقیناً زہر قاتل ہوگا۔ اس سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ پانی شکر اور دودھ بھی اس طرح نقصان کار ہیں جس طرح سے زہر۔ لیکن اس مکسچر کے اجزا کے اچھے ہونے کی حیثیت میں بھی زہر بن جاتے ہیں۔

سرداری سسٹم کی اگر تعریف کی جائے۔ تو وہ یوں کی جا سکتی ہے کہ انسانوں کے وہم اور وسواس میں رہنے والا نظام جس میں انسانی اصول انصاف اور عدل کو کوئی دخل نہیں بہ الفاظ دیگرے یہ نظام قیام رکھتا ہے محترم سرداروں کے دماغوں میں اور سرداران قوم مجموعی طور اپنے آپ کو انسان سے بالاتر سمجھنے کی حیثیت میں اس نظام کے تحت نہیں آسکتے۔ اسکو اور بھی واضح اور کھلے الفاظ میں سمجھ لیجئے آپ کسی سردار کے پاس جائیں اور انکو مطلع کریں کہ آپ نے جو فیصلہ اپنے خاندان کے ایک فرد اور کسی دوسرے کے درمیان صادر فرمایا ہے وہ غیر مساوی ہے، غیر اسلامی اور غیر فطرتی۔ اس لئے وہ محض ظلم اور استبداد ہے بجائے اسکے کہ آپکو اپنے فیصلہ کی سچائی اور معقولیت پر دلائل دے کر قائل کریں، وہ فوراً کہہ دینگے کہ وہ ایک سردار خیل اور دوسرا عام آدمی ان دونوں میں مساوات کا سوال کیسے تم نے ٹھونس لیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مخمور ہیں یا ہوش ٹھکانے نہیں کہ ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔ کچھ سمجھتے بھی ہیں کہ منہ سے کیا نکل رہا ہے آج تو آپ نے سردار اور غیر سردار کو قانونی رو سے ایک ہی جگہ کھڑا کر دیا۔ کل تو یہ بھی کہہ دو گے کہ وہ لوگ وغیر سردار میرے ساتھ چارپائی پر اکٹھے بیٹھ جائیں، پرسوں ایک نئی چیز نکالو گے کہ وہی سرہانے بیٹھا کرے اور ترسوں ایک زور کا فتویٰ لکھ کے لاؤ گے کہ بجائے شادی نہ کروانے کے اپنی لڑکیوں کی شادیاں غیر سردار افراد سے کراؤ۔ ارے میاں علی گڑھ سے گٹ مٹ سیکھ کر آنے والے سردار اور کوڑ دار غیر سردار کی برابری کیسے ہوسکتی ہے کیا تم رات کو دن کہہ سکتے ہو یا دن کو رات؟

اتنا کہنے کے بعد وہ اپنی انگلیوں پر ایسے واقعات گنانے شروع کر دینگے جن میں سردار خاندان کے افراد کے خلاف ورزی کرنے والوں کو تعجب خیز سزائیں دیں گی۔ انکے وہم اور گمان میں بھی یہ بات سما نہیں سکتی کہ انسان کی حیثیت سے سردار اور غیر سردار بالکل برابر ہیں۔

اس ضمن میں ایک دلچسپ قصہ یا واقعہ یاد آ گیا ہے جو قابل تحریر ہے نواب یوسف علی خان نے اپنے تازہ قائم کئے ہوئے قومی جرگہ سے ایک قانون نافذ کروانا چاہا۔ کہ قبیلہ مگسی کے معاملات میں سے سرداریت اور غیر سرداریت کو نکال دینا چاہیے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز

نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

کے قانون کو صرف نمازوں تک محدود کرنا انصاف اور انسانیت کو قتل کرنا نہیں؟ اور جب خدا کے نزدیک بندہ اور بندہ نواز کا امتیاز نہیں تو پھر اس دنیائے کون رفتا میں یہ کفر آمیز امتیاز کیا؟

آئندہ مگسی کوڑ میں سے اس دفعہ کو نکالا جائے جو سرداری خاندان کی امتیازی حیثیت قائم کرتا ہے، اور اسکی جگہ یہ دفعہ پاس کیا جائے کہ ہر آدمی تفریق خاندان قانون کے نظروں میں مساوی حیثیت رکھے گا۔

خود نواب یوسف علی خان راوی ہیں کہ اس انوکھے قانون کے پاس ہونے کی افواہیں جب چارسمت جھل میں پھیلیں تو ایک عجیب اضطراب کی کیفیت پیدا ہوگئی لوگ بے تحاشا دوڑے انقلابی سردار کے پاس آئے کہ صاحب یہ کیا قیامت کی نشانی نظر آنے لگی کہ سردار کی برابری کرنے لگا ایک معمولی آدمی یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ ہم اپنے آقاوں کی جگہوں میں پاوں ڈالیں ہم غلام نمک خوار ہم خاک پر بیٹھنے والے آج اٹھ کر سردار کے ساتھ بیٹھ جائینگے۔

میرے خیال میں بہت سے بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں اس داڑھی صاف کھدر پوش سردار کی اس تحریک کا سن کر متحیر ہوگئی ہونگی اور ان کی آنکھوں سے آب جاری ہو گیا ہوگا۔ کہ خدا معلوم آئندہ چل کر کون سی نئی بدعتیں جاری ہونگی۔ مقصد میرے کہنے کا یہ تھا کہ اس قسم کی ذہنیت کا اظہار بیسویں صدی میں بتاتا ہے کہ کس طرح اور کن ذرائع سے نہ صرف لوگوں کے جسموں پر اور انکے ذہنوں پر اور دلوں پر اس استبدادی نوعیت کی حکومت ہو رہی ہے ایسے حالات سے یہ اندازہ نہ لگایا جائے کہ لوگوں میں ناراضگی اور بے چینی نہیں اور موجودہ نظام کے اثرات سے نالاں اور بیچان نہیں زبان کے ذریعے سے ممکن ہے سرداری سسٹم کے خلاف کچھ نہ کہا گیا ہو۔ اسکے بھی وجوہات ہیں لیکن عملی طور پر بلوچستان کے طول وعرض میں بے چینی کے آثار نمایاں ہیں ایک ایک قبیلہ اپنے ظالم سردار کے خلاف باری باری صدائے احتجاج بلند کر چکا ہے کر رہا ہے اور کرتا رہیگا۔

قوم پر جب مصیبتیں پڑتی ہیں جب ظلم وستم نہایت شدید صورت اختیار کر لیتا ہے تو وہ بیچارے چلا اٹھتی ہے اور گونگے کی طرح جو طاقت گویائی سے محروم ہوتا ہے وہ سردار کی طرف انگلیاں آٹھا کر ظاہر کرتی ہے کہ یہی ہے ہماری مظلومیت کا! گورنمنٹ بھی کبھی کبھی جب کہ اس قسم کی تحریک زور پر آ جاتی ہے مجبور ہو کر اس سردار کو ہٹا دیتی ہے اور ایک نیا سردار نئی شان و شوکت کر وفر کے ساتھ تخت سرداری پر جلوہ افروز ہوتا ہے۔ بلوچستان میں جہالت ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلی

ہوئی ہے۔ گورنمنٹ اور سردار دونوں کے علاوہ کوئی اوراس کا نہ تو براہ راست ذمہ دارٹھہرایا جا سکتا ہے، اور نہ ہی اس سے اسکا علاج موجودہ حالات میں ممکن ہے خیر جملہ معترضہ تھا باوجود ایسی تاریکی کے اقوام بلوچستان میں دیگر بنی نوع انسان کی طرح اپنی اچھائی برائی اپنی مادی تکلیف اور راحت کا احساس رہے اور جب اسے اپنی بے انتہا مصائب کے ظاہری سبب کا پتہ پڑ جاتا ہے تو وہ (خادم بلوچستان) اسکو دور کرنے کے لئے ہر چیز کرنے کے تیار ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ اسکے آنکھوں کے سامنے پردہ ڈالا جا رہا ہے یا خود اسکی جہالت یہ پردہ بن جاتی ہے کہ اسکے رنج والم کا سبب صرف وہی سردار مخصوص تھا۔ لہٰذا جب وہ مفقود ہوا تو اسکے ساتھ ساتھ تکالیف کا مٹ جانا لازمی ہے اس لیے قوم بچارے نئے سردار سے بھی قسمت لڑا لیتی ہے۔ گویا یہ ایک قسم کا ''جوا'' ہوتا ہے سردار اچھا نکلا تو خوب ورنہ وہی میدان چوگان۔

قبیلہ مگسی کی قریبی تواریخ ایسی چوگان بازی کا بہتر نمونہ ہے عام طور پر ایک سردار کیا ہوتا ہے اسکی تعریف ایک بلوچستان کے زبردست قابل جہاندیدہ نواب سے لفظ ''جھوٹے'' سے کی تھی۔ اس روشن دماغ نواب کی تقریر اپنے ہم پیشہ سرداروں کے متعلق قابل تحریر ہے لیکن چونکہ میں چند وجوہات کی بناء پر انکا نام نہیں لے سکتا لہٰذا انکا حوالہ دینا ٹھیک معلوم ہوتا ہے یہاں تک تو ہم سردار صاحبان کا ذکر خیر کرتے رہے اب آیئے گورنمنٹ کی قبائلی پالیسی پر ایک نظر اجالاً ڈالیں۔

ہم گورنمنٹ کے نیک ارادوں کے محیط سمندر میں سے بیش بہا جواہر نکالنے کی کوشش ناکام نہیں کرتے بلکہ جو سطح پر نظر آتا ہے اسکو دیکھتے ہیں تو صریحاً معلوم ہوتا ہے کہ حکام کی نظروں میں بلوچستانی قبائلی سردار بکریوں کے چند گلے ہیں جن پر قابض ہونے کے لئے ایک چرواہے کی ضرورت ہے وہ چرواہا سردار قوم ہے ظاہر ہے کہ گلے میں سے کوئی بھیڑ یا بکری نقصان کرے تو ذمہ دار چرواہا ہوا کرتا ہے اور بکری یا بھیڑ کو چرواہا قابو میں رکھنے کے لئے کوئی ایسی چوٹ دے کر ٹانگ توڑ دے تو بھی کوئی معقول آدمی چرواہے کے اس فعل کو مذموم نہیں نوازتا۔

بس بعض حکام (یا۔۔۔) اس معقول آدمی کی مانند ہیں جو انسانی بکریوں کو ٹانگیں ٹوٹتے دیکھ کر بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ اس چرواہے کی تشبیہ میں ایک کسر باقی رہ جاتی ہے چرواہا اپنی بکریوں کی ٹانگیں توڑتا ہے لیکن یہ جذبہ انتقام سے کبھی نہیں کیونکہ اسکی آسودہ مالی کا انحصار بکریوں کی آسودہ حالی پر براہ راست ہے لیکن بلوچستان کا چوپان کچھ بھیڑیے قسم کا چوپان معلوم ہوتا ہے کہ بکریوں کو ہڑپ کرنے میں ہی اسکے پیٹ کی آتش پوری ہوتی ہے مگر بلوچستان کی خصوصیت ہی کیا رہی دنیا کے ہر حصہ ہر ملک خود ہمارے انگریز آقاوں کے گلے کی بھیڑ بکریاں سرمایہ داری اور طاقت کی لاٹیوں سے ٹانگیں تڑوا کر چیخ رہی ہیں۔

ہندوستان کا ساہوکار کسی متحارب کا محتاج نہیں۔ چاہے سندھ علیحدہ صوبہ ہو چاہے بمبئی کا ایک ٹکڑا (تا مدراس) اپنی حکومت زمیندار اور کسان پر کرتے رہینگے اور اسکی چمڑی اُتارتے رہیں گے۔ چاہے پنجاب میں اکاون نشستیں ''دوسروں'' کو اور خان بہادروں کو مل جائے لالہ جی کی سود کی چکی چلتی رہے گی اور غریب مزدور اور کسان پستے رہیں گے۔ پس سمجھ لو کہ بلوچستان کا

سرداری سسٹم یا کوئی اور سسٹم دنیا کی مقدس زنجیروں کی کڑی ہے غرض یہ کہ

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے

سب اسی زلف کے اسیر ہوئے

جب یہاں تک پہنچ گیا ہوں تو مناسب حال معلوم ہوتا ہے کہ بلوچستانیوں سے ایک دو باتیں کروں جو ملکی، ملکی کی نغمہ سرائی میں مدہوش ہوگئے کہ وہ نہ بھول چکے۔ کہ بلوچستان ہندوستان میں ہے اور ہندوستان دنیا کا ایک حصہ۔۔۔

میں چند غیر ملکیوں کی جیب کی گرانی اور ملکیوں کی بھوک کی بے تابی کو محسوس کرتا ہوں۔ لیکن مجھے یہ بھی علم ہے کہ کس طرح غیر ملکیوں کا ایک طبقہ گلے کی چراہی میں مارا پھرتا ہے۔ غیر ملکیوں گلے وہی ''برادری'' جو برسر اقتدار ہیں واقعی ملکیوں کے طاقت والے سردار کی طرح ملکیوں کی جان و مال کا دشمن! اور اس کے ہاتوں میں سے خشک روٹی بھی چھین کر دریا میں پھینکنے والا۔ کچھ اس میں ذرہ بھر تامل محسوس نہیں ہوتا۔ کہ میں کون ہوں کہ ملکی ہوں یا غیر ملکی جسکی لاٹھی اسکی بھینس، اس میں ملکی اور غیر ملکی کی تمیز ناقس العقلی کی دلیل ہے۔ ملکی ہو یا غیر ملکی۔ ہندو ہو یا مسلمان ہر ایک پیٹ کا بچاری اپنے ہی پیٹ کی جغرافیائی حدود کو سب سے اول دیکھا ہے۔ جتنا اسکا پیٹ بڑا اتنی ہی زیادہ بھوک کے ہاتھ سے چھینی ہوئی روٹیاں انکے بارچی خانہ میں محفوظ! لیکن میں اتنا پھر بھی کہونگا کہ ہمارے مہاجرین بھائی، اپنے ملکی احباب کی وساطت سے بہت کچھ کرنے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ سلسلہ کہاں تک؟

ملکی اور غیر ملکی دیسی اور بدیشی استبداد کرتا رہیگا

دائما یکسان نماز حال دوران غم خور

مجھے اسوقت یاد آگئی اپنے قفس جیل کے قیدیوں کی بات! ایک طرف مظلومیت اور بے کسی کا مکمل اور پورا نظارہ اور دوسری طرف دیگرے قوت کا اظہار۔

میں پوچھتا ہوں کیا یہ بھی جرم ہے کہ اپنی مظلومیت پر توجہ دلانے کے لیے ایک چیخ بلند کی جائے؟ وہ چیخ چاہئے فلک بوس ہوجائے آسمان توڑنے والا بے باک نالہ، لیکن اسکا مقصد آگاہی اور غیر جانب داری ہے۔ افسوس ہے کہ بلوچستان کے چند خودغرض یا نیک ارادے رکھنے والے سہوا، اس نیلم شی کو ایک توپ کی گونج سمجھ رہے ہیں۔ اسکے علاوہ نہایت ہی زور سے ڈھول اور بغل بجا کر کہا جا رہا ہے کہ بلوچستان مین سہولت ہے، آرام اور عافیت۔ جو کچھ طوفان بنکر باھر آ رہا ہے وہ چند نفسوں کی دماغی عیاشیوں کا نتیجہ ہے۔ وہ گھر بیٹھے بیٹھے یا علی گڑھ کالج میں پڑھتے پڑھتے بہک جاتے ہیں تو بجائے انگڑائی لینے کے ایک آدھ

مضمون یا ایک تقریر لکھ ڈالتے ہیں کہ بلوچستان میں ذرہ بھر اصلاحات کی ضرورت ہے۔ زبانِ سرکار میں سرداران وجرگہ ممبران کہہ رہے ہیں کہ بلوچستان خود ایک خطہ بھشتی ہے جہاں نہ رنج الم اسکے نظم میں نہ کسی قسم کی تبدیلی کی ضروت ہے اور نہ کسی ترمیم کی حاجت !۔

شاید بلوچستان کے ازلی اور ابدی نظام میں کسی قسم کے تغیر تبدل کی ضرورت واقعیت میں نہ ہوتی اور شاید بلوچستان کو اس لحاظ سے ارضی بھشت قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن مشکل تو یہ ہے کہ اسکے باشندے نہ تو ملائک ہیں اور نہ بھشت کے مقیم گنا ہوں سے پاک روحیں۔ بلوچستانی اور بلوچ بھشت سے نکالے ہوئے آدم کی اولاد۔ اگر ایلز بیتھ کے دور حکومت جس میں اول کے قوانین میں انگلستان کے لوگ ترمیم کرتے ہیں تو پھر کیوں بلوچستان میں ترمیم کے سلسلہ کو روکا جائے۔ جب فرنٹیئر کو اصلاحات مل سکتے ہیں ہندوستان میں کچھ نہ کچھ تبدیلی ہوتی رہتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ بلوچستان پر ہمیشہ ایک قسم کی جہالت کا دور دورہ ہو۔ بلوچستان ایسے لوگوں کا واقعی مشکور ہے جو اسے تغیرات زمانہ کے دائرے سے محفوظ سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کی کچھ مجبوریاں بھی ہیں۔

تا زیست فرض ضبط کی تعمیل ہے مگر
مجبوریاں بھی دیکھ دلِ نا صبور کی

اور جو حضرات یہ سمجھ بیٹھے کہ عبد اصمد یا یوسف وغیرہ کو کان میں کوئی مخصوص ملک کہتا ہے اور وہ رقص میں آکر آپے سے باہر کر اصلاحات اصلاحات پکارتے ہیں۔ ایسے حضرات ہی شکریہ کے مستحق ! لیکن ہم لوگوں کو ایسے نظریہ سے ذرہ اتفاق نہیں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ عبدالصمد کا وجد میں آنا اور یوسف بر حال حارہی ہونا صرف ان چند نفوس تک محدود نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی ملک کے ورد والم کی ایک پکار ہوتی ہے جو یوسف کی صورت پکڑ لیتی ہے یا کسی رسم ورواج سے خونخوار زخم کھائے ہوئے معصوم دوشیزہ کے آنسو ہوتے ہیں جو کسی امین کے قلم سے ٹپک پڑتے ہیں یا ہزاروں بے گناہ مظلوم لوگوں کی صدائیں ہوتی ہیں۔ جو کسی کردکی تحریروں تقریروں کا جوش بن جاتی ہیں۔

جب سارے بدن میں کوئی خرابی ہوتی ہے تب جا کر کوئی پھونسی نکلتی ہے۔ پھونسی کی جراحت سے مرض نہیں مٹتا مرض کو مٹانے کے لئے بدن کے معالجہ کی ضروت ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ عبدالصمد کے دماغ میں خلل واقع ہوا اور اس نے ریشمی پگڑی کو زمین پر دے مارا اور اسکی جگہ ایک ٹوپی اپنے سر پر رکھ لی اور یہ ایک مجنونانہ فعل ہے جو وہ کر رہا ہے۔

بلوچستان کے موجودہ خرابیوں پر آہ ونالہ بپا کرنے کی حالت میں بلوچستان کے حالات جو عبدالصمد کی زبان سے نکلتے ہیں وہ الف لیلیٰ کے قصے یا داستان امیر حمزہ کے ٹکڑے نہیں۔ بلوچستان کے روزانہ کارنامہ ہیں یہ۔

کیا یہ عجیب منطق نہیں کہ ایک آدمی پکار کر کہتا ہے ہم کو ان خرابیوں سے نجات دلواؤ اور سامع کہتا ہے کہ تم میرے خلاف لوگوں کو بھڑکا رہے ہو۔حکومت کو ہمدردانہ طور پر پہلے ان شکایات کو سن لینا چاہیے اور اسکے بعد غور کر لے کہ کہاں تک وہ صداقت پر مبنی ہیں ان شکایات کا استحصال ہی درحقیقت ہر قسم کی بے چینی کے لیے سدّ راہ بن سکتا ہے۔عبدالصمد کو یا کسی اور کو قید بند میں ڈالنے سے کیا حالات وواقعات میں فرق آ گیا ہے۔اگر عبدالصمد جہالت کا بانی (خدانخواستہ) چکے وغیرہ کا رائج کرنے والا،رسم و رواج کا مروج کرنیوالا،حقوق انسانی کو پامال کرنے والا،غریبوں اور بے کسوں کو ستانے والا، چوروں کا سردار، ڈاکوؤں اور لُٹیروں کا سپہ سالار ہوتا تو اس کو جیل میں بند کرنے کا کچھ مقصد بھی تھا کہ اسکو قید و بند میں ڈالتے ہی یہ سب شکایات رفع ہو جائیں گی۔جب عبدالصمد ان چیزوں کا نہ تو بانی ہے اور نہ ہی اس کی ذات کے ساتھ انکا کوئی تعلق ہے وہ تو صرف یہ کہتا ہے کہ ملک میں جہالت ہے،رسم پرستی ہے، غیر شرعی اور غیر فطری چیزوں کا رواج ہے اس جرم میں اسکو قید میں ڈالنا سراسر ظلم وزبردستی کا مظاہرہ ہے۔کیا ملک میں جہالت نہیں؟ رسم پرستی نہیں؟ عورتوں پر شدید ظلم وزیادتی روا نہیں رکھا جاتا؟

اگر جواب اثبات میں ہے تو اہل جرگہ اور حکومت عبدالصمد کے ساتھ مل کر ان چیزوں کا مقابلہ کیوں نہیں کرتے؟ حکومت کو ایسے اشخاص کا مرہون منت ہونا چاہیے جو اسکی توجہ اسکے فرض کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ہمیں توقع ہے کہ میر عبدالعزیز خان کرد اور خان عبدلصمد خان اچکزئی کے سزا کے فیصلوں پر نظر ثانی کی جائے گی اور انہیں جلد رہا کیا جائیگا''۔(۴)

حوالہ جات:

۱۔ میر عبدالعزیز کُرد۔ خودنوشت سوانح، بلوچی دنیا، جون، جولائی ۱۹۶۸ء

۲۔ سرکاری دستاویزات۔۱۹۳۳ء

۳۔ سرکاری دستاویزات۔۱۹۳۳ء

۴۔ بشکریہ: بلوچستان جدید یکم مئی ۱۹۳۴ء۔جلد۱۔شمارہ۷

باب سیز دہم

ریاستی جبر

گرفتاریاں، تادیبی کاروائیاں اور صدائے احتجاج:

بالآخر میر یوسف عزیز مگسی کے دست راست میر عبدالعزیز کرد کو روزنامہ ’’زمیندار‘‘ لاہور میں شائع ہونے والے دو پرجوش احتجاجی مضامین لکھنے کے جرم میں دھر لیا گیا۔ میر عبدالعزیز کرد نے اپنے ایک مضمون میں ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل بلوچستان کے دورہ سرما کے موقع پر تلی (سبی) کے مقام پر کسانوں سے مرغابیوں کے شکار کے موقع پر بیگار لینے پر احتجاج کیا تھا اسے انسانیت سوز گردانا تھا۔

’’AGG سبی میں قیام کے دوران تلی کے مقام پر ایک سرد جھیل میں مرغابیوں کا شکار کھیلتے تھے اور ان کے شکار سے جو مرغابیاں زخمی ہو کر پانی میں گر جاتی تھیں تو جھیل کے کنارے کھڑے ہوئے کسان بیگاری شخص جھیل کے سرد پانی میں چھلانگ لگا کر لاٹ صاحب کی شکار کی گئی مرغابیوں کو پانی سے باہر نکالتے تھے اس انسانیت سوز بیگار پر احتجاج کی صدا ابھی انگریز کے ایوان اقتدار میں گونج رہی تھی کہ میر عبدالعزیز کرد نے ایک اور احتجاجی مضمون لکھ کر زمیندار لاہور میں شائع کیا جس میں ریاست قلات میں وزارت عظمیٰ پر مسٹر ویکفیلڈ کے تقرر کی مذمت کی تھی کہ ’’ سات سمندر پار سے لوگوں کو منگوا کر بلوچستان اور اس کے عوام پر مسلط کرنے سے یہ کہیں زیادہ مناسب ہوگا کہ ریاست قلات کے وزارت عظمیٰ پر مقامی شخص کو ترجیح دی جائے جو سمندر پار کے لوگوں کے مقابلہ میں اپنے مسائل و معاملات اور اس کے ساتھ قبائل کے مزاج کو بہتر طور پر سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہو‘‘۔ (۱)

ان احتجاجی مضامین کے اجراء سے انگریز حکمران سیخ پا ہو گئے بالآخر میر عبدالعزیز کرد کو جنوری ۱۹۳۴ء میں گورنر جنرل کے ایجنٹ (AGG) اور انگریز حکومت کے نمائندوں کی ایماء پر پولیٹیکل ایجنٹ ریاست قلات نے گرفتار کر کے ایک جرگے میں مقدمہ پیش کیا، جس نے کیس کی سماعت کرتے ہوئے اُسے ضمانت پر رہا کیا لیکن پولیٹیکل ایجنٹ کی مداخلت پر اُسے دوبارہ گرفتار کر کے اِسی جرگہ کے ذریعے پانچ سال قید بامشقت کی سزا دلوائی اور سینٹرل جیل مچھ منتقل کر دیا۔

بوقت گرفتاری میر عبدالعزیز کرد نے پارٹی کے نام ایک پیغام دیتے ہوئے کہا کہ ’’اگرچہ میں اپنے پیچھے کوئی منظّم تحریک چھوڑ کر نہیں جا رہا ہوں لیکن مجھے یقین ہے کہ میرے برادران وطن آنے والے دور کے لئے اپنے آپ کو محفوظ نہ پا کر ایثار و قربانی کے لئے میرے نقش قدم پر چلیں گے اور آزادی کی اس نوخیز تحریک کو آگے بڑھانے کی جدوجہد کریں گے اور ساتھ ہی انہوں نے پارٹی کارکنوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

”ساتھیو! آپ کو بلوچستان میں برطانوی پوزیشن کا علم ہے اسے ہندوستانی سیاست کے پس منظر میں نہ دیکھئے۔ بلوچ قوم کو افغان، انڈیا یا کسی خارجی سیاست کی نقل نہیں کرنی چاہیئے برطانیہ نے نہ تو آپ کے ملک کو فتح کیا ہے اور نہ ہی اسے خریدا ہے اس لئے آپ اس کے غلام نہیں اور وہ آپ کا آقا نہیں دراصل برطانیہ نے آپ کے ملک میں دوستانہ اور برابری کی بنیاد پر سمجھوتوں کے ذریعے تاجروں والی رعایتیں حاصل کی ہیں اس لئے آپ کو ہمیشہ اپنی اصلی حیثیت اور سیاسی وقار کا احساس رہنا چاہیئے“۔ (۲)

میر عبدالعزیز کرد کے یہی خیالات ۹/ستمبر ۱۹۳۲ء میں زمیندار اخبار میں چھپے۔ زمیندار اخبار کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے میر عبدالعزیز کرد نے کہا کہ ”میں نے ہندوستان سے علیحدہ بلوچستان کا نظریہ پیش کیا ہے۔ اور یہ تخیل آج کا نہیں بلکہ بارہ سال قبل ۱۹۲۰ء کا ہے اس وقت میں نے کہا تھا کہ میں بلوچستان میں ایک آئینی حکومت چاہتا ہوں جو ہر لحاظ سے آزاد ہو“۔ (۳)

میر عبدالعزیز کرد کی گرفتاری کے بعد بلوچستان کے طول وعرض میں سیاسی رہنماؤں اور پارٹی کارکنوں کی نگرانی کے لئے خفیہ پولیس کے اہلکاروں کا ایک جال بچھایا گیا۔ اخبار بینی ایک جرم گردانا گیا پارٹی سے ہمدردی رکھنے والے سرکاری ملازموں کے سروں پر خفیہ پولیس کا سایہ منڈلاتا رہا میر عبدالعزیز کرد کی گرفتاری کے چند ہفتوں بعد خان عبدالصمد خان اچکزئی کو بلا کر گرفتار کرلیا گیا۔ انہیں سرکار کی طرف سے دھمکی آمیز لہجے میں کہا گیا کہ ”آپ عوام کے اجتماع اور تنظیم کے لئے کام کریں گے تو یقیناً آپ کو سزا سنائی جائے گی اور سزا بھی ہم نہیں بلکہ تمہاری قوم کا جرگہ دے گا۔“ (۴)

خان عبدالصمد خان کی گرفتاری کراچی میں ایک پبلک جلسہ عام میں بلوچستان کے حالات کے پس منظر میں کی گئی تقریر کے بعد کراچی سے وطن واپسی پر ۲۹ جنوری ۱۹۳۴ء کو عمل میں لائی گئی اور ایک جرگہ کے ذریعے پانچ سال قید با مشقت کی سزا سنا کر سینٹرل جیل مچھ بھیج دیا گیا۔ اس کے ساتھ ریاست قلات اور برٹش بلوچستان میں ملکی ملازمین کی جانچ پڑتال کا سلسلہ شروع ہوا، انجمن سے ہمدردی رکھنے والے ملازمین کو فارغ کیا گیا اور یوں بلوچستان کے سیاسی کارکن اور ملازمین حالات کے ایک کٹھن مرحلے سے دوچار ہوئے۔

میر عبدالعزیز کرد کی بھوک ہڑتال

سنٹرل جیل مچھ میں مقید سزایافتہ بلوچ رہنما میر عبدالعزیز خان کرد نے جرگہ کی دوغلا پالیسی جس میں رہائی کے بعد اسے واپس گرفتار کر کے سزا دی گئی اور جیل حکام کی جانب سے اپنی ملاقات پر پابندی کے خلاف بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ اچکزئی نے بھی بھوک ہڑتال شروع کی جو جیل حکام کے بے رحمانہ سلوک کے خلاف تھی۔ میر عبدالعزیز کرد نے اس غیر انسانی جابرانہ رویئے کے خلاف بھوک ہڑتال اس وقت شروع کی، جب جیل حکام نے اس کے چھوٹے بھائی غلام رسول کو اس سے ملنے سے معذوری ظاہر کر دی۔ بلوچستان کے ان دو رہنماؤں کو جیل میں علیحدہ علیحدہ احاطوں میں مقید رکھا گیا ہے کو آپس میں ملنے پر پابندی ہے۔

کچھ دنوں بعد جب میر عبدالعزیز خان کرد کی ملاقات سے پابندی ہٹادی گئی تو پولیٹیکل ایجنٹ اور اے۔سی۔ مچھ کی موجودگی میں رشتہ داروں کی ملاقات ان سے کرائی گئی۔

بلوچستان میں گرفتاریوں پر اہلیان کراچی کا احتجاج:

(بلوچستان میں جنوری ۱۹۳۴ء میں بلوچ کانفرنس کے رہنماؤں کی گرفتاریوں کے خلاف کراچی بلوچستان اصلاحی کمیٹی کی طرف وائسرائے ہند کے نام ایک اپیل شائع کی گئی جسے جیٹھ مل پرسارام نے چھاپ کر پیر بخش سندھڑی الیکٹرک ورکس کراچی سے شائع کیا)۔

اپیل حسبِ ذیل ہے:

''ہم ممبران کراچی بلوچستان اصلاحی کمیٹی آپ کی خدمت میں درج ذیل حقائق جو کہ بلوچستان میں جبر کی پالیسی پر مبنی ہیں پیش کر رہے ہیں۔

خان عبدالصمد خان اچکزئی گذشتہ جنوری میں کراچی آئے۔ کراچی اصلاحی کمیٹی عوامی انجمنوں اور معزز شہریوں سے ملاقات کی۔ اپنے مطالبات اور معتدل خیالات، بردباری اور نرم انداز سے پیش کیا جسکی وجہ سے انہوں نے مختلف غیر رسمی ملاقاتوں میں کراچی کے عوام کی ہمدردیاں حاصل کیں۔ انہوں نے بلوچستان کے بارے میں بہت سے حقائق جس میں نظام تعلیم، قانون، ملک میں پائی جانے والی امن عامہ اور بلوچستان میں اصلاحات جو کہ ترقی کے لئے لازمی ہیں پیش کئے۔ ہم اس پر راضی ہوئے کہ کام منظّم طریقے سے کئے جائیں اور کوششیں کی جائیں کہ تعلیم، لوکل حکومتوں اور نظام عدل میں مثبت تبدیلیاں لائی جائیں۔

خان عبدالصمد اور اس کے ہمراہ ساتھی یکدم اس پر راضی ہوئے اور یہ واضح کیا کہ صرف آئینی طریقے استعمال کئے جائیں گے۔ لہٰذا ہم نے کراچی کے شہریوں سے رابطہ کیا اور مختلف اجتماعات کئے، عوام نے ہماری اپیل کو بہتر انداز سے سراہا اور کچھ ہی دنوں میں ایک عظیم الشان بڑا اجتماع منعقد ہوا۔ اس سے قبل کراچی میں اتنا بڑا پبلک اجتماع منعقد نہیں ہوا تھا۔ اس پبلک اجتماع میں میر ایوب خان فرسٹ کلاس مجسٹریٹ اور خان صاحب اللہ بخش خان گبول جیسے لوگ شامل ہوئے جو کہ اپنے خیالات میں سرکار کے ہمدرد ہیں۔

اس پبلک اجتماع کی صدارت جمشید نوشیروان جی کراچی کے میئر نے کی۔ خاص مقررین میں خان عبدالصمد خان، عبداللہ ہارون M.L.A اور شیخ عبدالمجید سندھی M.L.C تھے اجتماع میں آر کے سدواگزدر MLC، حکیم فتح محمد، مجتبیٰ نرائن داس اے بیچر سابقہ M.L.C جیت مل پرسارام، تاراچند، جے لال وانی، حاتم اے علوی، ڈی پی دستر اور پیر بخش نے شرکت کی۔

خان عبدالصمد خان کی تقریر واضح طور پر بامعنی تھی انہوں نے انتہائی معتدل و نرم زبان استعمال کی۔اس کا رویہ اورطریقہ کار بہت زیادہ غیر جارحانہ تھا۔انہوں نے بلوچستان کے بنیادی سماجی اورسیاسی حقوق کی بات کی۔

اس اجتماع میں ایک قرار داد پیش کی گئی جسے متفقہ طور پر منظور کیا گیا اورایک کمیٹی تشکیل دی گئی کہ وہ اس کام کو آگے بڑھائے۔

اجتماع کے اختتام پر عبدالصمد خان بلوچستان روانہ ہوئے۔ جیسے ہی وہ بلوچستان میں داخل ہوئے تو ان کی گرفتاری کی خبر ہمارے کانوں تک پہنچی۔ یہ بہت ہی مشکل ہے کہ ان کی گرفتاری کی تفصیلات حاصل کی جاسکیں۔مگر خان صاحب کے دوستوں سے درج ذیل حقائق کا پتہ چلا۔

یہ کہ انہیں دفعہ ۴۰ فرنٹیئر کرائم ایکٹ کے تحت گرفتار کیا گیا۔گرفتاری کے بعد انہیں پشین میں مجسٹریٹ کے روبرو پیش کیا گیا اوران پر عدالتی کاروائی زیر دفعہ ۱۲۴ الف برائے سیکشن F.C.R/۴۰ ایکٹ چلائی گئی۔ بعدازاں انہیں مقامی جرگہ پشین بھیج دیا گیا جرگے نے اس بنیاد پر انہیں واپس بھیج دیا کہ یہ معاملہ ان کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔لیکن انہوں نے اس کے باوجود کارروائی شروع کی۔ہمیں بتایا گیا کہ جب خان صاحب کی تقاریر کا ریکارڈ لایا گیا اور پڑھی گئیں۔جرگہ کے سرداراس میں کوئی بھی قابل اعتراض مواد نہ پاسکے۔حتمی بنیاد کے حوالے سے یہ کہا گیا کہ تمام باتیں بلوچستان سے باہر وقوع پذیر ہوئی ہیں جس سے سردار متاثر نہیں ہوئے ہیں اورانہیں سادہ A کلاس کی سزادی گئی۔ جب یہ فیصلہ پولیٹیکل ایجنٹ کوئٹہ پشین کے روبرو پیش کیا گیا۔توانہوں نے سادہ ''A'' کلاس قید کو قید با مشقت میں تبدیل کر دیا اور یہ بلوچوں کا عظیم رہنما اب قید با مشقت بھگت رہا ہے بغیر کسی سہولت کے۔ان کی سزا تین سال قید با مشقت اور تین ہزار روپے بوقت رہائی حفاظتی ضمانت ہے۔

عبدالعزیز خان کُرد کے بارے میں ہمیں اطلاع ملی ،کہ انہیں پانچ سال قید با مشقت کی سزا دے دی گئی ہے اوررہائی کے وقت پانچ ہزار حفظ ضمانت۔انہیں سبی کے پولیٹیکل ایجنٹ کے احکامات پر گرفتار کرکے قلات جرگہ کے روبرو عدالتی کارروائی کے لئے پیش کیا گیا ان پر الزام تھا کہ انہوں نے پنجاب کے ایک اخبار میں بلوچستان کے معاملے پر ایک مضمون لکھا ہے۔ہمیں اطلاع ملی کہ جرگے نے انہیں رہا کیا،مگر قلات کے پولیٹیکل ایجنٹ نے جرگے کو کہا کہ اس پر دوبارہ کاروائی کی جائے۔لہٰذا بعد میں سرداری جرگہ نے ان پر دوبارہ کیس کی کارروائی شروع کی،اوردرج بالا سزا دیدی گئی۔

یہ مثبت ذہن رکھنے والے لوگوں پر واضح ہوا کہ معتدل خیالات رکھنے والے بھی موجودہ حالات میں اس جبر کی پالیسی کے شکار ہیں۔اس پالیسی کے اپنانے سے مراد واضح ہے کہ بلوچستان کے عوام کی قانونی اصلاحات کی تحریک کو کھلی اورغیر قانونی طور پر روکنا ہے۔

ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ بلوچستان کے عوام کو انڈیا کے دوسرے صوبوں کی طرح قانونی و بنیادی حقوق دیئے جائیں جو یہ حق رکھتے ہیں، ان کے مطالبات حق بجانب ہیں۔ مطالبات کے لئے ان کی احتجاجی تحریک جائز اور قانونی ہے۔

ہم حکومت ہند سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ بلوچستان میں تادیبی کاروائیاں بند کر کے گرفتار شدگان کو رہا کرے ان کے قانونی و جائز مطالبات تسلیم کرے اور بلوچستان میں اصلاحات نافذ کریں۔

اپیل کنندگان:

جمشید نوشیروانی (چیئرمین) میئر کراچی

حاجی عبداللہ ہارون M.L.C

نرائن داس اے بچر سابقہ M.L.C

شیخ عبدالمجید M.L.C

آر کے سِدواگزدر M.L.C

حاتم اے علوی

حاکم فتح محمود

مجتبیٰ

جیٹھ مل پرسارام

تاراچند جی

لال وانی

پیر بخش۔(۴)

کراچی جلسہ:

9رمارچ 1934ء کو مجلس احرار اسلام اور خلافت کمیٹی کے زیر اہتمام سہ پہر چار بجے رام باغ گاڑی احاطہ میں ایک عوامی جلسہ منعقد ہوا۔ جلسے کی صدارت محمد اسلم صاحب بارایٹ لاء نے کی۔ مولانا محمد ایوب صاحب نے تلاوت قرآن شریف سے جلسہ کا افتتاح کیا۔

اس جلسے میں انگریزی ہفتہ وار رسالہ پیرسن کے 10 فروری کو نفرت وحقارت پر مبنی مضمون کے خلاف سخت احتجاج کیا گیا۔ مقررین نے بلوچستان اور کشمیر میں حکومت کے جابرانہ کارروائیوں پر شدید تنقید کی۔ انہوں نے اپنی اپنی تقاریر اور ایک قرار داد میں خان عبدالصمد خان اچکزئی اور میر عبدالعزیز خان کرد کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ جلسے سے جمعیت احرار کے سیکریٹری ماسٹر عثمان، رحمت اللہ، بشیر احمد، مولوی ثناء اللہ، عبدالعزیز جلالپوری، ملک حاجی عبدالعزیز و دیگر مقررین نے خطاب کیا۔

شکار پور جلسہ:

مورخہ ۲۷ اپریل ۱۹۳۴ء بروز جمعہ شکار پور (سندھ) میں ایک عظیم الشان عوامی جلسہ بمقام مسجد لکھی دروازہ پر منعقد ہوا۔ جلسے سے بلوچ کانفرنس کے رہنماؤں محمد امین کھوسہ، مولانا احسان احمد شجاع آبادی اور دیگر مقررین نے خطاب کیا۔

مقررین نے اپنی اپنی تقاریر میں بلوچستان میں جبر وظلم، گرفتاریوں اور ملازمتوں سے برخاستگیوں پر شدید غم وغصہ کا اظہار کیا۔ مولانا احسان احمد شجاع آبادی نے مسئلہ قربانی پر اسلامی تاریخ کی روشنی میں تفصیل سے روشنی ڈالی۔ خلیل اللہ حضرت ابراہیم کی قربانی سے لیکر حسین ابن عمل کی عظیم الشان قربانی تک کے مثال دیئے اور ثابت کر دکھایا کہ قربانی اور صرف قربانی ہی ہے جو ہمیں اللہ تک پہنچا سکتی ہے۔ اس کے بعد مولانا نے خان عبدالصمد خان اچکزئی اور میر عبدالعزیز کرد کی قربانی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آج ان پر زمانہ ظلم وستم ڈھا رہا ہے کیوں کہ ان کے دلوں میں آگ ہے اور قلوب میں قوم کی اور ملک وملت کی تڑپ ہے۔

مولانا نے اس کے بعد تجویز پیش کی کہ مسلمانان شکار پور اور اس کے گرونواح کے عوام کا یہ جلسہ بلوچستان کے محبوب اور مقتدر رہنماہان خان عبدالصمد خان اچکزئی اور میر عبدالعزیز خان کرد کی رہائی کا زوردار مطالبہ لوکل حکومت اور حکومت ہند سے کرتے ہوئے بلوچستان کے اصلاحات کی تحریک کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔ مولانا نے خان صاحب اور میر صاحب کی آزادی کے لئے ایک ولولہ انگیز اور دردمندانہ دعا کی۔

بلوچ رہنماؤں کا ممبران اسمبلی کو برقیہ

سندھ سے تعلق رکھنے والے بلوچ کانفرنس کے رہنماؤں نے بلوچ کانفرنس کے سرکردہ رہنماؤں کی گرفتاریوں، سزاؤں اور بلوچستان میں جاری پرتشدد کارروائیوں پر ممبران اسمبلی کو برقیہ ارسال کیا جو کہ ذیل ہے۔

شاہ مسعود احمد ـــــــــــــــ ایم۔ایل۔اے

لال چندتول رائے ـــــــــــــــ ایم۔ایل۔اے

شیخ صادق حسین ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ایم ۔ایل ۔اے

سردار محمد یعقوب ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ایم ۔ایل ۔اے

سر ہری سنگھ گوڑ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ایم ۔ایل ۔اے

مولوی شفیع داؤدی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ لیجسٹو اسمبلی دہلی

ڈاکٹر ضیاءالدین ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔لیجسٹو اسمبلی دہلی

بلوچستان کے لئے اصلاحات مانگنے کے جرم میں بلوچستان کے دوسرکردہ رہنما خان عبدالصمد خان اچکزئی اور میر عبدالعزیز خان کرد گرفتار کیۓ گئے ہیں اور تعلیم یافتہ قومی کارکنوں پر تشدد ہو رہا ہے۔ میر عبدالعزیز خان کرد کو جرگہ نے ایک دن رہا کر کے دوسرے دن پانچ سال قید کی سخت سزادی ہے۔خبریں آرہی ہیں کہ میر عبدالعزیز کرد نے بھوک ہڑتال کی ہے۔ان حالات کے پیش نظرنتائج کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوگی۔انہوں نے ان ممبران اسمبلی سے گزارش کی کہ برائے مہربانی ہاؤس کی توجہ اس طرف دلائیں اور وائسرائے پر مداخلت کے لیے زور ڈالا جائے۔

نام ودستخط

۱۔ رئیس علی محمد خان مری............ سیکریٹری مسلم نیشنلسٹ پارٹی سندھ وسیکریٹری بلوچ نفرنس

۲۔ مولوی محمد عثمان بلوچ............ میونسپل کونسلر کراچی

۳۔ مولوی خیر محمد ندوی............ سیکریٹری بلوچ یوتھس ایسوسی ایشن کراچی

۴۔ پیر بخش شہدادزئی............ انجمن انیس بلوچانِ کراچی

۵۔ غلام رسول بلوچ............ انجمن اصلاح القوم کراچی

۶۔ مولوی خیر محمد نظامانی............ صدر انجمن خدامِ بلوچان کراچی

اسمبلی میں عبداللہ ہارون کی تقریر:

روزنامہ ’سیاست‘ بمورخہ ۲۵ / مارچ ۱۹۳۴ء کے شمارے میں حاجی عبداللہ ہارون ، کی سندھ اسمبلی میں بلوچستان میں ’اصلاحات‘ کے متعلق تقریر شائع ہوئی۔

تقریر کا متن حسبِ ذیل ہے:

'' سیٹھ عبداللہ ہارون نے اسمبلی کے اجلاس کے دوران خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اب میں ایک بہت اہم مسئلے پر توجہ دلانا چاہتا ہوں جو کہ بلوچستان میں اصلاحات کا نفاذ ہے۔ بلوچستان جو کہ میرے صوبہ سندھ کا ایک ہمسایہ صوبہ ہے۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ سیکرٹری خارجہ اسمبلی میں موجود نہیں۔ مگر امید رکھتا ہوں کہ اس مسئلے پر میں جو کچھ کہوں گا وہ ان کے کانوں تک پہنچ جائے گا اور وہ ان پر غور کریں گے۔

سب کو علم ہے کہ ہندوستان کی مسلم ایسوسی ایشنیں اور انجمنیں بلوچستان میں خودمختار حکومت کے مطالبے کی تائید کرتی ہے۔

مجھے علم ہے کہ تمام پارٹیاں بشمول کانگریس کے متفقہ طور پر چاہتی ہیں کہ اس کو بہتری کے ثمرات سے محروم نہ رکھا جائے۔

مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حکومت عوامی خواہشات کا ساتھ نہیں دیتی، اور بلوچستان کو اصلاحات کا حقدار نہیں سمجھتی۔

'گول میز کانفرنس' اور 'وائٹ پیپر' اس مسئلے پر چپ سادھ لئے ہوئے ہیں۔ میں حکومت کو مطلع کرتا ہوں کہ بلوچستان جو کہ سندھ اور پنجاب کے صوبوں سے منسلک ہے اور مذکورہ صوبوں میں بہت ہی زیادہ تعداد میں بلوچ سکونت پذیر ہیں۔ بلوچستان کے باشندے ان صوبوں کے حالات کو جب دیکھتے ہیں تو انہیں افسوس ہوتا ہے کیونکہ سندھ اور پنجاب کے عوام کو آزادی اظہار کا حق حاصل ہے اور اپنے مسائل اپنی مقامی کونسلوں کے سامنے رکھتے ہیں اور مقامی انتظامیہ کی بدولت بہت زیادہ اختیارات بروئے کار لاتے ہیں۔ ان کے حاصلات اور حقوق کا جب اہل بلوچستان تقابل کرتے ہیں تو ان کے دلوں میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ یہ سہولتیں اور اصلاحات بلوچستان کے لئے بھی حاصل کریں۔ سرکار ہمیشہ ان کی خواہشات کا ابتداء ہی میں گلا گھونٹ دیتی ہے۔ ان کی کبھی بھی نہ حوصلہ افزائی کی گئی ہے اور نہ ہی ترقی کے لئے ان کی مدد کی جاتی ہے۔

میں اسمبلی کی توجہ اس واقعہ کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جسے میں نے مختلف اخبارات میں پڑھا کہ میر عبدالعزیز خان کرد کا ایک مضمون جسے انڈین انگلش پریس نے چھاپا جس میں انہوں نے کوشش کی کہ '' حکومت اور بلوچ سرداروں اور نوابوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی جائے کہ اپنے بھائیوں کی تعلیم کو بہتر کریں، اور ان کے ساتھ انسانوں جیسا سلوک کیا جائے''۔

مجھے اطلاع دی گئی کہ مذکورہ بدقسمت شخص کو گرفتار کیا گیا، انہیں قومی عدالت کے جرگے کے سامنے پیش کیا گیا۔ جس میں انہیں پانچ سال قید با مشقت کی سزا دی گئی۔ یہاں ایک اور مثال دی جاتی ہے، کہ ایک اور شخص عبدالصمد خان سیکرٹری آل انڈیا بلوچ کانفرنس جس کی صدارت عالی جناب والئی ریاست خیر پور نے کی۔

مسٹر عبدالصمد نے کراچی اوردوسری جگہوں پر اجلاس بلائے ۔ کہ سرکار بلوچستان کے مسائل حل کرے اور چند اصلاحالات بھی اس صوبے میں متعارف کرائیں ، میں نہیں جانتا ہوں اس کے ساتھ کیا ہوا۔

مسٹر عبدالصمد نے پولیٹیکل ایجنٹ کو ایک اخبار کے اجراء کے لئے درخواست دی میں ان کی اس درخواست کا نتیجہ بھی نہیں جانتا۔

میں سرکار کے نوٹس میں یہ لانا چاہتا ہوں کہ اگر یہ پالیسی بلوچستان میں جاری رہی اور یہ سلوک ایسا ہی ہے جیسا کہ NWFP میں چند سال قبل تھا ۔ اگر حکومت اس مسئلے کے بارے میں کچھ کرنا چاہے تو بہت کچھ کرسکتی ہے حکومت کے ساتھ کرنے کی بہت طاقت ہے جو کچھ چاہے کرسکتی ہے ۔

جیسا کہ میں بذات خود سندھ سے تعلق رکھتا ہوں میں نہیں چاہتا کہ بلوچستان میں ایسے حالات برقرار رہیں ۔ لہٰذا میں حکومت سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مسائل کو حل کرے ۔ اس سے قبل کہ حالات مزید خراب ہوں ۔ حتیٰ کہ اگر حکومت نے یہ تسلیم کیا ہے کہ بلوچستان کے عوام اس کے اہل نہیں ہیں کہ انہیں خود مختاری دی جائے ۔ کیا اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی حکومت ،مقامی میونسپلٹیوں اور ڈسٹرکٹ بورڈز وغیرہ کے حقدار نہیں ؟ انہیں ماہوار یا ہفتہ وار جریدہ کا حق نہیں اور انہیں سرکار سے اظہار خیال کا حق نہیں ۔ اگر آپ انہیں اجازت نہیں دیں گے اور ان پر جبر جاری رکھیں گے میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آپ کیسے کامیاب ہوں گے؟ سرکار ہمیشہ معذرت کرتی ہے کہ ان کا کوئی تعلق نہیں ، جرگے ، نواب تمندار جو کہ خود مختار حکومت کی اجازت نہیں دیتے مجھے پتہ ہے کہ سرکار انکی پشت پناہی کررہی ہے ان کے خیال میں عوام ایک مسلح جدوجہد کی طرف مائل ہیں ۔

مگراب وہ دن گئے ۔عوام امن پسند ہیں ان کا اسلحہ اور بارود ضبط ہو چکا ہے ،نواب اور تمندار ان پر مظالم ڈھا رہے ہیں اوران کے ساتھ غیر انسانی سلوک روا رکھا جارہا ہے ۔ ان کی پشت پناہی انگریز کی ایک مضبوط حکومت کررہی ہے ۔ ورنہ تو عوام ان نوابوں اور تمنداروں کے ساتھ دو دو ہاتھ کرسکتے ہیں ۔

لہٰذا میں کہتا ہوں کہ تمام ظلم وتشدد حقیقت میں نوابوں اور تمنداروں کی طرف سے نہیں بلکہ ان کے آقا انگریزوں کی طرف سے ہے ۔

میں دعا کرتا ہوں کہ کم ازکم بلوچستان کو مقامی حکومتیں اور پریس کی آزادی کا پلیٹ فارم مہیا ہو۔ (۵)

گرفتاریوں کی مذمت:

سرکاری مراسلہ S.B/۴۳۱/۱۸۷۴ بمورخہ یکم جون ۱۹۳۴ء کوئٹہ کے مطابق روزنامہ ''الواحد'' کراچی میں میر محمد امین کھوسہ کا ایک مضمون چھپا ۔ جس میں ''وہ جرگے کی روئیداد میں عبدالعزیز خان کرد اور عبدالصمد خان اچکزئی کو سزا دینے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ بلوچستان میں اصلاحات چاہتے تھے اور انہیں عوام کے لئے اصلاحات کے جرم میں سزا دی گئی ۔

انہوں نے سندھ کے ہندو اخبارات کا بلوچستان کے معاملات پر مخالفانہ رویہ روا رکھنے پر افسوس کا اظہار کیا۔انہوں نے سندھ کے ہندوؤں اور مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ بلوچ عوام کے اصلاحات کے لئے احتجاجی تحریک کی مدد کریں"۔(٦)

بلوچستان میں جبر و بربّریت کی پالیسی:

روزنامہ' سندھ ابزرور'' کراچی بمورخہ ۱۲/جولائی ۱۹۳۴ء میں بلوچستان میں جبر و بربریت کی پالیسی کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا جس کا متن حسب ذیل ہے:

''کراچی بلوچستان اصلاحی کمیٹی جس کے چیئر مین جمشید نوشیروان اور دوسرے اہم شہری بشمول سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون M.L.A نے بلوچستان میں جبر کی پالیسی کے حوالے سے ایک مینی فیسٹو (منشور) جاری کیا مینی فیسٹو کا لب لباب یہ ہے۔

''تمام ہم خیال اور معتدل لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات سرایت کرگئی ہے موجودہ دور میں حکومت نے بلوچستان کے حوالے سے متشددانہ پالیسی اختیار کی ہے۔اس سے واضح مراد یہ ہے کہ کُلی طور پر بلوچستان میں اصلاحات کی تحریک کو روکنا۔

پہلے بھی خان عبدالصمد خان ''کرسمس'' کے دنوں میں سندھ آئے۔ان کے خلاف کچھ نہ ہوا، اور نہ ہی ان کے آنے پر پابندی لگی اور نہ ہی ان کی سرگرمیوں پر۔سندھ سے واپسی پر انہوں نے کوئی غیر قانونی حرکت نہیں کی۔اس سے پہلے کہ وہ سانس لیں، انہیں گرفتار کرکے پابند سلاسل کیا گیا۔اس میں ذرا برابر بھی شک نہیں کہ ان کو سندھ میں خلاف قانون سرگرمیوں پر سزا دی گئی ہماری رائے میں اگر انہوں نے قانون کے برخلاف کوئی اقدام اٹھایا ہے تو ان پر سندھ میں کیس چلایا جائے۔ہم واضح طور پر کہتے ہیں کہ خان عبدالصمد کی سرگرمیاں کُلی طور پر قانونی اور مکمل آئینی تھیں اور اس کے لئے انہیں بلوچستان میں پابند سلاسل کرنا رنج آور عمل ہے۔

ہم حکومت ہند اور برطانیہ کو متنبہ کرتے ہیں کہ اس طرح کی پالیسی خصوصی طور پر بلوچستان اور سندھ اور عمومی طور پر ہندوستان کے عوام میں بے چینی پیدا کرے گی! ہم سندھی یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے بلوچستانی بھائیوں کی اصلاحات کے نفاذ کی تحریک حق بجانب ہے۔ہم نے فیصلہ کرلیا ہے کہ ہم ان کے قانونی مطالبات میں ان کے ساتھ ہیں۔ ہم حکام بالا سے درخواست کرتے ہیں کہ حالات کے حوالے سے ذمہ دارانہ اقدام اٹھائیں رہنماؤں کو رہا کریں گرفتاریاں بند کریں اور بلوچستان کے عوام کے مطالبات تسلیم کریں۔

یہ حیران کن ہے کہ وہی برطانوی حکومت باقی ماندہ انڈین صوبوں میں نئی اصلاحات لانے میں مصروف ہے۔لیکن بلوچستان میں جبر کے عمل کی اجازت دیتی ہے۔جس کے عوام اس کے علاوہ کسی اور عمل میں ملوث نہیں ان کا مطالبہ ہے کہ انہیں بنیادی سماجی حقوق اور سیاسی آزادی دی جائے"۔(٧)

سرکاری ملازمین کیخلاف تادیبی کارروائیاں:

☆''گورنمنٹ ہائی سکول لورالائی کے استاد ماسٹر پیر بخش نسیم تلوی کو بلوچ کانفرنس منعقدہ حیدرآباد میں شرکت کرنے پر شوکاز نوٹس جاری ہوا۔

☆رحیم بخش زہری سکول ماسٹر ارنگ آباد زہری کو اخبارات میں سیاسی مضامین لکھنے اور سیاست میں حصہ لینے کی بنا پر تنبیہ کی گئی کہ اگر وہ سرکاری ملازم رہنا چاہتے ہیں تو اسے اخباری مضامین لکھنے اور سیاسی عمل میں حصہ لینے سے اجتناب برتنا ہوگا اور قلات سٹیٹ کے حکام سے کہا گیا کہ اسے بحیثیت ملازم مضامین لکھنے اور سیاسی عمل میں حصہ لینے سے باز رکھا جائے۔ اگر وہ اپنے عمل سے باز نہ آئے تو اسے ملازمت سے خارج کیا جائے گا۔

ایوب اچکزئی معلم قلعہ عبداللہ، ماسٹر پیر بخش نسیم تلوی سبی اور مولوی محمد حسین معلم پشین کو سبی میں سپرنٹنڈنٹ تعلیمات کے روبرو پیش کیا گیا کہ پولیٹکل ایجنٹ ان کی سیاسی سرگرمیوں سے ناراض ہیں۔ اس سے آئندہ سیاست میں حصہ نہ لینے کے لئے نیک چلنی کی ضمانت مانگی گئی۔

اس کے جواب میں معلم ایوب اچکزئی نے کہا کہ ہم قرآن پر یقین رکھتے ہیں اور قرآن ہمیں ملک کی آزادی اور بہبود کا درس دیتا ہے۔ ان حالات میں آپ ہمیں اپنے مذہبی فرائض سے روکنا چاہتے ہیں۔ ہم اسے اپنے مذہبی احکامات سمجھتے ہیں اور اسے نبھائیں گے۔ اگر ہم دوران ڈیوٹی سیاسی عمل میں حصہ لیں تو ہمارے خلاف کارروائی کی جائے۔ اگر نفی میں جواب ہے تو میری رائے کے مطابق محکمہ تعلیم کیسے ماہوار چالیس (۴۰) روپے پر اس کی زندگی خرید سکتا ہے''۔(۸)

حکومتی سرکلر و برطرفیاں:

بلوچستان جدید ۲۶/مارچ ۱۹۳۴ء کے مطابق چیف کمشنر بلوچستان کی جانب سے زیر غور ایک سرکاری سرکلر کے مطابق کسی سرکاری ملازم کا رشتہ دار سیاست میں حصہ نہیں لے سکے گا اور اگر ایسا کیا گیا تو اس سرکاری ملازم کو ملازمت سے سبکدوش کیا جائے گا۔ حکومت اسی سرکلر کی روشنی میں بلوچ کانفرنس کے رہنما اخبار بلوچستان جدید کے اسسٹنٹ ایڈیٹر محمد حسین عنقاء کے برادرِ کبیر محمد حسن نظامی کو انکی سرکاری ملازمت سے انکے چھوٹے بھائی کی سیاست میں سرگرمی کی بنا پر فارغ کیا گیا۔ برطرفی کے احکامات بذریعہ تار سکول کے ایڈریس پر بھیج دیئے گئے وجوہات برطرفی بغیر کسی نوٹس، تنبیہ کے بارہ سالہ ملازمت بہ یک جنبش قلم دیدگئی۔ اس سے قبل پیر بخش نسیم تلوی کو ملازمت سے برخاست کیا گیا۔ جب ماسٹر محمد حسن نظامی نے محکمہ تعلیم سے وجوہاتِ برطرفی طلب کیں تو جواب ملا کہ تمہارا رویہ غیر مطمئن ہے۔

عوامی سیاسی رہنماؤں نے اس غیر قانونی برطرفی کو سریحاً ظلم اور ناعاقبت اندیشی قرار دے کر اسے اثرات کے منفی پھیلنے سے تعبیر کیا اور سپرٹینڈنٹ محکمہ تعلیم کے اس اقدام کے پیش آنے والے حالات و واقعات کے نتائج سے بے خبر فیصلہ قرار دیا۔

خان عبدالصمد خان کیخلاف محاذ:

''خان عبدالصمد خان چیئر مین بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس جو کہ تنظیمی حوالے سے لوکل مسلم ایسوسی ایشن سے تعلق رکھتے تھے۔ میر یوسف علی خان اور اُن کے رفقاء کے ساتھ بلوچستان میں اصلاحات کے نفاذ کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی پاداش میں ایک طرف تین سال قید با مشقت کی سزادی گئی تھی تو دوسری طرف حکومت نے اُن کی تنظیم میں دراڑیں ڈالنے کے لیے سبجیکٹ کمیٹی کے تنظیم میں شامل اپنے کارندوں کو ہتھیار کے طور پر استعمال کیا اس کے خلاف پروپیگنڈے شروع کئے گئے۔ لوکل مسلم ایسوسی ایشن کے ایک اجلاس میں جو ۲۷ رمئی ۱۹۳۴ء کے وسط میں کوئٹہ میں منعقد ہوا، جس میں تنظیم کے سبجیکٹ کمیٹی کے ایک ممبر عبدالرحمٰن محمد زئی نے خان عبدالصمد خان اچکزئی کے خلاف مذمت کا ووٹ پاس کرنے کی کوشش کی جہاں ممبران سبجیکٹ کمیٹی نے اس کی مخالفت کی، چندروز بعد ایسوسی ایشن کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا وہ اس اجلاس میں پھر حکام وقت کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خان عبدالصمد خان اچکزئی کے خلاف ایک مذمتی قرارداد پاس کرنے کی غرض سے آئے، اس سالانہ اجلاس کی صدارت ملک جان محمد کاسی نے کی، حاضرین میں خان صاحب عبدالقادر خان، خانصاحب خان تماخان، ملک موسیٰ جان اور عبدالرحمٰن محمد زئی قابل ذکر تھے اس اجلاس میں خطبہ صدارت اور سیکریٹری رپورٹ کے بعد قراردادیں پیش کی گئیں جن میں بعض قراردادیں پاس کی گئیں اور بعض کو مسترد کیا گیا۔ دوران اجلاس صدر مجلس ملک جان محمد کاسی کسی ضروری کام سے رخصت لے کر چلے گئے تو قائمقام صدر کے مسند کے لیے عبدالرحمٰن محمد زئی کو کمیٹی نے منتخب کیا۔

دوران کاروائی قائمقام صدر اسٹیج پر نمودار ہوئے اور ایک قرارداد خان عبدالصمد خان اچکزئی کے برخلاف نفرت و مذمت کا ووٹ پاس کرنے کی غرض سے پیش کی، قرارداد کے پیش ہوتے ہی اجلاس میں معرکہ آرائی کا میدان گرم ہوا، حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے کمیٹی نے اجلاس کل تک ملتوی کیا۔

۲رجون ۱۹۳۴ء کی صبح دس بجے سالانہ اجلاس کا دوسرا سیشن اسلامیہ اسکول کوئٹہ میں زیر صدارت نواب اسداللہ خان رئیسانی منعقد ہوا، تلاوت قران پاک اور خطبہ صدارت کے بعد اجلاس کی کاروائی شروع ہوئی جس میں گزشتہ اجلاس میں پاس کی گئی قراردادوں کا رپورٹ پیش کیا گیا۔ ایک دو تقاریر کے بعد پھر قراردادیں پاس کرنے کا سلسلہ شروع ہوا، محمد ایوب اچکزئی نے ایک قرارداد لکھ کر اسٹیج سیکریٹری کو تھما دی جسے نظر انداز کیا گیا جس پر حاضرین اجلاس نے اعتراض کیا، اعتراضات کی بوچھاڑ سے اسٹیج سیکریٹری اسٹیج سے اترے، بعد میں عبدالرحمٰن محمد زئی پھر سٹیج پر نمور ہوئے اور ایک لمبی تقریر کی جس میں انہوں نے پھر خان عبدالصمد خان اچکزئی کو ہدف تنقید بنایا اور اس کے خلاف پھر مذمتی قرارداد لے آئے۔ جس کے جواب میں محمد ایوب اچکزئی (بلوچ کانفرنس کے رہنما) نے تقریر شروع کی، صدر مجلس نے عبدالرحمٰن محمد زئی کے کہنے پر ایوب اچکزئی کو بولنے کی اجازت نہ دی جس پر اجلاس میں گرم بحث شروع ہوئی بیک وقت کئی ارکان اُٹھ کر ایوب اچکزئی کی حمایت میں بولنے لگے۔

ایوب اچکزئی نے بولنے کی اجازت نہ دینے پر واک آوٹ کیا، سوائے چند ارکان کے ہال میں موجود تقریباً پچاس ارکان نے ایوب اچکزئی کا ساتھ دے کر ہال سے باہر چلے گئے''۔(۹)

حصول وزارت عظمٰی کی بھاگ دوڑ

''اکتوبر ۱۹۳۴ء میں وزیراعظم ریاست قلات مسٹر ویکفیلڈ کی متوقع رخصت پر وزیراعظم کے مسند کے خواہش مند مردہ گھوڑوں میں جان آگئی۔ ریاست قلات کے سابق وزیراعظم میر شمس شاہ وزارت کے کھوئے جانے کے غم کو نہ بھلا سکے اور مسٹر ویکفیلڈ کے رخصت پر جانے سے اس کے امیدوں کے ویران گلشن میں چمن بندی شروع ہوگئی وہ انگریز حکام کے آرام گاہوں کے طواف کرتے دکھائی دینے لگے۔ اسی مسند کے حصول کے لیے چند دیگر خودغرض عناصر بھی میدان میں اتر آئے۔

ریاستی سرداروں نے شمس شاہ کے بعد عبوری مدت کے لئے نامزد وزیراعظم جو ۹ ماہ تک اسی مسند پر براجمان رہے، نواب گل محمد خان کو واپس اسی مسند پر لانے کے لیے پر تولنے لگے۔ اور خان بہادر شربت خان بھی اسی عہدے کے لئے دوڑ میں شامل دکھائی دینے لگے''۔(۱۰)

بلوچ رہنماؤں کا مہاتما گاندھی سے رابطہ:

''سی۔آئی۔ڈی کراچی کے مراسلہ نمبر ایس بی ۲۰۲۵ بتاریخ ۲۰/جولائی ۱۹۳۴ء کے مطابق پیر بخش نسیم تلوی ایڈیٹر ''بلوچستان جدید'' اور محمد حسین عنقا نے مہاتما گاندھی سے رابطہ کر کے ان سے بلوچوں کی درج ذیل بنیادی مطالبات کے سلسلے میں مدد طلب کی۔

☆ آزادی تحریر وتقریر۔

☆ عبدالعزیز خان کرد اور عبدالصمد خان اچکزئی کی جیل سے رہائی۔

☆ میونسپل کمیٹی اور لوکل بورڈز کے الیکشن۔

☆ حصول تعلیم کا بنیادی حق۔

☆ اور جرگہ سسٹم کا خاتمہ۔

☆ ان افراد نے مسٹر گاندھی سے درخواست کی کہ اگر ان کے مذکورہ بالا مطالبات کو اپنے کانگریس کے پروگرام میں شامل نہیں کر سکتے تو انہیں اس سلسلے میں بلوچستان کے عوامی مسائل کے حل کے لئے پریس میں بیان جاری کرنا چاہئے''۔(۱۱)

حوالہ جات:

۱۔ملک محمد رمضان، میر عبدالعزیز کرد۔ بلوچی دنیا۔ص۱۴، جولائی ۱۹۶۹ء

۲۔عبدالرحمٰن کرد اولین بلوچ رہنما۔ایضاً ص ۶۷

۳۔سرکاری دستاویزات۔۱۹۳۴ء

۴۔شاہ محمد مری۔یوسف عزیز مگسی

۵۔سرکاری دستاویزات۔

۶۔سرکاری دستاویزات۔۱۹۳۴ء

۷۔ ایضاً

۸۔ ایضاً

۹۔ماخوذ از بلوچستان جدید

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔سرکاری دستاویزات۔۱۹۳۴ء

باب چہاردہم

سیاسی روابط

برصغیر کے سیاسی رہنماؤں سے رابطے:

یوں تو میر یوسف علی خان عزیز زمانہ جلاوطنی میں قلمی جہاد کے ذریعے سیاست کے میدان کارزار میں کود پڑے تھے، اسی طرح میر عبدالعزیز کرد بھی اپنے پُر مغز مضامین (جو انڈین اخبارات میں شائع ہوئے تھے) کی وجہ سے بلوچستان کی پہچان بن چکے تھے۔

میر یوسف علی خان کے ذہن پر سیاست کا سایہ علامہ محمد اقبال مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی خان کی صحبت میں پڑا تھا اور اسی طرح میر عبدالعزیز کرد اور اس کے رفقاء کار بھی پنڈت جواہر لعل نہرو علامہ محمد اقبال اور مولانا ظفر علی خان کی صحبت اور مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریروں سے مستفیض ہوتے رہے اور ان رہنماؤں کو بلوچستان کے حالات اور رونما ہونے والے واقعات سے باخبر رکھتے تھے۔

انقلاب روس، برصغیر کے سلگتے ہوئے حالات، نو آبادیاتی نظام کی لوٹ کھسوٹ، کانگریس اور خلافت کی تحریک اور اندرون بلوچستان کے حالات نے ان بلوچ نوجوانوں کے ذہنوں میں اپنے نقوش مرتب کر کے ان کے اذہان میں اٹھتے ہوئے خیالات کو پروان چڑھانے اور انہیں سیاست کی طرف مائل کرنے میں اہم رول ادا کیا اور ان نوجوان بلوچ رہنماؤں نے ابتداء ہی میں مشترکہ دشمن کے خلاف جدوجہد کو باہم مربوط رکھنے اور بلوچستان اور ریاست قلات کے مسائل کو اجاگر کرنے کے سلسلے میں کئی بار کانگریسی رہنماؤں، تحریک خلافت کے قائدین، علامہ محمد اقبال اور مولانا ظفر علی خان سے ملاقاتیں کیں۔ ان ملاقاتوں کی وجہ سے مولانا ظفر علی خان اور علامہ محمد اقبال کے دل میں بلوچ عوام سے قربت پیدا ہوگئی۔

علامہ محمد اقبال اور یوسف عزیز:

علامہ اقبال اپنی ایک نظم ''بڈھے بلوچ کی نصیحت اپنے بیٹے کو'' میں یوں رقمطراز ہوتے ہیں۔

ہو تیرے بیاباں کی ہوا تجھ کو گوارا
اس دشت سے بہتر ہے نہ دلی نہ بخارا
جس سمت میں چاہے صفتِ سیل رواں چل

وادی یہ ہماری ہے وہ صحرا بھی ہمارا

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر

ہرفرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

اللہ کو پامردیٔ مومن پر بھروسا

ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

توفیق عمل مانگ نئے کان کہن سے

شاہان چہ عجب کرد بہ انداز گدارا

تقدیر امم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا

مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارا

ہاشم خان غلزئی جوان دنوں لاہور سے گریجویشن کر رہے تھے اپنی آپ بیتی میں کہتے ہیں کہ ''میری میر یوسف علی خان سے پہلی قربت لاہور میں علامہ اقبال کی بیٹھک میں ہوئی جہاں میر یوسف علی خان آیا کرتے تھے''۔(۱)

میر عبدالعزیز کرد اپنی سوانح عمری میں رقمطراز ہیں کہ ''علامہ محمد اقبال نے اپنی معرکتہ الارا نظم ''بڈھے بلوچ کی نصیحت اپنے بیٹے کو'' ہماری خاص کر میر یوسف علی خان کی قربت کی وجہ سے لکھی''۔(۲)

میر قادر بخش نظامانی یوسف عزیز اور علامہ محمد اقبال کے حوالے سے یوں رقمطراز ہوتے ہیں ''یوسف مگسی ڈاکٹر اقبال کے بھی مداح تھے جو برطانوی شہنشاہ جارج پنجم اور سائمن کمیشن کی ثناء میں قصیدے لکھ کر ''سر کا خطاب'' حاصل کرنے اور ہندوستانی قوم پرستی کے جذبہ میں سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا گانے کے بعد انقلاب روس اور سوشلسٹ نظریات سے متاثر ہوکر لینن کو خدا کے حضور میں پیش کرنے کے بعد فرشتوں کو خدا کا فرمان۔

'' اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو

کاخ امراء کے در و دیوار ہلادو ''

سنانے کے بعد کارل مارکس کو کہیں 'پیغمبر بے جبریل' تو کہیں 'نیست پیغمبر ولیکن در بغل دارد کتاب' لکھ رہے تھے۔(۳)

میر محمد امین کھوسہ کے بقول ''بلوچستان کے اولین اولالعزم نوجوان صاحب دل رہنماء یوسف اعظم بلوچوں کے ایک سردار خاندان سے تعلق رکھتے ہیں یہ نوجوان دنیا کے سب رہنماؤں سے واقف ہیں۔ سندھ بلوچستان اور پنجاب کی مختلف بڑی

بڑی سوسائٹیوں کی اصلی زندگی سے واقفیت حاصل کرنے میں یکا یک ان کے دل کی گہرائیوں میں سے ایک سوال اٹھتا ہے کہ ان کا مادر وطن بلوچستان کا نرم پھول بظاہر ذلیل وخوار ہے۔ان کی جہالت ان کی باہمی جنگ وجدل کا باعث بنی ہوئی ہے، ان ہی سوالات کے جوابات پر وہ غور وفکر کر رہے تھے تو انہیں علامہ اقبال کا کلام دستیاب ہوا۔اقبال کے کلام میں ایک صحیح آدمی کے صحیح جذبات کے ابھارنے کی پوری طاقت موجود ہے لیکن شرط یہ ہے کہ آدمی بھی صحیح ہو اور جذبات بھی صحیح ہوں شکوہ جواب شکوہ اور اقبال کی دیگر نظمیں اس نوجوان سردار کی سیاسی رہنماء بنیں اور آناً فاناً یہ نازونعم میں پلا ہوا نوابزادہ اپنی قوم میں سے جہالت اور مفلسی دور کرنے کے خیال سے بلوچستان کے استبدادی حلقہ پر یلغار کرتا ہے''۔(۴)

میر یوسف عزیز کو لکھے ہوئے ایک خط میں میر محمد امین کھوسہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بتاریخ یکم نومبر ۱۹۳۳ء یوں مخاطب ہوتے ہیں۔

''بات تو درحقیقت اتنی سی ہے کہ آپ سے کہوں کہ اقبال کی کتابیں جو آپ کوئٹہ میں عارضی طور پر پڑھنے کے لئے لے گئے تھے واپس کیجئے کیوں کہ جھل میں تو ویسے بھی آپ کے پاس یہی کتابیں ہیں ورنہ مجھے دوسری خریدنی پڑیں گی''۔(۵)

اقبال اور بلوچستان:

میر یوسف عزیز مگسی اور میر عبدالعزیز کرد جو کہ اپنے اخباری مضامین اور مطالبات میں ریاست قلات اور برٹش بلوچستان کو یکجا کر کے 'متحدہ بلوچستان' کے قیام کے لئے متحرک سر توڑ کوششوں میں مصروف عمل تھے۔ان کے نقطہ نظر کی حمایت علامہ محمد اقبال نے بھی کی۔

لندن میں غیر ملکی سفارت کاروں، ہاؤس آف لارڈ اور ہاؤس آف کامن کے اراکین، ڈپلومیٹک مشن کے نمائندوں اور مسلم وفد کے مابین منعقدہ اجلاس بتاریخ ۱۵ر دسمبر ۱۹۳۳ء میں علامہ اقبال نے اپنی تقریر میں بلوچ کانفرنس کے مطالبات، اصلاحات پر غور وخوض کرنے اور ریاست قلات، لس بیلہ اور برٹش کو یکجا کر کے 'بلوچستان فیڈریشن' بنانے کی تجویز دی۔

علامہ محمد اقبال کے ''بلوچستان فیڈریشن'' کے مطالبہ کے حوالے سے انگریزی میں سرکاری رپورٹ کا ترجمہ درج ذیل ہے:

منجانب:

اے، جے، او کارنر اسکوائر آئی پی سپرنٹنڈنٹ آف پولیس کوئٹہ، پشین وسبی

بجانب:

عزت مآب سیکریٹری ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل و چیف کمشنر بلوچستان

مراسلہ نمبر:۔۲۰۳۔۴۳۱۔ایس، بی

بتاریخ۔۱۶؍جنوری ۱۹۳۳ء

ایسٹرن ٹائمز لاہور بتاریخ ۱۲؍جنوری ۱۹۳۳ء کے شمارہ ہذا میں نیشنل لیگ لندن کے اجلاس میں بتاریخ ۱۵؍دسمبر ۱۹۳۳ء کی کارروائی شائع کی گئی ہے۔ جس میں بڑی تعداد میں سفارت کاروں، ڈپلومیٹک مشن کے نمائندوں ہاؤس آف لارڈ اینڈ کامن کے اراکین، آغا خان، منسٹر آف حیدرآباد، نواب سر اکبر حیدری، ڈاکٹر سر محمد اقبال اور مسلم وفد کے دیگر اراکین نے شرکت کی۔

سر محمد اقبال نے اپنے خطاب کے دوران انڈیا کے مسلمانوں کے جملہ مطالبات کے سلسلے میں بلوچستان کے بارے میں یہ رائے دی۔

کہ ''بلوچستان میں متعارف کرائے جانے والی اصلاحات کے بارے میں ہم یہ تجویز پیش کریں گے وہ یہ ہے کہ برٹش بلوچستان، قلات سٹیٹ اور لسبیلہ کو یکجا کر کے 'بلوچستان فیڈریشن' کی شکل دی جائے اور بعدازاں اس کو'' انڈین فیڈریشن'' میں شامل کیا جائے۔

دستخط

سپرنٹنڈنٹ آف بلوچستان

کوئٹہ، پشین و سبی '' (٦)

اقبال کی شاعری کی جھلک میر یوسف عزیز کے لہجے میں نمایاں نظر آتی ہے اسی طرح میر گل خان نصیر کی اردو شاعری اور عبدالرحمٰن غوّر کی شاعری پر اقبال کا لہجہ غالب ہے۔

عبداللہ ہارون اور بلوچستان:

ہندوستان کے دوسرے رہنماؤں کی طرح عبداللہ ہارون کو بھی بلوچستان کے عوام سے ایک خاص انسیت تھی۔ انہوں نے بہ نفس نفیس بلوچ اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس منعقدہ جیکب آباد دسمبر ۱۹۳۲ء میں شرکت کی۔

حیدرآباد کانفرنس کے اختتام پر میر یوسف علی خان مگسی اور عبدالصمد خان اچکزئی نے کراچی میں ۱۴؍جنوری ۱۹۳۳ء کو عبداللہ ہارون اور دیگر مسلم رہنماؤں سے ملاقاتیں کیں اور انہیں کانفرنس کی قرار دادوں اور مطالبات سے آگاہ کیا اور انہی دنوں عبداللہ ہارون کراچی کے دیگر رہنماؤں کے ساتھ مل کر بلوچستان کے اصلاحات کے حوالے سے ایک بہت بڑے عوامی جلسہ کا

انعقاد کیا۔جس میں عبدالصمد اچکزئی نے نرم اور دھیمے انداز میں بلوچ کانفرنس کے مطالبات کے حوالے سے سامعین کو باخبر کیا۔

’’۱۰رفروری ۱۹۳۳ء کو عبداللہ ہارون نے لاہور میں جاری اسمبلی اجلاس میں بلوچ کانفرنس کے مطالبات کے حوالے سے سوالات رکھے‘‘۔(۷)

’’۲۵ر مارچ اسمبلی میں بلوچستان کے عوامی مطالبات پر تقریر کرتے ہوئے بلوچستان میں اصلاحات کے نفاذ کا مطالبہ کیا‘‘۔(۸)

’’۱۷رمئی کو کراچی بلوچستان اصلاحی کمیٹی کی جانب سے ایک مینی فیسٹو جاری کیا گیا۔جس میں عبدالعزیز خان کرد اور عبدالصمد اچکزئی کی گرفتاری کو سرکار کی تادیبی کارروائیوں سے تعبیر کرتے ہوئے ان گرفتاریوں کی پرزور مذمت کی گئی۔حکومت ہند سے اپیل کی گئی کہ بلوچستان میں تادیبی کارروائیاں بند کردے،گرفتار شدگان کو رہا کرے اور بلوچستان کو انڈیا کے دوسرے صوبوں کی طرح قانونی و بنیادی حقوق دیئے جائیں‘‘۔(۹)

عبداللہ ہارون بلوچستان میں گرفتار شدگان کو رہا کرنے اور اصلاحات کے نفاذ کے حوالے سے ایک وفد کی صورت میں ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل سے بھی ملے۔انھوں نے بلوچستان کے مسائل کے حوالے سے مختلف اخبارات میں وقتاً فوقتاً بیانات بھی جاری کئے۔انہی کوششوں کی وجہ سے وہ بلوچستان کے عوام کے ایک ہمدرد رہنما کی حیثیت سے جانے پہچانے لگے۔ان کی بلوچستان کے معاملات میں قابل قدر جدوجہد ہماری سیاسی تاریخ میں عزت افزائی کا حقدار ہے اور ایک مثبت کردار کی حیثیت سے رقم ہے۔

احسان دانش:

برصغیر کے معروف مزدور شاعر احسان دانش بھی یوسف علی خان سے رابطے میں رہے اور ملتان میں احسان دانش کی محفلوں میں یوسف علی خان شرکت کرتے رہے۔یوسف علی خان کی ناگہانی شہادت سے دوسرے رہنماؤں کی طرح احسان دانش بھی اس صدمے سے دوچار ہوئے،سوگوار احسان دانش نے یوسف علی خان کی جدائی پر اپنے جذبات کا یوں اظہار کیا ہے۔

زندگانی جس سے تھی خواب گلستان درکنار
وہ میرا یوسف وہ رشکِ ماہ کنعاں کیا ہوا
خون روتے ہیں سبھی ارکانِ تعمیر ادب
کیا ہوا جان ادب یوسف علی خان کیا ہوا

احسان دانشؔ کی کئی کتابیں آپ کے نام منسوب ہیں۔

ان کے علاوہ آنجہانی موہن داس گاندھی، محمد علی جناح، من موہن مالویہ، رابندرناتھ، ٹیگور، مولانا شوکت علی خان، مولانا محمد علی جوہر، حکیم اجمل خان، ڈاکٹر انصاری اور ہندوستان کے دیگر چوٹی کے رہنماؤں سے یوسف علی خان کے قریبی تعلقات رہے اور آپ کو ان سے فیض اور رہنمائی کا موقع ملا۔

بلوچستان اور مولانا ظفر علی خان:

مولانا ظفر علی خان نہ تو نسلی طور پر یوسف علی خان، میر عبدالعزیز کرد اور ان کے رفقاء کار سے منسلک تھے اور نہ ہی وطنی حوالے سے۔ وہ لسانی طور پر علیحدہ گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی قومیت ہم سے الگ تھی، ان کا سماج بلوچ سماج سے مختلف تھا، لیکن وہ روحانی طور پر بلکہ جنونی حد تک بلوچستان میں اٹھنے والی سیاسی تحریک سے قربت رکھتے تھے۔ برصغیر کے سیاسی رہنماؤں میں سب سے زیادہ بلوچ عوام کی جدوجہد سے قربت رکھنے والے مولانا ظفر علی خان کا نام بلوچستان کی ابتدائی سیاسی تحریک سے اس طرح جڑا ہوا ہے جس طرح ایک زندہ جسم سے روح۔

جب بلوچستان کی سیاسی فضاء میں ہلچل پیدا ہوتی ہے تو مولانا ظفر علی خان اپنے آپ کو اس جدوجہد سے مربوط پا کر انقلابی گھن گرج سے یوں بول اٹھتے ہیں۔

”ملت ہو کو نوید کہ افغان کی طرح
بخشی گئی بلوچ کو بھی زندگی نئی
آیا ہے انقلاب سوادِ قلات میں
یہ موج رنگ رنگ ادھر بھی چلی گئی
پھر کر رہے ہیں بادشاہوں سے مقابلہ
پتھر جنہوں نے پیٹ پہ باندھے کئی کئی
عبدالعزیز کرد، پہ ایوبیوں کو فخر
عبدالصمد کی ذات پہ نازاں اچکزئی
دہقان کے خون گرم کی تاثیر دیکھنا
ہے فروری کی فصل میں بھی جلوہ گرمئی“ (۹)

یہ تھے مولانا ظفر علی خان جنہوں نے انقلاب کے پھیلتے ہوئے اثرات کو بلوچستان میں محسوس کیا۔ مولانا ظفر علی خان کسی بھی پارٹی کے ممبر نہ تھے وہ تو انقلاب کے فرزند تھے۔ اسے جہاں بھی انقلابی جدوجہد کی بو محسوس ہوتی تھی۔ وہ وہاں کی جدوجہد کو ابھارنے اس میں ارتعاش پیدا کرنے کے لئے عملی طور پر میدان میں آتے اور اپنے مضامین کے ذریعے، اپنے اشعار کے ذریعے اپنی یکجہتی کا اظہار کرتے اور اپنے اخبار کی وساطت سے ہر قسم کی حمایت کرتے تھے۔

بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس منعقدہ جیکب آباد ۲۷ تا ۳۰ / دسمبر ۱۹۳۲ء کی کامیابی میں ایک طرف انجمن کی قیادت کی دن رات کی انتھک محنت اور دوسری طرف مولانا ظفر علی خان کے اخبار کا بڑا عمل دخل ہے۔ مولانا ظفر علی خان کی کوششوں کے اعتراف میں کانفرنس میں ایک قرار داد بھی منظور کی گئی تھی۔

مولانا ظفر علی خان کی قربت بلوچستان کی جدوجہد سے اس وقت پیدا ہوئی، جس وقت میر یوسف علی خان اور میر عبدالعزیز کرد نے ان کے اخبار ''زمیندار'' میں بلوچستان کے حالات و واقعات کے پس منظر میں لکھنا شروع کیا۔ اس طرح مولانا ظفر علی خان بلوچستان کی سیاسی جدوجہد سے فکری طور پر مربوط اور بلوچ رہنماؤں کے ایک حساس اور ہمدرد دوست کے طور پر سامنے آئے انہیں میر یوسف علی خان میر عبدالعزیز کرد اور خان عبدالصمد خان اچکزئی کی قیادت میں مضبوط و موثر اور وسیع تحریک جو آزادی کے حصول کے لئے جاندار جدوجہد میں سرگرم عمل تھی، پر فخر تھا۔

ہمارے انہی رہنماؤں کی کوششوں اور مولانا ظفر علی خان کے عملی ربط اور ان کے اخبار کی وساطت سے بلوچستان کی سیاسی تحریک برصغیر میں روشناس ہوئی اور اس طرح اس تحریک نے آزادی پسند سیاسی اکابرین کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانے میں کامیابی حاصل کی۔ کیونکہ ہمارے یہ رہنماء تاریخ کے تغیر و تبدل رونما ہونے والے حالات و واقعات اور عوامل کے منفعت بخش نتائج میں بدلنے والے علم سے آگاہ تھے۔ اس لئے انہوں نے بلوچستان کی سیاسی جدوجہد کو برصغیر کی آزادی بخش جدوجہد سے مربوط رکھا۔

مولانا ظفر علی خان کو بلوچ عوام کی جدوجہد سے گہری دلچسپی تھی آپ نے اپنے اخبار کے ذریعے کئی مضامین اور اداریئے لکھ کر اور ان کے مضامین اور خبریں چھاپ کر بلوچ سیاسی زعماء اور بلوچستانیوں کی انتھک کٹھن اور غیر متزلزل جدوجہد سے اپنی وابستگی کا اظہار کر کے ان کے حوصلے بڑھائے۔ مولانا ظفر علی خان کو میر یوسف علی خان کی ذات میں بلوچ سماج کے خدوخال دکھائی دیتے ہیں۔ اس لئے بلوچ عوام کے نوجوان قائد میر یوسف علی خان کے بارے میں مولانا ظفر علی اپنے اشعار میں یوں کہتے ہیں کہ

''تم کو خفی عزیز ہے ہم کو جلی عزیز
عارض کا گل تمہیں ہمیں دل کی کلی عزیز

لفظِ بلوچ مہر و وفا کا کلام ہے

معنی ہیں اس کلام کے یوسف علی عزیز''

مولانا ظفر علی خان کبھی بھی ایک لمحے کے لئے بلوچ عوام کے دکھ درد سے بے خبر نہ رہے اس کی نگاہیں بلوچ عوام کی جدوجہد پر مرکوز رہتی تھیں اس کا دل یوسف علی خان کے دل کے ساتھ دھڑکتا تھا۔ جب میر عبدلاعزیز کرد اور خان صمد خان اچکزئی پابند سلاسل کئے جاتے ہیں تو اپنے اشعار سے بلوچستانیوں کے دلوں اور ذہنوں میں جوش ابھارنے کے لئے اور جدوجہد کے اغراض و مقاصد پر ثابت قدم رہنے کے لئے یوں مخاطب ہوتے ہیں۔

''مردان مجاہد ہیں گردانِ بلوچستان

دبتے نہیں باطل سے شیرانِ بلوچستان

کیا لائیں گے خاطر میں خم خانہ لندن کو

مست مئے یثرب ہے رندانِ بلوچستان

خون رگ بطحی سے پہنچا جو یہاں بہہ کر

گلرنگ ابھی تک ہیں میدانِ بلوچستان

ہیں اس کے زعیموں میں کُرد اور اچکزئی

وہ شان بلوچستان یہ آنِ بلوچستان''(۱۰)

وقت کے ساتھ ساتھ مولانا ظفر علی خان کی ریاست قلات میں پیدا ہونے والی سیاسی تحریک سے دلچسپی روز بروز بڑھتی گئی مولانا نے اس جدوجہد کی اخلاقی سیاسی مدد وحمایت کرکے اپنے آپ کو بلوچستان کی سیاسی جدوجہد سے مربوط کیا تھا۔ مولانا ظفر علی خان نے اس پہلو کو بھی اجاگر کرنے کی کوشش کی کہ اگر بلوچ عوام اور بلوچستانیوں کی تحریک میر یوسف علی خان خان اور ان کے رفقاء کی زیر قیادت ہندوستان میں وقوع پذیر ہونے والے حالات واقعات اور سیاسی تحریک کے اثرات سے الگ تھلگ بے تعلق رہی تو بلوچ عوام کی آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد بہت زیادہ کٹھن اور دشوار ہوجائیگی اس لئے مولنا صاحب نے بلوچستان کی سیاسی جدوجہد کے ساتھ سرگرم تعلق جوڑ کر اسے اپنے اخبار کے ذریعے ہندوستان بھر میں روشناس کرایا۔

مولانا ظفر علی خان کو بلوچستان کی سیاسی تحریک سے والہانہ لگاؤ تھا۔ اپنی ایک نظم میں انگلستان سے یوسف علی خان کی وطن واپسی پر اہل بلوچستان کو خلوص دل سے مبارک باد دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

''مبارک ہو یوسف علی خان کی آمد

گلستان میں فصلِ بہاراں کی آمد

گل ولالہ و ارغوان کو مبارک

برستے ہوئے ابر نِیسان کی آمد

بلوچوں کو کہہ دو کہ ڈالے گی ہل چل

شغالوں میں شیرِ نیستان کی آمد''(۱۱)

کوئٹہ کے قیامت خیز زلزلہ میں خدا کی ہزار ہا مخلوق پیوند خاک ہوگئی۔اس حادثہ میں یوسف علی خان مگسی کے بھی جاں بحق ہونے کی خبر آئی لیکن ساتھ ہی مولانا صاحب کو ایک تار آیا (جو افسوس کہ بالآخر صحیح نہ نکلا) کہ یوسف علی خان صحیح سلامت ہیں۔اس تار کے پہنچنے پر مولانا ظفر علی خان کی زبان سے حسبِ ذیل اشعار جاری ہوگئے۔

(یاد رہے کہ میر یوسف علی خان اس ہولناک زلزلے میں شدید زخمی ہوئے تھے جو اسی دن دوپہر کو زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہوئے)۔

''نہ بھولے گا بلوچستان کا بھونچال یاروں کو

قیامت تھی ہر اک بستی میں اس کا شور مچ جانا

اترنا اس کی ہیبت کا،دلوں میں اور دماغوں میں

سرو پاؤں کے ریشہ ریشہ اور نخ نخ میں رچ جانا

تماشا گاہِ عبرت تھی قضاء کا زور و بازوُ کا

جہاںِ ناتواں کی نیم جانی سے بچ جانا

جسے ہم مارنا چاہیں بچا سکتا ہے کون اس کو

اس ارشادِ خداوندی کو منکر نے بھی سچ جانا

خدا کا سایہ ہو یوسف علی خان کی طرح سر پر

تو آسان ہے فنا کی زد میں آنا اور بچ جانا''(۱۲)

بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کی کامیابی کے لئے مولانا ظفرعلی خان کا اخبار کانفرنس کے لئے وقف رہا۔ اشتہار، خبریں رہرلحہ کے حالات وواقعات کی شہ سرخیاں زمیندار اخبار کے ماتھے پر جھومر کی طرح چمکتی رہیں وہ کانفرنس کی کامیابی کے لئے سرتوڑ کوششوں میں محور ہے۔مولانا صاحب کی ہماری تحریک کے ساتھ فکری و عملی وابستگی ہماری سیاسی تحریک کا ایک گراں قدر حصہ ہے۔افسوس کہ اکثر محققین بلوچستان کی تحریک کے ساتھ مولانا ظفرعلی خان کی وابستگی کو نہ جانے کیوں نظرانداز کرتے ہیں؟

حوالہ جات:

۱۔ ڈاکٹر سلیم کرد۔ ہاشم خان غلزئی کی آپ بیتی۔ماہنامہ ’سنگت‘

۲۔ خودنوشت سوانح حیات میر عبدالعزیز کرد۔’بلوچی دنیا‘ جون، جولائی ۱۹۶۰ء

۳۔ قادربخش نظامی۔ماہنامہ ’سنگت‘۔جولائی، اگست ۲۰۰۵ء ص ۱۲

۴۔ محمدامین کھوسہ۔’نصرت‘ کراچی۔۵رجون ۱۹۵۷ء

۵۔ الحنیف، جیک آباد۔فروری ۱۹۳۷ء

۶۔ سرکاری دستاویزات۔۱۹۳۳ء

۷۔ سرکاری دستاویزات۔۱۹۳۳ء

۸۔ سرکاری دستاویزات۔۱۹۳۳ء

۹۔ سرکاری دستاویزات۔ ایضاً

۱۰۔ مولانا ظفرعلی خان۔نگارستان۔ص ۱۵۱

۱۱۔ ایضاً ص ۱۷۳

۱۲۔ ایضاً ص ۲۳۰

باب پانزدہم

عازم انگلستان، واپسی وشہادت

لندن روانگی سے قبل بیان

’’میر یوسف علی خان مگسی بتاریخ ۹/مارچ ۱۹۳۴ء کو کرچی سے ممبئی روانہ ہوئے قبل از روانگی انہوں نے پریس ریلیز جاری کرتے ہوئے کہا ہے۔

میں تقریباً ڈیڑھ دوماہ سے بیمار ہوں درمیان میں میری طبیعت کچھ اچھی ہوگئی تھی کہ اچانک سبی میں ہفتہ عشرہ دماغی الجھنوں کے کام میں مصروف ہونے کے باعث طبیعت گرگئی ہے۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر اس طرح دماغی کام کرنے کی رفتار جاری رہی تو میرے لیے اپنی صحت کا بچانا مشکل ہو جائے گا اگرچہ مجھے اس امر کا احساس ہے کہ میری غیر حاضری میں میرے قبیلے کے مگسی بھائیوں کو قدرے تکلیف ہوگی اور ان تمام معاملات پر کافی اثر پڑے گا جس کے ساتھ میرا تعلق رہا ہے۔مگر باوجود اس کے مجبور ہوں اور ان وجوہات کی بنا پر میں نے فیصلہ کیا ہے کہ جب تک میری صحت اجازت نہیں دیتی اور میرے علاج معالجے کا کورس ختم نہیں ہوتا تب تک کسی بھی کام میں حصہ نہ لوں۔خواہ دماغی اور تخیلی ہو یا عملی۔ اس لحاظ سے احباب اور متعلقین یہ خیال رکھیں کہ وہ مشورہ یا استصواب رائے کے لئے مجھے میرے ایام علاج کے دوران پریشان نہ کریں اور مجھے کچھ عرصہ تک چھوڑ دیں‘‘۔(۱)

عازم انگلستان:

میر یوسف عزیز کراچی سے نکلنے والے کئی اخبارات کے سرپرست تھے جو تندہی اور جرات کے ساتھ بلوچستان کے مسائل کو متواتر اجاگر کرتے رہے اور خود میر یوسف عزیز نے جیکب آباد کو سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنایا ہوا تھا‘‘ اسے ڈھاڈر کے مقام پر اسٹیٹ کونسل کے اجلاس میں جس کے وہ ممبر تھے، شمولیت کا دعوت نامہ پہنچ گیا۔خیال یہ تھا کہ ڈھاڈر پہنچتے ہی اسے گرفتار کیا جائے گا اس لئے سیاسی رفیقوں نے اسے سٹیٹ کونسل کے اجلاس میں شمولیت کرنے سے منع کیا۔لیکن یوسف علی خان نے ان کی رائے سے اختلاف کیا۔ جب میر یوسف علی خان ڈھاڈر پہنچے تو خان قلات میر احمد یار خان سے اس کی کئی ملاقاتیں ہوئیں جو AGG بلوچستان کے ایما پر تھیں۔ بالآخر خان میر احمد یار خان نے اسے اس بات پر آمادہ کرلیا کہ کچھ عرصہ کے لئے وہ بلوچستان سے باہر انگلستان چلا جائے یہی بلوچستان کی انگریزی حکومت کی مرضی تھی۔

میر گل خان نصیر کے بقول ''اس سلسلے میں خان قلات میر احمد یار خان نے جو روائیداد مجھے سنائے ان کی بنیاد اگرچہ حکومت انگریزی کی خواہش پر تھی، لیکن رنگ آمیزی کے لئے خان قلات کے مفروضے کا سہارا لیا گیا تھا۔ میر احمد یار خان نے کہا کہ سٹیٹ کونسل کے اجلاس کے بعد میں نے میر یوسف علی خان کو مشورہ دیا کہ وہ میرے (خان قلات کے) نمائندے کی حیثیت سے انگلستان جائے اور وہاں حکومت برطانیہ کے اعلیٰ حکام سے ۱۸۷۴ء کے معاہدہ کے مطابق خان قلات کے حقوق حکمرانی اور (شال) کوئٹہ کے ماسوا باقی مستجار علاقوں کی قلات کو واپسی کے متعلق گفت وشنید کرے۔

میر یوسف عزیز کی جلاوطنی میں برٹش حکومت کی ایما خان آف قلات زیادہ تر سرداران ریاست قلات کی دلچسپی شامل تھی کیوں کہ یوسف عزیز کی بڑھتی ہوئی سیاسی سرگرمیاں اور سٹیٹ کونسل میں تقاریر خان صاحب اور سرداران ریاست قلات کو نہیں بھاتے تھے۔

یوسف عزیز کی سیاسی سرگرمیوں سے سرداران ریاست قلات کو اپنی قبائلی اور روایتی نظام کی موت نظر آتی تھی وہ یوسف عزیز کے سایہ کو ایک آسیب کی طرح اپنے سروں پر ہر وقت منڈلاتا محسوس کرتے تھے۔ وہ یوسف فوبیا کے مرض میں مبتلا تھے یوسف کی مجسم صورت تک کو ریاست قلات اور بلوچستان میں ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہیں کرتے تھے اور خان آف قلات پر ان کا دباؤ تھا۔

میر یوسف عزیز کی جلاوطنی تنہا انگریز حکمرانوں کی ایماء پر نہیں بلکہ جلاوطنی میں انگریزوں سے زیادہ دلچسپی سرداروں کو تھی۔ آخر کار یوسف عزیز کو انگریز حکمرانوں، خان آف قلات اور سرداروں کی مشترکہ ملی بھگت سے جلاوطنی پر مجبور کیا گیا۔ جہاں تک خان صاحب کے نمائندے بننے کا معاملہ ہے وہ من گھڑت افسانہ ہے۔ اگر اس میں ذرا بھی سچائی ہوتی تو یوسف کے مضامین، خطوط اور سرگرمیوں میں کہیں نہ کہیں نظر آتا۔

ان کی جلاوطنی میں خوشی کا عنصر شامل نہیں تھا۔ بلکہ احباب کے مشورے سے فیصلہ یہ ہوا کہ ''جیل جانے سے بہتر ہے کہ وہ کچھ عرصہ جلاوطن رہیں۔

جلاوطنی پر اپنی بے بسی اور مجبوری کا ذکر میر یوسف عزیز یوں کرتا ہے۔ ''مجبوراً یورپ جا رہا ہوں مجھے کافی احساس ہے کہ میری غیر حاضری آپ کے لئے کس قدر ذہنی اذیت کا باعث ہوگی مگر کیا کیا جائے۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں''۔ (۲)

یوسف عزیز ۲۷/ مارچ ۱۹۳۴ء کو بمبئی سے براستہ مصر عازم انگلستان ہوئے۔ اس سفر کے دوران انہوں نے اپنی معرکتہ الاآرا نظم ''حلف نامہ ءآزادی لکھی۔ قاہرہ (مصر) پہنچ کر آپ نے یہ نظم زمیندار لاہور میں اشاعت کے ئے بجھوائی۔ اس حلف نامے میں آپ بلند و بانگ انداز میں اپنے اہل وطن سے یوں مخاطب ہوتے ہیں کہ

''میں پھر اعلان کرتا ہوں ، میں پھر اقرار کرتا ہوں

میں اپنی بات پر، پھر یوسفی اصرار کرتا ہوں

کہ اے اہلِ وطن جس وقت تم مُجھ کو بلاؤ گے

مجھے سرباز دیکھو گے، مجھے جانباز پاؤ گے''

قیام انگلستان آپ کی مصروفیات تا ہنوز پوشیدہ ہیں، تحقیق کے طل ہیں۔ سوائے چند خطوط کے جن سے سرمایہ دارانہ نظام کی خوبیوں اور خامیوں کا مشاہدہ جھلکتا ہے۔ ہاں انہوں نے وہاں قیام کے دوران زیر تعلیم انڈین طالب علموں سے روابط رکھے ہوئے تھے جو وہاں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ یہ رابطہ بھی ایک قومی مقصد کے لئے تھا'' جامعہ عزیزیہ جھل کو ایشیاء کی عظیم الشان درس گاہوں کی صف میں کھڑا کرنے کی ایک عظیم یونیورسٹی بنانے کی۔ جس کے لئے انہوں نے وہاں ہندوستان کے زیر تعلیم پی ایچ ڈی کے طالب علموں سے اس عظیم یونیورسٹی میں درس وتدریس کے سلسلے میں کمنٹمنٹ بھی لی تھیں۔

یورپ سے مراجعت

''یوسف عزیز مگسی بحالی صحت کے بعد ڈاکٹروں کے مشورے سے اکتوبر۱۹۳۴ء میں میر یوسف عزیز کی کچھ عرصے کے لئے لندن سے شمالی ویلز کے سرد مقامات میں قیام فرمانے کے بعد دسمبر کے اواخر میں عازم ہندوستان کے لئے لخت سفر باندھ لیا''۔(۳)

یوسف علی خان کو صدمہ:

''روزنامہ''انقلاب'' بمورخہ ۸/اگست ۱۹۳۴ء کے ایک خبر کے مطابق میر یوسف علی کے دیرینہ رفیق غلام رسول قہرائی صدر انجمن بلوچانِ ہند ڈیرہ غازی خان میں انتقال کر گئے''۔(۴)

غلام رسول قرائی فلاحی وتعمیری مقاصد کے لئے ۱۹۲۸ء میں سرگرم ہوئے۔انہوں نے ہندوستان میں بسنے والے بلوچوں کی فلاح و بہبود کی غرض سے 'انجمن بلوچانِ ہند' نامی تنظیم کی بنیاد ڈالی اوراس تنظیم کے پلیٹ فارم سے ہندوستان کے بلوچوں کو فلاحی وتعمیری مقاصد کیلئے ایک پلیٹ فارم مہیا کرنے کی سرتوڑ کوششیں کیں۔ ان مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے انہوں نے میر حسین بخش تالپور کی وساطت سے حیدر آباد میں ایک بہت بڑی ''بلوچ کانفرنس'' کا انعقاد کیا جس میں ہندوستان کے اہم بلوچ معززین نے بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ اس تنظیم کے اغراض و مقاصد کو سندھی میں ترجمہ کیا گیا۔ میر حسین بخش تالپور کی وساطت سے اس تنظیم نے سندھ میں خاصی مقبولیت حاصل کی۔

۱۹۳۰ء میں غلام رسول قہرائی کی قیادت میں انجمن بلوچانِ ہند کی طرف سے بلوچ کانفرنس کی پہلی سالگرہ جانپور میں منعقد ہوئی جس میں ہندوستان کے چپے چپے سے بلوچ زعما نے شرکت کی۔ جس میں انہوں نے دوسری بلوچ کانفرنس کا اعلان کیا۔ لیکن بعد میں مگسی ہجرت کی وجہ سے حالت کی نزاکت کی بدولت یہ اجتماع موخر کیا گیا۔

یادرہے کہ غلام رسول قہرائی 'بلوچ کانفرنس' کے بانیوں میں سے تھے۔ وہ بلوچ کانفرنس کے آرگنائزر اور بلوچوں کے عظیم رہنما میر یوسف علی خان کے قریبی ساتھیوں میں شمار ہوتے تھے انہوں نے ہی یوسف علی خان سے ملتان میں ملاقات کر کے ''بلوچستان ڈے'' کو موخر کرنے، انہیں وسیع بنیادوں پر ایک قومی کانفرنس (بلوچ کانفرنس) بلانے کی تجویز دی تھی۔

میر یوسف علی خان نے ملتان ہی میں دوران علالت ''انجمن'' کے رہنماؤں کا ایک اجلاس ستمبر ۱۹۳۲ء میں طلب کی۔ اور' بلوچستان ڈے' جو کہ اکتوبر میں منانے کا پروگرام طے ہوا تھا، اسے ملتوی کر کے (بلوچ کانفرنس) دسمبر ۱۹۳۲ء میں جیکب آباد میں منعقد کرنے کا اعلان کیا۔

آپ جیکب آباد وحیدر آباد بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کے سرگرم رہنماؤں میں سے تھے۔ انہوں نے ان کانفرنسوں کی کامیابیوں کے لئے سرتوڑ کوششیں کیں، وہ ایگزیکٹو کمیٹی کے ممبر رہے، نائب صدر بھی رہے۔ مسودہ کمیٹی کی تیاری میں بھی اپنی خدمات سرانجام دیں اور کانفرنس کے مطالبات و اصلاحات کی تشہیر کے لئے مختلف اخبارات میں مضامین بھی لکھتے رہے۔

غلام رسول قہرائی کی وفات سے میر یوسف علی خان اپنے ایک مخلص دوست اور بلوچانِ ہند اپنے ایک عظیم رہنما سے محروم ہوئے۔ بلوچوں کی فلاح و بہبود کے لئے جن کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

انگلستان سے واپسی:

انگلستان میں آپ دس ماہ مقیم رہے۔ بالآخر عوام سے محبت اور درد وطن نے آپ کو واپسی کے لے رخت سفر باندھنے پر مجبور کیا ور آپ بتاریخ ۳۱ رجنوری ۱۹۳۵ انگریزی ڈاک کے جہاز ''نارکنڈا'' کے ذریعے انگلستان سے بمبئی وارد ہوئے آپ کی واپسی پر اہل بلوچستان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ مولانا ظفر علی خان کب اس خوشی سے بے بہرہ رہ سکتے تھے وہ اس خوشی کے موقع پر یوں چہکتے ہیں۔

''مبارک ہو یوسف علی خان کی آمد
گلستان میں فصل بہاراں کی آمد
گلِ لالہ و ارغوان کو مبارک

برستے ہوئے ابرِ نیساں کی آمد

بلوچوں سے کہہ دو ، کہ ڈالے گی ہلچل

شغالوں میں شیرِ نیستان کی آمد''

بمبئی میں جامعہ عزیزیہ کے ناظم تعلیم مولانا عبدالکریم اور بھائی محبوب کے علاوہ دوست واحباب نے آپ کا استقبال کیا۔ بمبئی سے آپ کراچی پہنچے کراچی پہنچتے ہی خان آف قلات میر احمد یار خان نے انہیں ڈھاڈر طلب کیا اور اپنے پرائیویٹ سیکریٹری محمد عظیم خان کو انہیں ڈھاڈر لانے کے لئے لکھ بھیجا۔ میر یوسف علی خان کراچی میں دوتین دن قیام کے بعد بذریعہ ٹرین سبی روانہ ہوئے۔ سکھر کے سٹیشن پر خان آف قلات کے پرائیویٹ سیکرٹری محمد عظیم خان ان کے ہمراہ ہوئے میر گل خان نصیر جو ان دنوں خان آف قلات کے ہاں ملازمت کیا کرتے تھے، نے ''انہیں سبی ریلوے سٹیشن سے بذریعہ کار ڈھاڈر لے آئے''۔ میر یوسف علی خان ایک ہفتہ ڈھاڈر میں خان آف قلات کے ساتھ مقیم رہے۔

خان قلات سے گفت وشنید کی تا حال کوئی باوثوق تصدیق نہیں ملی۔ میر گل خان نصیر (جس کے یوسف علی خان سے گہرے مراسم تھے۔ جو ان دنوں کئی بار یوسف عزیز سے ملے) کو بھی کچھ نہ بتایا گیا۔ ''یوسف علی خان ایک ہفتہ وہاں مقیم رہے۔ انہوں نے انتہائی خاموشی سے دن رات بسر کئے''۔

بقول میر گل خان نصیر کے '' جب میں خان معظم میر احمد یار خان سے ملا اور نواب یوسف علی خان کے سپرد کئے ہوئے مشن سے متعلق ان سے دریافت کیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ سٹیٹ کونسل کے اجلاس کے بعد میں نے میر یوسف علی خان کومشورہ دیا کہ وہ میرے (خان قلات کے) نمائندے کی حیثیت سے انگلستان جائے اور وہاں حکومت برطانیہ کے اعلیٰ حکام سے ۱۸۷۶ء کے معاہدہ کے مطابق خان قلات کے حقوق حکمرانی اور (شال) کوئٹہ کے ماسوا باقی مستاجر علاقوں کی قلات کو واپسی کے متعلق گفت وشنید کرے''۔(۵)

'' میر یوسف علی خان حکومت برطانیہ کے ذمہ دار افراد کے طرز عمل سے جو ۱۸۷۶ء کے معاہدہ کے مطابق قلات کی آزادی اور کوئٹہ کے علاوہ باقی مستاجر علاقوں کی واپسی کے متعلق تھا مایوس نہ تھے۔ البتہ اس سلسلہ میں جو طویل طریقہ کار اختیار کیا گیا۔ اس سے یوسف علی خان متفق نہ تھے اس لئے خان معظم کے ساتھ اپنی ملاقاتوں میں انہوں نے بلوچستان میں آزادی کی تحریک کو منظّم کرنے کی ممکنات پر غور کیا اور غالبًا ایک ایسی سکیم بھی مرتب کی گئی جس سے بلوچستان کے اندر اور بلوچستان سے باہر ایک خارجی ملک کی امداد سے بیک وقت آزادی کی جنگ لڑی جائے''۔(٦)

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خان آف قلات کے لئے یوسف علی خان اتنے قابل بھروسہ تھے کہ اسے اپنا نمائندہ بنا کر حکومت برطانیہ کے نمائندوں سے گفت وشنید کے لئے بھیجتے تو پھر کیوں سٹیٹ کونسل کے اجلاس میں میر یوسف علی خان کی تحریک کو اپنے نمائندہ سرداروں کے ذریعے ناکامی سے دوچار کروایا؟ اسے سرداری سے دستبرداری پر کیوں مجبور کیا گیا؟ ان کے ساتھی میر عبدالعزیز کرد کو اپنے ہی جرگہ کے ذریعے کیوں سزا دلوائی؟ اس کی جائیداد کو کس دوستی میں گورنمنٹ کے تصرف میں دیا گیا، کس لئے الاؤنس بھی بند کیا گیا؟ خان آف قلات نے جھل کے تمام امورات کس خوشی میں اپنے ایک افسر کے سپرد کئے؟ یوسف کو اپنی زمینوں سے حاصل کئے گئے پیداوار کا ششک (چھٹا) حصہ سے کس بنا پر محروم کیا گیا؟

اب خان صاحب کے نمائندے کا یہ حال ہے جس کا تذکرہ ڈھاڈر سے جھل واپسی پر ۳۰/ مارچ ۱۹۳۵ء محمد امین کھوسو کو لکھے گئے خط میں یوں کرتا ہے۔

''اگر میری اس دو ڈھائی ماہ کی نقل وحرکت کا سراغ لگاؤ تو خود اندازہ لگا سکو گے کہ کیسی سخت تر مصروف زندگی میں نے گزاری ہے۔ پرسوں رات دو بجے سویا، صبح ۹ بجے سے ۳ بجے شب تک کام کیا۔ یہ کام کسی دفتر کا نہیں بلکہ یہ مختلف افراد سے مختلف مقامات پر مختلف معاملات پر بات چیت ہے۔ تخمیناً اس ۴۸ گھنٹے کی محنت کے باعث ۴۸۰۰ روپیہ کما چکا ہوں۔

میرے حالات نے مجھے مجبور کر دیا کہ شعریت چھوڑ کر ایک ٹھوس آدمی کی طرح کام کروں (تا چندے) اگر کام کے بعد تفریح کا وقت ہے تو زہے نصیب اور زہے مسرت! میں نے اپریل کے آخر تک بہت کام کرنے ہیں''۔

خان صاحب کے نمائندے کی حالت زار یہاں تک پہنچی، کہ وہ سرداری کے ساتھ اپنی ذاتی جائیداد سے بھی چھٹکارا پا چکے اور ایک مزدور بن کر رہ گئے۔ جو کچھ کماتا ہے اسی پر گزارا کرتا ہے۔ سرکار کو یہ بھی نہ بھایا اور جلد ہی اسے جھل سے بدر کیا گیا۔ اب وہ ایک مسافر کی طرح کبھی شہداد کوٹ، کبھی جیکب آباد، کبھی سبی وکبھی کوئٹہ بے خانماں سرگرداں پھرتے رہے۔

چیف کمشنر سے ملاقات

(نجات کراچی) کے ایک خبر کے مطابق ''یوسف عزیز مگسی ۵/ مارچ ۱۹۳۵ء کو ہز ہائی نس میر احمد یار خان کے ہمراہ کوئٹہ چیف کمشنر بلوچستان سے ملاقات کرنے کو تشریف لے گئے جہاں انہوں نے چیف کمشنر سے خان صاحب کے ہمراہ ملاقات کی''۔

میر یوسف عزیز مگسی یوسف آباد میں

نجات (کراچی) بتاریخ ۲۳/ مارچ ۱۹۳۵ء کے نامہ نگار کے مطابق میر یوسف علی خان عزیز مگسی ہز ہائی نس اور چیف کمشنر سے ملاقات کرنے کے بعد ۱۱/ مارچ سکھر کے لیے روانہ ہوئے، وہاں دو دن قیام کے بعد شہداد کوٹ کی راہ سے یوسف

آباد تشریف لے گئے آپ کامل سال کے بعد اپنے گھر تشریف لے گئے تھے۔ میر یوسف عزیز مگسی نے یوسف آباد میں عید منائی اور ہفتہ عشرہ گھر رہنے کے بعد آپ اپنا آئندہ کا پروگرام بنائیں گے۔

جھل کا خفیہ دورہ:

اس علاقہ بدری کے دوران میر یوسف علی خان نے جھل کا آخری دورہ خفیہ طور پر کیا۔ جیکب آباد سے خفیہ طور پر نوتال آئے اور اپنے ایک عزیز میر ہوت خان مگسی کے ہاں ٹھہرے۔ شام کو گھپ اندھیرا چھا جانے کے بعد میر ہوت خان مگسی کو ساتھ لے کر بذریعہ اونٹ نوتال سے جھل مگسی پہنچے جہاں کچھ دن قیام کیا اور مگسی معتبرین کے ساتھ خفیہ ملاقاتیں کیں۔ پھر چپکے سے واپس نوتال آئے اور شہداد کوٹ روانہ ہوئے۔ (۷)

نظر بندی:

میر یوسف علی خان کو ۲۸ رمئی ۱۹۳۵ء بذریعہ ٹرین کوئٹہ پہنچتے ہی نظر بند کیا گیا اور رمزے روڈ پر انسپیکشن بنگلوز میں واقع ڈاک بنگلہ میں رکھا گیا۔

شہادت:

کوئٹہ پہنچنے کے دو دن بعد حالت نظر بندی میں ۳۰، ۳۱ رمئی ۱۹۳۵ء کی درمیانی شب ۳ بجکر ۵ منٹ پر بلوچستان کا وہ خوفناک تباہ کن زلزلہ آیا جس میں کوئٹہ، مستونگ، قلات، مچھ، پشین اور آس پاس کے علاقوں کے ہزاروں لوگ لقمہ اجل بن گئے۔ کوئٹہ اور گردونواح کے دوسرے شہر اور بستیاں کھنڈرات میں بدل گئے۔ یوسف عزیز کی موت کا سبب بھی یہی زلزلہ بنا۔ ''یوسف عزیز اس زلزلے میں ملبے کے نیچے دب گئے اور جب ملبہ ہٹا کر آپ کو نکالا گیا تو آپ شدید زخمی حالت میں تھے۔ آخر کار اسی روز جمعہ کے دن دوپہر بعد از نماز جمعہ زخموں کی تاب نہ لاکر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے''۔ (۸)

آپ کی شہادت کی خبر سے بلوچستان، سندھ، پنجاب سمیت ہندوستان بھر میں آپ کے جاننے والوں کو دلی صدمے سے گزرنا پڑا۔

ہر سال آپ کی یاد ۳۱ رمئی کے دن نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ منائی جاتی ہے اور اس دن آپ کے مقبرے پر حاضرین فاتحہ پڑھتے ہیں اور پھولوں کی پتیاں نچھاور کرتے ہیں۔

یوسف عزیز کا مقبرہ کوئٹہ کے مشرقی سمت مردار پہاڑ کے دامن کاسی قبرستان میں واقع ہے۔ مقبرہ سفید سنگ مرمر سے بنا ہوا ہے۔ جس پر آپ کے اشعار کندہ ہیں۔ ایک شعر پیش ہے۔

”عزیز موت کا ایک دن معین ہے
مجاہدوں میں کرائیں نہ کیوں شمار اپنا“

حوالہ جات:

۱۔بلوچستان جدید ۱۴/مارچ ۱۹۳۴ء

۲۔حقیقت ۔سبی ماہ جون ۱۹۵۴ء

۴۔دستاویزات۔

۳۔بلوچستان جدید ۱۴/مارچ

۵۔۔میرگل خان نصیر۔”یادوں کے ادبار“

۶۔ایضاً

۷۔واحد بخش مگسی گفتگو۔نومبر ۲۰۰۲ء

۸۔کمال الدین احمد رہبرِ نسواں۔۱۴/جون ۱۹۵۴ء

باب شانزدہم

پرنٹ میڈیا

کانفرنس کی تشہیر:

یوں تو بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کے انعقاد کے اعلان سے چہ مگوئیوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا۔ برٹش بلوچستان کے اہلکار اور قلات کے ریاستی سردار اس مسئلے پر مخالفت میں کھڑے نظر آ رہے تھے۔ شہر شہر اور گاؤں گاؤں تلخ جذباتی بحث و مباحثہ جاری تھا۔ مخالفین کا کانفرنس کے مسئلے پر ٹھنڈے دل سے سوچنا مشکل نظر آ رہا تھا۔ وہ ان کوششوں میں سرگردان تھے، کہ کسی نہ کسی طریقے سے کانفرنس کے انعقاد کی راہ میں بند باندھی جائے، کانفرنس کو ناکامی سے ہمکنار کیا جائے۔ لیکن دوسری طرف کانفرنس کے حامی کانفرنس کی کامیابی کے لیے سر توڑ کوششوں میں مصروف عمل تھے۔ کانفرنس کے رہنماؤں نے معقول طریقہ کار اپناتے ہوئے کانفرنس کی تشہیر کے لئے اخبارات میں مضامین اور خبریں جاری کرنا شروع کر دیں۔ کانفرنس کے پبلسٹی سیکرٹری عبدالعزیز خان کرد جو خود بھی روزنامہ ''آزاد'' لاہور کے اسسٹنٹ ایڈیٹر تھے نے لاہور اور سندھ کے اخبارات کو کانفرنس کی تشہیر کے لئے ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا شروع کیا۔ ان اخبارات میں وسیع پیمانے پر کانفرنس کی تشہیر کے لئے بیانات و مضامین چھپنے شروع ہوئے۔ لاہور سے مولانا ظفر علی خان کا روزنامہ ''زمیندار'' روزنامہ ''انقلاب'' لاہور، روزنامہ ''ایسٹرن ٹائمز'' لاہور، روزنامہ ''مساوات'' لاہور، اتحاد بلوچان کراچی ''اتحاد'' حیدر آباد، ''الحنیف'' جیکب آباد اور طائران ابابیل کانفرنس کی خبروں اور مضامین کو نمایاں جگہ دینے میں پیش پیش تھے۔

بلوچ اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کی کامیابیوں کا سہرا کانفرنس کے رہنماؤں، رضا کاروں کی انتھک محنت و جدوجہد کے ساتھ ساتھ ان اخبارات کے مدیران کے سر ہے۔ جنہوں نے کانفرنس سے پہلے اور اجلاس کے بعد ان کے مطالبات، قرار دادوں اور مضامین کو اپنے اپنے اخبارات میں چھپوا کر ان کے مسائل و مشکلات کو ایوانوں تک پہنچایا اور وقتاً فوقتاً کانفرنس کی خبروں کی تشہیر کرتے رہے۔ ذیل میں ان اخبارات میں چھپنے والے مضامین اور خبروں کو پنجاب، سندھ و بلوچستان کے آرکائیوز سے ملنے والی سرکاری رپورٹوں کی مدد سے انگلش سے اردو میں ترجمہ کر کے پیش کر رہا ہوں۔

آل انڈیا بلوچ کانفرنس اینڈ قلات سٹیٹ:

بلوچ کانفرنس متحرک رہنما سردار غلام رسول قیہرائی بی اے، صدر انجمن اتحاد بلوچانِ ہند کا بلوچ کانفرنس کے پس منظر میں سندھ ابزور کو لکھی گئی وہ مضمون جسے شائع ہونے سے قبل خلاف قانون قرار دیکر ضبط کیا گیا۔ ضبط ہونے والی رپورٹ میں ۳/جولائی ۱۹۳۳ء درج ہے۔ مضمون کا متن حسبِ ذیل ہے:

اگلے روز مجھے ایک یادداشت یا مختصر سا مضمون دکھایا گیا۔ جسے پارلیمانی سلیکٹ کمیٹی لندن کو بھیجا جانا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اسے بلوچستان ورکنگ کمیٹی اور آل انڈیا بلوچ کانفرنس نے منظور کیا تھا۔

اس سے قبل کہ میں اس مسودے کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر نظر ڈالوں، میں بہتر سمجھتا ہوں کہ بلوچ کانفرنس کے وجود کے آنے کے بارے میں کچھ مختصراً بیان کروں۔

۱۹۲۸ء میں، میں نے یہ محسوس کیا کہ کانگریس کی تحریک ہندوستان بھر میں تیزی سے پھیل رہی ہے۔ نوجوان ذہن جو کہ سیاست کے لئے خام مال ہیں، بہت زیادہ اس تحریک سے متاثر ہوئے، اور اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے، اور یہ تحریک شمال مغربی صوبہ میں بھی سرخ پوش کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سرخ پوشوں نے اس میں بہت سی کامیابیاں حاصل کیں۔ مگر یہ ڈر ہے کہ تحریک خالی خول جذباتی نعروں کے پیچھے نہ چلی جائے۔ خاص طور پر میرے پٹھان بھائیوں کی نظر اندازی کہ وہ جہالت اور غیر آئینی طور پر جذباتی انداز سے معاملات چلا رہے ہیں جو کہ جانی و مالی نقصانات کا نتیجہ بن سکتا ہے۔ تاہم میری حیثیت یہ نہیں ہے کہ اپنے ہمسایوں کی عظیم قربانیوں میں خامیوں کو تلاش کروں، انہوں نے اپنے لئے بہت کچھ حاصل کیا، جس کے لئے وہ جدوجہد کر رہے ہیں مگر کام کرنے کے بہت سے طریقے ہیں۔ میں ان میں سے ہوں کہ پر امن طور پر اپنے حاصلات آئینی طریقے سے لوں۔ جیسے کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ کانگریس کی آگ ہمسائے صوبے میں جلتی ہوئی دیکھی جاسکتی ہے۔ میں قدرتی طور پر بلوچ خطے میں اس کے پھیلاؤ کی پیشن گوئی کرتا ہوں بلوچ نسبتاً پٹھانوں سے کم تعلیم یافتہ ہیں۔ دعا کریں کہ بلوچ کسی شر انگیز پروپیگنڈہ میں نہ آئیں۔

بلوچوں کے رجحان کو دوسرا رخ دینے کے لئے میں نے تمام نقطہ نظر سے کارآمد اور مفید کام کا آغاز کیا۔ میں نے یکدم تعمیری کام کا 'انجمن اتحاد بلوچانِ ہند' کے نام سے آغاز کیا۔ اس تنظیم کے اغراض و مقاصد بنائے اور اسے چھپوا کر بلوچوں میں تقسیم کیا۔ تعلیم یافتہ ملازمین و افراد نے اسے خوش آمدید کہا۔ حیدر آباد سندھ میر حسین بخش تالپور کے زیر سایہ تھا اس نے اس تحریک میں بہت زیادہ دلچسپی لی۔ حیدر آباد میں جے۔ کے بھرگری کے گھر میں بہت بڑی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس میں علاقہ کے اہم بلوچ معززین نے پر جوش انداز میں شرکت کی۔ جن میں محمد خان جانڈیہ بھی تھے۔

یہ ایک بہت بڑی کامیابی ثابت ہوئی۔ تنظیم کے اغراض و مقاصد کو سندھی میں ترجمہ کیا گیا، اور اس تحریک نے سندھ میں مقبولیت حاصل کی۔

اگلے سال بلوچ کانفرنس کی پہلی سالگرہ خانپور میں منائی گئی۔ میں نے اپنے صدارتی خطبے میں یہ شکوک وشبہات دور کئے اور کہا کہ تحریک مکمل اصلاحی وفلاحی ہے اور یہ کہ بلوچ وسیع تحریک میں حصہ نہیں لے سکتے جب تک وہ اپنے آپ کو بہتر نہیں بناتے۔

دوسری آل انڈیا بلوچ کانفرنس کا انعقاد ہونا تھا، لیکن مگسی ہجرت سے حالات غیر تسلی بخش ہوئے اور کانفرنس کو اگلے سالوں کے لئے موخر کر دیا گیا۔

اگلے سال میں نوابزادہ محمد یوسف علی خان سے ملنے ملتان گیا جو کہ بستر علالت پر تھے۔ میں نے ان سے 'بلوچستان ڈے' کو موخر کرنے کے بارے میں بات کی اور مشورہ دیا کہ بلوچستان ڈے کی بجائے آل انڈیا بلوچ کانفرنس کا انعقاد کیا جائے۔ وہاں پر موجود بلوچ زعما نے اس خیال کو قبول کیا، اس دوران میری سرکاری ملازمت 'شادی لال دیموکولس' نے بہ یک جنبش قلم ختم کی۔ ملازمت کا سر قلم کرنے والی تلوار کئی سالوں سے میرے سر پر لٹک رہی تھی۔ جب سے وہ لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس بنے ہیں مسلم کمیونٹی کے کئی لوگوں کو یہ سزا دلائی ہے۔

میں اب بالکل آزاد ہوں اور مجھے یہ موقع ملا کہ کانفرنس کی کامیابی کے لئے دوڑ دھوپ کروں۔ اس کے ساتھ میرے دوستوں نے مجھے مشورہ دیا کہ لاء کالج میں داخلہ لوں اور وکالت کا پیشہ اختیار کروں۔ چنانچہ میں نے اس عمر میں وکالت کی بھی ڈگری حاصل کی۔ میری غیر حاضری اور بوجہ بیماری یوسف علی خان نے 'بلوچ کانفرنس' غیر تجربہ کار لوگوں کے ہاتھوں میں تھمادی۔ جنھوں نے ہمارے مشورے کے بغیر پوسٹر وغیرہ بنائے جس نے بہت زیادہ شکوک وشبہات پیدا کئے، جس کے نتیجے میں کانفرنس کو مادی واخلاقی طور پر زیادہ مدد نہ مل سکی، نہ صرف باہر کے لوگوں سے بلکہ اپنے بھی قبائلی سربراہوں نے مدد نہ کی۔ سرکاری کارندوں نے بھی اسے غلط نظروں سے دیکھا اور انھوں نے کانفرنس کے انعقاد میں رکاوٹیں پیدا کیں۔ لیکن ہماری یقین دہانی پہ اسے جیکب آباد میں منعقد کرنے کی اجازت دیدی گئی۔ میں نے بہت کم وقت اپنی وکالت کے لئے تعلیم سے نکالا۔ بلوچ کانفرنس نوابزادہ یوسف علی خان کی انتھک کوششوں کی وجہ سے مقررہ تاریخوں پر منعقد ہوئی۔ ہز ہائی نس میر علی نواز خان تالپور والئی خیر پور کو صدارت کے لئے منتخب کیا گیا۔ لیکن وہ بوجہ علالت کانفرنس میں حصہ نہیں لے سکے۔ ان کی غیر موجودگی کی بناء پر خان عبدالصمد خان اچکزئی کو ایکٹنگ صدر منتخب کیا گیا۔

کانفرنس کی کاروائی جو کہ پہلے سے ہی عوام کی ملکیت تھی لہٰذا اس کے بارے میں کچھ نہیں لکھا جا سکتا۔ کانفرنس میں شمولیت اختیار کرنے والے پٹھانوں کا شکریہ ادا کیا اور دوسروں کا بھی جو پہلے ہی سے بلوچستان میں شامل تھے بلوچ کانفرنس میں شمولیت کی دعوت دی گئی۔

ٹائٹل صفحے پر بلوچستان کا نقشہ واضح طور پر دکھاتا ہے کہ آٹھواں حصہ اجارے پر برٹش کو دیا گیا ہے اور اجارے میں دیا گیا علاقہ بغیر کسی الفاظ معاہدے ...... کے برٹش بلوچستان میں شامل کئے گئے ہیں۔ اجارے فریقین کے منشاء کے مطابق ختم کئے جا سکتے ہیں اور ایجنسی واپس قلات سٹیٹ میں جلد یا بدیر شامل ہوسکتی ہیں۔ عملی طور پر بلوچستان کا ۷۵ فیصد علاقہ قلات اسٹیٹ پر محیط ہے۔ جسے کسی حال میں بھی بلوچستان کے اضلاع میں شامل نہیں کیا جا سکتا وغیرہ وغیرہ۔

قلات سٹیٹ اپنے اندرونی معاملات میں مکمل طور پر آزاد ہے اور حکمران خان صاحب مکمل طور پر اپنے عوام کے ساتھ اپنے قوانین کے مطابق تعلق رکھتا ہے یہ میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ کیسے ریاست کی نمائندگی شاہی جرگہ میں ہوتی ہے ۔ یہ بھی زیر دست حالت میں ہوتی ہے ۔ ۷۵ فیصد ملک کی نمائندگی صرف ۲۷ ممبران کریں جبکہ کل ممبران ۷۵ ہیں جو کہ ایک بیہودہ ، نا قابل عمل اور غیر دانشمندانہ رائے ہے ۔

بلوچستان میں ریاست یقینی طور پر ہندوستان کے دوسری ریاستوں کی پیروی کرے ۔ شاہی جرگہ دوسرے الفاظ میں Lagistive کونسل ہے جو کہ ہندوستان کی دوسری ریاستوں میں نہیں ۔ قلات سٹیٹ اور بلوچستان کی دوسری ریاستوں کو نمونہ بنایا جائے ۔

تاہم ریاست قلات سے منسلک دوسری بلوچی ریاستیں انڈین فیڈریشن سے دوسری ریاستوں کی طرح اپنا مناسب حق وصول کریں گے ۔ میں اپنے بھائیوں کو خبردار کرتا ہوں کہ بلوچستان کی حیثیت کو کمتر نہ کریں ۔ اس کی حیثیت جنگی نقطہ نظر سے بہت اہم ہے ۔ چند انڈین ریاستوں کی طرح قلات سٹیٹ بھی کئی حوالوں سے پسماندہ ہے ۔ لہذا ریاست کی طرف سے انسانی نقطہ نظر سے خان آف قلات میر محمد اعظم خان بلوچ G.C.I.E موجودہ خان بلوچ اپنے ملک میں فائدہ منداصلاحات متعارف کرائیں میرے خیال میں یہ آئینی طور پر چیزوں پر عملدرآمد کرتا ہے یہ آئینی طریقہ کار ہے ۔ خان بہت ہمدرد اور وسیع القلب شخص ہے ۔ وہ یقینی طور پر مناسب درخواستوں پر غور فرمائیں گے ۔ سبی میں وزیر کے ساتھ گزشتہ گفتگو کے حوالے سے میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ بلوچوں کی ترقی کے لئے بہت ہی زیادہ فکر مند ہیں ۔

دوسری بات یہ ہے کہ قبائلی علاقہ جس سے مراد مری بگٹی علاقہ معاہدوں کے تحت نیم خود مختار ہیں اور جیسا کہ مجھے معلوم ہوتا ہے کہ برٹش حکومت ان کے اندرونی معاملات میں اجتناب بھرتی ہے ۔

'' ورکنگ کمیٹی کی رائے کے مطابق یہ قبائلی سردار اپنی حیثیت کو یقینی طور پر کمتر برداشت نہیں کریں گے اور وہ اپنے آخری حد تک اپنی تشخص برقرار رکھیں گے'' ۔

اگر چہ مری سردار ناخواندہ ہے اور عادات واطوار اور طرز رہن سہن مغربی انداز سے ہے وہ یقینی چاہیں گے کہ وہ اپنی حیثیت میں کسی بھی قسم کی کمتری کو قبول نہ کریں کہ ان کے مخصوص نیم خود مختار علاقے کو برطانوی علاقے کے ساتھ یکجا کیا جائے ۔

نواب بگٹی ایک خاص بلوچ ، اچھے پڑھے لکھے اور اپنے دور کے حوالے سے بہت ہی ترقی یافتہ ہے اور کافی تجربہ کار نواب ہیں ۔ بلا خوف اختلاف میں کہوں گا کہ وہ بلوچستان میں بہت ہی ذہین اور اچھے حکمران ہیں ۔ وہ اپنے تشخص اور حیثیت کو برقرار رکھنے میں بہت ہی حساس ہیں ۔ ظاہری طور پر یہ بالکل ہی مشکل و ناممکن ہے کہ وہ اپنی حیثیت سے دستبردار ہوں ۔

موجودہ حالات میں یہ بہتر ہوگا کہ ان کی طاقت کو ختم کرنے کی بجائے ان کے حالات بہتر بنائے جائیں جیسا کہ لس بیلہ اور ہندوستان کی دوسری ریاستوں کے ہیں۔ اس طرح وہ آسانی سے اصلاحات کو قبول کر کے متعارف کرائیں، جس طرح ہندوستان کی دوسری ریاستوں میں کیئے گئے ہیں۔ صرف بلوچستان کا آٹھواں حصہ بچے گا جو قانونی طور پر برطانیہ سے اصلاحات کا مطالبہ کرے گا جو کہ بقایا ہندوستان میں متعارف کرائے گئے ہیں۔

میں موجودہ حکمرانوں کی کمزوریوں پر جو کہ مختلف دستاویزات سے آشکار ہیں متفق ہوں۔ پولیٹیکل افسران کے غیر معمولی اختیارات، جس انداز سے جرگوں کو چلاتے ہیں۔ تعلیم کے پھیلاؤ کے حوالے سے ناقابل برداشت ہیں۔ مگر ان تمام خرابیوں میں صرف سرکار موردالزام نہیں۔ میرے خیال میں بلوچستانی ان مشکلات کے کافی حد تک خود ذمہ دار ہیں۔ مسئلے کا حل ان کے ہاتھ ہے۔ سرکار صرف زخم پر مرہم رکھے اور ان مسائل کو آئینی طریقے سے نمٹائے۔

مجھے موجودہ چیف کمشنر کے خیالات کا بلوچستان میں اس کے اصلاحات کے بارے میں علم نہیں، کیوں کہ مجھے ان سے ملنے کا موقع نہیں ملا۔ البتہ ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ جبکہ میرے خیالات 'بلوچ کانفرنس' کی تجاویز سے میل نہیں رکھتے۔ میری ہمدردیاں بلوچ بھائیوں کے ساتھ ہیں بجائے اندھیرے میں گروپ بندی کے میں انہیں مشورہ دیتا ہوں کہ ہم پہلے ایک پروگرام ترتیب دیں اور اپنی اصلاح کے لئے واضح طریقہ کار مرتب کریں۔ جب ایسا کچھ ہو تو ہم سرکار سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے وہ سیاسی حقوق دے دیئے جائیں جن کا ذکر پہلے کیا ہے۔ یہ واضح ہے کہ حکومت کبھی بھی بہت زیادہ پیسہ بلا جواز خرچ نہیں کرے گی جبکہ اصلاحات کا نفاذ چھوٹی سی زمین پر مشکل نہیں۔ بلوچستان کے اس پیچیدہ مسئلے کا حل صرف اس میں ہے کہ بلوچستان کو ہمسایہ صوبوں پنجاب، سندھ اور شمالی مغربی صوبے کے ساتھ ملایا جائے۔ پنجاب کی دلچسپی نہ ہونے کی وجہ سے اسے باہر رکھا جائے۔ سندھ بلوچ صوبہ اور شمالی مغربی صوبہ ایک پشتون صوبہ۔ بلاشک وشبہ یہ دونوں خسارے والے صوبے ہیں۔ مگر گورنمنٹ تیسرا نہیں بنائے گا۔ لہٰذا میں مشورہ دیتا ہوں، اگر بلوچستان کو سندھ کے ساتھ یکجا کیا گیا تو صوبے کو سندھ کم بلوچستان صوبہ کہا جائے گا۔ بلوچستان کے پٹھانوں کو فطری طور پر اس رائے سے بے چینی ہوگی۔ مگر ٹھنڈے دماغ سے سوچا جائے تو اس مشکل سے نکلنے کے لئے کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ وہ یقینی طور پر NWFP کی طرف راغب ہونگے۔ یہ ان کے لئے بہت مہنگا پڑے گا۔ مستقبل میں وہ خسارے میں رہیں گے۔ تاہم اگر حکومت پشتونوں کو اس پر راضی کرے کہ انہیں خود مختاری کے اصولوں پر پسند کا موقع دیا جائے۔ اگر وہ NWFP کو پسند کرتے ہیں انہیں وہاں شامل کیا جائے۔ لیکن اگر بقایا بلوچستان گر ترقی چاہتے ہیں تو انہیں سندھ سے باہم ملایا جائے۔ کسی دوسرے صوبے کی نسبت سندھ کی نسلی ہم آہنگی اور سماجی یکسانیت بلوچستانیوں کی بہتر خواہش ہوگی۔ انضمام سے اخراجات یقینی طور پر کم ہو جائیں گے اور اس نقطہ نظر سے دونوں حاکم اور محکوم بغیر کسی اضافی اخراجات کے اسے حاصل کریں گے اگر انہیں اس میں اچھائی نظر آئے تو اسے اپنا لیں اور ورکنگ کمیٹی سے درخواست کی جاتی ہے کہ اوپر ظاہر کئے گئے خیالات کی روشنی میں اپنے مطالبات کا از سر نو جائزہ لیں۔

میں ورکنگ کمیٹی کا ایک ممبر ہوں۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ بلوچ کانفرنس کی تجاویز مرتب کرتے وقت مجھ سے رابطہ نہیں کیا گیا اور نہ ہی کسی بھی ممبر نے مجھے مرتب کردہ تجاویز کی کاپی بھیجی۔ لیکن مجھے لاہور میں اتفاقاً مرتب کردہ تجاویز کی دستاویز ملی۔ اپنے عوام کے مفاد میں میں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور تنظیم جو کہ ان کے مقاصد کی وکالت کرتی ہے میں امید رکھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے لکھا اس پر نظر ثانی کرے گا۔ جب بلوچستان کے اصلاحات کے سوالات کو ترتیب دیا جائے گا مناسب طریقے سے وہ تمام لوگ جو اس بہبود کے مقصد میں دلچسپی رکھتے ہیں اس پر مناسب طریقے سے غور وخوص کریں گے۔

میر عبدالعزیز کرد و شہباز خان نوشیروانی کی گرفتاری:

روزنامہ ''زمیندار'' بمورخہ ۲۶ / جنوری ۱۹۳۳ ء کے شمارے میں میر عبدالعزیز کرد و میر شہباز خان نوشیروانی رہنمایان بلوچ کانفرنس کی گرفتاری کی خبر شہ سرخیوں سے شائع کی اور ان گرفتاریوں کو جمہوری طرز جدوجہد کے خلاف تادیبی کاروائیوں سے تعبیر کیا اور چند دن بعد انڈین مرکزی گورنمنٹ کی مداخلت پر انہیں ضمانتوں پر رہا کیا گیا۔

بلوچ کانفرنس کا ایگزیکٹو لسٹ:

زمیندار ۱۴ / جنوری ۱۹۳۳ ء کے شمارے میں بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کی ایگزیکٹو لسٹ شائع ہوئی۔ جس کے مطابق

صدر بلوچ کانفرنس۔ علی نواز خان تالپور والئی خیر پور

نائب صدر خان عبدالصمد خان اچکزئی

یوسف علی خان مگسی

میر غلام قادر خان

جنرل سیکرٹری سردار محمد اعظم خان مزاری

پبلسٹی سیکرٹری میر پیر بخش خان شہدادزئی

ان عہدیداروں کے علاوہ

ورکنگ کمیٹی سب کمیٹی کا بھی چناؤ عمل میں لایا گیا۔

یوسف عزیز کے سیاسی دورے:

روزنامہ زمیندار نے بمورخہ ۲۲ / جنوری ۱۹۳۳ ء کو نوابزادہ یوسف علی خان مگسی کا دوروں کا پروگرام شائع کیا۔ جس کی رو سے وہ اپنے دوروں کا آغاز ملتان سے کریں گے۔ جہاں وہ ایک ہفتہ قیام کریں گے۔ دورانِ قیام وہ بلوچ کانفرنس کے رہنماؤں

اور دیگر سیاسی اکابرین سے گفت وشنید کریں گے ۔ایک ہفتہ بعد ملتان سے سکھر روانہ ہونگے وہاں چند دن قیام کے بعد شہداد کوٹ اور بعد میں سبی کا دورہ ہوگا۔

یوسف عزیز کی سبی آمد:

پریس نیوز سبی ۲۰ رفروری ۱۹۳۳ء بلوچ کانفرنس کے رہنما میر یوسف عزیز مگسی سیاسی دورے پر سبی پہنچے ۔ میر یوسف عزیز سبی میں دو ہفتے قیام کریں گے ۔

زمین جنبد، نہ جنبد گل محمد:

روزنامہ ''زمیندار'' ۱۱رفروری ۱۹۳۳ء

ایک مشہور کہاوت ہے کہ نادان دوست سے دانا دشمن کہیں بہتر ہوتا ہے ۔ انگریز جو درج بالا کہاوت کی بنا پر سمندر پار سے آئے اور برصغیر کے پینتیس کروڑ انسانوں پر حکمرانی کی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ سامراجی مفادات کے لئے بغیر ہچکچاہٹ کے احمق لوگوں کو اپنے قریب لائے۔ ان کے یہ قریب تر دوست اتنے احمق تھے کہ وہ یقین رکھتے تھے کہ خالی الذہن لالچی لوگ برطانوی حکومت کی بنیاد ہیں ۔ انگریز جو کہ طرز حکمرانی سے واقف تھے وہ کبھی بھی ان پر رحم نہیں کھاتے تھے اور اپنے اہداف کو حاصل کرنے کے بعد انہیں لات مار کر باہر نکالتے تھے ۔ان احمق لوگوں میں خان بہادر گل محمد کی خاص جگہ تھی۔خوش بختی نے اسے ریاست قلات کی وزارت عظمیٰ عطا کی بجائے اس کے کہ وہ اپنے اعلیٰ مرتبے کو ریاست کے حقیقی اور کارآمد مفاد میں بروئے کار لائے ۔ جس کے ذریعے تعلیم کو لازمی قرار دے اورعمومی زراعت کی حوصلہ افزائی کرے۔ تجارت کو بڑھوتی دے اور معاملات کو بہتر بنائے ۔لیکن انہوں نے ان مخلص لوگوں کی جو رعایا کے حقوق کے لئے سرگردان تھے وہ چاہتے تھے کہ انہیں وہ بنیادی حقوق حاصل ہوں جو دوسرے صوبوں میں رعایا کو نئے آئین کے تحت دیئے گئے مگر اس کے برعکس اس نے وہ غلط راہ پر چل کر ان کی کوششوں پر پانی پھیر دیا۔انہوں نے یہ قدم بغضِ معاویہ کے تحت اُٹھایا۔انہوں نے یہ قدم بغضِ معاویہ کے تحت اُٹھایا۔

''جیکب آباد بلوچ کانفرنس''میں تعلیم کے حوالے سے وسیع تر بنیاد قرارداد بلوچوں کی سماجی و معاشی ترقی کے لئے قرار دادیں، تعلیم عامہ کے حوالے سے قراردادیں منظور ہوئیں توانہیں اوران کے چند دوستوں کو یقین ہوا کہ اس کانفرنس میں انقلاب کے جراثیم چھپے ہوئے ہیں۔انہوں نے حتی المقدور کوشش کی کہ ثابت کریں کہ چند قومی رضا کار برطانوی حکومت کے مخالف ہیں انہوں نے برطانوی آقاؤں کے مفادات کا نگہبان بن کر اپنے لئے نئے عہدے اورالقابات حاصل کئے ۔

انگریز حکمرانوں سے باوجود اختلافات کے ہم یہ نہیں سمجھتے کہ وہ ......شعور اور جمہوریت کو خان بہادر گل محمد جیسے بے ہودہ اور پیشہ ور بھکاری لوگوں کے مشورے پر پس پشت ڈال دیں ۔

ہم خان بہادر کو تنبیہ کرتے ہیں کہ اس قسم کی ناپسندیدہ تابعداری سے اجتناب بھرتیں اور بلوچستان کے عوام کی حالتِ زار پر رحم کریں۔ ورنہ ہم مجبوراً اس قسم کی پوشیدہ چیزوں کو آشکار کر دیں گے جو یقینی طور اس کے مستقبل کی امیدوں پر پانی پھیر دیں گی۔

ہم یقین کرتے ہیں کہ یہ مضمون گل محمد کی پالیسیوں پر اثر انداز ہوگا اور تکلیف دہ معاملات کو دوبارہ نہیں دہرایا جائے گا۔

ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھیں اور کسی بھی بیہودہ پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہوں۔

آخر میں ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ان لوگوں کو مطلع کریں جو کہ قومی بیداری قوم کی تعلیمی و معاشی ترقی کے لئے مالی امداد اور کوششیں کر رہے ہیں۔ وہ اپنی ہمت سے نیک وبہبود کی کوششوں کو جاری رکھیں گے جو کہ انہوں نے اس یقین اور دعاؤں کے ساتھ شروع کیں تھیں کہ تمام مسلمانوں کی دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔

وزیراعظم گل محمد کے حق میں مضمون:

(روزنامہ ''سیاست'' لاہور بمورخہ ۷/فروری ۱۹۳۳ء کے شمارے میں وزیراعظم قلات کی حمایت اور روزنامہ ''زمیندار'' کی پالیسیوں کو ہدف تنقید بناتے ہوئے ایک مضمون میں یوں رقمطراز ہوتے ہیں، جس کا متن حسبِ ذیل ہے):

سیاست میں زمیندار کی داغدار پالیسی کو عیاں کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ یہ بے ہودگی کی انتہا ہے کہ خان بہادر نے ریاست کی تمام مشینری کو تبدیل کیا جو کہ تمام معاملات میں پسماندہ تھی۔

سیاست، زمیندار سے کہتا ہے کہ وہ پنجاب میں تعلیم کو لازمی قرار نہیں دے سکا۔ باوجود اس کے پنجاب میں بہت بہتر حکمرانی تھی اور اچھی انتظامیہ کے ساتھ چلا جارہا تھا اور اس سلسلے میں بہت سی کوششیں کی گئیں۔

سیاست زمیندار سے بارہ (۱۲) مہینے کے ممکنات پر سوال کرتا ہے اور مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ میر محمد یوسف علی نے زمیندار کی خدمات خرید لی ہیں اور اسے (نوابزادہ) یقین ہے کہ وہ زمیندار کی وجہ سے ایک تسلیم شدہ لیڈر بن جائیں گے۔ مرحوم نواب (قیصر خان مگسی) نے اٹھارہ (۱۸) لاکھ روپے اپنے پسماندگان میں چھوڑے۔ جس میں سے گیارہ (۱۱) لاکھ روپے نوابزادہ نے اپنے آپ کو لیڈر بنانے پر خرچ کیئے جبکہ وہ اس کا بالکل حق نہیں رکھتے۔

آخر میں زمیندار کو سختی سے انتباہ کیا کہ جلد از جلد وہ تمام پوشیدہ راز جو خان بہادر گل محمد کے لئے کہا گیا انہیں آشکار کرے ورنہ دندان شکن جواب کے لئے تیار ہو جائے۔

بلوچستان میں اصلاحات:

’’ ایسٹرن تائمز‘‘ لاہور ۳۱رجنوری ۱۹۳۳ء کے شمارے میں بلوچستان کے عظیم بطل جلیل یوسف علی خان عزیز کا بلوچستان میں اصلاحات کے متعلق ایک پر مغز مضمون شائع ہوا جس کا متن حسبِ ذیل ہے:

’’بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس‘‘ کی موجودہ بے مثال کامیابیوں سے سرکار کے ایوانوں میں لرزہ طاری ہے اور وہ پریشانیوں سے دوچار ہیں۔ یہ نہ صرف میرے لئے خوشی وشادکامی کا مقام ہے بلکہ میرے ہم خیال اور ان تمام ہمدردوں کے لئے جو روز اوّل سے بلوچستان کے معاملات میں دلچسپی رکھتے ہیں، باعث مسرت ہے۔

یہ میری ناکامی ہوگی اگر میں ’’پریس‘‘ کو مبارک باد نہ دوں اور شکریہ ادا نہ کروں، جنہوں نے بلوچستان کے مسئلے پر ہمارا ساتھ دیا۔

میں پرزور طور پر خلوص دل سے یہ کہتا ہوں کہ میں بلوچستان کے عوام کی رہنمائی کرتے ہوئے دل کی گہرائیوں اور قدر ومنزلت کی نگاہوں سے ان کی خدمات کو سراہتا ہوں جن کی مدد اور حوصلہ افزائی نے مقاصد کے حصول کی تحریک کو تقویت بخشی۔

’بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس‘ نے متفقہ طور پر بلوچستان میں آئینی اصلاحات کی قرار دادیں پاس کیں۔ ان قرار دادوں کی کاپیاں وزیر اعظم، سیکرٹری سٹیٹ فار انڈیا، سر آغا خان اور مسلم نمائندگان آر، ٹی، سی کو بھیجیں۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بلوچستان کے پاس اتنی مالی حیثیت ہے کہ وہ ان بنیادی اصلاحات کو خودمختار صوبے میں نافذ کر سکے۔ میرا واضح نقطہ نظر یہ ہے کہ اس قسم کے اعتراضات اصلاحات کے نفاذ میں کوئی بھی رکاوٹ نہیں بن سکتے اور کسی بھی گاؤں، شہر اور صوبے کی فطری ترقی، بہبود و بھلائی کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتے۔ یہ بنیادی انصاف اور قربانیوں کے خلاف، متعصّبانہ رویہ ہوگا کہ یہ سب کچھ بغیر مقصد کے ختم ہو۔ مقصد کے بغیر حصول اختتام پذیر نہیں ہے، بلکہ اختتام اصل مقصد ہے۔ اس نقطے پر میں زور دیتا ہوں کہ بلوچستان کے موجودہ اخراجات واقعتاً بہت زیادہ ہیں۔ مجھے مکمل یقین ہے کہ بلوچستان اپنے آپ کو مستقبل میں باعزت طریقے سے برقرار رکھے گا اور موجودہ دور سے زیادہ معتدل اور بامقاصد اخراجات کر پائے گا۔ موجودہ اخراجات کو بنیاد بنا کر اسے غیر ضروری سمجھ کر بلوچستان کی آئینی ترقی کے سامنے روڑے اٹکانا ہے۔

دوسرا اعتراض جو کہ مختلف حلقوں میں بے چینی پیدا کر رہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بلوچستان کی آبادی بہت کم ہے۔ بقیہ بلوچستان ریاستوں اور قبائل میں بٹا ہوا ہے۔ لہٰذا حکومت کے لئے مستقل سسٹم کا اعلان ان ریاستوں میں بہت مشکل ہوگا۔ پہلا اعتراض اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ بنیادی حقوق سے خاص طریقے سے انکار کرنا۔ ہر مثبت سوچ رکھنے والا اس قسم کے اعتراض کو رد کر دے گا۔

دنیا میں اس سے زیادہ کوئی چیز قابل مذمت نہیں کہ کسی قوم کے بنیادی و پیدائشی حقوق بے بنیاد اور جھوٹے و مکارانہ معذرت کے ساتھ رد کے جائیں۔

دوسرا اعتراض بھی اسی قسم کا مکرر معذرت ہے کہ اس وقت تک کچھ بھی نہیں ہوسکتا، جب تک انڈین ریاستیں ہندوستان کی آزادی کے لئے ہاتھ سے ہاتھ نہ ملائیں۔

سر محمد اقبال نے حال ہی میں بلوچستان میں اصلاحات کے مسئلے پر ہاؤس آف لارڈز، ہاؤس آف کامن اور غیرملکی سفیروں کے ساتھ مذکرات کے دوران اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ”برٹش بلوچستان، قلات سٹیٹ اور لس بیلہ سٹیٹ کو آپس میں مدغم کر کے انہیں بلوچستان وفاقی فیڈریشن کا نام دیا جائے اور اس فیڈریشن کو آل انڈیا فیڈریشن کے ساتھ منسلک کیا جائے“۔

ان تجاویز کو بہت زیادہ مقبولیت ملی، اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس حوالے سے بہت بہتر تجویز ہے۔

میری رائے ہے کہ قبائلی سرداروں کی حیثیت اور مفادات کو اس میں تحفظ ملے گا۔ ان کی اندرونی خودمختاری بھی محفوظ رہے گی اور ان کو بلوچ فیڈریشن پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ کیا میں ریاست قلات اور بیلہ کے حکام سے یہ پوچھنے کا حق رکھتا ہوں کہ وہ ”بلوچ فیڈریشن“ میں شامل ہونے کو ترجیح دیں گے؟ بجائے اس کے کہ وہ آل انڈیا فیڈریشن میں براہ راست شامل ہوں؟

روزنامہ ”سیاست“ لاہور کے سید حبیب نے حال ہی میں جیکب آباد کا دورہ کیا انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ”برٹش بلوچستان میں اصلاحات کا مطالبہ اس کے برابر ہوگا کہ اس خطے کو حقیقی حقوق سے محروم رکھنا۔ جس کے باشندے بلاشک وشبہ، کوئٹہ، چاغی، بولان، نصیر آباد حقیقتاً قلات سٹیٹ سے تعلق رکھتے ہیں اور برٹش بلوچستان حقیقتاً خودمختار نہیں بلکہ اس خطے کے معاملات کو چلانے کے لئے ایک مستجار علاقہ ہے۔

لہٰذا اصلاحات کے لئے کہہ دینے سے یہ مراد ہوگی کہ یہ خطہ برٹش گورنمنٹ کے تصرف میں ہے۔

سید حبیب صاحب پرزور انداز سے کہتے ہیں کہ ”بلوچ کانفرنس لازماً اس خطے کو دوبارہ قلات سٹیٹ میں شامل کرنے کا مطالبہ کرے اور پھر قلات سٹیٹ سے آئینی حقوق کا مطالبہ کرے“۔

یہ تجاویز حقیقتاً بہت اہمیت کے حامل ہیں، مگر کانفرنس میں انہیں کلی طور پر زیر غور نہیں لایا گیا میرے اندازے کے مطابق اس سوچ کو قلات کے حکمرانوں کی تائید حاصل تھی۔ مجھے خدشہ ہے کہ اس مطالبے سے اصلاحات کا معاملہ طول نہیں پکڑے گا۔ جو کہ ہمارا نزدیکی ہدف ہے اور جب تک ان تجاویز کی پشت پر کوئی اجازت نہ ہو۔ سید حبیب صاحب کی تجویز ناقابل

عمل اور تصوراتی ہے۔ لہٰذا میں بلوچوں سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنی جدوجہد کو بلوچستان میں برابری کی اصلاحات اور ایک ''بلوچ فیڈریشن'' تک مرکوز کریں۔

آخر میں برطانوی حکومت سے اپیل کرتا ہوں کہ بلوچستان کے لئے آئینی حقوق جس پر بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس متفق ہوئی ہے کے نفاذ میں تاخیر نہ کرے۔ مگر اصلاحات کی عدم نفاذ سے برطانوی حکومت کی خواہش ہے کہ وہ بلوچوں میں نا اتفاقی وشکوک وشبہات پیدا کریں۔

اب آگے بڑھنے کا وقت آ گیا ہے۔ میں مقامی سرکار سے درخواست کرتا ہوں کہ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کی تجویز کے مطابق ایک کمیٹی تشکیل دے، جو کہ ایک کتاب ترتیب دے، جس میں تمام رسوم و رواج و روایتی قوانین درج ہوں تا کہ جرگے کی رہنمائی کر سکے۔ آل انڈیا بلوچ کانفرنس نے تعلیمی ترقی پر زیادہ زور دیا ہے اور متفقہ طور پر یہ مطالبہ کیا کہ کوئٹہ میں ایک ڈگری کالج کا قیام عمل میں لایا جائے۔ ہر گاؤں، قصبوں اور شہروں میں سکول کھولے جائیں اور مقامی حکومت لازمی طور پر ان مطالبات کی تکمیل کے لئے مناسب اقدامات سرانجام دے۔

میں سمجھتا ہوں کہ فوراً پرائمری تعلیم لازمی قرار دینے کا اعلان ہو۔ کیا میں مقامی حکومت سے امید کرسکتا ہوں کہ وہ اس مسئلے پر زیادہ دلچسپی لے گی؟ بلوچستان نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ اصلاحات کے ذریعے انڈیا کے دوسرے صوبوں کی طرح آگے بڑھے گا اور اپنی بقاء کی جدوجہد، قومی عزت و ناموس کے لئے تعلیمی و سیاسی پسماندگی کو ہرگز برداشت نہیں کرے گا۔

بلوچستان کی عمومی پسماندگی:

(ذیل کا مضمون روزنامہ 'آزاد' لاہور بمورخہ ۲/جنوری ۱۹۳۴ء میں شائع ہوا۔)

یہ ہماری خوش بختی ہے کہ آل انڈیا بلوچ کانفرنس بلوچستان کے مخلص و باصلاحیت لوگوں کی کوششوں کے نتیجے میں وجود میں آئی اس کا دوسرا سالانہ اجتماع حال ہی میں بمقام حیدرآباد منعقد ہو۔ ہمیں یہ حیرانگی ہوئی کہ جب ہم نے میر یوسف علی خان مگسی کا نام میٹنگ میں شریک لوگوں میں نہیں دیکھا کیونکہ ہم جانتے تھے کہ یہ کانفرنس ان ہی کی کوششوں کی بدولت منعقد ہوئی تھی۔

والئی ریاست خیرپور منتخب صدر بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس جو کہ گذشتہ اجلاس میں بھی چند ناگزیر وجوہات کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے اور وہ اس اجلاس میں بھی بوجہ علالت شرکت نہ کر سکے۔ ان کا صدارتی خطبہ پڑھا گیا۔ حقیقت میں ان کا مسئلہ انتہائی جداگانہ تھا۔ اس نے غیر ضروری طور پر سیاست سے دور رہنے کی بہت زیادہ تاکید کی۔ ان کا حیران کن فلسفہ سمجھنے میں ہم ناکام رہے کہ ''تعلیمی اور صنعتی ترقی کے دروازے خود بخود کھلیں گے اور کامیابی، خوشحالی ان کے پاؤں چھولے گی''۔ دراصل آج تک اس جدوجہد والی دنیا میں کوئی چیز بغیر محنت کے حاصل نہیں ہوئی۔ وہ دن چلے گئے جب سیاسی تحریک شجر ممنوعہ تھی۔ بلکہ آج یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ کسی بچے کو سونے کی لوریاں دینے کی بجائے اسے جگایا جائے۔

یہ ضروری ہے کہ تعلیم و حرفت کے ساتھ ہمیں سیاسی حقوق کا شعور پیدا کرنا ہوگا۔ نواب نے سندھ فرنٹیر ریگولیشن کے بارے میں ایک حیران کن تبصرہ کیا، جو کہ بلوچستان اور سندھ کے کچھ حصوں میں مبہم ہے۔ انہوں نے فرمایا مجھے مشورہ دیا گیا ہے کہ میں سندھ فرنٹیر ریگولیشن کے سوال پر مخالفانہ رائے نہ دوں۔ کہ یہ مسئلہ اتنا پیچیدہ و گھمبیر ہے کہ یہ قابل عمل ہے یا نہیں۔ اسے زیر غور لایا جائے اور اس معاملے پر مزید تنقید غیر ضروری ہے۔

دوسری جانب یہ بھی ناپسندیدہ طور پر گردانا جائے گا اگر میں اپنے عوام کے احساسات کے بارے میں کوئی لفظ بھی نہ کہوں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ آپ میرے ان خیالات سے اتفاق کریں گے کہ چند مخصوص حالات میں حکومت نامناسب قوانین کا نفاذ عمل میں لاتی ہے جس کی شدید مخالفت کی گئی کیونکہ یہ مقامی حالات اور مقامی روایتی قوانین سے مطابقت نہیں رکھتے تھے۔ مگر بلوچستان کے حالات اور ضروریات صوبے میں مخصوص قوانین کے نفاذ کی تائید کرتی ہے۔ قوانین کے پشت پنائی نواب کے پرانے خیالات کی عکاسی کرتی ہے۔ ایسے مخصوص قوانین شمال مغربی سرحدی صوبے میں خارج کر دیئے گئے ہیں۔ اب وقت و حالات کی ضرورت ہے کہ یہ مقامی قوانین بلوچستان میں بھی ختم کئے جائیں۔ بلاشک وشبہ سرکار بااختیار ہے کہ وہ خصوصی قوانین نافذ کرے۔ نہ کہ وہ اندھے قوانین جو کہ عوام کے مفادات سے میل نہ رکھے ہوں، بجائے اس کے کہ ان کی ہر سوچ کو دبایا جائے بلکہ عوام کے خیالات کے برعکس اقدامات کی مخالفت کی جائے اور انہیں یکدم خارج کیا جانا مناسب ہوگا۔

حیدر آباد کانفرنس پر تبصرہ:

روزنامہ ''سیاست'' لاہور بمورخہ ۳۰ر دسمبر ۱۹۳۳ء کے شمارے میں نمائندہ حیدر آباد کا بلوچ کانفرنس کے متعلق ایک تبصرہ شائع ہوا۔

بلوچ زعماء کے ساتھ تبادلہ خیال سے مجھے علم ہوا کہ کانفرنس کا قطعی مقصد بلوچستان کے عوام کو ایک خود مختار صوبے کے حصول کے لئے منظّم کرنا تھا کانفرنس کے رہنماؤں کی تقاریر میں تعلیم کی اہمیت اور ضرورت پر زیادہ روشنی ڈالی گئی۔ نوابوں، جاگیرداروں اور پنشن خوروں سے اپیل کی گئی کہ تعلیمی اداروں کے لئے چندے میں تعاون کریں۔ ایک قرارداد منظور کی گئی کہ ایک انٹرمیڈیٹ کالج شروع کیا جاسکے۔

کانفرنس نے ۳۰ رکنی کمیٹی بنائی جو کہ بلوچ عوام کی نمائندگی آل انڈیا مسلم کانفرنس میں کرسکے۔ نئے عہدیداروں کا انتخاب عمل میں لایا گیا جس میں صدر حاجی میر حسین بخش خان، نائب صدر خان عبدالصمد خان علاوہ ازیں ۱۵، ارکان جن میں نواب میر محمد یوسف علی خان مگسی، خان محمد خان اور اللہ بخش خان گبول ایگزیکٹو باڈی کے ممبر منتخب کئے گئے۔

عبداللہ ہارون بلوچ عوام کا ہمدرد:

روزنامہ ''انقلاب'' لاہور بمورخہ ۸/ جولائی ۱۹۳۴ء میں ایک مضمون بعنوان'' سیٹھ عبداللہ ہارون اور بلوچستان کے معاملات'' چھپا۔

مضمون کا متن یوں ہے۔

'' سیٹھ عبداللہ ہارون M.L.A کراچی کی قابل قدر کوششیں جن کی پہچان بلوچستانی عوام کے ہمدرد کی حیثیت سے ہے وہ انتہائی عزت افزائی کے حقدار ہیں۔ کراچی کے ہمارے اخباری نمائندے کے مطابق کراچی کے دو با اثر نمائندگان جمشید نوشیروان میئر کراچی، سیٹھ عبداللہ ہارون اور تین دوسرے معززین کوئٹہ میں '' ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل'' سے بات کرنے جارہے ہیں۔ یہ وفد بلوچستان کے سیاسی رہنماؤں کے ساتھ قابل اعتراض رویہ رکھنے پر احتجاج کرے گا۔

مزید یہ وفد بلوچستان میں اصلاحات کی ضرورت پر زور دے گا۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہم نے بلوچستان اور اس کے محکوم عوام کے لئے کوئی متاثر کن کام نہیں کیا۔ باوجود اس کے کہ اصلاحات کا مطالبہ آل انڈیا مسلم کانفرنس کے مطالبات میں شامل اور منظور شدہ تھا۔ اگر ہم روز اول سے تسلسل کے ساتھ اس مقصد پر کام کرتے تو چند قابل قدر غیر مسلم بلوچستانیوں کو اس وقت اپنے ساتھ پاتے۔ وفد سے امید کی جاتی ہے کہ اللہ ان کی مدد کرے گا اور اس کا نتیجہ حوصلہ افزا ہو۔

روشنی اور تہذیب کے دور میں بلوچستان شدید آفتوں اور اندھیروں میں گرا ہوا ہے۔ سرکار نے اس صوبے میں اب تک تعلیم کے نفاذ کا کوئی مناسب طریقہ کار اختیار نہیں کیا۔ ڈسٹرکٹ بورڈز اور میونسپل کمیٹیاں قائم نہیں کی گئیں۔ عوام کو اظہار آزادی اور نشر و اشاعت کی اجازت نہیں، جو کہ ہر ایک کا ایک فطری و بنیادی حق ہے۔ تمام ہندوستان ان حقوق سے بہرہ ور ہے۔ لیکن بلوچستان کے بدقسمت باشندوں کو ان مسائل سے نجات نہیں ملی۔ جس کی بنیادی وجہ وہ ظالمانہ نظام ہے۔ جو ننگی جارحیت پر اترا ہوا ہے''۔

ہم قابل قدر وفد کے ممبران سے امید رکھتے ہیں کہ وہ '' ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل'' کے ساتھ تمام معاملات پر مفصل بات کریں گے۔ اگر اس بات چیت کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو پریس میں ایک مسلسل پروپیگنڈا جاری ہوگا۔ بلوچستان اور سندھ میں احتجاجی جلسے منظّم کئے جائیں گے تمام صوبے اپنے شہریوں کو بلوچستان کی اخلاقی مدد کی ہدایت کریں گے۔

یہ وفد وائسرائے ہند سے بھی ملے گا اور ان کے سامنے اپنی ہمت و حوصلے کے ساتھ بلوچستان میں اصلاحات کے نفاذ پر زور دے گا اور بلوچ کانفرنس کے رہنماؤں کی گرفتاریوں کا مسئلہ رکھے گا۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ ان کی ہمدردانہ کوششیں یقینی بار آور ثابت ہوں گی اور اگر انہوں نے تسلسل سے اس پر کام کیا تو ان کا مقصد یقینی طور پر حاصل ہوگا۔

بلوچستان کے اصلاحات دینے سے حکومت ہند کا انکار:

روزنامہ ''انقلاب'' لاہور بمورخہ ۹/اگست ۱۹۳۴ء میں محمد حسین عنقا اسٹنٹ ایڈیٹر'' بلوچستان جدید'' کراچی کا ایک مضمون بعنوان ''بلوچستان میں اصلاحات سے حکومت ہند کا انکار'' شائع ہوا۔ جس کا متن درج ذیل ہے:

میں نے یکم اگست ۱۹۳۴ء کو بلوچستان کے بارے میں عبداللہ ہارون کے سوالات پر باجپائی کا جواب بذریعہ اخبار پڑھا۔

یہ کہ باجپائی نے اپنے بیان میں کہا کہ

(۱) عوام کو عبداللہ ہارون کے بلوچستان کے متعلق سوالات سے کوئی دلچسپی نہیں۔

(۲) اگر اصلاحات متعارف کی گئیں تو اخرجات میں اضافہ ہوگا۔

(۳) عدالتی نظام کی تبدیلی کامیاب ثابت نہیں ہوگی۔

میں چاہتا ہوں کہ حکومت اور عوام کے سامنے اصل حقائق پیش کروں۔ مجھے حیرانگی ہوئی کہ باجپائی کہتے ہیں کہ عوام کو بلوچستان کے بارے میں سوالات سے کوئی دلچسپی نہیں۔

دو تین ماہ کے دوران مسلم پریس نے خصوصی کئی اجلاس منعقد کئے اور اداریئے شائع کئے، کراچی جیکب آباد، علی گڑھ، دہلی، سہارنپور لاہور اور دیگر شہروں کے مختلف مقامات پر بلوچستان کے عوام کی مدد کے لئے انجمنیں بنائی گئیں اس مسئلے پر ایک وفد عبداللہ ہارون اور جمشید نوشیروانی کی قیادت میں کراچی سے کوئٹہ تشریف لے جا رہا ہے۔

علاوہ ازیں اسمبلی کے معزز رکن نے دوران اسمبلی اجلاس جو سوالات پیش کئے۔

میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ عوام ان میں دلچسپی نہیں رکھتے۔

☆ کیا باجپائی صاحب چاہتے ہیں کہ بلوچستانی اپنی موجودہ وفاداری اور پرامن زندگی چھوڑ دیں اور حکومت کی مخالفت شروع کریں ان کے سینے گولیوں سے چھلنی کئے جائیں انہیں گاڑیوں کے نیچے کچل دیا جائے۔ کیا ان تباہیوں و بربادیوں کے خلاف دنیا کے مختلف کونوں سے آواز بلند نہیں ہوگی۔ پھر مسٹر باجپائی تسلیم کریں گے کہ یہ عوام کی دلچسپی کا مسئلہ ہے۔

☆ فرض کریں کہ میں یہ تسلیم کروں کہ اصلاحات کے متعارف کرنے سے اخراجات میں اضافہ ہوگا لیکن

(۱) اس کا مطلب یہ نہیں کہ دس لاکھ افراد مارے جائیں اور کاغذ کے چند نوٹ خرچ نہ ہوں۔

(۲) کیا یہ ماتم کا موقع نہیں ہے کہ سندھ اور NWFP کو اخراجات کے لئے جو کچھ بھی ملتا ہے لیکن اس سے بلوچستان محروم ہے۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ صوبہ بلوچستان نے اپنے آپ کو وفادار رکھا اور کبھی بھی سول نافرمانی کی تحریک میں حصہ نہیں لیا۔

(۳) یہ انصاف سے کتنا دور ہے کہ کہا جائے کہ عدالتی نظام قبول نہیں ہوگا۔کون انصاف نہیں چاہتا کیا ہم اسے وقت سے پہلے چیلنج کریں۔

بلوچستانی قبائل میں کب عدالتی نظام متعارف کیا گیا۔کیا بلوچستان میں اس کا تجربہ کیا گیا کہ یہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اگرکوئٹہ میں غیر بلوچستانیوں کے لئے عدالتیں موجود ہیں تو یہ حقیقت ہے کہ حکومتی عدالتی نظام یا ہمارا قبائلی جرگہ کا نظام جو کہ پہلے ہی سے انصاف دینے سے قاصر ہیں، یہ تجویز دی جاتی ہے کہ اس عدالتی نظام اور جرگہ کی اصلاح پر فوری طور پر غور وفکر کیا جائے۔

بلاشک وشبہ ہم جرگہ سسٹم کو موجودہ عدالتی نظام سے بہتر سمجھتے ہیں۔اول الذکر میں مکمل جمہوریت ہے، دوسرے میں صرف الفاظ کا کھیل ہے۔کونسا وکیل بہتر ہے، ہوشیاری دکھاتا ہے اور مقدمہ جیتتا ہے۔حتیٰ کہ اس کے مخالف کلی طور پر حق بجانب ہوتے ہیں یہ لازمی ہے کہ ایک وکیل مقرر کریں جو عدالت میں پیروی کرے، اس سے مراد یہ ہے کہ ایک مزدور ہار جائے اور سرمایہ دار جیتے!

بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس جرگہ سسٹم کو ترجیح دیتا ہے۔موجودہ صورتحال میں جرگہ سسٹم کے متعلق احتجاج اس بات پر ہے کہ عوام کے حقیقی نمائندوں کو جرگہ ممبر منتخب نہیں کیا جاتا۔ بلکہ انہیں جرگہ ممبر منتخب کیا جاتا ہے۔جو روایتی قوانین کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنے ذاتی مفادات یا کسی با اثر شخصیت کے اشارے پر فیصلہ صادر کرتے ہیں۔ مدعی اور مدعا علیہ کو جرح واپیل کرنے کا کوئی موقع نہیں ملتا اور نہ ہی یہ اپیل کا کوئی حق رکھتا ہے۔

ہمارا مطالبہ ہے کہ ممبران جرگہ کا انتخاب کیا جائے۔روایتی قوانین کو کتابی شکل دی جائے۔موجودہ سول کورٹ اور محمڈن لاء کی روشنی میں جرح اور اپیل کے مواقع مہیا کئے جائیں۔

میں افسوس سے کہتا ہوں کہ مسٹر باجپائی نے ہمارے مطالبات کا غور سے جائزہ نہیں لیا۔نہیں تو وہ اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ اور غیر دلچسپ باتیں نہ کرتے اگر۔

(۱) تحریر وتقریر کی اجازت دی جاتی۔

(۲) کوئٹہ میونسپلٹی کے انتخابات آزادانہ ہوتے۔

(۳) جرگہ کے ممبران نامزد ہونے کے بجائے منتخب ہوتے۔

(۴) روایتی قوانین کو ضروری ترامیم کے بعد کتابی شکل دی جاتی۔

ان بنیادی اصلاحات کے نفاذ میں کونسے اخراجات آتے اور کیا مشکلات پیدا ہوتیں اگر جواب نہیں میں ہے تو مسٹر باجپائی ان سوالات پر غور فرمائیں۔میں تمام ممبران اسمبلی سے گزارش کرتا ہوں کہ ان اصلاحات کے نفاذ کے لئے مکمل طور پر حکومت پر دباؤ ڈالیں تاکہ یہ اصلاحات منظور ہوں۔

حکومت بلوچستان کے متشددانہ اقدامات پر تبصرے

میر عبدالعزیز کرد کو پانچ سال قید:

انقلاب (لاہور)

ہم یہ خبر پڑھ کر ششدر رہ گئے کہ میر عبدالعزیز کرد کو جنھوں نے پچھلے دنوں اپنے رفقائے کار کے مشورے کے مطابق ضمانت داخل کر دی تھی۔ جرگہ نے ان کو رہا کر دیا تھا۔ اب پھر سرداروں ہی کے جرگہ نے انھیں پانچ سال قید کی سزا دے دی ہے اور اس میعادِ قید کے گزر جانے کے بعد بھی تین سال کے لئے پانچ ہزار روپے ضمانت نیک چلنی طلب کی ہے۔ اگر میر عبدالعزیز خان کُرد نے اپنے مضامین میں یہ لکھا تھا کہ بلوچستان میں ایک غیر آئینی حکومت قائم ہے اور سرداروں کا جرگہ انصاف نہیں کرتا، بلکہ انصاف کا منہ چڑاتا ہے۔ جرگہ نے آپ کے اس بیان کی صداقت پر اپنے عمل سے مہر تصدیق ثبت کر دی ہے اور دنیا کو بتا دیا ہے کہ جو کچھ میر صاحب نے لکھا تھا وہ لفظ بہ لفظ درست تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جو جرگہ محض پولیٹیکل ایجنٹ کی نمائش پر اپنے ایک فیصلے کو چار دن کے بعد خود ہی بدل دیتا ہے۔ اسے انصاف کا علمبردار کیونکر قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس سے تو صاف ظاہر ہے کہ جرگہ کا وجود ہی لامعنی ہے اسلئے کہ سرداران جرگہ اپنے صوابدید کی بنا پر نہیں بلکہ پولیٹیکل ایجنٹ کے اشارہ چشم کے مطابق چلنے پر مجبور ہیں۔ نواب یوسف علی خان مگسی اور سرداران جھالاوان نے توجہ بھی دلائی کہ جرگہ کا تازہ فیصلہ رواج ملکی اور سابقہ فیصلوں کے خلاف ہے۔ لیکن سرداران قوم نے ایک نہ سنی اور اس مخلص، بے ریا اور جفاکش خادم ملت کو پانچ سال بلکہ دوسرے معنوں میں آٹھ سال قید کی سزا دے دی جو بے حد نا قابل برداشت اور نہایت جابرانہ ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو پر تین تقریروں کے سلسلے میں زیر دفعہ ۱۲۴ (الف) تعزیرات ہند مقدمہ چلایا گیا اور آپ کو مجموعی طور پر صرف دو سال کی سزا دی گئی اور یہ بھی ملک کے نام جرائد وعمائد کے نزدیک بہت سخت سزا ہے۔ لیکن میر عبدالعزیز خان کرد کے صرف ایک مضمون کے بعض فقروں کو حکومت اور سرداروں نے سخت خیال کیا جس کی پاداش میں انھیں پانچ سال قید، پانچ ہزار کی ضمانت اور ضمانت نہ داخل کرنے کی صورت میں مزید تین سال قید کی سزا دے دی گئی۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بلوچستان کا طرز حکومت زمانہ حال میں کس قدر بوسیدہ و فرسودہ ہے اور اس کو جلد سے جلد تبدیل کرانے کے لئے جتنی بھی جدوجہد کی جائے بہت کم ہے۔ ہم پولیٹیکل ایجنٹ اور سرداران بلوچستان کے اس خوفناک تشدد کے خلاف شدید احتجاج کرتے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ سارا ملک اس احتجاج میں ہمارے ساتھ شامل ہوگا۔

میر عبدالعزیز خان کرد کی سزایابی:

تریاق (لاہور)

ضیغم بلوچستان میر عبدالعزیز خان اور ان کے رفقا محض اس لیے بلوچستان کی آئین دشمن حکومت کی نظروں میں معتوب ہیں کہ وہ موجودہ جرگہ سسٹم کو اس کی آئینی خامیوں کی بنا پر قابل اصلاح سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ بلوچستان کے غیور باشندوں پر اس قسم کی حکومت ان کی توہین ہے اور وہ ملک کے دیگر صوبہ جات کی طرح دستوریت چاہتے ہیں اور اس کے مستحق ہیں۔

ضرورت تو اس امر کی تھی کہ حکومت ٹھنڈے دل سے ان بدعنوانیوں کو دیکھتی اور اس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتی مگر یہ معلوم کر کے ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ حکومت نے جرگہ سسٹم کی وہ مکروہ ترین شکل بھی دکھادی جو ایک سمجھدار اور غیور انسان کے نزدیک کسی بھی قیمت میں قبول نہیں ہوسکتی۔

ضیغم بلوچستان میر عبدالعزیز خان کرد کی گرفتاری اور اس کے بعد جرگہ کی بارگاہ عالی سے پرامن رہنے کی ضمانت پر رہائی کی اطلاع تریاق کے کالموں میں شائع ہو چکی ہے مگر تازہ اطلاعات مظہر ہیں کہ چیف کمشنر کو یہ چیز پسند نہ آئی اور انہیں صرف آئین پسندی اور آئین طلبی کے جرم میں از سر نو جرگہ بلا بھیجا۔ حتی کہ پانچ سال قید کی سزا دے دی گئی۔

اس نا معقولیت کی آخر کوئی انتہا بھی ہے کہ ایک آزاد خیال ملک پر چیف کمشنر کے نام سے ایک مطلق العنان شخص حکومت کر رہا ہے اور جس کو جب اور جتنی مدت کے لیے چاہتا ہے جیل بھیج دیتا ہے۔

ہم تمام باتوں سے قطع نظر کر کے حکومت سے صرف یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر جرگہ اور اس کے فیصلوں کی یہی قیمت ہے کہ چیف کمشنر کے اشارۂ چشم آبرو پر رقص کرتے رہے تو آخر اس کی بھی کیا ضرورت ہے کہ دنیا کو فریب دیا جائے۔ آخر یہ بے ہودگی نہیں تو کیا ہے کہ کل جس شخص کو ضمانت پر رہا کر دینا کافی سمجھا گیا تھا آج وہی شخص پانچ سال قید کا سزاوار قرار دیا جاتا ہے۔ سرداران جرگہ سے ہم پوچھتے ہیں کہ چیف کمشنر کی ایک جنبش قلم جب آپ کے متفقہ فیصلہ کو مسترد کر دیتی ہے تو کیا ان کی غیرت اس منصب پر رہنا گوارا کرتی ہے؟

حکومت سے تو ہمیں امید نہیں البتہ ہم اراکین اسمبلی کی توجہ چیف کمشنر اور جرگہ سسٹم کی ان بدعنوانیوں کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں تاکہ وہ حکومت سے باز پرس کریں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ آخر نوجوان کب تک ان بدعنوانیوں کو گوارا کریں گے۔

بلوچستان کے دقیانوسی نظام حکومت کی کرشمہ سازی:

آزاد (لاہور)

رفیق مکرم میر عبدالعزیز خان کرد نے بلوچستان کے طرز حکومت اور سرداروں کے خانہ ساز آئین وقوانین میں اصلاح کی تجویز پیش کی جو کشتنی و گردن زنی قرار پائے لیکن آخر ان ہی کے مقدمہ میں بلوچستان کی حکومت اور سرداروں کے جرگہ نے ثابت کر دیا کہ ان کا طریق عدل اور اسلوب حکمرانی نہ صرف دقیانوسی اور قابل ترمیم ہے بلکہ عہد جدید اور اس کے تہذیب و تمدن کے دامن پر ایک بدنما داغ ہے اور اس قابل ہے کہ اسے محو کر دیا جائے اور ان سرداروں کو جو آئین و اصلاح کے مطالبہ کو اپنی اہانت و تذلیل کے مترادف سمجھتے ہیں ایک بار بتا دیا جائے کہ بیسویں صدی کی دنیا میں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں نکل سکتی اور اب یہ محال ہے کہ وہ غریب رعایا کا خون چوستے رہیں اور رعایا بتوں کی طرح ان کی پرستش کرے۔ سرداروں کو غیرت محسوس ہوتی ہے کہ ان کا نامہ اعمال دنیا کے سامنے کیوں روشن ہو رہا ہے لیکن آخر یہ کیا تماشا ہے کہ ۱۱رفروری کو جو جرگہ ضمانت لے کر کُرد کی رہائی کا فیصلہ کرتا ہے وہی جرگہ ۱۲رفروری کو انھیں دوبارہ پانچ سال قید کی سزا کا حکم سناتا ہے کیا اس قسم کے فیصلے ان کے لیے شرمناک نہیں ہیں اور کیا انہوں نے اپنی اس بوالعجبی سے کُرد کی دعاوی پر مہر تصدیق ثبت نہیں کر دی اور کیا اس فیصلہ پر دنیا ان سرداروں کے طریق عدل پر نہ ہنسے گی جنہیں اپنی زبان کا بھی پاس نہیں۔ جنہیں اپنے اسلوب فرمانروائی پر بھی اعتماد نہیں اور جو ایک ہی مقدمے کے متعلق تین دن میں تین قسم کے احکامات صادر کر سکتے ہیں انھیں غصہ آتا ہے کہ نوجوانان بلوچستان ان سے اصول وضوابط کا مطالبہ کرتا ہے۔ ان کی رگِ حمیت پھڑک اٹھتی ہے، ان کے آئین وقوانین کو دقیانوسی کہا جاتا ہے۔ لیکن ۱۲رفروری کو ان کی غیرت کو کیوں ٹھیس نہیں لگی جب بچوں کے گھروندے کی طرح وہ اپنی روایتی اور رواجی حکومت کے پرشکوہ ایوان کو خود مسمار کر رہے تھے۔

رفیق مکرم میر عبدالعزیز خان کرد کے مقدمے کے دوبارہ سماعت کی مضحکہ خیز کیفیت آج کسی دوسری جگہ درج کی جا چکی تھی کہ کوئٹہ سے برقیہ وصول ہوا کہ انہیں سرداروں کے فیصلہ کے مطابق پانچ سال کے لیے قید کر دیا گیا۔ سبحان اللہ کیا کہنا ہے سرداروں کے اس فیصلے کے متعلق وہ مطمئن ہوں گے کہ بلاٹلی اور غریب رعایا کا خون چوسنے کی طویل مہلت مل گئی۔ لیکن ہمیں کون بتائے کہ تم نے اپنے حصار عافیت میں خود سرنگ لگائی اور اس میں خود سفید بارود بچھا دی اور اب منتظر رہو کہ وہ دن جلد آنے والا ہے۔ تمہارے حصن وحصین کی ایک اینٹ بھی سلامت نہ ہوگی اور ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی طرح بلوچستان بھی اصلاحات سے متمتع ہوگا اور اس کے بعد تمہارے سرداروں اور نوابوں کی حیثیت آثارِ قدیمہ سے زیادہ نہ رکھے گی۔

جرگہ کے اس متحکمانہ بلکہ احمقانہ فیصلے کے بعد ہم اُن سرداروں سے کچھ کہنا نہیں چاہتے جو علم سے عاری، تدبر سے خالی اور عقل سے کورے ہیں۔لیکن ہز ہائینس خان قلات کواور ان سرداروں کو جو دورِحاضر کی مکتفیات سے باخبر ہیں اور جنہیں قدرت نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت عطا کی ہے۔

جرگہ کے اس عاقبت نا اندیشانہ اقدام کے عواقب ونتائج کی طرف متوجہ کرانا چاہتے ہیں کہ اس کے نتائج صرف انہی سرداروں تک محدودنہیں رہیں گے۔جنہیں اپنی دحشت و بربریت پرفخراور ظلم وتشدد پرناز ہے بلکہ ان سے سارا بلوچستان متاثر ہوگا اور یہ طریق عدل سارے بلوچستان کے لئے رسواکُن اور شرمناک ہے۔

اس فیصلہ پر یقیناً پولیٹیکل ایجنٹ قلات اور ایجنٹ گورنر جنرل بلوچستان کی مہرتوثیق بھی ثبت ہوئی ہوگی۔اس لئے ہم حکومت ہند سے بھی پوچھنا چاہتے ہیں کہ بلوچستان میں آخر کیا ہورہا ہے؟اور کُرد کے مضامین گراسی قدر باغیانہ تھے کہ انہیں اس جرم میں پانچ سال کے لئے جیل میں ٹھونس دینا چاہیے تو یہ مضامین’’ آزاد‘‘ میں شائع ہوچکے ہیں۔کُرد سے پہلے آزاد کے مدیرمسئول اور طابع وناشر پر مقدمہ کیوں نہیں چلایا جاتا کہ ایک بار دنیا کوصحیح طور پر یہ اندازہ کرنے کا موقع ملے کہ جوجرم بلوچستان میں اس قدرشدید قرار دیا جاتا ہے۔اس کے مجرم کو یہاں کی کوئی عدالت کس سزا کی مستحق قرار دیتی ہے۔

آخر میں ہم سردارانِ بلوچستان پر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ انہوں نے رفیق مکرم میر عبدالعزیز خان کُرد کو قید کر کے اگرایک زبان بند کر دی ہے تو بہت سی زبانیں کھل گئی ہیں اور ایک قلم توڑ دیا ہے تو بہت سے قلم رواں ہو گئے ہیں اور رفیق ممدوح کوحکومت بلوچستان کے فرط تدبر کے طفیل میں اگر پانچ سال جیل ہی میں رہنا پڑا۔اگر انشاء اللہ رہا ہوکر آئے تو وہ اپنے آپ کوایک نئے بلوچستان میں پائیں گے۔

خان عبدالصمد خان اچکزئی کی گرفتاری:

سندھ اخبار

بلوچستان کے واجب العزت رہنما خان عبدالصمد خان اچکزئی جوایک ماہ قبل کراچی تشریف لائے ہوئے تھے کو حکومت بلوچستان نے تھوڑا عرصہ ہوا گرفتار کرلیا ہے۔ان کی گرفتاری کی دجہ ابھی تک ہمیں معلوم نہیں ہوئی۔نہیں کہا جاسکتا کہ حکومت بلوچستان نے کس بناء پرخان صاحب موصوف کوگرفتار کیا ہے اور وہ ان کے خلاف کیا کاروائی کرنا چاہتی ہے۔ہم یہ عرض کیئے بغیرنہیں رہ سکتے کہ اگر حکومت یہ سمجھتی ہے کہ خان عبدلصمد خان کو جیل کی چار دیواری کے اندر رکھنے سے وہ بلوچستانیوں کے جذبہ حریت کوکم کرسکتی ہے تو یہ اسکی سخت بھول ہے۔تاریخ شائد ہے کہ جب کسی قوم میں آزادی کا جذبہ پیدا

ہوجاتا ہے تو وہ مٹایا نہیں جاسکتا اور حکمران طاقت کی طرف سے جبر وتشدد کو جتنا زیادہ استعمال میں لایا جاتا ہے، اسی نسبت سے محکوم قوم کے دلوں میں نفرت وعداوت کا جذبہ محکم ہوجاتا ہے، اگر حکومت بلوچستان چاہتی ہے کہ ملک میں امن وامان رہے، تو اس کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ وہ رہنمایان بلوچستان کے مطالبات پر ہمدردانہ غور کرلے اور ان کے جائز مطالبات کو فوراً قبول کرلے ہمیں امید واثق ہے کہ حکومت بلوچستان سخت گیری سے کام نہ لے گی۔

خان عبدالصمد خان اچکزئی اور ان کے رفقاء صرف یہ چاہتے ہیں کہ بلوچستان کے باشندوں کو قصرِ ندامت سے نکالا جائے اور خود ہندوستان کے دوسرے ترقی یافتہ باشندوں کے دوش بدوش لاکر کھڑا کردیا جائے۔ یہ ایک ایسی خواہش ہے کہ جس کے ساتھ ہر انصاف پسند شخص کو ہمدردی ہونی چاہئے۔

سرداران بلوچستان نمائشی پُتلیاں ہیں:

بلوچستان جدید

بلوچستان میں آج جو نظام حکومت قائم ہے۔ بیسویں صدی میں اس کی مثال دنیا میں نہیں مل سکتی۔ برطانوی بلوچستان ہو یا ریاستی بلوچستان۔ دونوں میں لامرکزیت ہے۔ جلسوں کی وہاں مخالفت کی جاتی ہے۔ اخبار وہاں سے نہیں شائع ہوسکتے۔ بلکہ اگر کوئی مظلوم بلوچستانی بلوچستان سے باہر جاکر صدائے مظلومیت بلند کرے، تو اس کا بھی نہایت بے دردی سے گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔ بلوچستان کے نوجوان قائد میر عبدالعزیز خان کرد کا مقدمہ دنیا کے لئے بلوچستانی جرگہ سسٹم اور بلوچستانی طرز حکومت کی ایک عبرتناک مثال ہے۔ کرد صاحب لاہور جاکر اخبارات میں بلوچستان حکومت اور سرداروں پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور وہ مضامین جب بلوچستان پہنچتے ہیں تو بلوچ سرداروں اور حکومت قلات میں زلزلہ آجاتا ہے۔ کرد صاحب کو سبی میں گرفتار کرنے کے بعد وہی سردار مقدمہ کی سماعت کرتے ہیں جنہیں شکایت ہے کہ کرد صاحب نے ان پہ نکتہ چینی کرکے ان کی توہین کی ہے۔ گویا خود ہی مدعی ہیں اور خود ہی منصف۔ ۱۱ رفروری کے جرگہ میں میر عبدالعزیز کرد سے پانچ ہزار کی ضمانت لے کر انھیں رہا کیا جاتا ہے۔ لیکن مستحق تحسین ہیں وہ لوگ جو پھر ۱۳ رفروری کو اپنے دیئے فیصلہ پر پشیمان ہوکر کرد صاحب کو بلاتے ہیں اور اپنا فیصلہ منسوخ کرکے انھیں پانچ سال کی سزائے قید کا حکم سناتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بلوچستان کے بڑے بڑے سرداروں اور خان بہادروں کی ملکی معاملات میں کیسی گری ہوئی پوزیشن ہے۔ ممکن ہے سرداران کو اپنے فیصلہ پر خط تنسیخ کھینچنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی ہو کہ وہ پولیٹیکل ایجنٹ کے اشارہ چشم وآبرو کی پابندی پر مجبور ہیں لیکن ذرا سوچیئے تو کہ ان سرداروں کے متعلق بیرونی دنیا کیا خیال کرے گی کہ وہ نمائشی پتلیاں ہیں۔ جنھیں اپنے تال پر نچانے کی خدمت آقایان سفید فام کے سپرد کی گئی ہے۔

بلوچی غیرت کا تقاضا تو یہ تھا کہ اپنے قول سے منحرف ہونے کے بجائے اور دوسروں کے فیصلہ کے آگے سرِ نیاز خم کر دینے کے بجائے ایسے جرگہ اور اس کی نام نہاد ممبری سے مستعفی ہو کر اپنی خودداری اور روایتی حمیت کا ثبوت دیتے۔ افسوس ہے کہ بلوچی سرداروں کی عقلمندی دنیا کو معلوم ہوگئی۔

ایں راہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

حکومت بلوچستان کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ آج بیسویں صدی میں دنیا کی قومیں مکمل آزادی لے رہی ہیں۔ لیکن حکومت بلوچستان کو یہ بھی ناگوار ہے کہ بلوچستان میں اصلاحات نافذ فرمائے۔ تمام ہندوستان کو اصلاحات دیئے جا چکے ہیں۔ کیا حکومت بلوچستان کو یہ معلوم نہیں کہ بلوچستان بھی ہندوستان کا ایک صوبہ ہے۔ حکومت ایک اور ملک ایک ہے پھر اسکے آخر کیا معنی ہو سکتے ہیں کہ ملک کے ایک حصہ میں کچھ اور قوانین ہیں اور دوسرے حصہ میں کچھ اور قوانین ہیں۔ بلوچستان کے باشندوں کی غیرت اسکو ہرگز قبول نہیں کرسکتی کہ انکو حیوان مطلق سمجھ کر حیوانوں کی طرح سلوک کیا جائے، لیکن اسکے برعکس انکے دوسرے ہندوستانی بھائیوں کو انسان سمجھ کر انسانی سلوک کیا جائے۔ آخر ان میں سے غیور نوجوان اُٹھے اور حکومت بلوچستان سے اپنے اس فطری اور بشری حق کو مانگنے لگے۔ اس درخواست اور اس خواہش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان نوجوانوں کے دو لیڈر خان عبدالصمد خان اچکزئی اور میر عبدالعزیز خان کرد کو گرفتار کیا گیا اور قید کر دیئے گئے۔ ان کے مخلص رفیق ماسٹر پیر بخش نسیم کو گورنمنٹ سروس سے بلا وجہ علیحدہ کر دیا گیا۔ حکومت بلوچستان یہ سمجھتی ہے کہ اس صورت سے وہ بلوچستان کی اس مقدس تحریک کو دبائے گی؟ کاش وہ سمجھے اور دیکھے کہ وہ اپنے پاؤں پر کلہاڑا مار رہی ہے۔ ایک میر عبدالعزیز خان کو وہ زندان میں ڈالنے پر قادر تو ضرور سہی لیکن کیا اس نے تمام قبیلہ کرد کو ناراض نہیں کیا؟ کیا اور یقیناً کیا، لہٰذا اسکو سمجھ لینا چاہے کہ وہ اس طرح سے ملک میں ایک عام بے چینی پیدا کر رہی ہے اور اس بے چینی میں بدگمانیوں اور نفرتوں کی آمیزش بھی ضروری ہے۔ تو یہ بے چینی اور یہ نفرت کسی نہ کسی دن رنگ لائیگی اور ایک بہت زہریلی شکل میں نمودار ہوگی۔ قبیلہ اچکزئی میں ابھی سے چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں اور وہ بہت بیتابی سے خان عبدالصمد خان اچکزئی کے فیصلہ کا انتظار کر رہا ہے۔ نسیم کے ہٹانے سے حکومت بلوچستان کو ایک پائی کی بھی بچت نہیں ہوئی۔ کیونکہ وہ اسکی جگہ پر کسی اور کو تعینات کرنے پر بالکل مجبور ہے البتہ یہ ضرور ہوا کہ نسیم کے تمام خاندان اور دوستوں اور ملک والوں میں ایک عام بے چینی پھیل گئی ہے۔ جس کے عواقب میں وہی کچھ پنہاں ہے جو اس بیسویں صدی کی فضا کا خاصہ ہے۔

(بشکریہ: بلوچستان جدید یکم مارچ ۱۹۳۴ء)

رپورٹ جائنٹ سیلیکٹ کمیٹی اور مسئلہ بلوچستان پر اخبارات کے انتقادات

بدنصیب بلوچستان:

(انقلاب لاہور)

وائٹ پیپر اور اس کے بعد جائنٹ سیلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ کا ایک نہایت ہی افسوسناک اور رنجیدہ پہلو ہے کہ بلوچستان کو ان تمام چیزوں سے بالاہتمام محروم رکھا گیا ہے۔ جو ہندوستان کے دوسرے حصوں کے لئے مناسب سمجھی گئی ہیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس کی وجہ و علت کیا ہے؟ اگر بلوچستان ہندوستان کا جزو ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے دوسرے حصوں سے الگ رکھا جائے۔ اگر ہندوستان کا جزو نہیں تو ظاہر ہے کہ حکومت ہند کو اس پر سے ہر قسم کا تسلط اٹھالینا چاہیئے۔ ہندوستان کا علیٰ العموم اور مسلمانوں کا علی الخصوص اہم ترین فرض ہے کہ وہ حکومت ہند کی اس عجیب وغریب پوزیشن کے خلاف اور حکومت برطانیہ کی مقرر کردہ مجالس دستور کے اس عجیب وغریب نقطۂ نگاہ کے خلاف پرزور اور شدید آواز بلند کریں۔ بہ درجہ آخر یہ ضروری ہے کہ برطانوی بلوچستان کے متعلق وہاں کے باشندوں کے نہایت ہی اہم اور بالکل واجبی اور جائز مطالبات کی تکمیل کا فوری بندوبست کرایا جائے۔ وہ مطالبات یہ ہیں:

(۱)۔ چیف کمشنر کے ساتھ تین ارکان کی ایک کونسل ہو، جن میں سے دو کو شاہی جرگہ نامزد کرے، ایک کو خود چیف کمشنر نامزد کرے۔

(۲)۔ جرگہ کے تمام ارکان منتخب ہوں اور مقدمات کے فیصلے کیلئے ایک قانون نامہ مرتب کر دیا جائے جو شریعتِ حقہ اسلامیہ کے مطابق ہو اور ایسی گنجائش رکھی جائے کہ بوقت ضرورت ان فیصلوں کے خلاف اپیل ہو سکے۔

(۳)۔ اسمبلی میں جو نشست دی گئی ہے وہ انتخاب کے ذریعہ سے پُر ہو۔ نیز بلدیہ کوئٹہ میں آزادانہ انتخاب کا طریقہ رائج ہو۔

(۴)۔ پریس اور پلیٹ فارم کی آزادی دی جائے۔

(۵)۔ سیاسی قیدیوں کو رہا کیا جائے۔

کوئی بتائے ان مطالبات کی تکمیل پر کونسا روپیہ صرف ہوتا ہے اور کیا وجہ ہے کہ بلوچستان کو وہ حقوق بھی حاصل نہ ہوں، جو دوسرے حصص ہند کو آج سے پندرہ برس پہلے دیئے جا چکے تھے۔ تمام ہندوستان کا علیٰ العموم اور بلوچستان کا بالخصوص فرض ہے کہ وہ اس ضرورت پر جلد سے جلد متوجہ ہوں۔ بلوچستان کے نہایت بلند پایہ اور مخلص قومی کارکن اس وقت مصیبتوں میں مبتلا ہیں۔ کیا انصاف کا یہ تقاضا نہیں کہ ان معمولی اور ادنیٰ مطالبات کی تکمیل سے ان کارکنوں کو اپنے اہل وطن کی سچی اور مخلصانہ خدمت کا موقع دیا جائے اور ان کی زندگیاں جیلوں میں برباد نہ کی جائیں۔

اصلاحات بلوچستان کی مشکلات:

مدینہ (بجنور)

بلوچستان کا وہ حصہ جو انگریزی حکومت کیساتھ ملحق ہے۔ ایک ایسے دورحکومت میں سے گذر رہا ہے، جس کی نظیر وحشی اور غیر متمدن زمانے بھی پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ انسانی آزادی کا نام ونشان بھی اس سرزمین میں مفقود ہے اور ہندوستانی اور بلوچستانی رہنما ایک مدت سے حکومت ہند و برطانیہ پر زور دے رہے ہیں کہ وہ اس بدنصیب سرزمین کو بھی انسانی حقوق عطا کرنے کی کوشش کرے۔ حکومت کا ہر رکن خواہ وائسرائے ہو یا اس سے کم عہدہ رکھتا ہو۔ اس مطالبہ کی معقولیت کا اعتراف کرتا ہے۔ لیکن سیاسی مصلحتیں ایک شریفانہ اور معقول قدم اٹھانے میں حارج ہیں۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ افسوس ان ہندو حلقوں پر ہوتا ہے، جو ہندوستان کی آزادی وخودمختاری کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن جس وقت بلوچستان کی اصلاحات کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ تو ان کی ابلیسی جبینوں پر سینکڑوں شکنیں پڑ جاتی ہیں۔ وہ مختلف حیلوں اور بہانوں سے اس کی مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کے پست ذہنیت لوگوں میں سندھ آبزرور کراچی کے کارکن ہیں، جو زہریلے سانپوں کی طرح پھنکاریں مارنے میں مصروف ہیں۔ چونکہ بلوچستان کی فلاح کی تحریک ومطالبہ حق پر مبنی ہے اور شیطان بھی حق کی مخالفت کی جرات نہیں کرسکتا۔ اس لئے سندھ آبزرور اس مطالبے کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ صرف ان مالی مشکلات کو پیش کرتا ہے، جو اس میں حائل ہوسکتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ بلوچستان کی کل آمدنی ۲۲ لاکھ ۲۵ ہزار ہے اور اس کی حکومت کا خرچ موجودہ ایک کروڑ ۱۲ لاکھ ۲۵ ہزار ہے۔ سندھ آبزرز کا عذر یہ ہے کہ جب بلوچستان کی آمدنی خرچ کو پورا نہیں کرسکتی، تو اسے اصلاحات کیوں دی جائیں اور حکومت ہند پر بقیہ ۹۰ لاکھ کا بار کیوں ڈالا جائے۔

مالی مشکلات کا مغالطہ:

لیکن یہ محض مغالطہ ہے، ایک شرمناک مغالطہ اصل حقیقت صرف اس قدر ہے کہ حکومت بلوچستان پر ایک کروڑ ۱۲ لاکھ ۲۵ ہزار روپیہ خود بلوچستان پر خرچ نہیں کررہی ہے۔ بلکہ اپنی سیاسی مصلحتوں پر پانی کی طرح روپیہ بہارہی ہے۔ دیکھنا چاہئے کہ یہ سوا کروڑ روپیہ سالانہ ابتک بلوچستان کو کیا کچھ عطا کر چکا ہے۔ بلوچستان کی حالت یہ ہے کہ گنتی کی سڑکیں اور ریلوے لائنیں ہیں۔ پورے صوبے میں تین ہائی سکول اور تین مڈل سکول ہیں اور صرف دس ہسپتال ہیں۔ سرکاری عدالتیں عنقا ہیں اور زراعت، صنعت اور حرفت پر ایک پائی بھی خرچ نہیں ہوتی ان حالات میں یہ کہنا کہ بلوچستان پر ایک کروڑ، سوا بارہ لاکھ روپیہ خرچ ہورہا ہے، دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے، جس کو زبان سے ادا کرنے کی کسی کو جرات ہوسکتی ہے تو خدا نے اس جھوٹ کے لئے سندھ آبزرور کراچی کو چن لیا ہے۔

مذکورہ بالا انسانی فلاح و بہبود کی مدات کے لئے ۲۲ لاکھ بہت کافی ہے۔ اس سے زیادہ جو کچھ خرچ ہوتا ہے، وہ حکومت ہند کی سیاسی مصلحتوں پر ہوتا ہے اور اس کا فرض ہے کہ اس کو اپنی جیبِ خاص سے ادا کرے اور جس طرح سندھ کو ایک کروڑ اور صوبہ سرحد کو ۲ کروڑ روپیہ دیکر بھی ان دو صوبوں کے حق اصلاحات کا انکار نہیں کیا جاسکا۔ اسی طرح بلوچستان کے حق کا بھی انکار نہ کرے۔ علی الخصوص جبکہ غریب بلوچستانی اپنے صوبہ کے لئے نہ گورنر مانگتے ہیں نہ جا بجا سرکاری عدالتیں چاہتے ہیں اور نہ دوسری مسرفانہ تشکیلات کے طلبگار ہیں۔ بلکہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ چیف کمشنر کے ساتھ تین مشیران کار لگا دیئے جائیں، جن میں سے ایک کو چیف کمشنر خود نامزد کرے اور دو کو شاہی جرگہ منتخب کرے۔ نظام عدالت کی بجائے، جرگہ ہی بدستور مقدمات کے فیصلے کرے۔ البتہ جرگہ کے ارکان بذریعہ انتخاب مقرر ہوں اور ان قواعد وضوابط کو کتابی صورت دیدی جائے۔ جن کے مطابق جرگہ مقدمات کے فیصلوں کا کام کرتا ہے اور یہ قواعد وضوابط شریعت اسلامی کی روشنی میں مرتب کئے جائیں تا کہ ضرورت کے وقت اپیل کی جاسکے۔

اوپر کے مطالبات نہ مسرفانہ ہیں، نہ ان کا پورا کرنا دقت طلب، بلوچستانی یہ بھی چاہتے ہیں کہ اسمبلی میں ایک نشست بلوچستان کو بھی حاصل ہو۔

کوئٹہ میونسپلٹی میں آزاد انتخاب کا اصول رائج کیا جائے۔

اخبارات اجراء اور تحریر و تقریر کی آزادی ہو اور سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔

ظاہر ہے کہ ان مطالبات میں سے ایک مطالبہ بھی مالی مشکلات سے تعلق نہیں رکھتا شاید مالی مشکلات کو کم ہی کرتا ہے۔

بدنصیب بلوچستان اور بدبخت بلوچستانی:

احسان (لاہور)

حکومت برطانیہ کے مدبر بڑھ چڑھ کر ڈینگیں مار رہے کہ انہوں نے جائنٹ سیلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ مرتب کر کے حاتم کی قبر پر لات ماردی اور اہل ہند کو ان آئینی، دستوری، جمہوری اور پارلمینٹری انعامات سے مالا مال کر دیا جن سے وہ خود اپنے ملک میں تمتع حاصل کر رہے ہیں۔

اہل ہند کو جو کچھ دیا جارہا ہے۔ اس کی حقیقت و ماہیت پر ہم بہت کچھ لکھ چکے ہیں لیکن ایک نہایت ہی افسوسناک امر جس کی طرف نہایت کم لوگوں کی توجہ مبذول ہوسکی ہے، یہ ہے کہ اس رپورٹ میں جہاں ہندوستان کی عورتوں، مردوں، اچھوتوں اور دوسرے پسماندہ طبقوں کو یاد کر لیا گیا ہے۔ وہاں ایک صوبے کے صوبے، قوم کی قوم یعنی بلوچستان اور اس کے باشندوں کو یکسر فراموش کرنے گلدستۂ طاق نسیاں بنادینے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس صوبہ کو اس قابل بھی نہیں سمجھا گیا کہ محض اشک شوئی کی خاطر اس کے متعلق رپورٹ میں یہ دو چار لفظ لکھ دیئے جاتے کہ جناب گورنر جنرل جن کے اختیارات خاص کے جیب میں اس صوبہ اور اس کے باشندوں کو ڈال دیا گیا ہے۔ اس صوبہ کو آئین واصلاحات سے روشناس کرانے کی کوشش کریں گے۔

خدا جانے بات کیا ہے کہ برطانیہ کے آئین پسند اور قانون پرست باشندے ہندوستان میں آکر آئین وقانون کے مخالف بن جاتے ہیں اور ان کی تمام تر کوششیں اس امر پر صرف ہونے لگتی ہیں کہ آئین کے دائرے کو محدود کر کے شخصی اختیارات کے احاطہ کو وسیع تر کیا جائے۔ گورنر جنرل کو آئینِ ہند میں ہر طرح کے مطلقانہ اقتدار حاصل ہونے کے باوجود اس امر کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ کوئی نہ کوئی قطعہ ملکی ایسا موجود رہے جس کے انتظام کی عنان آئین ودستور کے قواعد وضوابط کا مرہون احسان ہوئے بغیر ان کے خاص ہاتھوں میں رہے۔ ایک عرصہ تک اس قسم کی سرزمین بے آئین صوبہ سرحد بنا رہا۔ اب ان غیور باشندوں نے جانی اور مالی قربانیاں دے کر ہندوستان کے دوسرے قطعات کے ساتھ آئینی مساوات کا حق حاصل کیا ہے تو بلوچستان کو اس مقصد کیلئے تاک لیا گیا ہے کہ وہاں پر پولیٹیکل طرزِ حکومت کے پردے میں وائسرائے اور اس کے کارندوں کا شخصی اقتدار قائم رکھا جائے۔

جہاں تک آئین وحصول کی خواہش وضرورت کا تعلق ہے بلوچستان کے باشندے دنیا اور ہندوستان کی عام رو سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے۔ ان کی جوان نسل کے قلوب میں بالکل وہی اُمنگیں اور آرزوئیں پیدا ہو چکی ہیں جن سے دوسرے صوبوں کے باشندے گرمی محفل کا سامان فراہم کر رہے ہیں۔ ان کے متعدد نوجوان زعماء اسی مقصد کے لئے قید وبند کی سختیاں بھی جھیل چکے ہیں اور جھیل رہے ہیں جہاں تک فریاد وفغاں برپا کرنے اور صدائے احتجاج بلند کرنے کا تعلق تھا، انھوں نے چند سال سے کسی قسم کی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ لیکن تعجب کا مقام ہے کہ سارے ہندوستان میں حکومت برطانیہ کے اربابِ بست و کشاد کو اگر کوئی ممنوعہ رقبہ نظر آیا تو وہ یہی بلوچستان تھا۔ اس بدنصیب ملک کے باشندوں کے متعلق یہ فرض کر لیا گیا کہ ان کے کوئی حقوق ہیں نہ جذبات۔ یہ لوگ اس امر کے مستحق ہی نہیں کہ نئی روشنی کے فوائد سے تمتع حاصل کریں۔ فرض محال اگر اس امر کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ بلوچستان کا ملک اور وہاں کے باشندے اس قابل نہیں کہ اپنے ہاں کا انتظام کسی ترقی یافتہ آئین کے مطابق چلا سکیں تو بھی یہ امر نہایت تعجب آفرین ہے کہ اس ملک کو نہایت ضروری ابتدائی اور جزوی اصلاحات سے بھی محروم رکھا جا رہا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ صوبہ سرحد کی طرح اس صوبہ کے لیے ہندوستان کے دوسرے قطعات کے ساتھ آئینی مساوات کا حق تسلیم کر لیا جاتا اور ابھی سے یہ کوششیں شروع کر دی جائیں کہ وہاں جلد سے جلد آئینی فضا پیدا کر کے نیا آئین نافذ کیا جائے۔ لیکن اگر مدبرین انگلستان کی محافظہ کاری اس قسم کا انقلاب آفرین اقدام کرنے سے خائف تھی تو انھیں نہایت جزوی اصلاحات رائج کر کے اپنی فراخ حوصلگی کا ثبوت دینا چاہیے تھا۔

بلوچستان کو موجودہ حالات میں سب سے بڑی ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کے ہاں کی معاشرتی اور سیاسی زندگی میں کوئی اصول، کوئی قانون، کوئی آئین، کوئی طریقہ پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اور انھیں ان سرداروں اور رئیسوں کے شخصی اقتدار مطلقہ سے کسی حد تک نجات دلائی جائے جن کو وہاں کے پولیٹیکل آفیسران کی سرکوبی کے لئے مقرر کر دیئے ہیں وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ مقدمات کا فیصلہ کرنیوالے جرگوں کے ارکان عام انتخاب کے ذریعہ منتخب کئے جائیں۔ جرگہ کے کام کے لئے قواعد وضوابط بنائے جائیں تاکہ انہیں انصاف حاصل کرنے کی سہولت ہو۔

چیف کمشنر کی امداد کے لئے مشیروں کی ایک کونسل بنادی جائے جس کے دوتہائی ارکان قوم کے منتخب کردہ شاہی جرگہ کے ذریعہ لئے جائیں۔ اسمبلی اور کونسل آف سٹیٹ میں بلوچستان کی نمائندگی بذریعہ انتخاب عمل میں آئے۔ کوئٹہ کی میونسپلٹی کا انتخاب آزاد کر دیا جائے۔ تحریر اور تقریر کی آزادی دی جائے اور سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔

ظاہر ہے کہ اہل بلوچستان کے یہ مطالبات نہایت معمولی اور نہایت واجبی ہیں۔ اگر حکومت کی مصلحت نے یہ تہیہ نہیں کر رکھا ہے کہ بلوچستان کے باشندوں کو ہمیشہ کے لئے وہاں کے سرداروں کا غلام بنا کر رکھا جائے گا تو اسے ان کے تسلیم کرنے میں ذرا تامل نہیں ہونا چاہئے۔

بلوچستان کا صوبہ کسی ایسی سرحد پر بھی واقع نہیں کہ جس پر کسی بیرونی سلطنت کی طرف سے حملہ کا خطرہ ہو۔ ایران اور افغانستان کے ساتھ حکومت برطانیہ کے تعلقات نہایت خوشگوار ہیں اور خوشگوار رہیں گے۔ خاص سیاسی اور دفاعی زاویہ نگاہ سے بھی سرحدی باشندوں کو جمہوری اختیارات دینا اور آئین سکھانا نہایت ضروری ہے۔ تاکہ وہ اپنے ملک کی سرحد کی مدافعت و حفاظت کرنے کے معاملہ میں دلچسپی لینے لگیں۔ بلوچستان ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر مسلمانان ہند کو بہت زیادہ توجہ مبذول کرنی چاہیے اور حکومت برطانیہ سے صاف کہہ دینا چاہیے کہ وہ اپنے جسم کے ایک حصہ کو یوں سڑتے ہوئے دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے۔

بدنصیب بلوچستان:

الوحید (کراچی)

ہمارے ہمسایہ صوبہ بلوچستان میں جس نمونے کی حکومت ہے اس سے الوحید کے ناظرین اچھی طرح واقف ہیں۔ اس بیسویں صدی میں ایسا نظام حکومت روئے زمین کے کسی بھی خطے میں قائم نہیں ہے جیسا کہ بدنصیب سرزمین بلوچستان میں ہے۔ بلوچستان کا چیف کمشنر ایک ڈکٹیٹر (مطلق العنان) ہے۔ عدالتوں کی بجائے جرگہ ہے جسکی عنان براہ راست ڈکٹیٹر کے ہاتھوں میں ہے۔ بلوچستان کے سرداروں کی ڈوریں بھی بعض مختلف اغراض و مقاصد کے پیش نظر اسی بڑے صاحب کے قبضہ قدرت میں ہیں اور وہ جس طرح چاہتا ہے ان کو نچاتا ہے ہندوستان کے مسلمان سائمن کمیشن کے زمانے سے لیکر گول میز

کانفرنس کے تینوں اجلاسوں تک بلوچستان کو اصلاحات دینے کا مطالبہ بڑے زور وشور سے پیش کرتے رہے ہیں۔ بلوچستان کانفرنس کیطرف سے گول میز کانفرنس کے آخری اجلاس کے موقع پر ایک یادداشت بھیجی گئی۔ لیکن افسوس اس صوبہ کے حال زار پر نہ حکومت ہند نے رحم کیا اور نہ حکومت برطانیہ نے۔

جائنٹ پارلیمنٹری رپورٹ میں اس صوبہ کو ایک نامعلوم مدت کے لئے کاملاً گورنر جنرل کے غیر محدود اختیارات کے رحم وکرم پر چھوڑ کر اس کے باشندوں کو ناامیدی کی تاریک قبر میں دفن کر دیا گیا ہے۔

بلوچستان کے متفقہ مطالبات کو نظر انداز کرنے میں سرکار کے پیش نظر کتنی ہی پوشیدہ مصلحتیں کیوں نہ ہوں لیکن بظاہر جو دلیل پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ بلوچستان کا صوبہ اپنے اخراجات خود برداشت کرنے کے قابل نہیں۔ لیکن اگر بلوچستان والوں کے مطالبات کو سامنے رکھا جائے تو اخراجات کا سوال ہی درمیان سے نکل جاتا ہے اس سے صاف عیاں ہے کہ اس بدبخت صوبے کو حکومت کسی نہ کسی بہانے سے اپنے فولادی پنجوں میں رکھنا چاہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کوئی بات سننے کے لیے آمادہ نہیں چاہے وہ کتنی ہی معقول اور انصاف پر مبنی کیوں نہ ہو۔

معصر ''ینگ بلوچستان'' اپنی تازہ اشاعت میں لکھتا ہے کہ:

بلوچستان کے باشندے فی الحال

(۱) چیف کمشنر کی بجائے گورنر نہیں مانگتے بلکہ یہ ضرور چاہتے ہیں کہ چیف کمشنر کو تین ارکان پر مشتمل ایک کونسل دی جائے۔ جن میں سے دو ممبر شاہی جرگہ اور ایک حکومت مقرر کرے۔

(۲) وہ سرکاری عدالتیں بھی نہیں مانگتے جس کی وجہ سے سرکار کو گرانقدر اخراجات اٹھانے پڑیں گے۔ لیکن وہ یہ چاہتے ہیں کہ جرگے کے ممبر بذریعہ عام انتخاب لیے جائیں اور جرگہ کے قوانین کو شرع کی روشنی میں کتابی صورت دی جائے جس کی رو سے فیصلے ہوا کریں اور ان میں اپیل کی گنجائش رکھی جائے۔

(۳) اسمبلی میں بلوچستان کو ایک نشست دی جائے جس کی خانہ پُری بذریعہ عام انتخاب ہوا کرے۔

(۴) کوئٹہ میونسپلٹی میں انتخاب کا مروجہ طریق رائج کیا جاوے۔

(۵) بازار فنڈ کو لوکل بورڈ میں تبدیل کیا جائے۔

(۶) تحریر وتقریر کی آزادی دی جائے۔

(۷) سیاسی قیدیوں کو رہا کیا جائے۔

یہ ہیں وہ بلوچستان والوں کے مطالبات جو موجودہ صورت میں مانگتے ہیں جنھیں تسلیم کرنے میں کسی قسم کا بھی مالی سوال پیدا نہیں ہوسکتا۔اس لیے سرکار کو کوئی مالی قربانی نہیں کرنی پڑے گی اور نہ مرکزی حکومت کے خزانہ پر کچھ بار پڑے گا۔ نیز نہ ہی اس قسم کا کوئی عذر درمیان میں لایا جاسکے گا۔یعنی اگر موجودہ حالت میں جائنٹ پارلیمنٹری رپورٹ کے مطابق اسے گورنر جنرل کے ماتحت بھی رکھا جائے تو بھی اس کو اصلاحات دینے کی راہ میں کوئی مشکلات درپیش نہیں آسکتیں۔

بلوچستان کی واژگوں بختی

واضعین آئین کی اہم ترین فروگذاشت

زمیندار (لاہور)

جائنٹ پارلیمنٹری کی سیلیکٹ کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں تعبد زاد ہند کے لیے جو دستور اساسی تجویز کیا ہے اس میں جہاں ان مسائل کے سلسلہ میں افسوسناک بے انصافی روا رکھی گئی ہے جو ہندوستان کے مفاد عمومی سے متعلق ہیں، وہاں اس نے ان فروعی مسائل میں بھی نہایت رنجیدہ تغافل شعاری سے کام لیا ہے جن کا تعلق مسلمانوں کے فوزوفلاح سے ہے مسلمانوں کے وہ اہم ترین مطالبات یہی تھے کہ مرکزی مجلس وضع قوانین میں مسلمانوں کو مجموعی نشستوں میں سے ایک ثلث (تہائی) نشستیں عطا کی جائیں اور بلوچستان میں آئینی اصلاحات نافذ کی جائیں لیکن انکے دونوں مطالبات پورے نہیں ہوئے۔ نہ مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کے اس قدر نشستیں مخصوص کی گئیں اور نہ بلوچستان کو اصلاحات سے نوازا گیا۔

موخر الذکر کو مطالبہ کی عدم تکمیل خصوصیت کے ساتھ رنجیدہ اور قلق (اضطراب) انگیز ہے کیونکہ بلوچستان میں زبردست سیاسی بیداری پیدا ہوچکی ہے اور وہ آئینی ترقی کے لئے ہر روز جدوجہد کرتا ہے۔اہل بلوچستان امید لگائے بیٹھے تھے کہ جدید آئین میں انھیں بھی اصلاحات سے بہرہ اندوز ہونے کا موقع دیا جائے گا اور وہ بھی اپنے حقوق کی حفاظت کرنے اور اپنے ملک کی خوشحالی وترقی میں حصہ لینے کے قابل ہوجائیں گے لیکن یہ آرزو نہ پوری ہونی تھی نہ ہوئی۔

جب صوبہ سرحد میں اصلاحات نافذ کرائی گئیں تو ہم حیران ہیں کہ بلوچستان کے اس مطالبہ کو کیوں سرپائے استحقار سے ٹھکرا دیا گیا اگر حکومت کی سیاسی مصالح صوبہ سرحد میں نفاد اصلاحات کو برداشت کرسکتی ہیں تو پھر بلوچستان کو اصلاحات کے چشمہِ فیض سے سیراب کرنے میں بھی انہیں کوئی تذبذب وتامل نہ کرنا چاہیے۔

اہل بلوچستان فہم وفراست اور ذہانت وفطانت کے اعتبار سے اپنے افغان بھائیوں سے کم نہیں اور اب ان کی تعلیمی حالت بھی روز بروز بہتر ہورہی ہے۔ان حقائق کو نظر انداز کرکے بلوچستان کو آئینی اصلاحات سے محروم رکھنا افسوسناک بے انصافی ہے۔

پارلمینٹری کمیٹی کی رپورٹ میں بلوچستان کا نظم ونسق گورنر جنرل کو سونپتے ہوئے اہل بلوچستان کی اشک شوئی کے لئے یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ گورنر جنرل مناسب اصلاحات عطا کرنا چاہتی تھی تو اس نے ان اصلاحات کی تشریح وتوضیع کیوں نہ کر دی۔ کیا وہ برطانوی مدبرین اور سیاسین جو ہندوستان کے لیے دستور اساسی وضع کر سکتے ہیں۔ کیا وہ بلوچستان کے لیے آئینی اصلاحات کا خاکہ تیار نہیں کر سکتے تھے۔ رپورٹ کے متذکرہ صدر الفاظ سے مترشح ہوتا ہے کہ بلوچستان کو کچھ نہیں ملے گا۔ اگر کچھ ملنا ہوتا تو یقیناً اس کا تذکرہ رپورٹ میں کر دیا جاتا۔

اگر بلوچستان کی اقتصادی پستی کے پیش نظر اسے اصلاحات سے محروم رکھا گیا ہے تو بھی مناسب نہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ بلوچستان کی اقتصادی حالت ایسی نہیں کہ وہ نظم ونسق کی کسی بہت بڑی مشینری کا بار اٹھا سکے۔ لیکن معمولی وابتدائی اصلاحات کے نفاذ میں تو بہت زیادہ مصارف کی ضرورت ہیں۔ بلوچستانی خود یہ نہیں چاہتے کہ انہیں وہ اصلاحات عطا کی جائیں جو بڑے بڑے صوبوں میں نافذ العمل ہیں ان کے مطالبات صرف یہ ہیں۔

(۱) جو جرگے انفصال مقدمات کی غرض سے بنائے جاتے ہیں۔ ان کے ارکان کا انتخاب عمل میں آئے اور ان میں سرکاری طور پر ارکان نامزد نہ کیے جائیں۔ نیز جرگوں کی رہنمائی کے لیے قوانین مرتب کیے جائیں۔

(۲) چیف کمشنر کو من مانی کاروائی کرنے کی اجارت نہ ہو، اور اس کے لیے ایک مشاورتی کونسل مقرر کی جائے جس کے دوثلث (دوتہائی) ارکان شاہی جرگہ سے لیے جائیں جسے عوام منتخب کریں۔

(۳) اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ میں بلوچستان کو ایک ایک نشست عطا کی جائے اور ان نمائندوں کے انتخاب کا حق اہل بلوچستان کو دیا جائے۔

(۴) بلدیہ کوئٹہ میں انتخابات کو رائج کیا جائے۔

(۵) باشندگان بلوچستان کو تقریر وتحریر کے ذریعہ سے اپنے جذبات دلی کے اظہار کے متعلق آزادی دی جائے۔

(۶) ان بلوچی کارکنوں اور لیڈروں کو رہا کیا جائے جو محض اس بناء پر قید وبند کی مصیبتیں جھیل رہے ہیں کہ انھوں نے اپنے اہل وطن کی صحیح ترجمانی کی اور بلوچستان کو اصلاحات سے بہرہ اندوز کرنے کے لیے آئینی جدوجہد کی۔

اگر اہل بلوچستان کے یہ معمولی مطالبات بھی منظور نہ کیے گئے تو مسلمانوں کو سخت مایوسی ہوگی اور بلوچستان میں اضطراب وبے اطمینانی کی بے پناہ لہر پیدا ہو جائے گی برطانوی پارلیمنٹ کا فرض ہے کہ وہ ہندوستان کے جدید آئین میں بلوچستان کے لیے اصلاحات کا اضافہ کر دے۔

بلوچستان جائنٹ پارلمینٹری سلیکٹ کمیٹی کی اہم ترین فروگذاشت

ترجمان بلوچ (کراچی)

سگت را خون دل دادم کہ با ما آشنا گردد

زبخت خود نہ دانستم کہ با بیگانہ میگردد

جائنٹ سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ ۲۰/نومبر ۱۹۳۴ء کو شائع ہوگئی ہے یہ اعلان کہاں تک باشندگان ہند کے لیے اطمینان بخش ہے اس کے متعلق گذشتہ اشاعت میں ہم نے اپنی اور بعض سرکردہ علمائے ہند کی آراء کا اظہار کردیا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ باشندگان ہند اس رپورٹ سے قطعاً مایوس نظر آرہے ہیں۔ آج کی صحبت میں ہم صرف ایک بات قارئین کرام کی توجہ میں لانا چاہتے ہیں وہ یہ کہ وائٹ پیپر اور اسکے بعد جائنٹ سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ کا ایک نہایت ہی افسوسناک اور رنجیدہ پہلو یہ ہے کہ بلوچستان کو ان تمام چیزوں سے محروم رکھا گیا ہے جو دوسرے حصول کی لئے مناسب وضروری سمجھی گئی ہیں۔ بہت ہی غور وخوض کے بعد یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ اس فروگذاشت کی وجہ علت کیا ہے جس صورت میں بلوچستان بلحاظ جغرافیہ ہندوستان کا ایک جز لاینفک ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے ان چیزوں سے محروم رکھا جائے جن سے دوسرے حصوں کو انتفاع کا موقع دیا گیا ہے۔ یہ ہندوستان کا علی العموم اور مسلمانوں کا بالخصوص اہم ترین فرض یہ ہے کہ وہ حکومت کی اس عجیب وغریب پالیسی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں اور اس وقت تک خاموش نہ ہوں جب تک ان کے بلوچ بھائیوں کے مندرجہ ذیل جائز مطالبات نہ مان لیے جائے جو حال ہی میں بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کے پبلسٹی سیکریٹری کی طرف سے بالوضاحت شائع ہوئی ہیں۔

(۱)۔ چیف کمشنر کے ساتھ تین ارکان کی ایک کونسل ہو جن میں سے دو کو شاہی جرگہ نامزد کرے، ایک کو چیف کمشنر نامزد کرے۔

(۲)۔ جرگہ کے تمام ارکان منتخب ہوں اور مقدمات کے فیصلے کے لیے ایک قانون نامہ مرتب کیا جائے جو شریعت حقہ اسلامیہ کے مطابق ہو اور اس میں گنجائش رکھی جائے کہ بوقت ضرورت ان فیصلوں کے خلاف اپیل ہوسکے۔

(۳)۔ اسمبلی میں جو نشست دی گئی ہے وہ انتخاب کے ذریعے پر ہوں۔ نیز بلدیہ کوئٹہ میں آزادانہ انتخاب کا طریقہ رائج ہو۔

(۴)۔ پریس اور پلیٹ فارم کی آزادی دی جائے۔

بلوچستانیوں کے یہ مطالبات اصولی اور ادنیٰ ترین مطالبات ہیں جو ہندوستان کے دوسرے صوبوں کو مدت دیر سے دیے جاچکے ہیں۔ ان مطالبات کو تسلیم کرلینے کے بعد موجودہ سسٹم پر کونسا بڑا اثر پڑنے کا احتمال ہوسکتا ہے۔ یا کس قدر روپیہ کا

خرچہ جس کی وجہ سے بلوچستانیوں کو ان کے فطری حقوق سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ بلوچستان کے مخلص قومی کارکن اس وقت جیلوں میں بند پڑے ہیں۔ انھیں اپنے وطن کی مخلصانہ خدمت گزاری کا موقع نہیں دیا گیا ہے۔ کیا یہ انصاف کا تقاضہ نہیں کہ ان کے ان معمولی اور ادنیٰ مطالبات تکمیل کر کے رہنمایان قوم کو آزادی دی جائے۔ تمام باشندگان کا عموماً اور مسلمانوں کا خصوصاً اولین فرض ہے کہ وہ اس ضرورت کی طرف جلد از جلد توجہ دیں۔

آخر میں ہم اس حقیقت نفس الامری کے اظہار کے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہ سارا وبال ہماری نااتفاقی اور نفاق کا نتیجہ ہے۔ اگر آج بھی تمام سرداران بلوچستان اپنی بے چارگی کو محسوس کر لیں اور ان نوجوانوں کو جوان کی ستم ظریفیوں کی وجہ سے جیل و بند کی سختیاں جھیل رہے ہیں اپنے ساتھ ملا کر بہ یک آواز جائز حقوق کا متفقہ مطالبہ کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ ارباب حل وعقد ہند و بلوچستان ان کی طرف توجہ نہ دیں بلکہ یقیناً اور فوراً ان کے مطالبات پر غور ہونا شروع ہو جائے گا۔ ان مطالبات کے مسترد کر دیے جانے کی صورت میں نہ صرف مسلمانانِ ہند میں مایوسی پیدا ہوگی بلکہ پورے بلوچستان کے اندر اضطراب و بے اطمینانی کی ایک بے پناہ لہر دوڑ جائے گی اور ان کے نتائج کی ذمہ داری ان احباب پر عائد ہوتی ہے۔ جنھوں نے بلوچستان کو جدید آئینی اصلاحات سے محروم رکھا۔

ہندوستان کا سب سے زیادہ مجبور و مظلوم علاقہ :

الجمعیت (دہلی)

صوبہ بلوچستان کی اس افسوسناک محرومی کے اسباب میں سب سے پہلا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ اس صوبے میں بہت بڑا حصہ ریاستوں کا ہے اور برطانوی علاقہ نہایت مختصر ہے۔ اس لیے اس صوبے کو مستقل حیثیت دینا اور وہاں آئینی اصلاحات رائج کرنا غیر ممکن ہے۔ لیکن یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ یہ وجہ ایک اتنی بڑی آبادی کو جتنی کہ صوبہ بلوچستان کی ہے ہمیشہ کے لیے ہر قسم کی سیاسی و معاشرتی ترقی روک دینے کے لیے کافی نہیں ہو سکتی ہے۔ کسی خطہ زمین کی آبادی خواہ کتنی مختصر کیوں نہ ہو اور وہاں کے باشندوں کی تعداد خواہ کتنی ہی کم کیوں نہ ہو۔ اس آبادی کو صرف اس نامعقول بنیاد پر آزادی سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ بلوچستان کو ایک علیحدہ صوبہ بنانے کی وجہ سے نظم ونسق حکومت کے جو مصارف بڑھ جائیں گے ان کو برداشت کرنے کی قوت بلوچستان میں موجود نہیں ہے۔ لیکن اس کے متعلق بھی ہمیں یہی کہنا پڑے گا کہ یہ سراسر ایک عذر لنگ ہے۔ جب کبھی بلوچستان کے لیے جدید اصلاحات کا مطالبہ کیا گیا ہے اور وہاں کی حکومت کو مہذب بنانے پر زور دیا گیا ہے۔ تو اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہم صوبہ بلوچستان میں اس قسم کا گراں طرز حکومت نہیں چاہتے جیسا کہ دوسرے صوبوں میں ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ صوبہ بلوچستان کو ایک اول نمبر کا گورنری صوبہ بنا دیا جائے اور وہاں سول ملازمین کی وہی

کثرت پیدا کر دی جائے جیسی کہ دوسری گورنروں کے صوبے میں ہے۔ بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ بلوچستان میں حکومت کے بنیادی اصولوں کو ترقی دے کر وہاں کی آبادی کو ایک بدترین قسم کے جابرانہ نظام سے باہر نکالا جائے اور تمام انتظامات کی تبدیلی میں اس امر کو ملحوظ رکھا جائے کہ وہاں کی آمدنی کے لیے ذرائع کم ہے اور مرکز سے جو کچھ امداد دی جا سکتی ہے وہ بھی کم ہوگی اس لیے اخراجات کم سے کم ہوں۔صوبہ بلوچستان میں جس طرح اب ایک چیف کمشنر رہتا ہے اسی طرح سول ملازمین کی تنخواہوں کا معیار دوسرے صوبوں سے کم کیا جائے اور ایسے ملازمین رکھے جائیں جو وہاں کے کام کو با آسانی چلاسکیں اور مختصر آبادی کی وجہ سے مصارف زیادہ نہ آئیں غرض ہمارا مقصد یہ ہے کہ دوسرے صوبوں میں جو اناپ شناپ مصارف کیے جاتے ہیں وہ بلوچستان میں نہ کیے جائیں جیسا کہ مختصر علاقہ ہے۔ ویسا ہی مختصر نظام ہو اور ویسے ہی مختصر مصارف ہوں۔صنعت و حرفت کے ذریعے آمدنی بنانے کی کوشش کی جائے اور جو کمی ہو اس کو اسی طرح پورا کیا جائے محض یہ کہہ کر چھوٹ جانا کہ صوبہ بلوچستان کا برطانوی علاقہ مختصر ہے۔کسی شخص کے نزدیک بھی معقول نہیں ہوسکتا۔ ہر اس علاقے کے متعلق جو برطانوی علاقے کے ماتحت ہے قطع نظر اس کے کہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، برطانوی حکومت پر ہر ایک ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اس ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کے لیے اس قسم کے حیلہ سازیاں یقیناً کافی نہیں ہوسکتی۔رہا ریاستوں کا سوال سو اس کے متعلق بھی حل ہوسکتا ہے بلوچستان کی تمام آبادی اپنے اندر یکسانیت رکھتی ہے برطانوی علاقے کے باشندے ریاستی آبادی کے ساتھ ایسے تعلقات رکھتے ہے کہ انھیں سوشل حیثیت سے ایک ہی فرد سمجھنا چاہیے۔وہ سب آپس میں ملے ہوئے ہے اور ان کا ایک سیاسی و دستوری اتحاد نا صرف ممکن بلکہ ضروری ہے اگر وہاں کی ریاستوں کے ساتھ گفتگو کی جائے تو وہ سب با آسانی اس پر رضامند ہوسکتی ہے کہ بلوچستان کو من حیث المجموع ایک مستقل بنیاد پر مستحکم کر دیا جائے اور اس کیلئے کنفیڈریشن کی تجویز نہایت مناسب تجویز ہے اس کنفیڈریشن کے ذریعے صوبہ بلوچستان کو ایک مستقل صوبہ بنانے میں آسانی ہو جائے گی اور اس کے واسطے اس وقت بھی کافی سامان موجود ہے۔اس شاہی جرگہ میں جو برطانوی ہند کے افسر اعلیٰ کی زیر ہدایت جمع ہوتا ہے آج بھی ریاستوں کی نمائندگی ہوتی ہے۔اگرچہ اس کے اختیارات محض انفصال مقدمات اور جزوی معاملات تک محدود ہیں۔مگر اسکا وجود قائم ہے اور وہی آئندہ ترقی کی بنیاد ہوسکتا ہے ان دونوں امور پر غور کیا جائے تو معلوم ہوجائے گا کہ برطانوی بلوچستان کی آبادی کا اختصار اور ریاستوں کا وجود دونوں باتیں ایسی ہیں کہ انہیں بلوچستان کی محرومی کا سبب نہیں بنایا جاسکتا۔

دوسری دلیل: ایک دوسری دلیل یہ پیش کی جارہی ہے کہ بلوچستان کے باشندوں کا ایک بڑا حصہ خانہ بدوش ہے اس لیے ان کو اصلاحی و دستوری ترقی سے بہرہ ور ہونے کا موقع نہیں دیا جاسکتا۔ پہلی دلیل کی طرح یہ دلیل بھی حد درجہ نامعقول اور ناقابل توجہ ہے۔ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ بلوچستان میں تمدن و معاشرت کی وہ صورت نہیں ہے جو ہندوستان کے دوسرے حصوں میں ہے۔ وہاں بڑے بڑے شہر اور بڑی بڑی متمدن آبادیاں نہیں ہیں لیکن پھر ہم یہی کہیں گے کہ محض اس بناء پر بلوچیوں کو انتہائی مظالم کا

نشانہ بنانا کسی طرح بھی قابل برداشت نہیں ہوسکتا۔صوبہ بلوچستان کی زندگی خواہ کسی قسم کی ہو وہاں کے باشندوں کو آزادی کے ساتھ زندہ رہنے کا حق ملنا چاہیے۔اگر وہاں کے باشندوں میں تعلیم نہیں ہے ان کی اقتصادی اور معاشرتی حالت کی اصلاح کے سامان ہیں تو اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔ یقیناً اس کی ذمہ دار حکومت ہے جس نے آج تک ان کی ترقی کے لیے کوئی قدم نہیں اُٹھایا ہے اور اسکی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس خطے کو ہمیشہ آزادی سے محروم رکھنے کا فیصلہ کرلیا گیا ہے اگر یہی طرز حکومت جو اس وقت بلوچستان میں روا رکھا گیا ہے ہمیشہ قائم رہا تو بلوچی ہمیشہ خانہ بدوش ہی رہیں گے وہ دن کبھی بھی نہیں آئے گا کہ ان میں تعلیم ہو،صنعت وحرفت ہو،تعمیری کاموں کے ساتھ دلچسپی ہو یہی خانہ ویرانی جو آج ان کو اصلاحی ترقی نہ دینے کا عذر بنائی جا رہی ہے۔علی الدوام قائم رہے گی برطانوی ہندوستان میں ابتدا سے حکومت نے جو نظام قائم کیا تھا۔اس کی تدریجی ترقی کے ساتھ ساتھ اپنا کام چلانے کے لیے ملازموں کی ضرورت زیادہ ہوتی تھی۔ چنانچہ انھوں نے اپنے لیے کلرک پیدا کرنے کی غرض سے مدارس قائم کیے اور تعلیم کا سلسلہ بنایا اور اسی بہانے سے ہندوستان میں سیاسی بیداری ظاہر ہوئی اور انھیں اسکولوں اور کالجوں سے جو کلرک بنانے کی مشین تھی بیدار مغز مشاہیر ہی پیدا ہوئے اور پچھلے نظام کو پامال کرنے کے بعد جو صورت نمودار ہوگئی تھی اس میں فرق آیا۔اگر ہندوستان کے کسی دوسرے صوبے کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا کہ وہاں کے پچھلے نظاموں کو تباہ کر کے اور وہاں کی آبادی کو تعلیم وتہذیب سے نا آشنا کر کے چھوڑ دیا جاتا اور اسکی تعلیمی، واقتصادی وسیاسی ترقی کی طرف کوئی توجہ نہ کی جاتی اور وہاں بدترین قسم کی مستبدانہ حکومت قائم کر دی جاتی تو اسکا بھی وہی حشر ہوتا جو اس وقت بلوچستان کا ہے بلوچستان چونکہ اس قدرتی طور پر اپنے محل وقوع اور اپنی ریگستانی وکوہستانی سرزمین اور گذشتہ زمانہ میں وسائل رسل ورسائل کی کمی کی وجہ سے ہندوستان کے پسماندہ علاقوں میں رہا ہے اس لیے اس کے واسطے تو اور بھی زیادہ ضروری تھا کہ اسے ہندوستان کی عام سطح تک لانے کے لیے تدریجی ترقی کے ذرائع بہم پہنچائے جاتے چہ جائیکہ وہاں کے قدیم ترین طرز تمدن اور طریق حکومت پر ہمیشہ کے لیے مہر لگا دی گئی ہے اور ان خانہ بدوشوں کو خانہ بدوش ہی رکھنے کا فیصلہ کرلیا گیا ہے حالانکہ ان کے اندر بہت کچھ صلاحیتیں موجود ہیں جنھیں اگر بروئے کار لانے کا موقع دیا جائے تو انقلاب عظیم ہوسکتا ہے۔ اس لحاظ سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ باشندگانِ بلوچستان کی پسماندگی کے لیے حکومت ہی ذمہ دار ہے اور اس پسماندگی کو ترقی کی راہ میں سد سکندری نہیں بنایا جا سکتا۔ بلوچستان کے لیے بلوچیوں نے جو کچھ اصلاحات طلب کی ہیں۔ان میں خود اس امر کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ بلوچستان کا طرز زندگی کیا ہے اور اس لیے وہاں کے جرگہ سسٹم کو منسوخ کر دینے کی تجویز نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ اسی نظام کو جو وہاں کے مخصوص حالات اور مخصوص صورتوں کی موجودگی میں رائج ہے آئینی شکل کے اندر منتقل کر دینے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔اگر وہاں کے نظام حکومت میں نیابت کے صحیح اصولوں کو داخل کیا جائے اور بلوچستان کے تمام ملازمتوں پر بلوچوں کو فائز کر کے تعلیم سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جائے تو اس پیانے کی حکومت جس کا مطالبہ کیا جا رہا ہے خود بلوچی باآسانی چلا سکتے ہیں اور تھوڑے ہی عرصے میں بلوچستان بہت بڑی ترقی کرسکتا ہے۔

تیسری دلیل: تیسری دلیل جس کو بہت کچھ قوت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور جسے سائمن کمیشن کے بعد حکومت ہند اور حکومت برطانیہ نے بار بار دہرایا ہے وہ خود بلوچستان کے باشندوں کی خواہش کے متعلق کہا جاتا ہے کہ خود بلوچیوں کے اندر آزادی حاصل کرنے کا کوئی جذبہ نہیں ہے۔ انہوں نے کبھی یہ خواہش ظاہر نہیں کی ہے کہ ان کے صوبے میں مزید اصلاحات کو جاری کیا جائے بلکہ اس کے برخلاف اگر بلوچستان میں جدید طرز حکومت کو رائج کیا گیا اور پرانے طریقہ کو بدلا گیا تو وہاں کی آبادی کے جذبات کو صدمہ پہنچے گا اس دلیل کو جس قدر زور کے ساتھ پیش کیا گیا ہے ہمیں افسوس ہے کہ یہ اس قدر پُوچ اور لچر ہے اس سے بڑھ کر مغالطہ انگیز وگمراہ کن بات اور کوئی نہیں ہوسکتی کہ بلوچیوں کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ آزادی کے خواہاں نہیں ہیں اور ان زہرہ گداز مظالم پر قانع ہیں۔ جو آئے دن وہاں کی حکومت ان پر توڑتی رہتی ہے۔ حقیقتاً یہ صحیح نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے۔ بلوچیوں کے لئے بھی حکومت کا آئینی پنجہ اسی قدر سخت ثابت ہورہا ہے۔ جتنا کہ صوبہ سرحد کے افغانیوں کے لئے تھا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ صوبہ سرحد کی آبادی نے بعض مخصوص حالات کے ماتحت منظّم ہوکر حکومت کے خلاف فیصلہ کن محاذ قائم کیا اور اپنا خون بہا کر اپنی آزادی کے لئے راستہ صاف کیا اور بلوچی ابھی اس معاملے میں صوبہ سرحد سے کچھ پیچھے رہے ہیں وہی حکومت جو ہمیشہ آئینی ذرائع کو حصول مطالبات کا بہترین وسیلہ قرار دیتی رہی ہے۔ اپنی عادت کے لحاظ سے اس پر مجبور معلوم ہوتی ہے کہ غیر آئینی ایجی ٹیشن اور سول نافرمانی اور اسی قسم کے دوسرے ذرائع سے مجبور کیا جائے تو وہ بعد از خرابی بسیار تھوڑے بہت حقوق دینے پر رضامند ہو۔

خواہش اظہار کا یہ طریقہ ابھی تک اس حکومت نے عملاً تسلیم نہیں کیا اگرچہ زبان سے وہ یہی کہتی ہے اظہار جذبات کیلئے اگر محض یادداشتوں اور ریزولوشنوں کو کافی سمجھا جاتا تو بلوچستان کے متعلق سائمن کمیشن یا حکومت ہند یا حکومت برطانیہ ہرگز یہ نہ کہتی جو وہ اس وقت کہہ رہی ہے۔ کیونکہ اس عتبار سے بلوچستان کا معاملہ بار بار پیش ہو چکا ہے۔ بلوچستان اور آل انڈیا بلوچ کانفرنس کے نمائندوں نے بار بار حکومت کو یہ بتایا ہے کہ بلوچ کیا چاہتے ہیں۔ مگر ہاں البتہ ابھی تک کوئی ایسا ایجی ٹیشن وہاں نہیں ہوا ہے۔ جس میں بکثرت قید و بند اور قتل و جراحت کی نوبت پیش آئی ہو اور شاید حکومت کے نزدیک استحقاق حاصل کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے۔ جب خود حکومت کا طریق کار یہ ہے تو ظاہر ہے کہ ان لوگوں کے لئے دنیا کو منہ دکھانے کی کیا گنجائش باقی رہ سکتی ہے جو صرف آئینی طریقوں کے حامی ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ کسی غیر آئینی ایجی ٹیشن میں حصہ لئے بغیر اپنے حقوق کی معقولیت کو ثابت کر کے حکومت برطانیہ سے اپنی آزادی حاصل کریں۔ صوبہ سرحد کے معاملہ میں یہ ہوا ہے کہ جب تک وہ خاموشی کے ساتھ مطالبات کرتے رہے کوئی شنوائی نہیں ہوئی بلکہ وہی جواب جو اس وقت بلوچستان کو دیا جارہا ہے انہیں دیا گیا۔ مگر جہاں ایک عالمگیر شورش برپا ہوئی اور دیکھا کہ اب حالات قابو سے باہر ہو رہے ہیں صوبہ سرحد کے لئے فوراً اصلاحات مظور کی گئیں۔ اب شاید حکومت یہی معاملہ بلوچستان کے ساتھ کرنا چاہتی ہے۔ مگر ہم کہیں گے کہ یہ کس قد

رظلم ہے تم زبان سے کچھ کہتے ہواور تمہارا عمل کچھ اور ہے اس سے قبل کہ بلوچستان میں حالات قابو سے باہر ہو جائیں؟ کیوں اپنے ظلم سے باز نہیں آتے۔کیوں اس کے ساتھ انصاف نہیں کرتے؟ اس کے جذبہ آزادی کا امتحان لینے کے لئے کیوں تلے ہوئے ہو؟ اوراس سے قبل کہ پیالہ لبریز ہو کر چھلک جائے اپنا ہاتھ کیوں نہیں روکتے؟ بلوچستان کے باشندے کمزور ہیں، مظلوم ہیں، مجبور ہیں۔ایک بھاری بوجھ کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔وہ اپنا سر نہیں اٹھا سکتے۔وہ اپنی آواز نہیں بلند کر سکتے۔جلسوں کی انہیں اجازت نہیں ہے۔کانفرنس وہ منعقد نہیں کر سکتے۔ان پر سخت ترین گرفت قائم ہے ایسی حالت میں انہیں کیوں مجبور کرتے ہو کہ وہ آزادی کے لئے وہ طریقے اختیار کریں جو یقیناً تمہارے اور ہمارے دونوں کے لیے ناخوشگوار ہیں اور جو لازماً امن وامان کی تباہی اور جان و مال کے اتلاف پر منتج ہوتے ہیں۔مظلوم بلوچ تم سے کس طرح کہے کہ وہ آزادی کے خواہاں ہیں۔ان کے نمائندوں نے تمہاری چوکھٹ کی خاک لے ڈالی۔ان کے رہنماؤں نے تمہیں تمام نشیب وفراز سمجھا دیے۔اخبارات نے لکھا۔مجالس نے قرار دادیں منظور کیں مگر تم اب بھی پائے استحقار سے ان کے مطالبات کو ٹھکرا رہے ہو اور تمہارا جو کوئی کمیشن آتا ہے وہ یہی کہتا ہے کہ بلوچستان خود تو کچھ مانگتا ہی نہیں، پھر اسے کچھ کیوں دیا جائے۔اگر مانگنے سے وہی مدعا ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے تو خیر بلوچستان تو کبھی نہ کبھی تمہارے طرز عمل سے اس پر ہی آمادہ ہو جائے گا کہ وہ اسی طریقہ سے مانگے جو تمہارے ہاں مقبول مجبور طریقہ ہے مگر ہم سمجھتے ہیں کہ یہ صورت بہتر نہ ہوگی اور اس کی تمام تر ذمہ داری تم پر ہوگی۔

بلوچستان کے ساتھ انصاف کیا جائے:

انقلاب (لاہور)

ہندوستان اس بحث میں مبتلا ہے کہ مجوزہ اصلاحات میں جو کچھ دیا جا رہا ہے وہ غیر تسلی بخش اور ناقابل اطمینان ہے اور اسے قبول نہیں کیا جا سکتا لیکن غریب بدنصیب اور بے زبان بلوچستان ابھی تک ان ابتدائی چیزوں سے بھی نا آشنا ہے جو ہندوستان کے اندر سالہا سال سے نافذ ہیں ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ حکومت اہل بلوچستان کے مطالبات سے کیوں بے توجہی برت رہی ہے؟ اگر بلوچستان کو ہندوستان کا ایک لاینفک حصہ سمجھا جاتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس ملک کے باشندوں کو وہ حقوق حاصل نہ ہوں جن سے ہندوستان کے دوسرے حصے مستفید ہو رہے ہیں۔بلوچستان کے باشندے بھی ویسے ہی انسان ہیں۔جیسے ہندوستان میں دوسرے صوبوں میں بسنے والے انسان ہیں۔ان کے پہلو میں بھی ویسے ہی دل ہیں ویسے ہی جذبات ہیں۔وہ بھی اپنی فلاح و بہبود کی ویسی ہی تڑپ رکھتے ہیں۔پھر کیا وجہ ہے کہ انہیں موقع نہیں دیا جاتا۔کہ وہ بھی اپنی حالت درست کر سکیں۔اپنی خواہشات کے مطابق اپنے امور کا انتظام کر سکیں اپنی آرزوؤں کے مطابق اصلاح احوال کا فرض انجام دے سکیں۔اگر ہندوستان کے دوسرے صوبوں کو آزادی یا نیم آزادی دینا جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے تو اہل بلوچستان کو ویسے ہی حقوق سے محروم رکھنا کیوں بے انصافی نہ سمجھا جائے؟ ہماری رائے میں تو اہل بلوچستان آزادی یا خوداختیاری حکومت

کی برکات سے مستفید ہونے کے زیادہ اہل ہیں۔تمدن معاشرت، مذہب اور عام ضروریات کے اعتبار سے جتنی یک آہنگی بلوچستان کے باشندوں میں موجود ہے وہ ہندوستان کے کسی دوسرے حصے میں بہ مشکل پائی جائے گی لیکن افسوس کہ انہیں بالکل ابتدائی حقوق سے بھی محروم رکھا جا رہا ہے۔اہل بلوچستان کے فوری ابتدائی مطالبات انقلاب کے صفحات پر بار ہا پیش ہو چکے ہیں۔ان کا سب سے پہلا مطالبہ یہ ہے کہ سیاسی قیدیوں کو رہا کیا جائے خان عبدالصمد خان اچکزئی اور میر عبدالعزیز خان کرد نے کیا گناہ کیا ہے کہ انہیں قید کر دیا گیا؟ خان عبدالصمد خان کا گناہ محض یہ تھا کہ انہوں نے کراچی اور حیدرآباد میں چند تقریریں کیں،جن میں بلوچستان کی حالت بیان کرتے ہوئے اہل بلوچستان کی ان خواہش اصلاحات کا اظہار کیا تھا۔لیکن جب وہ بلوچستان واپس گئے تو پہلے انہیں قانون سرحدی کی ایک دفعہ کے ماتحت گرفتار کیا گیا۔ بعدازاں دفعہ ۱۲۴ (الف) کے ماتحت مقدمہ چلا کر تین سال قید با مشقت اور تین ہزار روپے کی سزا دی دی۔خان عبدالصمد خان سے ہندوستان کے تمام سیاسی حلقے اچھی طرح روشناس ہیں۔ ہر شخص اس بات کی گواہی دے گا کہ خان صاحب موصوف بے انتہا آئین پسند اور پختہ خیال قومی کارکن ہیں۔عدم تشدد کے پکے حامی ہیں اپنی تقریروں اور بیانوں میں بے حد محتاط رہتے ہیں۔ البتہ انہیں بلوچستان کی حالت کو بہتر بنانے اور اہل بلوچستان کو کم از کم ابتدائی حقوق دلانے کے ساتھ خاص عشق ہے وہ اپنی زندگی کی ہر راحت کو اس اعلیٰ مقصد کے لئے مدت سے قربان کیے بیٹھے ہیں ایسے ذمہ دار محبوب ایثار پیشہ کارکن کو چند تقریروں کی بنا پر ایسی سنگین سزا دینا بالکل نا قابل فہم ہے اور تقریریں بھی ایسی ہیں جن میں صرف یہ بتایا گیا تھا کہ بلوچستان میں اس وقت جو نظام حکومت جاری ہے اس کی حالت کیا ہے اور اہل بلوچستان کیا چاہتے ہیں۔

میر عبدالعزیز خان کرد بھی بلوچستان کے نہایت ہر دلعزیز اور محبوب قومی کارکن ہیں۔ان کا گناہ محض یہ بتایا جاتا ہے کہ انھوں نے چند اصلاحی مضامین پنجاب کے اخبارات میں شائع کرائے وہ جب بلوچستان واپس پہنچے تو انہیں گرفتار کر کے جرگہ کے روبرو پیش کیا گیا جرگہ نے انہیں بے گناہ قرار دے کر بری کر دیا دوسرے دن انہیں دوبارہ گرفتار کیا گیا اور پانچ سو روپیہ جرمانہ کی سزا مل گئی۔اس کے بعد تیسری مرتبہ گرفتار کر کے پانچ سال قید اور پانچ ہزار روپے کی ضمانت کی سزا دی دی گئی۔میر عبدالعزیز خان کی ذات گرامی سے جن اصحاب کو واقفیت ہے وہ جانتے ہیں کہ میر صاحب بڑے ذمہ دار محتاط کارکن ہیں وہ کوئی غیر آئینی صورت حال پیدا کرنے کے کبھی روادار نہیں ہوئے۔ ہمیشہ اس امر کی کوشش کرتے رہے ہیں کہ ہندوستان میں جو آئینی ذرائع مہیا ہیں ان سے جائز طریق پر کام لے کر بلوچستان کی صحیح انتظامی کیفیت حکومت اور اہل ہند کے روبرو پیش کریں اور مروجہ نظام کی مناسب اصلاح کرائیں۔ایسے ذمہ دار اور محبوب قومی خادموں کو سزائیں دینا اور سخت وشدید سزائیں دینا ہرگز مناسب نہیں بلوچستان کے یہ دونوں رہنما کافی مدت سے قید ہیں۔حکومت کا فرض ہے کہ وہ اب اس سختی اور غیر مناسب سلوک کی تلافی کر دے یعنی ان دونوں کارکنوں کو غیر مشروط طریق پر رہا کر دے تا کہ وہ اپنی خداداد صلاحیتوں اور اپنے مایہ ناز جذبۂ خدمت کو اہل ملک کی اصلاح میں صرف کریں۔

اہل بلوچستان کا دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ وہاں تحریر وتقریر کی کم ازکم ایسی ہی آزادی حاصل ہو جائے جیسی کہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کو حاصل ہے۔ حکومت کے پاس غیر محتاط تحریروں اور تقریروں کے انسداد کے لئے کافی اختیارات موجود ہیں اور ہندوستان کے ہر حصے میں ان اختیارات سے بوقت ضرورت کام لیا جاتا ہے لیکن یہ نہیں ہوتا کہ سرے سے اختیارات جاری کرنے ہی کی اجازت نہ دی جائے یا جلسے منعقد کرنے ہی کو برداشت نہ کیا جائے۔ قانون ہند کے مطابق بلوچستان میں اخبارات نکالنے کی پوری آزادی حاصل ہونی چاہیے۔ لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ پانچ چھ اصحاب نے مختلف اوقات میں اخبارات نکالنے کیلئے اجازتیں طلب کیں اور انہیں نفیاً یا اثباتاً کوئی جواب نہ ملا۔ بلکہ مصیبت یہ ہے کہ اگر کوئی خبر باہر اشاعت کیلئے بھیجی جائے اور وہ حکام کو غیر مناسب نظر آئے تو اسے بھی روک دیا جاتا ہے۔ نسیم تلوی صاحب تو اپنے ایک مقالہ میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ جن نوجوانوں نے کراچی میں اخبارات جاری کر رکھے ہیں ان کے پڑھنے اور خریدنے والوں کو بھی خفیہ پولیس کے افراد طرح طرح سے تنگ کرتے ہیں۔

اہل بلوچستان کا تیسرا مطالبہ یہ ہے کہ بلدیہ کوئٹہ میں انتخابی نظام رائج کیا جائے اور دوسرے حصوں میں حسبِ ضرورت سمال ٹاؤن کمیٹیاں بنائی جائیں۔ بلدیہ کوئٹہ میں اس وقت تمام ممبر حکومت کی طرف سے نامزد کیے جاتے ہیں رائے عامہ کو انکی ممبری میں کوئی دخل نہیں۔ اسی طرح سیوی، چمن، پشین، لورالائی اور فورٹ سنڈیمن بازار فنڈز قائم ہیں لیکن عوام کو قطعاً معلوم نہیں ہوتا کہ حکام انہیں کس مصرف میں لاتے ہیں۔

چوتھا مطالبہ یہ ہے کہ شاہی جرگہ اور دوسری مقامی جرگوں کے ممبر بذریعہ انتخاب لیے جائیں اور ان ذمہ دار قومی مجالس کی ممبری کو موروثی نہ رکھا جائے اب حالت یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب کوئی ممبر وفات پا جاتا ہے تو اس کی جگہ اس کے بیٹے کو دیدی جاتی ہے خواہ اس میں جرگہ کے فرائض انجام دینے کی صلاحیت ہو یا نہ ہو۔ نیز ظاہر ہے کہ موجودہ حالت میں جو اشخاص ممبر ہیں وہ حکام کی خواہشات کے دائرے سے باہر قدم نہیں رکھ سکتے اور آزادی رائے سے کام نہیں لے سکتے نہ رائے عامہ کی نمائندگی کا فرض انجام دے سکتے ہیں۔ جرگے ذمہ دار مجلسیں ہیں اور ان کو صحیح لائنوں میں ذمہ دار بنانے کی شکل یہی ہے کہ ان میں انتخابی نظام رائج کیا جائے۔

پانچواں مطالبہ یہ ہے کہ رواجی قانون کو کتابی شکل میں منضبط کیا جائے ذمہ دار اصحاب کا بیان ہے کہ رواج بالکل فرسودہ اور غیر معقول ہے لیکن چونکہ وہ بھی منضبط شکل میں موجود نہیں اس لیے جرگوں کے ممبر جو چاہیں کر سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ رواج یہی ہے اگر اسے کتابی شکل میں منضبط کر دیا جائیگا تو کم ازکم جرگوں کے ممبر ایک خاص دائرے میں تو محدود ہو جائینگے اور اپنی ہر رائے کو بلا دلیل تو رواج قرار نہیں دے سکیں گے۔ اس کے منضبط ہو جانے کے بعد اس میں تدریجاً خواہش عامہ کے مطابق ضرور تبدیلیاں کرا کے بہتر صورت میں لایا جا سکے گا۔

یہ پانچ مطالبات بیحد معمولی لیکن بیحد ضروری ہیں جو سرزمین ابھی تک انتخابی نظام سے بالکل محروم ہے جس کی ایک میونسپلٹی ہے اور وہ بھی انتخاب سے بہرہ ور نہیں جس میں کوئی ٹاؤن کمیٹی نہیں۔عوام کو جرگہ ممبران کے انتخاب کا کوئی حق نہیں،تحریر وتقریر کی معمولی آزادی بھی حاصل نہیں جن کا مروجہ قانون اب تک کتابی شکل میں منضبط نہیں ہوسکا۔اس سرزمین کے باشندوں کی بیچارگی حد درجہ قابل رحم ہے اس زمین میں جو ذمہ دار اصحاب خدمت گزاری کے لیے اُٹھے وہ طویل مدت کے لیے قید ہو گئے۔تمام جرائد وعمائد اور ارکان اسمبلی کا فرض ہے کہ وہ ان مطالبات کی تکمیل کا جلد از جلد انتظام کرائیں۔ حکومت سے ہم صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ انہی ابتدائی چیزوں پر بھی بطور خود توجہ مبذول کرے اور متحد ہو کر کوئی تجویز پیش کریں گے تو اس پر غور کرے گی۔آزاد قبائل کو مطمئن رکھنے اور ان کے ساتھ تعلقات بہتر بنانے کی صحیح تدبیر یہی ہے اس کے سوا کوئی نہیں۔

سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون:

سرزمین سندھ سے تعلق رکھنے والے سیٹھ عبداللہ ہارون جو اسمبلی میں بلوچستان میں اصلاحات کے نفاذ اور حقوق کے حصول کے لیے موثر آواز کے طور پر جانے پہچانے جاتے تھے مارچ ۱۹۳۵ء کے تیسرے ہفتے میں منعقدہ اجلاس میں بلوچستان میں حکومت کے تشدد کے خلاف زبردست احتجاج کیا رائے شماری میں ۴۷ کے مقابلے میں ۵۷ اراکین کی اکثریت سے حکومت کو شکست فاش ہوئی۔اسی سیشن کے ایک اور اجلاس میں انہوں نے اسمبلی کے فورم پر بلوچستان میں سرکاری ملازمتوں اور بلوچستانیوں کے حقوق کے حوالے سے درج ذیل سوالات رکھے جو یوں ہیں:

سرکاری ملازمتیں اور بلوچستانیوں کے حقوق اسمبلی میں سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون کے استفسارات:

ا) کیا حکومت بلوچستان کی سرکاری ملازمتوں کے سلسلے میں وہاں کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو ترجیح دینے کیلئے آمادہ ہے؟

ب) کیا حکومت اس بات کیلئے تیار ہے کہ وہ بلوچستانیوں کو براہ راست صوبہ بلوچستان کے دو اعلیٰ عہدوں کیلئے بھرتی کرے؟

ج) کیا حکومت اس بات کیلئے تیار ہے کہ صوبہ بلوچستان کی سرکاری ملامتوں کا ایک خاص فیصدی حصہ بلوچستانیوں کیلئے وقف کردے تاکہ ان کے حقوق کی پوری پوری محافظت ہوسکے؟

د) کیا حکومت بلوچستانیوں کو برٹش بلوچستان کی لیویز کور کے اعلیٰ عہدوں پر لینے کے واسطے آمادہ ہے؟

ر) کیا حکومت کو اس بات کا علم ہے کہ بلوچی رجمنٹوں میں بالخصوص اور فوج میں بالعموم بلوچستانیوں کی بھرتی بہت کم ہے؟ اگر ایسا ہے تو کیوں؟

س) کیا حکومت بلوچستانیوں کو وہاں کی پولیس کے اعلیٰ عہدوں کے لئے بھرتی کرنے پر آمادہ ہے؟

مسٹر مٹکاف فارن سیکریٹری:

ا) وہاں کی حکومت حتیٰ الوسع ملکی تعلیم یافتہ نوجوانوں کو بھرتی کرتی ہے۔

ب) لیکن اعلیٰ عہدے اگرچہ ترقی کے طور پر دیئے جاتے ہیں تاہم اگر کوئی ایسی آسامی خالی ہو، اور اس کیلئے کوئی اہل ملکی آدمی مل جائے تو وہ عہدہ یقیناً اسکو دیدیا جائیگا۔ کیونکہ غیر ملکیوں کے مقابلہ میں اس کو ترجیح دی جائیگی۔

ج) بلوچستان میں تین بڑی بڑی قومیں بلوچ، پٹھان اور براوی رہتی ہیں اس لیے ملازمتوں کا کوئی خاص فیصدی حصہ وقف کرنا حکومت کیلئے مشکل ہے ویسے غیر ملکیوں کے مقابلے میں ان قوموں کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو ہر طرح تقویت دی جاتی ہے۔

د) برٹش بلوچستان میں کوئی لیوی کور نہیں۔ مکران اور چاغی لیویز کور ہے۔ تقریباً تمام سپاہی بلوچ اور براوی ہیں اور اس طرح انڈین آفیسروں کے تمام عہدے بھی ملکی لوگوں کو ملے ہوئے ہیں۔

ر) ہندوستانی فوج میں کئی بلوچستانی بھرتی کیے گئے تھے۔ لیکن وہ مفید ثابت نہ ہو سکے کیونکہ ان میں سے اکثر فوج سے بھاگ آئے اس لیے حکومت نے ۱۹۲۵ء سے انکی بھرتی کو بند کر دیا۔

ضمنی سوالات

سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون:

کیا یہ حقیقت ہے کہ اس وقت ہندوستان میں تین بلوچی رجمنٹ ہیں اور ان کے لیے بلوچی بھرتی نہیں کئے جاتے؟

مسٹر مٹکاف فارن سکرٹری:

مجھے افسوس ہے کہ میں اس سوال کا پورے طور پر جواب نہیں دے سکتا۔ کیونکہ سوال فوج کے محکمہ کے متعلق ہے اور اسی محکمہ سے ہی پورا جواب حاصل کیا جا سکتا ہے میں صرف اس قدر جانتا ہوں کہ سندھ میں رہنے والے بلوچوں کو ضرور بھرتی کیا جاتا ہے۔

سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون:

لیکن میرا سوال سندھ کے بلوچوں کی بابت نہیں۔ میں بلوچستان کی قوموں کے متعلق پوچھ رہا ہوں کہ پہلے تو بلوچی رجمنٹوں کے لیے وہاں سے سپاہی لیے جاتے تھے اور اب کیوں بند کر دیا گیا ہے۔

مسٹر مٹکاف جارن سیکریٹری:

میں اپنی معلومات کی رو سے پہلے بتلا چکا ہوں اور یہ بھی بیان کر چکا ہوں کہ ان کی بھرتی کیوں بند کر دی گئی ہے۔

احمد ابراہیم ہارون جعفر:

کیا ہوم ڈیپارٹمنٹ کی قرارداد کی رو سے جو مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں کا پچیس فیصدی حصہ ملا ہے اس کا اطلاق وہاں بلوچوں پر بھی ہوگا۔

مسٹر مٹکاف فارن سیکریٹری:

میں چاہتا ہوں کہ مجھے اس سوال کے پوچھنے کا باقاعدہ نوٹس دیا جائے تاکہ میں اس کا پورا پورا جواب دے سکنے کے قابل بن سکوں۔

سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون:

کیا یہ حقیقت ہے کہ حکومت بلوچستانی اقوام کو بہادر اور وفادار تسلیم کرتی ہے؟ اگر ایسا ہے تو وہ کونسی وجوہات ہیں جو انہیں بلوچی رجمنٹوں میں بھرتی ہونے کے ناقابل بناتی ہیں۔

مسٹر مٹکاف فارن سیکریٹری:

میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ ان لوگوں کی بہت بڑی تعداد بھاگ جایا کرتی تھی۔لیکن ہوسکتا ہے کہ اسکے ساتھ ساتھ دوسری وجوہات بھی ہوں اس لیے اگر آنریبل ممبر تفصیلات چاہتے ہیں تو جوابات حاصل کرنے کیلئے ایک علیحدہ سوال پوچھنے کا نوٹس دیا جائے۔

جیسے کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ لوکل گورنمنٹ وہاں کے سرکاری ملازمتوں کے لیے حتی الوسع ملکی تعلیم یافتہ نوجوانوں کو بھرتی کرتی ہے اسی طرح پولیس کے عہدوں کے لیے وہ ایسا کرنے کیلئے آمادہ ہے بشرطیکہ اس مطلب کے لیے ملکی نوجوان مہیا ہوسکیں۔

(بشکریہ: نجات کراچی ۲۳ / مارچ ۱۹۳۵ء)

بلوچستان کی قومی تحریک کی رفتار حکومت کیلئے لمحہ فکریہ:

ادار یہ نجات (کراچی) ۱۸ رمئی ۱۹۳۵ء

اشتہائے غذا لازمہ حیات ہے وقت اپنے مقصد حصص کے مطابق اسے پیدا کرتا اور مشتہی سے اپنی خواہش کے پورا کرنے کا مطالبہ کرتا رہتا ہے۔ جس کے مٹانے کا سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں کہ غذا مہیا کی جائے اور بقدر اشتہائے کھائی جائے۔ والدین نے بارہا تجربہ کر کے دیکھا ہے کہ جب کھانے کا وقت قریب آجاتا ہے تو گھر کے بچوں کی بھوک بتیاب ہونے لگتی ہے پھر بالخصوص پڑوس کو روٹی کھاتے دیکھ کر بچے بالکل بے اختیار ہو جاتے ہیں۔ روتے ہیں چلاتے ہیں۔ احتجاجاً خفا ہو جاتے ہیں۔ کبھی اپنے کو مارتے ہیں کبھی ان سے چمٹ جاتے ہیں۔ والدین ہر چند ان کو صبر کی تلقین کرتے ہیں اور کبھی طیش میں آکر ان کو پیٹتے بھی ہیں۔ لیکن بچوں کی اشتہا کو روکنے میں کامیاب نہیں ہوتے اس کی واحد سبیل یہ ہے کہ بچوں کو روٹی کھلا دی جائے۔

بعین یہی مثال ہے قوموں کی۔ امتداد زمانہ اور بوسید گی نظام ان میں اپنی حالت کو بدلنے کی ضرورت پیدا کرتی ہے جس کا واحد علاج ان کی خواہش کی تکمیل کے سوا اور کچھ نہیں ہوا کرتا۔ بلوچستان کی قومی تحریک کی اصل محرک جرگہ اور رواج کی تباہ کاریوں سے محفوظ ہونے کی خواہش ہے۔ جس میں نہ صرف ملک کا یہ موجودہ حساس طبقہ مبتلا ہے بلکہ ملک کے طول وعرض میں سے خاصہ بشری کے ماتحت اپنے آپ کو بربادی کے جہنم زار سے بچانے کی خاطر یہ خواہش پیدا ہو چکی ہے۔ البتہ ان سے صبر نہ ہوسکا اور تمام آنے والے آلام ومصائب سے بے نیاز ہو کر اس خواہش کا اعلان کیا۔ ہوتا ہی یہی ہے کہ گھر کے تمام بچے یک لخت بیک وقت روٹی کے لیے نہیں چلاتے بلکہ ابتداء ایک دو ہی کرتے ہیں۔

اگر حکومت کے ارباب نظم ونسق کے کسی بھی فرد کے نہانخانہء دماغ میں صلاحیت کی مدہم سی روشنی ہو تو اس کو صاف اور واضح طور پر نظر آئیگا کہ جرگہ اور رواجوں کی تباہ کاریوں نے محرک بن کر اس قومی تحریک کی بنیاد ڈالی ہے اور یہ چند افراد تک محدود نہیں ملک کے ارباب حل وعقد کو یاد ہوگا کہ پہلی بار خان عبدالصمد خان اچکزئی جب اس خواہش کی پاداش میں گرفتار ہوا تھا وہ ایک عالم بیکسی تھا۔ اس نے دو سال کی قید کاٹی لیکن کانوں کان خبر نہ ہونے پائی۔ اس اثنا میں نواب محمد یوسف علی خان مگسی بھی اسی خواہش کے جرم میں قید و بند کی سزا بھگت رہے تھے۔ عالم یہ تھا کہ ان ہر دو محبوسین کو بھی ایک دوسرے کا علم نہیں تھا۔ لیکن آج بلوچستان کی اس وسیع سطح ارضی پر سنائروکبائر کا کوئی فرد نہیں بستا جس کے دل و دماغ میں خان عبدالصمد خان اچکزئی، نواب محمد یوسف علی خان اور ان کا محبوس رفیق عزیز میر عبدالعزیز خان کرد کی محبت پوری شدت کے ساتھ نہ رچی ہوئی ہو اور ان کے دل میں ہمدردی واخلاص کا ایک بے پایاں سمندر موجیں نہ مارتا ہو۔ کیا اس سے یہ امر واضح نہیں ہوتا کہ ملک کے ہر باحس شہری کا

ان محبوسین قائدین سے محبت و ہمدردی کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ یہ وہی کچھ مانگ رہے ہیں جو ملک کے تمام باشندوں کی خواہش ہے۔ ہم اپنے کسی گزشتہ مقالہ میں حکومت کے ارکان کو چیلنج دیکر واقعات وحقائق کی بنا پر بتلا چکے ہیں کہ جو جماعت مرتب ہوئی ہے اس قومی تحریک میں حصہ لینے کے لیے وہ کسی خاص ایک جگہ کے دوست وآشنا نہیں کسی نے کسی خاص فرد کے زیر اثر اس وطنی تحریک کو لبیک نہیں کہا بلکہ اس جماعت کے تمام افراد ملک کے طول وعرض میں پھیلی ہوئی اس خواہش کے زیر اثر کام کرنے کے لیے اُٹھے ہیں جو موجودہ ناقص طرز نظام کے نت نئے مظالم کی پیداوار ہے یہ افراد ملک کے مختلف حصص سے بغیر ایک دوسرے کو جانے پہچانے، ایک دوسر کے زیر اثر آنے، اس دبی ہوئی نحیف اور کمزور آواز کو لبیک کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں جو گلستان اور مستونگ کی محدود اور مختصر فضا میں نہایت نقاہتوں کے ساتھ بلند ہوئی تھی۔ کہاں گلستان اور مستونگ؟ کہاں مکران، خاران، لس بیلہ، مری، بگٹی، سیوی اور کچھی وغیرہ وغیرہ، کیا ایسے افراد کی جماعت کو کوئی بھی عقل سلیم چند یار و احباب کی جماعت قرار دے سکتی ہے جو سینکڑوں میل ایک دوسرے سے دور رہتے ہوں۔ جن کی آپس میں تحریک قومی سے قبل کسی قسم کا تعلق تو کیا جان پہچان تک نہیں۔ حکومت ارباب بست وکشاد کو عقل کی آنکھیں بند نہیں کرنی چاہئیں۔ ان کو دیانتداری سے اس جماعت کے افراد کا محاسبہ کرنا اوران وجوہات کی گہرائیوں میں جانا چاہیے۔ جنہوں نے اس قسم کی ہم آہنگی، یکجہتی، تصمیم محبت اور ارادت کے والہانہ جذبات واحساسات کے ساتھ ان دور دوراز کے طبقات کے باشندوں کو آپس میں ملا کر قومی جماعت بنا دی؟ اس کے ساتھ ساتھ ایمانداری سے قومی تحریک کی رفتار کا بھی موازنہ کرنا چاہیے کہ دوسال قبل بلوچستان والوں کی کیا حالت تھی اور اس وقت کیا ہے؟ شہریوں کو آزادی سے ہندوستانی اخبار پڑھنے نہیں دیا جاتا تھا اور اب حکومت کے نافہم عاملوں کے غیر ذمہ دارانہ اور متشددانہ دباؤ کے باوجود عوام وخواص پوری دلچسپی اور محبت کے ساتھ اپنے قومی اور آزاد اخبار کو پڑھا کرتے ہیں اور رتی برابر حکومت کے ان غیر ذمہ دار ارکان کے غیر آئینی اور ناجائز دباؤ کی پرواہ نہیں کرتے۔ یا تو حکومت کی وہ پالیسی تھی کہ مذہبی جلسوں پر بھی سخت پابندیاں عائد کر رکھی تھیں اور اخبار کے شائع کرنے کو بم کا گولہ چلانے کے مترادف قرار دے رکھا تھا اور آج ملک کے طور وعرض میں پھیلی ہوئی غیر محدود بے چینی کے پیش نظر حکومت کو اپنی پالیسی میں مجبور ہو کر تبدیلی کرنی پڑی۔ جلسہ کرنے کی اور اخبار نکالنے کی اجازت دینی پڑی۔ جو بلوچستانی ''حق'' کے نام سے ناواقف تھے اور کم وبیش جو واقف تھے تو وہ اسے افسر کے سامنے ظاہر کرنے کو بہت بڑی گستاخی اور ناقابل عفو جرم تصور کرتے تھے۔ لیکن آج جہاں کہیں مطالبہ حق کے لیے بے چینی کا اظہار کیا جا رہا ہے اور بڑے دھڑلے کے ساتھ خواص وعوام اپنا حق افسروں کو جتاتے رہتے ہیں۔ بلوچستانیوں کے دلوں پر لگی ہوئی بزدلی، نامردی، جمود وبے حسی کی مہر ٹوٹ چکی ہے غلامانہ ذہنیت کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر دی جا چکی ہیں میر عطا محمد خان مرغزانی جنکو دنیا جہان کا بزدل، بخیل اور کنج عزلت کا عادی سمجھا جاتا تھا۔ آج بلوچستان بھر کا شیر دل ترین، ایثار پیشہ اور منظر عام پر کلمۃ الحق کے ذریعے ہر آنے والے لحظہ ولمحہ میں جلوہ گر ہو رہا

ہے آپ سے دو ہزار روپے کی ضمانت کا مطالبہ کیا گیا تھا۔لیکن قومی تحریک کے معاونین اور معاہدین نے متضاد اثرات کیساتھ سن لیا ہے کہ آپ نے دو ہزار روپے کی ضمانت کا بھی بندوبست کر لیا ہے اور جون کے پہلے ہفتہ میں کلمۃ الحق آب وتاب کے ساتھ بلوچستان کی جامد بے بس فضا میں فلک دوز غلغلہ گونجاتا ہوا شائع ہو گا۔

واقعات کی رفتار جاریہ کو بہ نظر امکان اگر مطالعہ کیا جائے تو صاف نظر آنے لگے گا کہ یہ قومی تحریک تمام ملک کی متفقہ خواہش ہے جس طرح اشتہا کا واحد علاج غذا کا مہیا کرنا ہے اسی طرح اور کوئی چارہ کار رہو نہیں سکتا۔سوائے اس کے کہ ملک کی چیخ وپکار کی طرف دھیان دیکر اُس کی خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے ورنہ جب تک اشتہا یعنی اصل محرک کی یوں سیرابی نہ کی جائے کہ وہ مطمئن ہو جائے ملک سے یہ تشویش دور نہ ہو گی چاہئے ہزار متشددانہ فیصلے کام میں لائے جائیں۔

بلوچستان کے فوری مطالبات:

مدینہ (بجنور)

بلوچستان کے قومی کارکن مسٹر نسیم تلوی کی مساعی کے سلسلہ میں مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس اپنی انتظامیہ مجالس کے اجلاسوں میں بلوچستان کے متعلق تجاویز پاس کر چکی ہیں آل انڈیا مسلم لیگ نے ملکہ معظّمہ کی حکومت کے خلاف شدید رنج کا اظہار کیا ہے کیونکہ مدبرین حکومت نے بلوچستان کے متعلق مسلمانوں کے متحدہ مطالبات کو نظرانداز کر دیا ہے اور اس کو عام صوبوں کی طرح علیحدہ صوبہ بنانے اور مکمل اصلاحات دینے کے متعلق کوئی کاروائی نہیں کی۔ارکان لیگ نے حکومت سے فوری مطالبہ کیا ہے کہ بلوچستان کے مندرجہ ذیل ابتدائی مطالبات بلا تاخیر تسلیم کئے جائیں۔

1۔ لیجسٹو اسمبلی میں بلوچستان کے منتخب نمائندے بھیجے جائیں۔

2۔ باشندگان بلوچستان کو تحریر و تقریر اور انجمن بنانے کی آزادی دی جائے۔

3۔ تمام لوکل باڈیز میں انتخاب کا طریقہ دوسرے صوبوں کے مطابق کیا جائے۔

4۔ جرگہ میں اصلاح کی جائے اور وہاں کے رواجی قانون کو شامل کر دیا جائے۔

ان چار مطالبات کے علاوہ خان عبدالصمد خان اچکزئی اور پھر عبدالعزیز خان کرد کی گرفتاری پر احتجاج کیا گیا اور ان کی رہائی پر زور دیا گیا۔

مسلم کانفرنس نے بھی اسی قسم کے ریزولوشنز پاس کیے اور انہی مطالبات کو اپنے الفاظ میں پیش کیا ہے ہم لیگ اور

کانفرنس کے ارکان سے عرض کرینگے کہ مسلمانانِ بلوچستان محض ان ریزولوشنوں کے اعلان سے مطمئن نہیں ہوسکتے اور حکومت برطانیہ کے افراد بھی اپنی افتادِ طبع سے اس حدتک مجبور ہیں کہ وہ جب تک ان تمام منزلوں سے نہیں گزر جائیں گے جن سے صوبہ سرحد میں گزرا ہے اسوقت تک بلوچستان کو خودمختارانہ اصلاحات نہیں دینگے۔ برطانوی حکومت میں خاموش رائے عامہ کی جو کچھ قیمت ہے اس کو حکومت ہند کے ارکان بلوچستان میں ادا کررہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جدوجہد میں تسلسل پیدا کیا جائے اور حصول مقصد تک امکانی کوششوں کا سلسلہ جاری رکھا جائے لیگ اور کانفرنس کے ارکان خوارج نہیں ہیں لیکن حکومت میں ضرور ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ حکومت سے مطالبہ کریں اور اپنے مطالبہ کے لئے ایک نہیں متعدد عنوان اختیار کرے اور وائسرے پر واضح کردیں کہ بلوچستان کے آج کے وفادار مسلمانوں کا خودمختار صوبہ قائم کردینا کل کے غضب آلود بلوچیوں کی غیر وفادارانہ جدوجہد کے مقابلہ سے کہیں زیادہ بہتر ہوگا۔

حکومت صوبہ سرحد کے تجربات سے فائدہ اُٹھاسکتی ہے ایک زمانہ تھا کہ مسٹر برکے نے حکومت ہند کو خطرات سے آگاہ کردیا تھا لیکن حکومت نے اس کی پرواہ نہ کی اور آج جب صوبہ کو اصلاحی دستور عطا کی گئی تو باشندوں کی اکثریت حکومت کی سپاس گزار نہ ثابت ہوئی۔ یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ برطانوی حکام نیکی کا کوئی کام ازخود کیوں نہیں کرتے۔ احتجاج، ہنگاموں، جلسوں، جلوسوں اور مخالفانہ مظاہروں کا انتظار کرتے ہیں اور نیکی کا مظاہرہ اس وقت کرتے ہیں جب دوسری قوم کے جذبات کی تلخی اپنی آخری منزل کو پہنچ جاتی ہے۔ اگر بلوچستان بھی اس چیز کا مستحق ہے جس کا صوبہ سرحد ہے اور اگر بلوچستان کو کسی نہ کسی دن اصلاحات کا ملنا یقینی ہے تو کیا یہ نامناسب ہوگا کہ آج یہ تمام دستوری اصلاحات دیدی جائیں اور نہ صرف بلوچستان بلکہ مسلمانان ہند کو موقع دیا جائے کہ وہ حکومت برطانیہ کی اس عالی حوصلگی پر اپنے خوشگوار احساسات کا اظہار کریں۔

بلوچستان کے مسئلہ پر حکومت کو شکست:

الجمیعت (دہلی)

"صوبہ بلوچستان کی آبادی پر جو زہرہ گداز مظالم ڈھائے جارہے ہیں ان کی کیفیت ان ہی کالموں میں کسی قدر تفصیل کیساتھ شائع ہوچکی ہے۔ سارے ہندوستان میں شاید کوئی علاقہ بھی موجودہ حکومت کے نزدیک اس قدر زیرعتاب نہیں ہے جتنا کہ بلوچستان ہے اور کہیں کا طرز حکومت بھی اتنا مستبدانہ اور رجعت پسندانہ نہیں ہے۔ باوجود ہزاروں بار کی مسلسل کوششوں پیہم جدوجہد کے ابھی تک وہاں کے باشندوں کو شہریت کے ابتدائی حقوق بھی نہیں دیئے گئے ہیں اور وہاں کے متعلق عام پالیسی ایسی اختیار کی گئی ہے جو حد درجہ تباہ کن ہے قدرتی طور پر حکومت کی اس پالیسی کے خلاف تمام ہندوستان میں غصہ اور ناراضگی کہ

لہر پھیلنی چاہیے تھی اور ایک عرصہ سے جو شکایات پیدا ہوتی رہی ہیں ان کا اظہار ہونا چاہیے تھا چنانچہ گزشتہ ہفتہ اسمبلی میں بجٹ پر مباحثہ کے دوران میں بلوچستان کے متعلق تخفیف کی جو تحریک پیش کی گئی۔ اس نے یہ ظاہر کر دیا کہ ہندوستانی نمائندوں کی کتنی بڑی اکثریت حکومت کو اس کی موجودہ پالیسی پر قابل مذمت سمجھتی ہے۔

سیٹھ عبداللہ ہارون کی تحریک پر رائے شمار کے وقت ۷۵ رائیں حکومت کے خلاف اور صرف ۴۷ موافق آئیں اور اس طرح ایک بڑی اکثریت سے حکومت کو شکست فاش ہوئی۔ سرکاری ممبر نے بلوچستان کے متعلق حکومت کی پالیسی کو حق بجانب ٹھہرانے اور اصل تحریک کو ناکام بنانے کے لئے جو کچھ کہا وہ اس قدر نامعقول تھا کہ اسے اگر عذر گناہ بدتر از گناہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

بلوچستان میں عام جلسوں کی ممانعت اور اظہار رائے پر پابندیوں کے متعلق انہوں نے بتایا کہ قانون کے مطابق ہر قسم کے جلسے وہاں ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ بلوچستان کے لیے آئینی ترقی کا مطالبہ کرنے کی غرض سے جو کانفرنس بلوچیوں نے آج سے دو سال قبل منعقد کی تھی وہ محض حکومت کی جابرانہ پالیسی کے باعث خاص بلوچستان میں نہ ہو سکی تھی اور بلوچستان سے باہر برطانوی ہند میں اس کے لئے بندوبست کرنا پڑا تھا اور آج بھی سیاسی جلسے تو در کنار مذہبی جلسے تک منعقد کرنے کی آزادی بلوچستان میں نہیں ہے۔ اسی طرح بلوچی راہنماؤں اور اخبارات کے متعلق جو کچھ بیان اسمبلی میں دیا گیا ہے وہ قطعاً غیر اطمینان بخش تھا اور باوجود سرکاری ممبر کی انتہائی کوشش کے حکومت کے غلط طرز عمل کو ثابت کر دینے والا تھا اسمبلی نے اپنے ووٹ سے جو کچھ فیصلہ کیا حقیقتاً یہی فیصلہ صحیح تھا اور یہی ہونا چاہیے تھا اب دیکھنا ہے کہ حکومت کے کان پر اس کے بعد بھی جوں رینگتی ہے یا نہیں''۔

(بشکریہ، نجات کراچی۔ ۲۳/ مارچ ۱۹۳۵)

سردارانِ بلوچستان کی خدمت میں:

زمیندار (لاہور)

آج میں چاہتا ہوں کہ سرداران بلوچستان سے کچھ باتیں کروں اور ان کو سمجھاؤں کہ دراصل اصلاحات کے نفاذ میں اُن کو فائدہ ہے اور یہ پروپیگنڈا کہ نوجوان تمہاری سرداری چھیننا چاہتے ہیں بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ البتہ اُن غیر ملکی بھائیوں اور اُن تنگ نظر انگریزوں کو ضرور نقصان ہے۔ جن کو تم سے اور تمہاری قوم سے ہمدردی نہیں اور محض اپنا فائدہ مدنظر ہے۔ کیونکہ نفاذ اصلاحات کے بعد تمہارے ملک کے تمام اختیارات اور ملازمتیں صرف تم کو اور تمہاری قوم کو ملیں گی۔

میں تمہاری توجہ ڈیرہ غازی خان کے بلوچی سرداروں کی طرف مبذول کرتا ہوں اورتم خود دیکھو کہ کیا ان کی سرداریاں چھینی گئی ہیں؟ یا ان کے اختیارات اور وسیع کرائے گئے ہیں۔

(۱) وہ تمہاری طرح اپنی قوم کے سردار ہیں۔(۲) ان کو مجسٹریٹ درجہ اول کے اختیارات حاصل ہیں (۳) سرکاری تنخواہ پر ان کو دفتر کا تمام عملہ مثلاً مثل خوان، محرر پیشی، محرر ڈاک، محرر جوڈیشل، محافظ دفتر، چپراسی وغیرہ وغیرہ دیا جاتا ہے۔(۴) سرکاری تمام لیویز اور پولیس اور ان کے سب انسپکٹر وغیرہ ان کے حکم کی تعمیل کرنے میں قانونی طور پر مجبور رہیں۔(۵) وہ گورنر کی کونسل وائسرائے کی کونسل لیجسلٹو اسمبلی کے رکن ہو سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر آنریبل نواب محمد بہرام خان مزاری کے سی، آئی، کے، بی ای کو دیکھو کہ سب کچھ تھے۔۔اب بھی اگر ڈیرہ غازی خان کے بلوچی سرداروں کو اس تزک واحتشام سے دیکھنے کے بعد تم کسی کے فریب میں آ ؤ گے۔تو تم سے بڑھ کر کون سادہ لوح اور نادان ہوگا۔

خان عبدالصمد خان اچکزئی چیئر مین بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کی وہ یادداشت واجمال شہادت اٹھا کر دیکھو کہ شاہی جرگہ کو کس قدر اختیارات دیے گئے ہیں:

(۱) وہ ملک کے لیے ایسا قانون بنائے گا کہ کوئی اسکو توڑ نہیں سکتا (۲) وہ ملک کے تمام پولیٹیکل اور دوسرے محکمہ جات پر حاوی ہوگا (۳) ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل دو وزیر دے گا۔جن کے مشورے سے ملک کا انتظام ہوگا اور یہ دو وزیر شاہی جرگہ کے ماتحت ہوں گے (۴) وہ محکمہ پولیس کے طرزِ عمل پر جرح وقرح کر سکے گا (۵) جرگہ کے ممبران کو آنے جانے کے لیے سیکنڈ کلاس کا دگنا کرایہ اور جتنے دن قیام کریگا، دس روپیہ روزانہ الاؤنس ملے گا۔

اب خدارا موجودہ حکومت کے دیے ہوئے شاہی جرگے کا نوجوانوں کے پیش کردہ شاہی جرگہ کے ساتھ خود موازنہ کرو اور انصاف سے بتاؤ کہ کونسا تمہارے لئے بہتر ہے۔تم کو یقین آ سکتا ہے کہ یہ نوجوان جن کو دو وقت کی اچھی روٹی میسر نہیں ہے شاہی جرگہ کے ارکان بنیں گے، اگر نہیں یہ قریباً قریباً ناممکن ہے۔تم خود سوچو کہ آخر تم کو کیا نقصان ہوگا۔آنکھیں کھولو اور اغیار کے پروپیگنڈے کو غور سے دیکھو کہ اس کے تہہ میں کیا ہے۔

(بشکریہ: ینگ بلوچستان۔۸/ اکتوبر ۱۹۳۴ء۔جلد نمبر ۲۔شمارہ نمبر ۲)

انجمن کا مستونگ اجلاس:

روزنامہ زمیندار لاہور بمورخہ ۱۴/اگست ۱۹۳۴ء کی ایک خبر کے مطابق مستونگ میں ایک ہفتہ قبل عبدالعزیز خان کرد کی رہائش گاہ میں انجمن اتحاد بلوچستان کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں درج ذیل قرار دادیں منظور کی گئیں۔

۱۔ ایچ، اے، جی اور خان قلات سے درخواست کی جائے کہ مقامی لوگوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔

۲۔ ایچ، اے، جی اور خان صاحب سے درخواست کی جائے کہ بلوچستان میں تعلیم عام کرنے کی سہولتیں بروئے کار لائیں

۳۔ ان اساتذہ اور ملازمین کو تعین کیا جائے جو مقامی لوگوں کی زبانوں پر عبور رکھتے ہوں۔

۴۔ جیل میں عبدالعزیز خان کرد اور عبدالصمد خان اچکزئی کے ساتھ سیاسی قیدیوں سا برتاؤ روا رکھا جائے۔

۵۔ اس اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ان چار مطالبات ایچ اے جی اور خان قلات کو بھجوائے جائیں۔

۶۔ بلوچستان کی آواز کو پریس میں جگہ دینے کا شکریہ ادا کیا گیا۔

۷۔ سیٹھ عبداللہ ہارون اور ان کے رفقاء جنہوں نے اسمبلی میں بلوچستان کی آواز بلند کی ان کا شکریہ ادا کیا گیا۔

اس اجلاس میں بلوچستان جدید کے لئے ۱۰۰ روپے عطیہ جمع ہوا اور بلوچستان سے اس مقصد کے لئے ۸۰۰ روپے جمع کئے گئے اور نصیر ذگر مینگل کو نوشکی سے چندہ جمع کرنے کی ذمہ داری دی گئی۔

مجوزہ اصلاحات کا خاکہ:

روزنامہ ''زمیندار'' لاہور بمورخہ 5/ستمبر ۱۹۳۴ء کے شمارے میں محمد حسین عنقا اسسٹنٹ ایڈیٹر ''بلوچستان جدید'' کا مضمون شائع ہوا جس کا عنوان ''مجوزہ اصلاحات کا خاکہ'' بلوچستان کے عوام سرکار سے کس طرح کی اصلاحات چاہتے ہیں۔ مضمون کا متن حسبِ ذیل ہے:

حال ہی میں میں نے مختلف علاقوں کا مختصر دورہ کیا اور کئی بڑے رہنماؤں اور ایڈیٹروں سے بلوچستان کے موجودہ حالات کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔

خصوصی طور پر نواب محمد اسماعیل صدر مسلم یونٹی بورڈ نے اس معاملے میں بہت دلچسپی لی اور ہمیں اپنا قیمتی وقت دیا۔ وہ ہمارے ''بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس'' کی جنرل کمیٹی کے ایک متحرک رکن ہیں۔

ان لوگوں سے تبادلہ خیال کے بعد میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ بلوچستان کو موجودہ دور میں کس طرح کی اصلاحات چاہیے۔ اس کا مختصر خاکہ ہندوستان کے تمام طبقات اور عوام کے سرگردہ رہنماؤں کی خدمت میں پیش کرتا ہوں ۔ تا کہ انہیں نظر آئے کہ ہم نے کیسے آسان مطالبات سرکار کو پیش کئے ہیں ۔ جس کے نتیجے میں ہم اپنی مالی مشکلات سے نجات پاسکتے ہیں ۔

(۱) بلوچستان میں سرکار کی حکمرانی چیف کمشنر کے ہاتھ میں رہنی چاہیے۔ بجائے اس کے کہ اسے گورنر کو دیا جائے۔ جس کے ایک ذاتی معاون اور دو وزراء ہونے چاہیں۔ ذاتی معاون حکومت کا نامزد اور وزراء شاہی جرگے کے توسط سے ۔ ان کی تنخواہیں مبلغ دو ہزار روپے کی حد تک ہوں ۔

(۲) سنٹرل اگیزیکٹو اور لاء باڈی میں ہمارے دو ممبران ہونے چاہئیں اور ایک ممبر ہاؤس آف کامن میں ۔

(۳) موجودہ شاہی جرگے کو قانون مرتب کرنے کے اختیارات ہوں ۔ جس کے ممبران درج ذیل ہوں :

برٹش بلوچستان نامزد (۲۱) ممبران	......	۲۱
منتخب ممبران	....	۹
سرکاری کارندے	....	۶
قلات سٹیٹ	....	۲۴
لس بیلہ	....	۳
مری بگٹی	....	۲
کل	....	۶۵

(۴) کوئٹہ میونسپلٹی کے انتخابات عوام کی رائے دہی سے ہونے چاہئے ۔

لورالائی اور سبی میں ٹاؤن کمیٹیاں بنائی جائیں۔ بازار کا فنڈ لوکل بورڈ فنڈ میں تبدیل ہو۔

(۵) عمومی طور پر مقدمات کا فیصلہ جرگہ کے ذریعے ہو، مگر موجودہ رسمی قوانین (جو انسانی حقوق سے میل نہیں کھاتے) میں اسلامی یا ریاست کے قوانین کے مطابق ترامیم لائی جائیں ۔

(۶) محکمہ پولیس حسب سابقہ کمشنر صاحب کی صوابدید پر ہو۔ مگر شاہی جرگے کو پولیس کی کارکردگی پر تنقید کا حق ہو۔

(۷) تحریر وتقریر کی آزادی ہو، جیسے کہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں کو حاصل ہے۔

بلوچستان میں اصلاحات کے یہ مطالبات بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس کی طرف سے ہیں۔

یہ ہے مجوزہ اصلاحات کا خاکہ۔ ہر ایک اس پر غور وفکر کرے، کہ ان اصلاحات کے نفاذ پر کتنی رقم خرچ ہوگی۔

میں لازماً مسلم انجمنوں، یکجہتی بورڈ، مسلم لیگ، مسلم کانفرنس، احرار الاسلام، جمعیت علماء ہند سے عرض کرتا ہوں کہ یہ معاملہ گروہی اعزاز سے زیادہ زبردست احتجاج کا حقدار ہے۔

اصلاحات کے موضوع پر امین کھوسہ کا خط:

روزنامہ ''احسان'' بمورخہ ۶/اکتوبر ۱۹۳۴ء کے شمارے میں محمد امین کھوسو کا خط شائع ہوا جو کہ بلوچستان میں اصلاحات کے موضوع پر تھا۔ جس کا متن یوں ہے:

محترم ایڈیٹر احسان

مجھے یہ حقیقت معلوم ہے کہ ترقی، بہبود و بھلائی و آزادی ہند کا پرچم اٹھانے والوں نے فرقہ وارانہ سوال کو اپنا طرّہ امتیاز بنایا ہے۔

ہندو رہنماؤں کے دل اپنے عوام کے لئے دھڑکتے ہیں جبکہ مسلم عوام کو اپنے ہی رہنما اذیت دیتے ہیں اورخون آلود کرتے ہیں۔ ان کے لئے نہ ہندو مہاتماؤں کی طرف سے آرام اور نہ ہی مسلمان ملاؤں کی طرف سے سکون ہے۔ ہمارے لوگوں کو روزانہ ایک بہتر گروہ بننے کی تلقین کی جاتی ہے۔ جب مسلمانوں اور ہندوؤں کے مصائب اس انداز میں رہنماؤں کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔ جس سے میں یہ نتیجہ اخذ کرنے پر حق بجانب ہوں کہ ہندو اور مسلم میں تقسیم اور ہندو اپنی بدقسمتی کی وجوہات کے بارے میں اپنے آپ سے سوال کرتے ہیں۔

بلاشک وشبہ بلوچستان میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ ہندو اور دوسرے مذاہب کی آبادی شمار میں نہیں آتی۔ نیشنل فورسز کے کمانڈر خان عبدالصمد خان کہتے ہیں ''مذہبی امتیاز غلامی کا دوسرا نام ہے''۔

لیکن میں بلاخوف وخطر یہ کہتا ہوں کہ ''بلوچستان ایک مسلم خطہ ہے''۔

آج ہندوستان کے سیاسی قیدی رہا کئے جارہے ہیں۔ اگر یہ اس طرح ہے تو مہربانی کرکے بتایئے کہ کونسی وہ کوششیں کی گئیں یا تجاویز دیئے گئے، جس کے نتیجے میں عبدالعزیز خان کرد اور خان عبدالصمد خان سیکرٹری جنرل 'بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس' کو رہائی حاصل ہو یا خصوصی طور پر بلوچستان میں اصلاحات کے نفاذ کے حوالے سے جب خان عبدالصمد خان اچکزئی نے بلوچ کانفرنس کا موقف رکھا تو وہ قصوروار ٹھہرے کیوں کہ وہ کراچی اور حیدرآباد میں ایک مدہم اور پرمغز تقریر کے ذریعے بلوچستان میں حکومت کی توجہ اصلاحات کی طرف مبذول کرانا چاہتے تھے۔

مگر انہیں گرفتار کیا گیا اور کارروائی کے لئے اسے جرگہ کے روبرو پیش کیا گیا۔ نہ انہیں گواہی پیش کرنے کا موقع دیا گیا اور نہ ہی انہیں قانونی سہولت فراہم کرنے کی پیشکش کی گئی۔ شاید اس مہذب دور میں اسے انصاف کہتے ہیں۔

عبدالعزیز خان کرد کی سب سے بڑی خطا یہ تھی کہ انہوں نے اردو اخبارات میں غیر انسانی سلوک اور جرگہ سسٹم کے خلاف مضامین چھاپے، پرنٹر، پبلشر یا وہ اخبار جن میں یہ مضامین شائع ہوئے۔ ان سے کبھی بھی کچھ نہ پوچھا گیا۔ مگر عبدالعزیز خان کرد کو پانچ سال قید بامشقت کی سزا دی گئی اور مبلغ پانچ ہزار روپے جرمانہ کیا گیا۔

ہم یہ قاری پر چھوڑ دیتے ہیں چاہے یہ سزا چھوٹی ہے یا بڑی۔ کیا یہ انصاف پر مبنی ہے یا نہیں؟ لیکن ہم سرکار سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں بتائے کہ کیا کوئی نیا سیکشن، نیا قانون یا کوئی نئے ضوابط بنائے گئے ہیں کہ کرد کو مجرم گردانا جائے یا کوئی اور طریقہ کار اپنایا گیا ہے۔

ان حالات میں سرکار کے ساتھ ضروری نہیں کہ کوئی سوال و جواب کروں۔ کیا وہ مشہور مسلم رہنما جواب دیں گے جو ووٹ کی بھیک اسلام اور مسلم کے نام پر مانگتے ہیں۔ کیا انہوں نے بلوچستان کے ان مفلوک الحال لوگوں کے لئے تسلی بخش مطالبات اٹھائے ہیں؟۔

یہ حقیقت ہے کہ ان مسلمانوں کو بلوچستان کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں، کیوں کہ وہ امید نہیں رکھتے کہ وہ ان کے حق میں ووٹ دیں گے۔ کیا یہ بلوچستان کے موجودہ حالات نہیں جس میں تقریر و تحریر کے لئے پانچ سال قید با مشقت کی سزا دی جاتی ہے۔ کیا یہ ہندوستانی رہنماؤں کے ماتھے پر بدنما داغ نہیں؟

میرے ساتھ اس سے زیادہ کہنے کو کچھ نہیں، لیکن میں ان کی بند آنکھیں کھولنا چاہتا ہوں کہ دنیا میں آبرومندانہ طریقے سے یہ ان کا فرض بنتا ہے کہ وہ بلوچستان جیسے محکوم، تاریکی میں گرے ہوئے مسلم عوام کے محسوسات کا احترام کریں۔

یہ خود ساختہ لیڈر بغیر کسی فوری بنیادی مطالبات کے ان رہنماؤں سے اپنے آپ کو بہتر کہلواتے ہیں جو اپنے پیاروں کے لئے بلوچستان میں اصلاحات کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ان کے جھوٹے دعوؤں سے عوام تھک چکے ہیں اور مذہبی مسلمانوں نے ان کے اور ان کی لیڈرشپ کے خلاف طبل جنگ بجایا ہے، کیونکہ نئی جماعت بلوچ کانفرنس کے وجود سے انہوں نے بلوچستان کے عوام کا اعتماد کھو دیا۔ نفرت و حقارت کے محسوسات نوجوانوں کے ذہنوں میں تیزی سے جنم لے رہے ہیں اور ان میں اس ناکارہ پارٹی کو ختم کرنے کے خیالات بیدار ہو چکے ہیں۔ کیا مسلم رہنماء ان مسلمان نوجوانوں کی توقعات پر پورا اتریں گے اور کیا وہ ان کے چیلنجز کو قبول کریں گے۔

دستخط   محمد امین کھوسہ   جیکب آباد

ملک فیض محمد یوسفزئی کا تجزیہ!

بلوچ کانفرنس کے متحرک کارکن ملک فیض محمد یوسفزئی کا کراچی سے نکلنے والے'' ینگ بلوچستان'' میں ۳۰/اکتوبر ۳۴ءکو ایک تجزیہ شائع ہوا، جس کا نفس مضمون یہ ہے کہ'بلوچ احتجاجی تحریک کی پالیسی پر نظرثانی کرتے ہوئے بلوچستان میں اصلاحات کے نفاذ' اور اپنے اہداف کو حاصل کرنے کے لئے حکومت کے ساتھ تعاون لازمی ہے۔ جبکہ موجودہ سرکار مکمل طور پر حکومت کی تابعدار بن چکی ہے اور کبھی بھی وہ حکومت کے خلاف اصلاحات کے لئے احتجاج کی تحریک کا ساتھ نہیں دے گی۔

بشکریہ:
سرکاری دستاویزات ۱۹۳۳ء۔۱۹۳۴ء

باب ابدہم

نظریات، اہداف و سرداری سے معزولی

میر یوسف عزیز مگسی کے نظریات:

میر یوسف عزیز اونچ نیچ، ذات پات، حسب نسب سے بالاتر انسان دوستی کے آفاقی نظریہ کے داعی تھے۔ جو انسان کے وقار و عظمت، اس کے بنیادی پیدائشی حقوق اور احترام، وفلاح و بہبود پر مبنی نظریہ ہے۔ میر یوسف عزیز مگسی کا نظریہ قومیت و نظریہ اسلام مجرد نہیں بلکہ نظریہ قومیت کو اسلام اور اسلام کو انسان دوستی کے وسیع دائرے کے حوالے سے لیتے تھے۔ جو اجتماعیت کے بلند ترین تصور وحدت پر قائم ہے۔ وہ قومی جذبے کو جدوجہد کے لئے ایک ہتھیار کے طور پر ابھارتے تھے اور اسلام کی آفاقیت کو انسانیت کی معراج قرار دیتے تھے۔

میر یوسف عزیز اپنے ایک مضمون ''بلوچستان کی بیداری اور سرمایہ داروں کی سراسیمگی'' میں لکھتے ہیں کہ:

نیشنل ازم بلکہ اس سے بھی اعلیٰ وارفع تخیل یعنی حقیقی اسلام ازم جس کی وسعت میں قومی وطنی نسلی اور لسانی معتقدات سب کے سب خواب پریشان ہو کر رہ جاتے ہیں اور جس کا معیار انسانیت کامل کا حصول اور نوع انسانی میں اتحاد و یگانگت کی روح پھیلانا ہے اور اپنے ہم مذہب رہنما یان قوم کی مخالفت اور حکومت کی شکوک افزاء روش کے باوجود شراب عشق سے مست مواقع سے بے نیاز اپنے مسلک پر ثابت اور صراط مستقیم پر چلا جانا اگر کوئی دلفریب حقیقت رکھتے ہیں تو میں مستقبل کے لئے پر امید ہوں کہ انشاء اللہ یہ سہرا بلوچوں کے ہی سر پر ہوگا۔

عام بیداری کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے
اے مسلمان آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ (۱)

ایک اور جگہ وہ بلوچیت سے وابستہ شجاعت کو اسلام کے عظیم مقاصد کی تعبیر کے لئے یوں ابھارتے ہیں۔

بلوچم و شجاعت بلوچم آرزوست
خیزید! باز نعرۂ اسلامم آرزوست

میر یوسف عزیز انسانیت کی عظیم اقدار پر مبنی ہدف کو پانے کے لئے اسلام کو اوّلیت اور قومیت کو ثانوی حیثیت دیتے تھے وہ روایتی مجرد بلوچیت کے بھی قائل نہیں تھے وہ زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ بلوچیت میں جدت کو ناگزیر سمجھتے تھے کامریڈ امین کھوسہ کو اپنے ایک خط میں یوں مخاطب ہوتے ہیں۔

’’میں بلوچیت اور اسلام میں جو فرق محسوس کر رہا ہوں وہ اگر صریحاً بیان کروں تو تمام بلوچ مجھے کافر کہنے لگیں اور آپ میرے ان جذبات سے آگاہ ہیں اول اسلام، بعد میں اسلام آخر میں اسلام اس کے بعد بلوچیت‘‘ وہ آگے یوں رقمطراز ہوتے ہیں کہ ’’ایک دن آئیگا جب بلوچوں کو مظلوم لڑکیوں کے حقوق دینے ہوں گے جو اسلام نے ان کو عطا کئے ہیں اور مظلوم قوم کا ایک ایک فرد ان کے ساتھ کھانا کھائیگا آمین‘‘۔

اس وقت ہم ہندوؤں کو طعنہ دے رہے ہیں کہ ان میں چھوت پنّی ہے ذرا تو غور کرو کہ کیا ہمارے بلوچوں میں چھوت پنی نہیں؟ کیا ایک بلوچ اپنے سرداروں کے مقابلے میں چارپائی پر بیٹھ سکتا ہے؟ کھانا کھا سکتا ہے؟ کیا ہے آج کل۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز

یہ سب داغ مٹ جائیں گے بشرطیکہ ایک مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان بن کر کمر بستہ ہوجائے۔ گالیوں کی پرواہ نہ کرے، طعنوں اور ملامتوں کو مدح سمجھے اور قید و مصیبت کو شاندار میزبانی تصور کرے۔ اللہ کی بادشاہت کے لئے صرف بلوچستان پر یا ہندوستان پر نہیں بلکہ زمین کے چپے چپے پر‘‘ (۲)

میر یوسف عزیز مذاہب، نسلوں، قوموں، قبیلوں اور طبقاتی سماجوں میں پائی جانے والی امتیاز کو انسان دشمن رویہ تصور کرتا تھا اور انسان میں تفریق کی اس وحشیانہ شکل سے نفرت۔

میر یوسف عزیز مگسی جو طبقاتی لحاظ سے جاگیردار (اشرافیہ) طبقے سے تعلق رکھتے تھے بلکہ نوابزادہ تھے (بعد میں نواب بنے) وہ اس طبقاتی امتیاز (اونچ نیچ) کو انسانی ارتقاء کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے تھے اور انسانیت کی تذلیل۔ بلکہ وہ ذاتی نمود و نمائش کے بھی قائل نہیں تھے۔ بالائی طبقے کی اس خصلت سے بے نیاز وہ ۱۸/اپریل ۱۹۳۴ء کو اپنے دوست محمد امین کھوسہ کو خط لکھتے ہوئے۔

تقریباً تین چار ماہ سے مجھے اس امر سے روحانی اذیت محسوس ہو رہی تھی کہ کیوں کاغذات پر میرے بکسوں پر میرے نام کے آگے نوابزادہ کا ناجائز بدنما دھبا لگا ہوا ہے۔ اگر میں خود نواب نہیں تو کیوں کہ اپنے باپ کی نوابی سے اپنے آپ کو مشتہر کروں الغرض آج صبح اٹھتے ہی کسی بورڈ نویس کو دکان سے لایا اور اسے کہا کہ جلدی سے اس ’نوابزادہ‘ کے منحوس دھبے سے مجھے دھو ڈالو۔

تین بکس تھے سب کو صاف کروا کر صرف اپنا اصل نام لکھوا دیا اور مگسی کا لفظ بھی کھدوا ڈالا، صرف بلوچ لکھوایا مجھے تو سچ اگر پوچھیں تو مسلمان اور بلوچ بس یہ لفظ پیارے لگتے ہیں اس سے بھی بڑھ کر انسان۔ (۳)

میر یوسف عزیز مگسی کے دور میں بلوچ معاشرتی نظام کا بالائی ڈھانچہ قبائلی و روایتی بنیادوں پر استوار تھا جس کی رو سے حقوق نسواں کے حوالے سے ایسی اقدار مرّوج تھیں (اور جو آج بھی ہیں) جن میں مرد ذات کو برتر سمجھ کر اس کی مرضی و منشا کو فوقیت حاصل تھی جہاں عورت کو فرمانبرداری کی زنجیروں میں جکڑ کر اس کے بنیادی پیدائشی حقوق کو سلب کر کے اس کی سوچ و فکر، آزادی و خواہشات کو مقید رکھا جاتا تھا۔

میر یوسف عزیز مگسی مذاہب کو انسانیت کی تدریس اور ارتقاء کے لئے درسگاہ کی حیثیت دیتا تھا۔ ایسی درس گاہ جو انسانی، اخلاقی اور سماجی اقدار کو وسیع گہرائیوں سے پرکھتا ہے۔ ان کا نظریہ اسلام مجرد مذہبی و سماجی قیود سے بالاتر تھا۔ وہ تنگ نظر انتہا پسندانہ مذہبی و سماجی پابندیوں کو انسانی جذبات و خیالات کی راہ میں رکاوٹ اور جبر تصور کرتا تھا اور اخلاقی و سماجی برائیوں کو اس جبر کا نتیجہ اور پیداوار قرار دیتا تھا۔

لندن سے اپنے دوست کامریڈ امین کھوسہ کو خط میں انہی مسائل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''آپ حیران ہوں گے جب ایک کنواری یورپین لڑکی ایک دو بجے تک گھر سے باہر آپ کے ساتھ کسی پارک میں تنہا بیٹھی ہوئی ہے اور مختلف موضوعات پر بحث ہورہی ہے ممکن ہے شعر و شاعری یا محبت وغیرہ پر بحث ہو ممکن ہے وہ آپ کے ساتھ اقرار محبت بھی کرے۔ مگر کیا مجال کہ ایسی رومانٹک فضا میں، یورپ کی زندہ کن فضاء میں، تنہائی اور نیم شب کا وقت۔ ایسے وقت میں بھی اس کا خیال ایک لمحے کے لئے عصمت فروشی کی طرف منتقل ہو۔ اگر بیوقوفی سے آپ کا خیال اس طرف منتقل ہو جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے اپنا وقار، اپنی اخلاقی حالت کو اس کی نظروں میں مجروع کر دیا...... یہ ہے یہاں کی اخلاقی حالت۔ آپ کے مولویوں کی بنائی ہوئی عورت پردے میں رہے گی، مرد کی شکل نہ دیکھ کر محض نظر کی جبریت پر حامل ہو گی وہ مذہبی، دیندار، نمازی کہلائے گی مگر معاف فرمائیے گا کہ پچاس فیصدی تعداد جب ورثاء کی غیر حاضری میں آنکھ کا کوئی اشارہ ملے گا تو ہمہ تن خون ہو کر بہہ جائے گی۔

یہ ہے نتیجہ پابندیوں کا۔ جذبات و خیالات، جو رسم و رواج کی پابندی سے راہ نہیں پاتے، وہ عورت کو باغی، عیاشی کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔ وہ Day Dreaming میں وقت بسر کرتی ہے اور دماغی عیاشی اس کے کریکٹر Character کو بہت نازک اور ناپائیدار بنا دیتی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذرا سے اشارے کی یا ذرا سی ترغیب کی دیر ہوتی ہے اور ورثاء کی غیر حاضری کا موقع، بس پھر آپ جانتے ہیں؟'' (۴)

یورپ میں میر یوسف عزیز عورتوں کی آزادی کا مشاہدہ کرتے ہوئے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ ''یہاں کی عورتیں ہر قسم کی آزادی سے بہرہ ور ہیں مردوں کے ساتھ کھیلتی ہیں، ننگی ٹانگیں لئے بازار میں پھرتی ہیں، دریاؤں میں تیرتی ہیں، جس چیز کو اچھا سمجھتی ہیں انہیں خوف نہیں ہوتا کہ والدین مراجم ہوں گے آزادانہ تعارف پیدا کر کے سیر کرتی ہیں اس کی وجہ سے انہیں دماغی عیاشی کی اس بدترین شکل سے واسطہ نہیں پڑتا جیسا آپ کے علاقے میں۔ لہٰذا وہ سب کچھ بے حجابی سے کرتے ہوئے بھی

عصمت کوعزیز سمجھتی ہیں عصمت کوصرف اس کے لئے عزیز سمجھتی ہیں جو کہ ان کی زندگی کا رفیق جو بھی ہو، وہ بھی با قاعدہ نکاح کے بعد پہلے نہیں۔ شاذ و نادر...... ہاں، میں نے شاذ و نادر کہا اس لئے کہ محض نا تجربہ کار مردوں کے وعدہ شادی میں آ کر عصمت پہلے ضائع کرتی ہیں مگر یہ معاملہ بہت کم ہے اور ہورہا ہے''۔ (۵)

یہ تھا میر یوسف عزیز مگسی کا یورپ کے خواتین کو حاصل حقوق کا مشاہدہ اور اس مشاہدے کا اپنے قبائلی ونیم جاگیردارانہ معاشرے میں روایتی زنجیروں میں مقید صنف نازک کی زندگی کا موازنہ۔

میر یوسف عزیز کا نظریہ اسلام سماجی قیود اور پابندیوں سے بالاتر 'نسلی امتیاز، قومی بالادستی، رنگ ونسب کی برتری کی بجائے اعلیٰ انسانی اقدار اور بلند اخلاقی معیار پر قائم ہے۔ ان کا نظریہ اسلام انسانیت سے پیوست ہے اور انسان کے قول وفعل کو عمل کی کھسوٹی پر پرکھتا ہے۔ وہ اپنے قبائلی، روایتی ونیم جاگیردارانہ پسماندہ سماج کے خمیر سے ان انسانوں کو پیدا کرنے کی کوششوں میں مصروف کار نظر آتا ہے۔ جن کے فعل وعمل اچھے ہوں جن کے فکر وعمل میں مطابقت ہو۔ جو اخلاق وکردار کے انمول نمونے ہوں اور جو ہر لحاظ سے مثالی انسان نظر آتے ہوں۔

یوسف کی جدوجہد کے اہداف:

میر یوسف عزیز مگسی کے دور میں بلوچ معاشرہ مطلق العنان بادشاہت، سرداریت، نیم جاگیردارانہ قبائلیت اور قرون وسطیٰ کی باقیات کے ساتھ ساتھ سامراجی استعماری نظام کی سیاسی واقتصادی لوٹ کھسوٹ کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔

عظیم اکتوبر انقلاب ۱۹۱۷ء کے برپا ہوتے ہی دنیا کے دیگر خطوں کی طرح بلوچستان میں بھی اس کے گہرے اثرات نمودار ہوئے۔ روایتی وقبائلی مسلح طرز جدوجہد کی جگہ منظّم جمہوری سیاسی جدوجہد نے لے لی۔ بلوچ معاشرتی ساخت کے لحاظ سے بلوچستان میں رونما ہونے والی سیاسی ہلچل براہ راست محنت کش طبقے کے ہاتھوں میں نہیں تھی، لیکن محنت کش طبقے سے قربت رکھنے والے درمیانی طبقہ نے اس سیاسی جدوجہد کی ڈوری اپنے ہاتھوں میں لی تھی حالانکہ بلوچ معاشرے میں طبقاتی تضادات کی گہری جڑیں وجود رکھتی تھیں، اور محنت کش طبقہ نشو ونما کے ابتدائی مدارج سے گزر رہا تھا جس کے مفادات کے تحفظ کے فرائض منصبی درمیانہ طبقہ سرانجام دے رہا تھا۔ اس جدوجہد کے خدوخال واضح تھے اور بلوچ عوام کی اس قومی جدوجہد میں طبقاتی مافیہ نمایاں تھا۔ جو مطلق العنانیت، سرداریت، سامراجی اقتصادی اور سیاسی غلبے اور استحصال کے خلاف ہونے والی قومی جدوجہد پر چھایا ہوا تھا۔ بلوچ عوام کی یہ قومی جدوجہد سامراجی مفادات کے آلہ کار ریاستی مطلق العنان سرداریت اور برٹش بلوچستان میں استعماری نوآبادیاتی سیاسی واقتصادی غلامی کے خلاف تھی۔ یوسف علی نے فنی اقتصادی اور ثقافتی ترقی کا بند راستہ کھولنے کے لئے اپنی قومی جدوجہد کو برصغیر کی سامراج دشمن جدوجہد سے باہم مربوط کر کے پیش قدمی کی جس کے باعث بلوچ قومی تحریک کے خدوخال سامراج دشمنی، سردار دشمن وجاگیردار دشمن اہداف کے ساتھ واضح اور نمایاں نظر آنے لگے اور انتہائی برق رفتاری کے ساتھ پھلنے پھولنے لگے۔

میر یوسف عزیز میر عبدالعزیز کرد کی قیادت میں بلوچ عوام کی قومی تحریک سامراجی اقتصادی و سیاسی غلبے اور کھلی لوٹ کھسوٹ کے خلاف قومی آزادی کے لئے تھی۔ کیونکہ مطلق العنان سرداریت سامراجی مفادات کے تابع استعماری لوٹ کھسوٹ کا دفاع اور ان کے مفادات کی نگہبانی کے آلہ کار کے طور پر کام کر رہی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ قومی آزادی کی تحریک اپنے واضح اہداف کے ساتھ سیاسی و اقتصادی غلامی کے خلاف سماجی ارتقاء کو حرکت دینے والی قوتوں کے غلبے ہی سے پسماندگی و استحصال سے گلو خلاصی کو ممکن بنا سکتی ہے اور سماجی اقتصادی ترقی کے ساتھ ساتھ فنی و ثقافتی ترقی کو پروان چڑھایا جاسکتا ہے۔

طبقاتی حوالے سے میر یوسف عزیز بلوچ معاشرے کے بالائی طبقے سے تعلق رکھنے کے باوجود بلوچ عوام کی سیاسی تحریک سے اس طرح جڑے کہ انہوں نے تحریک کے خدوخال کو واضح کرنے کے لئے تحریک کی سمت کو سامراج دشمنی اور سردار دشمنی کی طرف موڑا۔ وہ مجبوری کی حالت میں اپنے اور اپنے بچوں کی شکم پروری کے لئے استحصالی مشینری کا پرزہ بننے والے عام لوگوں کو ہدف تنقید بنانے کی بجائے تحریک کا دھارا استعمارا اور استعماری استحصال میں شریک بالائی طبقے کی طرف موڑتا ہے وہ بلوچستان اینڈ آل انڈیا بلوچ کانفرنس منعقدہ جیکب آباد دسمبر ۱۹۳۲ء میں اپنی کی گئی تقریر میں سی آئی ڈی کے رپورٹروں سے یوں مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ ''یہ میرے بھائی کیا ہم سے کم درد وطن رکھتے ہیں ہر گز نہیں۔

مگر لعنت ہو اس افلاس پر جس نے شکم پروری کے لئے انہیں اس طرح مجبور کر رکھا ہے ان سے زیادہ خطرناک آنریری سی، آئی، ڈی کا وہ گروہ ہے جنہیں خان بہادر، سردار بہادر اور نواب صاحب کہتے ہیں۔ یہ حضرت فکر معیشت سے بھی آزاد ہیں مگر حصول خطابات کے لئے اختراء اور اختراع کے طور مار باندھنے سے نہیں ہچکچاتے''۔

میر یوسف عزیز نے اگست ۱۹۳۳ء میں جب اسٹیٹ کونسل میں اپنی تحریک پیش کی جو کہ سٹیٹ کونسل کے اختیارات میں توسیع پر بحث و مباحثہ جو، بجٹ منظوری، وزراء کی کارکردگی، تنقید و تبصرہ، عوامی رائے دہی سے نمائندوں کا انتخاب اور ریاست کے مفاد عامہ سے متعلق دیگر مفید سکیموں پر بحث و مباحثے پر مشتمل تھی۔ اس تحریک کو اسٹیٹ کونسل میں پیش کرنے سے قبل تحریک کے سلسلے میں زمین ہموار کرنے کے لئے ریاستی امراء سے ملے ان نمائندگان سٹیٹ کونسل میں کچھ نے یوسفی دلائل و منطق سے متاثر ہو کر ساتھ دینے کی حامی بھری۔ جب یوسف عزیز نے اپنی تحریک خان صاحب کے سامنے سرداروں کی موجودگی میں پیش کی تو کچھ سرداروں کا پارہ چڑھ گیا و سر چڑھ کر بولنے لگے، کسی منطق و دلیل کے بغیر، جاہلانہ طریق پر مخالفت کرنے لگے جب اس بحث و مباحثے نے گھمبیر صورت اختیار کی تو یوسف عزیز کا ساتھ دینے والے سرداروں نے بھی چپ سادھ لی، ان کا طبقاتی کردار آڑے آیا اور ان پر موقع پرستی چھا گئی انہوں نے یوسف کے برخلاف رائے دہی میں حصہ لیا یوسف عزیز نے کچھ سرداروں سے امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ یہیں سے یوسف عزیز کے ذہن سے سرداروں سے اصلاح کی امیدیں ٹوٹ گئیں اور سرداروں کی یہ موقع پرستی بلوچ قومی سیاست میں سردار دشمنی کی وجہ بنی اس واقع کے بعد وہ کہہ اٹھے سرداروں کو کچلنا چاہیئے ان سے سدھرنے کی امید فضول ہے۔

میر یوسف عزیز مگسی کی ایک نظم کے چند بول یوں ہیں:

جس سے استعمار دشمنی وسردار دشمنی واضح خدوخال کے ساتھ نمایاں ہے،

اے انقلاب دہر جاگ
پھر کھول دے بوتل کے کاگ
امراء تو کھائیں مرغیاں
مزدور کھائیں دال ساگ
اس کو مٹا، جلدی مٹا
سردار ہو، انگریز ہو
جو قوت شیطان ہو
جو ثانی ءِ چنگیز ہو

سرداری سے معزولی:

ویسے تو دوسری بلوچ کانفرنس کے بعد حکومت کی جبر کا دائرہ دن بدن وسیع ہوتا رہا رہنماوں کی گرفتاریوں، ملازمین کی سبکدوشی، میر یوسف خان کی مجبوراً لندن میں مقیم ہونے تک حکومت اور ریاستی سرداروں کا مخاصمانہ رویہ نہ بدلا۔اب وہ یوسف کی سرداری کے پیچھے پڑ گئے مختلف حیلے بہانے تراشے گئے۔''سرداران قلات بہ یک آواز یوسف علی خان کی سرداری سے معزولی کے مشورے خان آف قلات کو دیئے۔بے جا پروپیگنڈا کرتے گئے۔نواب یوسف کی سبی دربار میں غیر حاضری اور خان آف قلات کی تاجپوشی کے جشن میں شرکت نہ کرنے کو سرداری کے قابل نہیں گردانا گیا اور اسے ناقابل معافی جرم کرار دیا گیا۔

خان آف قلات کی تاجپوشی کے بعد اسٹیٹ کونسل کے اجلاس میں ریاستی سرداروں نے میر یوسف علی خان کی مگسی قبیلے کے سرداری سے معزولی اور اس کی جگہ پہلے سے معزول سردار گل محمد کو دوبارہ سرداری کے مسند پر بٹھانے کی تحریک پیش کی۔

اسٹیٹ کونسل کے اجلاس میں میر یوسف علی خان کی سرداری سے معزولی کے لیے جو تحریک پیش کی گئی وہ ذیل ہے:

ا۔جرگہ میں سردار میر محمد یوسف علی خان نے شمولیت نہیں کی۔کیا وہ سرداری کے اہل ہے؟

۲۔سردار محمد یوسف علی خان ہز ہائی نس سے اجازت حاصل کئے بغیر یورپ چلا گیا۔کیا وہ سرداری کے اہل ہے؟

۳۔سردار یوسف علی خان مگسی قبیلے کی سرداری کے اہل نہیں اس لئے اسے ہٹا کر سردار گل محمد سابق معزول شدہ سردار کو دوبارہ سردار بنایا جائے۔سردار گل محمد جسے پچھلی دفعہ بھی بلاقصور سرداری سے ہٹا دیا گیا تھا۔

میر یوسف علی خان کے لندن میں قیام کو ایک ماہ بھی نہیں ہوا تھا کہ سرداروں کے منفی پروپیگنڈوں وہتھکنڈوں میں آکر والئی ریاست قلات نے سرداروں پر مشتمل ایک چار رکنی وفد جھل روانہ کیا اس وفد میں اسسٹنٹ وزیر اعظم ارباب کرم خان، خان محمد خان ای اے سی، وڈیرہ نور محمد بنگلزئی اور سردار رسول بخش مینگل شامل تھے۔ وفد کا گنداوہ پہنچتے ہی اسسٹنٹ وزیر اعظم ارباب کرم خان کے حکم سے میر محبوب علی مگسی برادر صغیر میر یوسف عزیز معہ معتبرین مگسی میر اعتبار خان، میر شمیر خان، میر عظیم خان، میر شکر خان، میر گاجن خان، میر لال بخش خان، میر بلوچ خان، میر امیر جان و میر گوہر خان مستونگ بلائے گئے۔ جاتے وقت تمام معتبرین نے اپنے عزیز واقارب کو میر یوسف علی خان کے خلاف دستخط اور بیان دینے سے منع کیا۔ میر محبوب علی کو کوئٹہ بھیجا گیا تاکہ وفد کے مگسی معتبرین سے گفت وشنید کے دوران موجود نہ ہو اور کوئی رکاوٹ حائل نہ کرے۔ اس سے بیشتر کوئٹہ میں لطف علی خان نندانی مگسی، افسر مال جھل، حسین بخش خان مگسی اور میر امیر جان خان مگسی کو بلا کر انھیں ڈرا دھمکا کر تنبیہ کے چھکے دے دے کر ان سے نواب یوسف علی خان کے خلاف دستخط لئے گئے تھے۔

سرداروں کا یہ وفد اسسٹنٹ وزیر اعظم کی سربراہی میں ۲۶/اپریل ۱۹۳۴ء کو جھل پہنچا تاکہ وفد مقدمین و معتبرین قبیلہ مگسی اور سردار خیلان مگسی کو اسٹیٹ کونسل کی رائے سے متفق کرنے کے لئے ان سے دستخط لئے جائیں۔ ۲۷/اپریل ۱۹۳۴ء کو جملہ معتبرین و مقدمین مگسی اور اس وفد کے مابین ایک طویل بحث وتمحیص ہوا۔ بالآخر تمام مقدمین، معتبرین اور سردار خیلان قبیلہ مگسی نے بڑی جرح و بحث وتمحیص کے بعد اپنے سردار میر یوسف علی خان کے خلاف دستخط دینے سے صاف انکار کر دیا۔

سرداران قلات کا وفد دھونس، دھمکی ومختلف ہتھکنڈوں کے باوجود مگسی معتبرین سے میر یوسف علی خان کی معزولی اور گل محمد کے حق میں دستخط لینے میں ناکام ونامراد رہے۔ مگسی مقدمین ومعتبرین نے ریاستی سرداروں کی مذموم سازش کو بھانپتے ہوئے وفد کے جانے کے چند دنوں بعد اپنا جرگہ منعقد کیا اور بالاخر ۲/مئی ۱۹۳۴ء کو طویل غور وغوص و بحث ومباحثے کے بعد میر یوسف علی خان کے چھوٹے بھائی میر محبوب علی کو بالاتفاق رائے مگسی قبیلے کا سردار منتخب کیا گیا''۔ (۶)

سردار محمد یوسف عزیز جو بلوچستان سے اٹھنے والی اینٹی امپیریلزم سردار دشمن، جاگیردار دشمن، تحریک کے سرخیل تھے۔ فطری طور پر وہ سردار دشمن تھے۔ سرداری کا منصب قبیلہ مگسی کے اصرار اور انجمن کے رہنماؤں کے ایک اجلاس کے فیصلہ پر قبول کیا، تاکہ سرداری سسٹم میں گھس کر اس سسٹم میں دراڑ ڈالی جاسکے اور سٹیٹ کونسل کے اندر عایا کے حقوق اور جمہوری اقدار کے لئے آواز بلند کی جائے۔ سٹیٹ کونسل کے اجلاسوں میں انہوں نے احسن طریقے سے رعایا کی جانب سے عائد کردہ فرض کو نبھایا۔ سٹیٹ کونسل کے ممبر کی حیثیت سے یوسف کی موجودگی نے سٹیٹ کے ایوانوں میں خطرے کی گھنٹی بجا دی تھی۔ اس خطرے کو بھانپتے ہوئے سردار سرجوڑ کر بیٹھ گئے۔ ریاستی سرداروں کی طرح انگریز حکمرانوں کے لئے بھی جھل میں اصلاحات کا نفاذ تعلیمی، سماجی اور اقتصادی پیش رفت انقلاب کا پیش خیمہ تھا۔ ریاستی سردار اور انگریز حکمران انہیں مزید سرداری کے منصب پر دیکھنا نہیں

چاہتے تھے ۔انگریزوں کی اس خواہش کا اظہار خان آف قلات میر احمد یار خان نے قلات سے کوئٹہ آتے ہوئے ایک سفر کے دوران کیا جو یوسف عزیز نے خان سے ذاتی ملاقات کی بنا پر اختیار کیا تھا۔یوسف نے بھانپ لیا کہ ”گورنمنٹ مجھے سردست سرداری پر دیکھنا نہیں چاہتی ۔ میں نے بجائے اس کے ایک معزول شدہ سردار کہلاتا اور گورنمنٹ کی خدمت میں آہ وزاری کے بعد اس سے مایوسی کا جواب پاتا۔خود بیزاری کا اظہار کرنا شروع کیا۔خیر کئی باتیں ہیں جو لکھ نہیں سکتا“ اور یوں یوسف عزیز محلاتی سازشوں کو بھانپ کر سرداری سے دست بردار ہوئے ۔آپ کے بھائی محبوب علی خان کو مگسی قبیلے کا سردار مقرر کیا گیا۔ یوسف عزیز ۱۲رجون ۱۹۳۴ء کو لندن سے اپنے ایک دوست کو خط میں رقمطراز ہیں ۔

”آپ مجھے سردار نہ لکھا کریں۔خدا نے اس نحوست سے نجات دلا دی ہے“

میر یوسف عزیز کی سرداری سے دستبرداری تک گورنمنٹ نے بس نہ کی بلکہ گورنمنٹ نے اس کی جائیداد کو بھی اپنے تصرف میں لے لیا، الاؤنس بھی بند کر دیا، یوسف کا ذاتی حصہ ششم (چھٹا) بھی گورنمنٹ نے اپنے تصرف میں لے لیا۔حتیٰ کہ جھل کے تمام مالی اور سیاسی امورات ایک سرکاری افسر کے سپرد کیئے۔آپ کے بھائی نومنتخب سردار محبوب علی کو گورنمنٹ کا یہ رویہ نہیں بھایا وہ مختصر سی مدت کے بعد سرداری سے مستعفی ہوئے یہ تو اچھا ہوا کہ جھل مگسی کے اختیارات گورنمنٹ آفیسر جام نور اللہ کے سپرد تھے، جو شریف سا آدمی تھا۔ذہنی طور پر یوسف سے قربت رکھتا تھا۔

حوالہ جات:

۱۔نوائے وطن ۱۶رجون ۱۹۵۵

۲۔ڈاکٹر انعام الحق کوثر ......مکتوبات یوسف عزیز مگسی ۔۸۱۔۸۲

۳۔ایضاً ص ۔۴۵

۴۔الحنیف جیکب آباد۔ص۴۲رفروری ۱۹۳۷ء

۵۔ایضاً

۶۔ماخوذ از بلوچستان جدید۔۲۴راپریل ۱۹۳۴ء جلد نمبر ۱۔شمارہ نمبر ۶

باب اٹھارہم

مکاتیب وشاعری

مجاہد اعظم نواب یوسف علی خان کے بصیرت افروز مکاتیب:

عالمِ نوجوانی میں میر یوسف علی عزیزؔ کے احساسات شاعری اور نثر نے الفاظ کا روپ دھار کر اربابِ علم و ادب کے دلوں میں ایک سحر سی طاری کی ہوئے ہیں۔

آج بھی ان کی شاعری سوئے ہوئے جذبات میں ارتعاش، جوش و ولولہ پیدا کر رہی ہے تو ان کی نثر کا ہر جملہ فکر وغور کے طلب گار ہیں۔

میر یوسف علی کی شاعری و نثر جو ان کی سرپرستی میں نکلنے والے جریدوں کے زینت بنتے رہے اور ان جریدوں کی وساطت سے ہم تک پہنچے۔

درج ذیل مکتوبات میر یوسف علی کی سرپرستی میں کراچی سے ۱۹۳۴ء میں نکلنے والے جریدوں بلوچستان جدید، نجات، ینگ بلوچستان کے کچھ دستیاب شماروں، جیکب آباد سے نکلنے والا مولوی محمد حسین کا جریدہ الحنیف کے سالنامہ شمارہ فروری ۱۹۳۷ء مولوی محمد شریف بزدار کی ادارت میں سبی سے نکلنے والے جریدے حقیقت ۲۵ رفروری ۱۹۵۶ء اور ڈاکٹر انعام الحق کوثر کے مرتب کردہ مکاتیب یوسف عزیز مگسی طبع اول جون ۱۹۷۸ء سے ماخوذ ہیں۔

ان مکاتیب میں میر یوسف علی خان کے دل میں درد وطن، اپنے مفلوک الحال پسماندہ عوام کی زندگی کو بدلنے کی تڑپ، آپ کے بے چین روح میں بسی معصومانہ خواہشات اور آپ کی سیاسی، ادبی اور نجی زندگی کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

انتہائی عقیدت کے ساتھ ان مکاتیب کو شامل کتاب کر رہے ہیں، امید ہے کہ میر یوسف علی کے ان تحریروں میں خیالات کی اساسیت، طرز تحریر اور زبان و بیان کی روانی اصحابِ ذوق کے لئے دلچسپی کا باعث بنیں گی۔

مکتوب نمبر......۱

مکتوبات بنام محمد امین خان کھوسہ

خوابوں کی دنیا میں رہنے والے بھائی !

بی ۔ اے ہونا مبارک ہو۔ تمہارا طویل خط ملا۔ پڑھا ، سیف کی باتیں تمہاری زبانی کیسی میٹھی تھیں۔ تمہارے جذبات والدہ کے پیغام ، نفس کاغذ سے امینیت کی بُو ۔

آہ ۔ ایک زہر خندہ ۔ ایک والہانہ کھلبلی اور پھر وہی معمولانہ خاموشی اور میں ۔

امین ! مانا کہ میں اپنی آگ سے آپ ہی جل چکا ہوں۔ مافوق العادت قوتوں سے سروکار رکھنے اور عنان خیال کو انسانی وسعت سے پرے ڈھیلا چھوڑ دینے کا نتیجہ ہے۔ جس طرح کثیف ہوا ، آمد ورفتِ نفس کو مشکل بنا دیتی ہے۔ ہمیشہ اس طرح میرا معاملہ ہے ۔ مگر تم مجھے جانتے ہو۔ میں مایوس نہیں ہوا۔ مایوس ہونا ختم ہو جانا ہے۔ آرزوئیں آباد رہیں۔ خواہ کبھی بھی زلف یار تک رسائی نہ ہو۔ مگر دل و دماغ کا معاملہ۔ اس کے ساتھ ٹوٹنے نہ پائے ۔

’’علی گڑھ ہوتے ہوئے کوئٹہ جاؤں‘‘ ؟ خوب کہا !

کیوں علی گڑھ۔ یہاں نہیں آتا ؟ بی اے تو ہو چکے ، اب علی گڑھ میں اور کیا کرنا ہے ۔ ذرا نکلو دنیا کو دیکھو ۔ اے اسیرِ قفس ! اے پیکر ذہن و دماغ ، غلامی کے ماحول میں رہنے والی تمہاری ذاتی ذہانت خواہ تمہیں اس ماحول سے باہر جانے کی اجازت بھی دے ، مگر پھر بھی ماحول اپنا رنگ جمائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آؤ دیکھیں قومیں کیا سوچ رہی ہیں ۔ آج کل کے موضوع کیا ہیں؟

ہندوستان میں مذہب ، اچھوت ہندو ، مُسلم ، سکھ ، عیسائی ، شیعہ ، سنی وغیرہ کبھی اس کے علاوہ کوئی بھی بات سننے پائی ۔

اسیر رنگ و بو! غلام ابن وآں ! تمہاری بربادی کا باعث انگریز نہیں بلکہ تمہارے دراز ریش مذہب فروش باشندے ہیں ۔

کم بختوں نے مذہب جیسی بلند تخلیق کو دنیا کا بدترین کھلونا بنا کر انسانی آبادی کے ایک عظیم حصے کو برباد کر ڈالا ۔ خدا انہیں سمجھائے ۔

حیران ہوتا ہوں ۔ جب بڑے بڑے دماغوں کو ان امتیازوں کا اسیر دیکھتا ہوں !اور امین ان کی تعریف کرتا ہے۔ چلو جی شیخ عبدالمجید صاحب۔ آپ کا معدوم اسلام کا خدمتگار سچ ہے غلام کی نظر۔ غلام کی بصارت بھی ایسی بنائی گئی ہے ۔

خیر! تم جانو اور تمہاری سیاست ہم تو ابھی زخمی سپاہی ہیں جو (Holiday) منا رہے ہیں ۔ دیکھا جائے پھر میدان کی شکل نصیب میں ہے۔ یا کچھ اور ۔۔۔۔

آؤں گا، گھبراؤ نہیں۔ خیر سے انتظار کرو۔ آپ کی آخری استفسار، شعریت کا آلہ۔ بھائی ! یورپ ہمہ تن شاعر اور دنیائے شعریت اور پھر یہ استفسار۔

مگر امین ! یورپ کے متعلق آپ کے علمائے دین کی تمام آرائیں غلط، یکسر غلط بخدا کہ غلط۔ یورپ بہت آزاد ہے۔ آپ کو بازار میں ریسٹورانوں میں پارٹیوں میں، آزادانہ عورتیں ملیں گی باتیں کرینگی، کھیلیں گی، سنائیں گی اور رشتہ دار کوئی بھی دخل نہیں دیں گے۔ مگر اخلاقی لحاظ سے وہ برائی جو آپ کے دراز ریش حضرات اس سے منسوب کرتے ہیں۔ ایک فیصدی پائی جائیگی۔

یہاں کی عورت اپنی عصمت کی حفاظت آپ کے رسم و رواج کے مطابق پردہ اور تلوار و بندوق کے ڈر کے ذریعے نہیں کرتی۔ ان کا معیار کچھ اور ہے۔ کاش کہ اس خط میں تفصیلات لکھ سکتا یہاں کی کنواری عورتیں اور وہ عورتیں جو شادی شدہ ہیں۔ عصمت کے معاملے میں انتہائی معیار پر پہنچی ہوئی ہیں۔

باقی رہا آپ کی ہندوستانی معاشرت کے مطابق وہ طبقہ جو ساز و سرور کے ساتھ اعلانیہ بازاروں میں عصمت فروشی کرتا ہے۔ یہاں وہ ہے، مگر مختلف رنگ میں میرا مطلب یہ ہے کہ اس رنگ میں جس سے دودسروں کو برائی کی ترغیب نہ مل سکے۔ مگر بہت کم۔ بہت کم آپ حیران ہوں گے جب ایک کنواری یورپین لڑکی ایک دو بجے تک گھر سے باہر آپ کے ساتھ کسی پارک میں تنہا بیٹھی ہوئی ہے اور مختلف موضوعات پر بحث ہو رہی ہے، ملیں گے۔ ممکن ہے شعر و شاعری یا محبت وغیرہ پر بھی بحث ہو۔ ممکن ہے آپ کے ساتھ اقرار محبت کرے۔ مگر کیا مجال ہے کہ ایسی رومانٹک فضا میں، یورپ کی زندہ کن فضاء میں، تنہائی نیم شب کا وقت، ایسے وقت بھی اس کا خیال ایک لمحہ کے لئے بھی عصمت فروشی کی طرف منتقل ہو۔ اگر بے قوفی سے آپ کا خیال اس طرف منتقل ہو جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے اپنا وقار اپنی اخلاقی حالت کو اس کی نظروں میں مجروح کر دیا۔

یہ ہے یہاں کی اخلاقی حالت۔ آپ کے مولویوں کی بنائی ہوئی عورت پردے میں رہے گی۔ مرد کی شکل نہ دیکھ کر محض نظر کی جبریت پر عامل ہوگی وہ مذہبی، دیندار، نمازن، کہلائے گی۔ مگر معاف فرمائے گا۔

کہ پچاس فیصدی۔ جب ورثاء کی غیر حاضری میں آنکھ کا کوئی اشارہ ملے گا۔ تو ہم تن خون ہوکر بہہ جائیگی۔

نکو رو تاب مستوری ندارد
چو در بندی سر از روزن بر آرد

یہ ہے نتیجہ پابندیوں کا۔ جذبات، خیالات جو رسم و رواج کی پابندی سے راہ نہیں پاتے۔ وہ عورت کو باغی عیاشی کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔ وہ (Day Dreaming) میں اوقات بسر کرتی ہے۔

اور یہ دماغی عیاشی اس کے کریکٹر (Charector) کو بہت نازک اور ناپائیدار بنا دیتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذرا سے اشارے کی یا ذرا سی ترغیب کی دیر ہوتی ہے اور ورثا کی غیر حاضری کا موقع...... پس پھر آپ جانتے ہیں۔

یہاں کی عورتیں ہر قسم کی آزادی سے بہرہ ور ہیں۔ مردوں سے کھیلتی ہیں۔ ننگی ٹانگیں رکھتے ہوئے بازار میں پھرتی ہیں۔ دریاؤں میں تیرتی ہیں۔ جس چیز کو اچھا سمجھتی ہیں۔ انہیں خوف نہیں ہوتا کہ والدین مراجم ہونگے۔ آزادانہ تعارف پیدا کر کے سیر کرتی ہیں۔ اس کی وجہ سے انہیں دماغی عیاشی کی اس بدترین شکل سے واسطہ نہیں پڑتا۔ جیسا آپ کے علاقے میں۔ لہٰذا وہ سب کچھ بے حجابی سے کرتے ہوئے بھی عصمت کو عزیز سمجھتی ہیں۔ عصمت کو صرف اس کے لئے سمجھتی ہیں جو کہ ان کی زندگی کا رفیق ہو۔ وہ بھی باقاعدہ نکاح کے بعد۔ پہلے نہیں۔ شاذ و نادر۔ ہاں! میں نے شاذ و نادر کہا۔ اس لئے کہ محض نا تجربہ کار مردوں کے وعدہ شادی میں آ کر عصمت پہلے ضائع کرتی ہیں۔ مگر یہ معاملے بہت کم ہے اور ہو رہا ہے۔

اچھا اب رہا میں اور شاعری، مجھے تم جانتے ہو، سراپا شاعر! دس بجے سے لیکر چار بجے تک تو باقاعدہ کام کرنا پڑتا ہے۔ کالج میں اس کے بعد کبھی ہم جاتے ہیں، تو کبھی ہمارے پاس ان کو آنا پڑتا ہے۔ پر لطف باتیں ہوتی ہیں، حسن کا قصہ بھی چھیڑ جاتا ہے۔ عشق کا ساز بھی بجتا ہے۔ مگر ہندوستانی ساز نہیں۔ ہم اپنی مشرقی روح کے ترانے گا کر انہیں سناتے ہیں۔ وہ اپنے مغربی بین بجا کر رومان طاری کرتی ہیں۔ مگر حاشا وکلا معاملہ اس سے بڑھا ہو۔ ہاں ایک بار ایک اکیس سالہ کنواری لڑکی نے شادی کا وعدہ لینا چاہا۔ ہم نے کہا کہ ہم بڑے خوش قسمت ہونگے۔ اگر آپ ہمیں منظور فرمائیں۔ مگر آپ جانتی نہیں کہ ہمارا مستقبل سلوں کی تنگ و تاریک کوٹھڑیاں یا سیسے کی کوئی منجمد گولی کا شکار ہونا مقدر ہو چکا ہے۔ کیوں اپنی قسمت کو خراب کرتی ہو۔ اس کا اسرار اس کے ساتھ اور بھی بڑھا۔ فرمانے لگیں۔ کہ اگر تمہارے اندر یہ ہمدردی ملک وقوم کا جذبہ نہ ہوتا تو میں شادی کرنے کے لئے ہر گز نہ کہتی۔ آپ کی ظاہری وضع اور شکل سے زیادہ باعث تحریک میرے لئے آپ کے جذبات ہیں۔

خیر! اس وقت تک تو ہم نے معاملہ زیر غور رکھا ہوا ہے۔ شریف ہے۔ معصوم ہے اور پیار کرتی ہے۔ ہم بھی کرتے ہیں مگر بھائی! حقیقت یہ ہے کہ ہم شادی کے قابل نہیں۔

اچھا بھائی ...... خدا حافظ

کبھی کبھی یاد کیا کرو۔ تو عنایت ہوگی۔ تمہارے ملنے کو بالخصوص اس فضا میں جی بہت ترستا ہے۔

آپ کے وطن سے دور

''عزیز''

حوالہ جات:

سالنامہ الحنیف جیکب آباد۔ ص۔۴۲، ماہ فروری ۱۹۳۷ء

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی۔ ص۔۹۹، ماہ جون ۱۹۷۸ء

مکتوب نمبر......۲

اللہ اکبر

بھائی صاحب ! اسلام علیکم !

کل شام کو یہاں پہنچا۔ رسمی امور کے اختتام کے بعد رات کو سردار صاحب شاہوانی کے ساتھ میں نے اپنے خیالات کو بیان کیا۔ سردار موصوف میرے ساتھ بالکل متفق ہوگئے اور میرے خیالات کی تعریف کی ! خیالات تو آپ کو معلوم ہیں ! یعنی پہلے سٹیٹ کونسل کے اختیارات میں توسیع، جس میں بحث و مباحثے معہ منظوری اختیارات کے !!! اور وزراء کے کام پر تبصرہ اور رائے دہی، ریاست کے مفاد اجتماعی کے لئے دیگر مفید سکیموں کو دربار میں پیش کرنا اور دیگر وزیروں کی تعداد میں اضافہ ! صبح کو نواب رئیسانی کے ساتھ یہ گفتگو بندہ نے کی۔ چنانچہ سید اورنگ شاہ اور نواب رئیسانی بھی متفق ہوگئے۔ اس کے بعد نواب رئیسانی اور بندہ نے اس سکیم کو برائے مشورہ مزید احمد یار خان کے پیش کیا تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ آپ اسے سرداروں کے سامنے پیش کریں میں بصد خوشی تیار ہوں ! چنانچہ آدھے گھنٹے کے اندر اگرچہ دیگر رفقاء بالکل سرد پڑ گئے تھے۔ مگر وزیراعظم کی کوشش سے سٹیٹ کونسل کے ارکان اور ایک دو اور سرداروں کو یکجا کیا گیا۔ جس میں احمد یار خان، وزیراعظم یہ سب موجود تھیں۔ مجھے کہا گیا کہ آپ اپنی تحریک کو پیش کریں۔ چنانچہ بندہ نے دس پندرہ منٹ کی تقریر کے اندر اپنی تحریک کو پیش کیا۔ تقریر ختم کرتے ہی زرکزئی سردار اور وڈیرہ بنگلزئی نے بغیر کسی دلیل وحجت کے جاہلانہ طریق پر مخالفت کی۔ پھر لہڑی سردار نے تو سرے سے سٹیٹ کونسل کی ہی مخالفت کی مگر بنگلزئی کی مخالفت بالکل جاہلانہ اور زوردار طریق پر تھی میں نے پھر ایک مختصر سی تقریر کی جس میں وزیراعظم نے میری تائید کی۔ مگر افسوس ہے کہ طنز آمیز جملوں سے وہ بھی بچ نہ سکے۔ میں محسوس کرتا تھا کہ احمد یار خان شاہد دل سے خوش ہورہا ہے مجلس کا رنگ دیکھ کر نواب رئیسانی اور شاہوانی نے بھی میرا ساتھ چھوڑ دیا مگر ان الفاظ کے ساتھ کہ آپ کی تحریک اچھی ہے، مگر افسوس کہ حالت ویسے نہیں۔

آخیر میں میں نے کہا کہ مجھے آپ کی حالت دیکھ کر احساس تھا، کہ میری تحریک کا کیا حشر ہوگا اور میرے متعلق آپ سب حضرات کے دل میں مع شہزادہ صاحب کس قسم کے جذبات پیدا ہونگے۔ مگر تاہم شکر ہے کہ میں اپنے ضمیر، اپنی قوم اور غربا کی ترجمانی کے سپرد کردہ فرض کے آگے خجل نہیں ہوا، اور وقت آئیگا کہ آپ یا آپ کی نسلیں پشیمان ہونگیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ ہے حال بھائی ہمارا، عجیب قسم کے جانور ہیں۔

اب میرے لئے دوراہیں ہیں۔

ایک تو یہ کہ جرگے کے آخری دنوں میں شہزادہ صاحب کے حق میں رائے دینے کے ساتھ اپنی مندرجہ بالا سکیم کو پیش کردوں اور دوسری یہ کہ ان نا اہل سرداروں کی اختیارات اور حقوق کے خلاف اس کی ہر تحریک کی تائید کروں اور اب سرداروں کو کچلنا چاہئے۔ان سے سدھرنے کی امید فضول ہے۔

آپ واپسی پر قبل از ۱۸، اپنی رائے لکھ کر بھیجئے۔ جرگہ ۱۸، کو ہوگا۔

۱۴۔۸۔۱۹۳۳ء قلات

آپ کا

محمد یوسف علی عزیزؔ

حوالہ جات:

سالنامہ الحنیف ،جیکب آباد۔ص،۴ ماہ فروری ۱۹۳۷ء

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی۔ص،۴۹ ماہ جون ۱۹۷۸ء

مکتوب نمبر......۳۰

اللہ اکبر

بھائی امین!

آج آپ کے والد محترم کا عنایت نامہ ملا۔ ابھی ان کو جواب بھیج کر فارغ ہوا ہوں۔ میرے ابھی باقی پانچ انجکشن رہتے ہیں۔ میرے پیارے وطن کے نوجوان بھائی۔ اللہ آپ کو جلدی فارغ کر کے اچھے کام میں مصروف عمل کرے۔ میں آپ کو ذیل کا ایک مشورہ ضرور عرض کرونگا۔ اگر آپ نے مانا تو میں بہت مشکور رہونگا۔ کارل مارکس کی تصنیف "The Capital" اور دنیا کے دس ہلاکت آفرین دن Ten days Shok the World جو انگریزی میں ہے اور ایک انگریزی سیاح کے قلم کی لکھی ہوئی ہے۔ ان کو ضرور دیکھیں۔ اگرچہ مجھے احساس ہے کہ آپ میں فطرتاً بغیر کسی کی تقلید کے ایک مادّہ اشترا کیت کا ہے اور غریبوں، کسانوں، مزدوروں کے لئے لڑنے والا دل بھی۔ مگر ساتھ اس کے یہ چیزیں ٹھوس بنیادوں پر اس مادہ کی تعمیر کریں گے۔

بلوچستان کانفرنس تو بڑے بڑے لوگوں کے پنجے میں نہیں رہی ہے۔ حیدرآباد والوں نے ایک تجویز پیش کی ہے کہ گورنر کو ایک وفد بھیج کر سپاسنامہ دیا جائے۔ یہ تجویز ابھی تک زُبانی ہے۔

دیکھئے کہاں غریب بلوچستانیوں کی روٹی بیگار، بجاّر، مالیہ، جرمانے ٹیکس کا سوال اور کہاں سپاسنامہ۔ بھائی صاحب یہ سارے حصے دار ہیں۔ جھگڑا صرف حصہ بانٹنے کا ہے۔ جو سرمایہ دار ایک دوسرے کو پلیٹ فارم پر دھمکیاں دیکر اپنے لئے اچھا حصہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ غریبوں سے لوٹ کھسوٹ کی بندش کا افسوس اور غم نہ تو ہماری کانفرنس والوں کو ہے اور نہ آپ کے خاص نیشنل کانگریس کو۔ میں تو اس موجودہ تحریک سے مایوس ہوتا جارہا ہوں اور کوشش میں ہوں کہ بلوچستان کے اندر کوئٹہ، جھل، سبی، نوشکی، مستونگ میں کسانوں اور مزدوروں کی ایک یونین بن جائے۔ جس کے مقاصد محاصل، بٹائیوں کی ظالمانہ لوٹ کو معتدل درجے پر لانے کے لئے، سرمایہ داروں سے اپنے حقوق حاصل کرنا اور مزدوروں کے لئے جن میں ریلوے کی تعمیرات کے ہر قسم کے مزدور ہوں اجرت نرخ اور اوقات کام کو مناسب سطح پر لانا ہو۔

اگر بدقسمتی سے قدرت نے مجھے مہلت نہ دی اور میرا خیال میرے دل کے اندر رہ گیا۔ تو میں اس محبت کے نام پر جو آپ کو اس ناچیز بھائی کے ساتھ ہے۔ درخواست کرونگا کہ پھر آپ کو ہی اس شیطانی لعنت کے خلاف کام کرنا ہوگا۔

ہمیں اصلاحات کونسل ، گورنری صوبہ کو کیا فائدہ دیں گے۔ علاوہ اس کے غیر ملکی سرمایہ داروں کی جگہ ملکی سرمایہ دار آئیں۔ ۹۵ فیصدی بلوچستان کی غریب آبادی کے لئے تو سوراج تب ہوگا۔ جب وہ اس لوٹ سے بچیں۔ خدا آپ کو اس بڑے انسانی کام کے لئے زندہ رکھے اور مصائب برداشت کرنے کی ہمت دے۔

آپ کا بھائی

محمد یوسف علی عزیزؔ

نوٹ: (اس خط میں بلوچستان کے مزدوروں اور غریبوں کی ایک یونین کی ضرورت کی طرف میر محمد امین خان کو متوجہ کیا ہے اور بالکل مختصر مگر جامع الفاظ میں سرمایہ داری اور مزدوری کی جنگ کا بہترین خاکہ کھینچا ہے)۔

(مدیر الحنیف)

حوالہ جات:

سالنامہ الحنیف جیکب آباد، ص۔45۔ ماہ فروری 1937ء

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی، ص۔74۔ ماہ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۴

در جہان نتواں اگر مردانہ زیست
ہمچو مرداں جان سپردن زند گیست

بھائی صاحب!

آپ کے خطوط یا محبت نامے ملے۔شکریہ

آپ کا ''گرمی مجالس'' سے خطاب کرنا بھی عجیب ہے۔حالات بہت دلچسپ ہیں۔کاش! میں آپ کو مفصل لکھ سکتا۔

یہاں دن میں دوتین بار حق و باطل کی جنگ چھیڑ جاتی ہے اوریقین جانئے کہ آپ کے اس نا چیز بھائی نے اعلان حق میں کوتاہی نہیں کی۔مخالفت زوروں پر ہے۔خاص کر وڈیرہ بنگلزئی تو خوب مخالف ہوگئے ہیں۔صرف سرداری مناظر سے نہیں ہوئے۔بلکہ باقاعدہ جنگ اور مباحثے کی صورت میں اپنے اپنے خیالات کا اعلان کیا جاتا ہے۔مگر شکر ہے کہ مخالفین باطل کے اظہار کے بعد نادم ہوجاتے ہیں۔مفصل حالات کرد صاحب آپ کو لکھیں گے۔آپ کوئٹہ سے بندہ کے آنے تک نہیں جا سکتے۔یہ ضروری حکم ہے۔درخواست ہے، التجا ہے۔یہاں کبھی کبھی ہاتھا پائی اورلڑنے تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔آپ جانتے ہیں میں جسماً کمزور ہوں۔اگر مارا گیا تو بس ایک یاد کا امیدوار ہوں۔

آپ کا بھائی

محمد یوسف علی عزیزؔ

حوالہ جات:

سالنامہ الحنیف جیکب آباد، ص۔46۔ ماہ فروری 1937ء

ماہنامہ حقیقت۔سبی، ص۔5۔ 25 مئی 1956ء جلد 6 شمارہ 9

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی ص۔76 جون 1978ء

مکتوب نمبر......۵

سودا قمارِ عشق میں خسرو سے کوہکن
بازی اگرچہ پا نہ سکا، سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہوسکا

بھائی امین !

اللہ قادر ہمارے قدموں کو صراطِ مستقیم پر ثابت رکھے۔

اسلام علیکم ورحمت اللہ برکاتہ۔آپ کا عنایت نامہ ملا۔

شکریہ!

جناب کے والدمحترم نے بندہ کو ایک تحریر لکھی ہے ۔ کہ بندہ آپ کو اخباروں میں مضمون نویسی سے منع کرے ۔ میں حیران ہوں کہ کیا کروں ۔ اگر تعمیل کرتا ہوں ۔ تو ترغیب کتماں حق کے جرم عظیم کا مرتکب ہوتا ہوں ، اور اگر نہیں کرتا تو اپنے پیارے دوست کے پیارے باپ کو ناراض ہونے کا موقع دیتا ہوں ۔ فریضہ عظیمہ ’’دفاع‘‘ کی اہمیت کے متعلق ایک روایت عرض ہے کہ

ہجرت کے نویں سال آنحضرت ﷺ کو خبر ملی کہ رومیوں کی فوج مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے اکھٹی ہورہی ہے ۔ یہ سن کر آپ ؐ نے بھی تیاری کا حکم دیا اور بیس ہزار مجاہدین کے ساتھ مدینے سے کوچ کر دیا۔ چونکہ یہ فوج بڑی تھی اور تنگدستی اور بے سروسامانی کی حالت میں نکلی تھی ۔ اٹھارہ آدمیوں کے حصے میں صرف ایک سواری آتی تھی ، جنگل کے پتے کھا کر مجاہدین نے گزارہ کیا تھا۔ اس لئے اس فوج کا نام جیش العسرۃ مشہور ہوا۔

حضرت ابوبکرؓ نے اس دفاع کے لئے اپنا تمام مال ومتاع پیش کر دیا تھا۔جب ان سے پوچھا گیا۔

[illegible] ل وعیال کے لئے کیا رکھا؟)

تو اس پیکر ایمان ومجسم عشق نے جواب دیا۔

[illegible]

(ان کے لئے اللہ اور اس کا رسول ﷺ رکھے)۔

آنکس کہ ترا بخواست جان راچہ کند
فرزند و عیال و خانمان راچہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی
دیوانہ، تو ہر دو جہاں راچہ کند

تبوک نامی مقام پر پہنچے ،تو معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی دلیرانہ تیاریوں سے مرعوب ہوکر رومیوں کے حوصلے پست ہوگئے ، اورفوجیں منتشر ہوگئیں ۔آپؐ نے ایک ماہ قیام فرمایا اور پھر مدینہ واپس آگئے ۔اس دفاع میں بجز منافقین کے تمام مسلمان شریک ہوئے تھے۔صرف تین مسلمان نہ جاسکے کعب بن مالک ، بلال بن امیہ، مردابن الربیع کعب بن مالک سابقین انصار میں سے ہیں۔اوران ۳ سابقین مخالفین میں سے ہیں۔ جوعقبہ کی بیعت میں حاضر ہوئے تھے۔

ان کا شریک نہ ہونا کسی بری نیت سے نہ تھا۔سستی اور کاہلی کے باعث فوج کے ساتھ ملنے کا موقع نکل گیا بہ این ہمہ یہ مجاہد اللہ اوراس کے رسول کی نظروں میں اس درجہ اہم ہیں ۔مگراتنی سستی اور نا اہلی بھی سخت جرم قرار پائی۔معذرت کے لئے حاضر ہوئے۔تو توبہ قبول نہ ہوئی۔حکم ہوا کہ گھر میں بیٹھو اور وحی کا انتظار کرو۔مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تمام تعلقات ان سے ترک کر دیں۔پھران کی بیبیوں کو حکم ملا کہ وہ بھی الگ ہوجائیں اوران سے کوئی بھی واسطہ نہ رکھیں۔

’غسان‘ کے عیسائی بادشاہ نے یہ حال سنا۔تو بہت خوش ہوا۔اورکعب کے نام اس مضمون کا خط لکھا کہ تمہارے آقا نے تمہاری ساری خدمتوں کا جو معاوضہ دیا ہے، وہ دیکھ چکے ہو۔اب میرے پاس چلے آؤ۔دیکھو یہاں تمہاری کیسی عزت ہوتی ہے کعب بن مالک کو خط پہنچا تو ایلچی کے سامنے آگ میں پھونک دیا اور کہا جواب میں کہہ دینا، ہم نے جس آقا کی چوکھٹ پر سر رکھا ہے اسکی گہرائیوں اور دلربائیوں کا حال تمہیں کیا معلوم ۔اس کی بے التفاتی بھی دوسروں کی محبت سے ہزار درجہ بہتر ہے ۔ان مومنین صادق کی آزمائش پورے پچاس دن تک رہی ۔ بالآخر سورہ توبہ کی مشہور آیت نازل ہوئی اور توبہ قبول ہوئی۔

[illegible]

سمجھے بھائی امین ! فرض ''دفاع'' کی اہمیت حملہ وہجوم کی صورت میں ایسا نہیں۔ایک جماعت کے جہاد سے (جہاد کے معنی کمال تندھی سے راہ حق میں سعی کرنا) دوسرے مسلمان ہوسکتے ہیں۔مگر جب غیر مسلموں کی جماعت مسلمانوں کو کمزور پا کر مسلمانوں کے ملک یا حکومت یا آبادی پر قبضہ کرنا چاہتی ہو۔یا ایسی صورت درپیش آئے کہ غیر مسلموں کے ہاتھوں مسلمانوں کی عزت و ناموس وملک تباہ ہوا چاہتی ہو۔تو اس وقت دفاع کے لئے اٹھ کھڑا ہوجانا سب پر فرض ہے۔بچوں اور معذوروں کو چھوڑ کر باقی سب پر اس فرض کا اطلاق عائد ہوتا ہے۔ماں ، باپ ، بہن ، بیوی ، بچے ، رشتہ ناطے اپنی اپنی جگہ سب کے حق ہیں۔لیکن خدا اور اس کی سچائی کا حق سب سے بڑا حق ہے [illegible]

[illegible]

[illegible]

یعنی ......اگر تمہارے والدین تمہاری ، اولادیں ، بھائی ، بہن ، بیویاں تمہارے خاندان کے تمام رشتے اور ہر مال ومتاع جو تم نے کمایا ہے،اور یہ کاروبار تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو۔یہ تمہارے رہنے کے محل جن میں تمہارا دل لگا ہوا ہے۔ اگر تمہیں اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں اور تمہارے پاؤں ان زنجیروں سے بندھ گئے ہیں ، کہ اللہ کی پکار بھی اسے نہیں ہلا سکتی تو جان لو کہ اللہ کا کام بھی تمہارا محتاج نہیں،نتائج کا انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ دے دیں۔اللہ کا قانون ہے کہ وہ نافرمان پر کامیابی کی راہ نہیں کھولتا۔کیا آپ کو اس امر کے تسلیم کرنے سے انکار ہے کہ اس وقت ''جہاد دفاع''،یعنی ''ڈیفینسو'' Defensive ہے۔اگر نہیں تو پھر قطعیت فرض بھی معلوم۔میرا خیال ہے کہ مجھ سے زیادہ آپ ان فرائض کو محسوس کرتے ہونگے اور کہیں ایسا نہیں کہ آپ جوش تکمیل فرض میں شامل ہونے کے لئے کوئی ایسی راہ اختیار کریں جو دوسری راہوں کی بہ نسبت کم پسندیدہ ہو۔مثلاً اپنے والد کو مل کر یا دلائل اور خدا،اس کی کتاب کے حکم کی روشنی میں سمجھا کر اپنی اجازت پر راضی کر لینے کی بہ نسبت بغیر ملے اور سمجھانے کے میدان میں کود پڑو۔اگرچہ وہ بے اختیار کودنا بھی اللہ کے نزدیک قابل صد ہزار ستائش ہے اور تیری ہزار سالوں کی تسبیح گردانی اس ایک لمحہ کا اجر حاصل نہیں کرسکتی جو جہاد فی سبیل اللہ میں ایک گھنٹے انتظار کرنے کے بعد بغیر جہاد میں شریک ہوئے،خدانخواستہ تیری موت آجائے خوش ہے وہ رات جو انتظار میں کٹے،خوش ہے وہ دن جوان باتوں میں گزرے۔خوش قسمت ہے وہ قوم جو اس انتظار میں گرد آلود ہو۔خوش ہے وہ آدمی جو اس انتظار میں مرجائے۔

مگر جب کیا دوسرا راستہ موجود ہے یعنی امکان ہے کہ آپ کے والد آپکی ملاقات اور سمجھانے اور اپنے مقاصد معصوم ومقدس بتلانے پر خوشی سے آپ کو اجازت دیں تو کیوں دوسرا راستہ اختیار کیا جائے! کاش آپ ہوتے تو آپ کو اس امر کی نسبت

قرآن حکیم کی اس وقت چالیس سے زائد آیات اور حدیث کی پچاس سے زیادہ روایتیں جو اس وقت میرے سامنے کھلی پڑی ہیں دکھاتا۔ آپ کو امام احمد بن حنبل کے واقعات غیر محدود دعوت یاد ہونگے۔ کہ تازیانے کی ہر ضرب کے ساتھ ''قرآن غیر مخلوق'' کی صدا بلند ہوتی تھی۔ اگرچہ شریعت نے ایسی صورتوں میں رخصت دی ہے کہ حفظ جان کی خاطر جابر و ظالم حاکم کا کہا مان لیا جائے۔ مگر یہ شرعی حیلے اور رخصتیں تو ان کے لئے ہیں جو بچنا چاہیں سزائے عشق سے، لیکن صاحب عزیمت اور دعوت تو ایسی رخصت کو حکمت کی موت اور ایمان کی تباہی کے مترادف سمجھتا ہے اور وہ مجتہد وقت اور خالق زمانہ ہوتا ہے۔ وہ زمانے کی مخلوق نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ زمانے اور وقت کو مجبور کرتا ہے کہ اس کا ساتھ دیں۔ وہ فرشتوں کو اپنے ساتھ لیتا ہے۔ زمین ناموافق ہو تو آسمان کو اترنے کا حکم دیتا ہے اور اگر آدمی ساتھ نہیں ہوتا تو فرشتوں کو چیخنے کو کہتا ہے۔

میری خرافات سے اگر رنجش محسوس ہو تو معاف کیا جاؤں۔ کبھی دیوانہ کی بکواس سننا بھی اچھا ہوتا ہے۔

بدقسمت بلوچستان کا ایک بدقسمت مسلمان

عزیز

حوالہ جات:

سالنامہ الحنیف جیکب آباد، ص 47۔ ماہ فروری 1937ء

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی، ص۔53۔ ماہ جون 1978ء

مکتوب نمبر......٦

قید حیات بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

......امین !

سب سے اوّل معافی چاہتا ہوں متعلق اس امر کے کہ اگر کچھ لغویات بے اختیارانہ قلم سے ٹپک پڑیں۔ کیونکہ اس وقت دل کی دھڑکن کی رفتار اگر ۳۰۰ نہیں، تو دوسو پچاس سے تو کسی صورت میں بھی کم نہیں اور ایسی حالت میں بے اختیار پین اٹھالیا اور آپ کو لکھنے بیٹھ گیا۔

مختصراً جج کو جانے کے اسباب عرض کرونگا کہ بیمار ہوگیا۔ جگر کی سمجھیں یا گردے کی ڈاکٹر بھی نہیں جان سکتا ہے اور آج کل ڈلہوزی میں مقیم ہوں۔ بخُدا! تم کو دوست نہیں کہا جا سکتا۔ کیوں نہیں کہا جا سکتا؟ اس سے بھی لاعلم ہوں۔

اچھا آپ اپنے دماغ سے کام لیں یا کسی فلسفی دوست سے استصواب کر کے مجھے لکھیں کہ مجھے کیا ہوگیا ہے۔ میں لکھ نہیں سکتا۔ پڑھ بھی نہیں سکتا۔ قیام گاہ پر مسلسل آدھے گھنٹے بیٹھنے سے یہ حالت ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ دو تنومند جوان گلا اور سینہ دبا رہے ہیں۔ معاذ اللہ!

اچھا ایک تو بعد مطالعہ خط مضحکہ نہ اڑانا۔ کیونکہ یہ خط شریفانہ نہیں، بلکہ بالکل صحیح کیفیات قلبی کا نامکمل خاکہ ہے۔ اس لئے بجائے ہنسنے کے اگر ہو سکے رولیں تھوڑا ہی کیوں نہ سہی۔

مجھے یہ بھی علم نہیں کہ میں کب تک یہاں ہوں اور کب کہاں جاؤں گا۔ ارشاد معالج تو یہ ہے کہ چندے دن اور یہاں قیام ''نمائی'' صحت کا باعث ہوگی۔ مگر!

سمجھتا ہوں کیا ضمیر تلوں شعار کو

کیا اگر عالم اضطراب کی حرکت مجھے (خدانخواستہ) علی گڑھ کھینچ لائے۔ آپ کے ایام امتحان کی تقریب میں وہ موجودگی مخل تو نہیں ہوگی؟ اگر۔ اگر نہیں جب کچھ عرصہ کے لئے فارغ ہو جاؤ، تو مجھے اطلاع دو اور تیار ہو جاؤ کہ کشمیر کی

سیر جموں سے پیدل تا کشمیر کریں، ممکن ہے اس صورت میں اصلی حالت پر آ سکوں اور آپ علاوہ سیر کے ''حق محبت'' سے آزاد ہو جائیں۔ کیونکہ میری تیمار داری اگر آپ کا فرض نہیں تو سنت واجب تو ہے ہی۔ اچھا بھائی معاف کریں میرے جنوں کی کرشمہ سازیوں کو۔

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

الراقم:

میں ہوں اپنی شکست کی آواز

عزیزؔ

حوالہ جات:

سالنامہ الحنیف جیکب آباد، ص۔50۔ ماہ فروری 1937ء

ماہنامہ حقیقت، سبی۔ص۔5۔ 25 مئی 1956ء جلد 6 شمارہ 9

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی، ص۔65۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۷

بھائی امین!

نوشتہ ملا۔شکریہ۔آج عید ہے۔ہم بستر میں لیٹے ہوئے مزدور تحریک کی سوچ میں عید منا رہے ہیں اور بستر کے دائیں جانب کارل مارکس کی The Capital پڑی ہوئی ہے۔آپ کے خیالات آپ کی نگاہ حسن نگر کی دلیل ہیں، ورنہ علاوہ اس کے کچھ نہیں۔کہ ایک مضطرب دل ہے،اور بس محبت پر مر مٹنے والے نثار ہونے والا جگر،غرور و رعونت کے سامنے تن جانے والا دل،شہنشاہ انگلشیہ سے بھی زیادہ مغرور۔بس یہی ہے ہماری کائنات۔

علی گڑھ آؤنگا،ضرور آؤں گا کب؟ یہ میں بھی نہیں جانتا۔دل ایک کام بہت آج کر د صاحب مجھ سے بہت ناراض ہورہے ہیں۔آزاد میں ایک طویل غصہ بھرا مضمون شائع کرنے کے علاوہ ایک لمبا مکتوب بھی کل ان کا وارد ہوا ہے۔جس میں اخباری مضمون سے زیادہ برسے ہیں۔قصور یہ ہے کہ میں لوکل ملازمتی تحریک کی موجودہ صورت کو پسند نہیں کرتا۔میں نے ایک مختصر جواب دیا ہے جو ۱۸ کے آزاد میں شائع ہوا ہے۔بس آج خاموش رہونگا اور اس مسئلہ پر اور بولنے کا ارادہ نہیں۔۱۸ کے آزاد میں صفحہ اول پر''ماہ تمام''کے عنوان سے ایک نظم ہے ضرور مطالعہ کیجئے۔اگر پسند آئے تو داد دیجئے۔

عزیز بلوچ

حوالہ جات:

سالنامہ الحنیف جیکب آباد ص۔51 ماہ فروری 1937ء

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی ص۔64 جون 1978ء

مکتوب نمبر......۸

امین بھائی!

آپ کے خطوط کی حلاوت نے شیکسپیئر کے دیکھنے اور سننے کی تمنا کے لئے باقی جگہ نہیں چھوڑی۔

اللہ کرے زور رقم اور زیادہ

آپ کو معلوم ہے آج کل ایبٹ آباد میں ہوں۔ کل یہاں پہنچا ہوں۔ ٹیکسی سے اترتے ہی قلّی کو کاندھوں پر سامان لدوایا اور مُردہ بدست زندہ کی مثال قلّی کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ خوش قسمتی دیکھئے! عین وسط بازار میں ایک دیدہ زیب ہوٹل میں قلی کی رفتار مدہم ہوئی۔ رسمی معاملہ فہمی کے بعد ہمیں ایک کمرہ نما معہ سامان پہنچا دیا گیا۔ طوعاً کرعاً خاموش رہنا پڑا کہ مالک ہوٹل کو ضرور ہماری جنٹلمینی اور سفید پوشی کا خیال ہوگا اور تھوڑی دیر میں ہمارے لئے تمام مکمل انتظامات ہو جائیں گے۔ مگر!

اے بسا آرزو کے خاک شدہ

ہوٹل کیا تھا، ایک مکمل قہوہ خانہ اور حقہ گھر۔ جدھر دیکھو دھواں دھار۔ ہرک سے کوئٹہ جاتے ہوئے جب گاڑی کو دو انجن آگے اور پیچھے لگ جاتے ہیں اور جو دھواں اٹھتا ہے اس کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ مگر!

قہر درویش بر جان درویش

ہوٹل تو رہا درکنار، ہمارا کمرہ نما ایک ننھا سا حقہ گھر بن گیا۔ کچھ تو طیش میں، اور کچھ اپنی خفت مٹانے تہہ خانہ چل دیا۔ بغرض حصول ڈاک۔

ڈاک خانہ ایبٹ آباد کو سوراج بھون کہنا بے جا نہ ہوگا۔ ہر ایک کلرک سے لے کر ڈپٹی پوسٹ ماسٹر، پوسٹ ماسٹر تک گورنر جنرل بنے ہوئے ہیں نہ سوال کا جواب نہ وقت کا تعین۔ الغرض ہوتے ہوتے بارہ بجے جواب ملا۔ کہ (no any thing for you)۔ بے رنگ اپنے رنگ میں مست چل دیئے۔ خراماں خراماں ہوٹل کو۔ واللہ اعلم۔ بارہ بج گئے تھے، اس کے اثر سے یا کسی اور وجہ سے اب غل غپاڑہ کم تھا۔ تھکاوٹ اور طیش و غصہ کے مشترکہ اثرات کے تحت سونے کے لئے بستر بچھایا اور چل پڑے کسی اور جہاں کو۔ آنکھ کھلی اور اپنی تازہ خریدی ہوئی ۳۷ روپے کی ویسٹرن واچ پر نظر ڈالی تو ایک بج رہا تھا۔ عین میرے کمرہ کے دروازہ سے تا اختتام برآمدہ ایک منظّم جماعت حقہ بازی میں مصروف تھی۔ مایوسی اور دل شکنی کی حالت میں کہتے ہیں کہ بے اختیارانہ یا تو ہنسی آجایا کرتی ہے یا مذہبی جذبات کے زیر اثر آسمان کی طرف نظر جاتی ہے۔ چونکہ ہم قدرے مذہبی آدمی ہیں۔ اس لئے موخر الذکر اصول پر حامل ہوتے۔ تو آسمان اور میرے سر کے درمیان پہلے تو صرف کمرہ نما چھت حائل تھی، مگر اب دھوئیں کی ایک اور چھت نظر آرہی تھی۔

بلاتحاشہ اٹھے اور چل دیئے۔ نیچے کی طرف مالک سمجھو یا منیجر سمجھو ہوٹل کے، ان سے گلو گیر لہجہ میں عرض پرداز ہوئے کہ بھلا آخر کس قصور کی سزا ہم کو دی جارہی ہے۔ سینکڑوں میل کا سفر کر کے آئے تو بغرض صحت بنانے اور یہاں ہے کہ ایک بیمار بنانے کے ہوٹل سے سابقہ پڑا۔ بخدا ہمیں بتائیے کوئی اور ہوٹل بھی ہے اس دیس میں؟ امین صاحب! سوچو کیا جواب ملا ہوگا؟ وہی جو ہونا چاہیئے۔

ناواقفیت سچ مچ ایک قہر ہی ہے۔

مالک سے غسل کرنے کے کمرے کے متعلق دریافت کیا۔ تو جواب ملا کہ یہاں سے آدھے میل پر مسجد ہے۔ وہاں ہی پانی میسر ہوسکتا ہے۔

یک نہ شد دوشد۔ تولیہ لیا، چل پڑے مسجد کو غسل کیا۔ وہاں نماز ادا کی اور تولیہ سر کے نیچے دے کر سو گئے اوپر چٹائیوں کے۔

عجیب وغریب خیالات کا تواتر تھا۔ ۷ بجے واپس لوٹے تو وہی حالت اور ہم۔ اب ہم نے تہیہ کر لیا تھا کہ جو کچھ ہو جائے آج کی رات گزر جائے، کل کوئی مکان کرائے کا لیں گے۔ اور سات آٹھ روپے والا کوئی عارضی نوکر روٹی پکانے اور پانی لانے کے لئے رکھیں گے۔ بس دس پندرہ منٹ کمرہ نما میں ٹھہرے اور پھر سیر کو چل دیئے۔ سینما ہاؤس گئے، بلوا منگل کا کھیل تھا۔ بارہا پہلے یہ کھیل دیکھ چکا تھا۔ اس لئے باہر سے ہی واپس ہوئے۔ اب شہر کے اردگرد چکر لگانے شروع کئے۔

بخدا امین! سچ مانئے کہ یہ ایبٹ آباد اس مادی دنیا میں اپنی خوش موسمی اور مکینوں کی خوش رنگی کی وجہ سے مادی جنت ہے۔

یہاں کے باشندوں کی صحت نہایت ہی اعلیٰ ہے۔ آنکھ نے اگرچہ سینکڑوں شہریت انداز پیکروں کا جائزہ کیا۔ مگر کوئی قابل ذکر غیر معمولی واقعے سے سابقہ نہ پڑا۔ اس ایک دن میں ہی میں نے محسوس کیا کہ یہاں کے باشندے حد درجہ ملنسار، مہمان نواز آدمی ہیں۔ سوائے میرے کمرہ نما کے مالک کے ساڑھے آٹھ بجے ہوٹل پہنچے۔ تو وہی حالت ہمارا کمرہ نما اور ہوٹل ایک جنت الحمقا (احمقوں کی جنت) بنا ہوا تھا۔ قسم قسم کی بولیاں، قسم قسم کے قہقے، قسم قسم کے حقے کی آوازیں الغرض جنت الحمقا کی تمام تعریفیں بیک وقت موجود تھیں اور زوروں پر تھیں۔ ہم نے وعدہ کر لیا تھا کہ کھانا نہیں کھائیں گے جب تک اس حالت میں ہیں۔ یعنی یہ ایک طرح ہمارا ''ستہ گرہ'' تھا۔ آنکھیں بند کر کے سو گئے۔ مگر اس غل غپاڑہ میں نیند کہاں۔ کوئی بارہ بجے کے قریب ''جنت الحمقا'' کے اراکین رخصت ہونے لگے اور تقریباً دو درجن انسان نما ہماری چارپائی کے اردگرد چارپائیوں پر لیٹ گئے۔ کوئی ایک دو بجے موسیقی کا وہ زیروبم، اتار و چڑھاؤ تھا ہمارے کمرہ نما میں کہ:

کسی بُت کدے میں بیان کروں تو صنم بھی کہدے ہری ہری۔

لطف تو یہ ہے کہ یہ تمام موسیقی بغیر کسی سازو سامان کے تھی اور یہ آواز حلق سے نہ تھی جاگے ہوئے، سنبھلے ہوئے۔ آدمیوں سے نہ تھی بلکہ ناک سے سوئے ہوئے آدمی ناک سے ترنم ریز تھے۔ ماچس جلا کر گھڑی پر نظر ڈالی تو دو بجے کا عمل تھا۔ خیال آیا کہ چار پائی اٹھا کر نیچے سڑک پر ڈال دوں۔ اس خیال سے اٹھا اور بند دروازوں کو دھکیلا۔ تو وہ بھی بند۔ این ہم نہ شد کہہ کر بستر پر گرے۔ پھر کوئی علم نہ تھا۔ چھ بجے آنکھ کھلی تو ایک حضرت داڑھی نما ہمارے سر کی طرف ایک چار پائی پر حقہ پی رہے تھے۔ ہم بھی لاحول کہتے ہوئے شریک ہوگئے اور پھر نیچے اترے۔ شکر ہے کہ اب دروازہ کھلا ہوا تھا۔ لاریوں کے اڈے پر آ گئے اور لگے تلاش کرنے کل والے قلیوں کو۔ معمولی جدوجہد کے بعد دونوں مل گئے۔ ان کو کُو سنا شروع کیا۔ کہ تم ایسے ویسے آدمی! ہم معزز اور شریف آدمی ہیں۔ ہمیں کوئی اچھا ہوٹل چاہئے معمولی کش مکش کے بعد ہم تینوں کی مشترکہ تلاش پر اسی سڑک پر ایک بورڈ نظر آیا۔ تو باچھیں کھل گئیں، خوشی کے مارے اندر گئے۔ منیجر سے معاملات طے کئے۔ جو تین روپے چوبیس گھنٹے کرایہ پر آخری اور نادر شاہی فیصلہ تھا۔ ہمارے نئے منیجر نے کمرہ کھلوایا طبیعت شاد ہوگئی کہ اب ہم واپسی پر امین صاحب سے ایک ایسی کشتی لڑ سکنے کے قابل ہونگے کہ اس کی ساری بلوچیت دھری کی دھری رہ جائیگی۔

جلد جا کر سامان اُٹھوایا اور ''جنت الحمقا'' کے منیجر سے معمولی رسمی معذرت کی اور چل دیئے۔

مجھے یہاں اس ہوٹل میں آئے ہوئے اب کوئی ایک گھنٹہ ہوا ہوگا اور آپ کو اپنی کہانی لکھنے بیٹھا ہوں۔

اچھا اب اصل معاملہ سنو! تم نے میرے تار کا جواب تک نہیں دیا۔ بلا کا زور ہضم معدہ رکھتے ہو۔ ایسے سنسان مقام پر بھلا ایک ہفتے سے زیادہ کیسے رہ سکتا ہوں۔ کیا تم اب بھی اپنی ضد پر قائم ہو؟ مانا کہ تم غیور ہو، خود دار ہو۔ امین! میں بھی تو تیرا دوست ہوں اور جانثار ہوں۔

آپ کا محمد یوسف علی عزیزؔ

ایبٹ آباد

حوالہ جات:

سالنامہ الحنیف جیکب آباد، ص۔52۔ ماہ فروری 1937ء

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی، ص۔67۔ ماہ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۹

اللہ اکبر

بھائی امین صاحب!

وعلیکم السلام۔ آپ کا عنایت نامہ ملا

شکریہ

آپ کے جذبات واحساسات کی جوادنیٰ سی جھلک آپ کے مراسلے میں تھی، میری مسرت کے لئے وہ بس کافی ہے۔

تحریک کے مستقبل اورحکومت کی سراسیمگی کے باعث برادران وطن کے نشہ وطنیت کی شکست کا خوف، جسے آپ نے ظاہر فرمایاہے۔اولاً تو اس نشے کونشہ تعبیر کرنے میں اعتراض ہے۔

جان برادر! یہ نشہ وطنیت کانہیں بلکہ وہ نشہ ہے جس کے پینے سے ہزاروں وطنی نشے کافور ہوسکتے ہیں اور وہ ہے نشہ ''حق وصداقت''۔بس جب معاملہ ہے حق وصداقت کا تو اس کے انحطاط کا خوف اور مستقبل کا ڈر ہمیں کیوں؟

اگر یہ حقیقت ہے کہ آگ کا خاصہ ہے جلانا، جس کے بجھانے کے لئے اگر اشرفیوں کا ڈھیر لگا دیا جائے اوراس سے لا تعداد فوج بھرتی کی جائے اور ہر ایک سپاہی کے ہاتھ میں رائفل اور شمشیر دے کراس آگ پرحملہ کرنے کاحکم دیا جائے تو بھی وہ اس کے دسویں حصے کی خاصیت کو مٹانے پر قادرنہیں ہوسکتے، تو اس سے زیادہ مستحکم اور مضبوط حقیقت یہ ہے کہ حق وصداقت کا خاصہ ہے'' کامیابی'' کوئی حکومت اورکوئی شہنشاہیت معہ اپنے نوابوں، سروں کے اس کو فنا کرنے کا تہیہ کر لے۔تو بھی جب تک وہ حق وصداقت ہے، اپنا خاصہ نہیں بدل سکتی۔

پس یہ معاملہ ہے اللہ کا اور اس کی بھٹکی ہوئی مخلوق کا، وہ آپس میں نپٹ لیں گے۔ ہمارا صرف فرض ہے دامن حق و صداقت کو مضبوطی سے تھامتے رہنا۔ مجھے اس کا احساس ہے کہ عارضی وقت کے لئے ہمارے ضعیف ایمان کے ورثہ دار بھائی، جن میں بعض کے گھبرا جانے کا اندیشہ ہے اور بعض کے قوت باطلہ کا ساتھ دینے کا خوف، تاہم نتیجہ تو کسی مجبور بندے کے ہاتھ میں نہیں۔ آخری فیصلہ تو وہی ہے جو اللہ کرتا ہے۔ آپ یقین رکھیں۔ ہمارے عقیدے میں نفرت اور غصہ ہرگز نہیں۔ ہمیں تو اپنے مقاصد سے لڑنے والوں کے ساتھ پوری ہمدردی اور محبت ہے اور یہی دعا ہے کہ گم کردہ راہ جب برق ہدایت کی ایک ہی چمک سے راہ پر آسکتے ہیں تو قدوس مطلق کو تامل اس میں کیوں ہوا۔

رہا مسئلہ تصادم کا، اس کا جواب میری استعداد سے باہر ہے اور نہ مجھے اس پر قدرت ہے ارادہ نہیں، شوق نہیں لیکن اگر قادر کلیم و علیم کو اس میں ہی بہتری نظر آئے تو پھر ہمارے لئے کوئی چارہ نہیں۔ سوائے اس کے کہ حکم کی تعمیل کریں۔

آج شام کو سبی روانہ ہوں گا۔ مابعد کے حالات وہاں سے عرض کروں گا۔ دعا فرمائیں کہ مجھ سے وہ کچھ سرزد ہو جو حق کو پسند اور اس کی منشا کا نتیجہ ہو۔

مسئولہ کتب کے متعلق بلوچستان سے پتہ لگے گا۔

بندہ محمد یوسف علی عزیز

حوالہ جات:

سالنامہ الحنیف جیکب آباد، ص۔55۔ ماہ فروری 1937ء

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی، ص۔72۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۱۰

بھائی امین !

وعلیکم السلام ! مراسلہ اخبار اور نوازش نامہ ملا

شکریہ

آپ شاکی ہیں میری غفلت کے، میں شاکی ہوں اپنی بے بضاعتیوں کا، اس لئے معاملہ برابر کا ہے۔ بہر حال میں غلطی کو تسلیم کرتے ہوئے معافی چاہتا ہوں۔ یہ آپ کا کام ہے کہ میری اس قسم کی غلطیوں سے درگزر کیا جائے آئندہ کے لئے بھی۔ میرا مفصّل حال کیا پوچھتے ہیں۔ ایک دور امتحان سے گزر رہا ہوں۔

اور اللہ پاک سے ہی ہدایات کا طالب ہوں۔

دو ہفتے انتظار کریں یا خود آؤنگا یا مفصل اطلاع دونگا۔ فقط سب کو سلام۔ ایک بات خاص یہ ہے کہ ''وائٹ پیپر'' پر بلوچستانیوں اور بلوچوں کی خاموشی سخت بدنتائج کی حامل ہے۔

خدارا کروٹ لیجئے اور پھر ہفتہ دو ہفتہ اخبارات میں اس کے خلاف لکھیئے۔

آپکا

عزیزؔ

حوالہ جات:

سالنامہ الحنیف جیکب آباد، ص۔56۔ ماہ فروری 1937ء

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی، ص 63۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۱۱

سوداس خمار عشق میں خسرو سے کوہ کن
بازی اگرچہ پانہ سکا، سو تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ ! تجھ سے تو یہ بھی نہ ہوسکا

بھائی امین !

اللہ قادر ہمارے قدموں کو صراطِ مستقیم پر ثابت رکھے۔

السلام وعلیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔آپ کا عنایت نامہ ملا

شکریہ

جناب کے والدمحترم نے بندہ کوایک تحریرلکھی ہے کہ بندہ آپ کواخباروں میں مضمون نویسی سے منع کرے۔میں حیران ہوں کہ کیا کروں۔اگرتعمیل کرتاہوں توترغیب کتمان حق کے جرم عظیم کا مرتکب ہوتاہوں اوراگرنہیں کرتا تو اپنے پیارے دوست کے پیارے باپ کو ناراض ہونے کا موقع دیتا ہوں۔فریضہ عظیمہ 'دفاع' کی اہمیت کے متعلق ایک روایت عرض ہے کہ ہجرت کے نویں سال آنحضرتﷺ کوخبرملی کہ رومیوں کی فوج مسلمانوں پرحملہ کرنے کے لئے اکٹھے ہورہی ہے۔یہ سن کر آپﷺ نے بھی تیاری کا حکم دیا اوربیس ہزارمجاہدین کے ساتھ مدینے سے کوچ کر دیا چونکہ یہ فوج بڑی تھی اورتنگ دستی اور بے سروسامانی کی حالت میں نکلی تھی۔اٹھارہ آدمیوں کے حصے میں ایک سواری آتی تھی جنگل کے پتے کھا کرمجاہدین نے گزارہ کیا تھا۔اس لئے اس فوج کا نام''جیش العسرۃ'' مشہورہوا۔

[illegible] نبی صلعم) کا ساتھ دیا (سورۃ توبہ، آیتہً ۱۱۷)

حضرت ابوبکرؓ نے اس دفاع کے لئے اپنا تمام مال ومتاع پیش کر دیا تھا جب ان سے پوچھا گیا کہ 'ماالقیت لاہلک' عربی رسم الخط (اپنے اہل وعیال کے لئے کیا رکھا) تو اس پیکرایمان ومجسمہ عشق نے جواب دیا کہ''القیت لھم اللہ ورسولہ''عربی رسم الخط (ان کے لئے اللہ اوراس کا رسول کا نام رکھا ہے)

آنکس کہ ترا بخواست جاں راچہ کند
فرزند و عیال و خان و ماں را چہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش می بخشی
دیوانہ تو ہر دو جہاں راچہ کند

تبوک نامی مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی دلیرانہ تیاریوں سے مرعوب ہوکر رومیوں کے حوصلے پست ہوگئے اور فوجیں منتشر ہوگئیں ۔ آپ ﷺ نے ایک ماہ قیام فرمایا اور مدینہ واپس آ گئے ۔ اس دفاع میں بجز منافقین کے تمام مسلمان شریک ہوئے تھے ۔ صرف یہ مسلمان نہ جا سکے کعب بن مالک' بلال ابن آسیہ، مراد بن الربیع ۔ کعب بن مالک سابقین انصار میں سے ہیں اوران تین سابقین اولین میں سے ہیں جو عقبہ کی بیعت میں حاضر ہوئے تھے ۔

ان کا شریک نہ ہونا کسی بری نیت سے نہ تھا ۔ سستی اور کاہلی کے باعث فوج کے ساتھ ملنے کا موقع نکل گیا ۔ بہ ایں ہمہ یہ مجاہد اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی نظروں میں اس درجہ اہم ہیں کہ اتنی سستی اور کاہلی میں سخت جرم قرار پائی ۔ معذرت کے لئے حاضر ہوئے تو توبہ قبول نہ ہوئی ۔ حکم ہوا کہ گھر میں بیٹھو اور وحی کا انتظار کرو ۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تمام تعلقات ان سے ترک کر دیں ۔ پھران کی بیبیوں کو حکم ملا کہ وہ بھی الگ ہو جائیں اوران سے کوئی بھی واسطہ نہ رکھیں ۔ غسان کے عیسائی بادشاہ نے یہ حال سنا تو بہت خوش ہوا اور کعب کے نام اس مضمون کا خط لکھا کہ تمہارے آقا نے تمہاری ساری خدمتوں کا جو معاوضہ دیا ہے وہ دیکھ چکے ہو ۔ اب میرے پاس چلے آؤ ۔ دیکھو یہاں تمہاری کیسی عزت ہوتی ہے، کعب بن مالک کو خط پہنچا تو ایلچی کے سامنے آگ میں پھونک دیا اور کہا '' جواب میں کہہ دینا ہم نے جس آقا کی چوکھٹ پر سر رکھا ہے اس کی گہرائیوں اور دلربائیوں کا حال تمہیں کیا معلوم ۔ اس کے بے التفاتی بھی دوسروں کی محبت سے ہزار درجہ بہتر ہے ۔ ان مومنین صادق کی آزمائش پورے پچاس دن تک رہی ۔ بالاخر سورۃ توبہ کی مشہور آیت نازل ہوئی اور توبہ قبول ہوئی ۔

سمجھے بھائی امین فرض دفاع کی اہمیت ۔ حملہ وہجوم کی صورت میں ایسا نہیں ، ایک جماعت کے جہاد سے (جہاد کے معنی کمال تندہی سے راہ حق میں سعی کرنا) دوسرے مسلمان ہو سکتے ہیں ، مگر جب غیر مسلموں کی جماعت مسلمانوں کو کمزور پا کر مسلمانوں کے ملک یا حکومت یا آبادی پر قبضہ کرنا چاہتی ہو یا ایسی صورت درپیش آئے کہ غیر مسلموں کے ہاتھوں ، مسلمانوں کی

عزت و ناموس و ملک تباہ ہوا چاہتی ہو تو اس وقت دفاع کے لئے اٹھ کر کھڑا ہو جانا سب پر فرض ہے۔ بچوں اور معذوروں کو چھوڑ کر باقی سب پر اس فرض کا اطلاق عائد ہوتا ہے۔ ماں، باپ، بہن، بیوی بچے رشتے ناطے اپنی اپنی جگہ سب کے حق ہیں، لیکن خدا اور اس کی سچائی کا حق سب سے بڑا حق ہے۔

یعنی ''اگر تمہارے والدین، تمہاری اولادیں، بھائی بہن، بیویاں، تمہارے خاندان کے تمام رشتے دار اور یہ مال و متاع جو تم نے کمایا ہے اور یہ کاروبار تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو، یہ تمہارے رہنے کے محل، جن میں تمہارا دل لگا ہوا ہے۔ اگر تمہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں اور تمہارے پاؤں ان زنجیروں سے بندھ گئے ہیں کہ اللہ کی پکار بھی انہیں نہیں ہلا سکتی تو جان لو کہ اللہ کا کام بھی تمہارا محتاج نہیں۔ نتائج کا انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ دے دے۔ اللہ کا قانون ہے کہ وہ نافرمان پر کامیابی کی راہ نہیں کھولتا'' کیا آپ کو اس امر کے تسلیم کرنے سے انکار ہے کہ اس وقت جہاد ''دفاع''، یعنی Defensive ہے اگر نہیں تو پھر قطعیت فرض بھی معلوم! میرا خیال ہے کہ مجھ سے زیادہ آپ ان فرائض کو محسوس کرتے ہوں گے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ جوش تکمیل فرض میں شامل ہونے کے لئے کوئی ایسی راہ اختیار کریں جو دوسروں راہوں کی بہ نسبت کم پسندیدہ ہو۔ مثلاً اپنے والد کو مل کر یہ دلائل اور خدا کی کتاب کے حکم کی روشنی میں سمجھا کر اپنی اجازت پر راضی کر لینے کی بہ نسبت بغیر صلے اور سمجھانے کے میدان میں کود پڑو، اگرچہ وہ بے اختیار کودنا بھی اللہ کے نزدیک قابل صد ہزار ستائش ہے اور تیری ہزار سالوں کی تسبیح گردانی اس ایک لمحے کا اجر حاصل نہیں کر سکتی جو جہاد فی سبیل اللہ میں ایک گھنٹہ انتظار کرنے کے بعد بغیر جہاد میں شریک ہوئے خدانخواستہ تیری موت آ جائے۔ خوش ہے وہ رات جو انتظار میں کٹے، خوش ہے وہ دن جو ان باتوں میں گزرے، خوش قسمت ہے وہ قوم جو اس انتظار میں گرد آلود ہو، خوش نصیب ہے وہ آدمی جو اس انتظار میں مر جائے۔ مگر جب ایک دوسرا راستہ موجود ہے، یعنی امکان ہے کہ آپ کے والد آپ کی ملاقات اور سمجھانے اور اپنے مقاصد معصوم و مقدس بتلانے پر خوشی سے آپ کو اجازت دیں تو کیوں دوسرا راستہ اختیار کیا جائے۔

کاش! آپ ہوتے تو آپ کو اس امر کی نسبت قرآن حکیم کی اس وقت چالیس سے زائد آیتیں اور حدیث کی پچاس سے زیادہ روایتیں جو اس وقت میرے سامنے کھلی پڑی ہیں، دکھاتا، آپ کو امام احمد بن حنبل کے واقعات، غیر محدود دعوت یاد ہوں گے کہ تازیانے کی ہر ضرب کے ساتھ '' قرآن غیر مخلوق'' کی صدا بلند ہوتی تھی۔ اگرچہ شریعت نے ایسی صورتوں میں رخصت دی ہے کہ حفظ جان کی خاطر جابر و ظالم حاکم کا کہا مان لیا جائے۔ مگر یہ شرعی حیلے اور رخصتیں تو ان کے لئے ہیں جو بچنا چاہیں سزائے عشق سے، لیکن صاحب عزیمت و دعوت تو اسی رخصت کو حکمت کی موت اور ایمان کی تباہی کے مترادف سمجھتا ہے

اور وہ مجتہد وقت اور خالق زمانہ ہوتا ہے۔ وہ زمانے کی مخلوق نہیں ہوتا بلکہ وہ زمانے اور وقت کو مجبور کرتا ہے کہ اس کا ساتھ دیں وہ فرشتوں کو اپنے ساتھ لیتا ہے۔ زمین ناموافق ہو تو آسمان کو اترنے کا حکم دیتا ہے اور اگر آدمی ساتھ نہیں ہوتا تو فرشتوں کو چیخنے کو کہتا ہے۔ **واللہ اعلم بالصواب......**

میری خرافات سے اگر رنجش محسوس ہو تو معاف کیا جائے،

کبھی دیوانے کی بکواس سننا بھی اچھا ہوتا ہے۔

بدقسمت بلوچستان کا ایک بدنصیب مسلمان

عزیزؔ

حوالہ جات:

سالنامہ الحنیف جیکب آباد۔ص۔46۔ ماہ فروری 1937ء

ماہنامہ حقیقت، سبی۔ص۔5، 25/مئی 1956ء جلد 6 شمارہ 9

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی۔ص۔76۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۱۲

۳۱۔۱۲۔۱۸ (ٹرین میں)

برادرم امین!

وعلیکم السلام......آپ کا خط مجھے کل ملا۔ ایک مقام پر قیام نہ ہونے کی وجہ سے میری ڈاک بھی لامقام ہوتی ہے۔ ''زمیندار'' میں ''انجمن متعلمین بلوچی علی گڑھ'' کی طرف سے مگسی معاملے پر اظہار ہمدردی نظر سے گزرا۔ آپ کی یاد تازہ ہوگئی۔ شکریہ۔

جدید خان آف قلات کی چھٹی آئی ہے کہ ہم وہاں جا کر اپنے مطالبات ان کے حضور پیش کریں۔ ۲۲ کو جانے کا ارادہ ہے۔ مگر معلوم ہورہا ہے کہ بصورت عدم فیصلہ ممکن ہے کہ ہماری آزادی وہاں سلب کر لی جائے۔ بہرحال اب تک اندھیرے میں ہیں۔ جانا تو ضرور پڑے گا۔ بفضل خدا کامیابی کے اچھے مرحلے تک پہنچ چکے ہیں۔ یہ خط ٹرین کے ہچکولوں میں لکھ رہا ہوں۔ آپ کے نیک مشورہ ''احتیاط'' کا شکریہ۔ مگر یاد رکھیں کہ:

اگر تیغِ عالم بہ جنبد ز جائے
نہ برد رگے تا نہ برد خدائے

آپ کا بھائی

ایم۔ یوسف علی مگسی

حوالہ:

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی۔ ص۔35۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۱۳۰

اللہ اکبر

سندھی شیکسپیئر یعنی امین بھائی!

تمہاری دلچسپیوں کا مرقع ملا۔ واقعی تم قابل ڈراماٹسٹ بن جاؤ گے۔ اگر واقعات حق میں رہے تو۔

آپ کو پچھلے دنوں ''زمیندار'' کی چند کاپیاں بھیجی تھیں۔ جن سے میرا مقصد اشاعت تھا، تا کہ میری نالہ فشانی کسی کو میرا ہمنوا بنا سکے۔ روتا ہوں کہ اوروں کو رلاؤں۔ اگر کسی بھائی نے اس اشاعت سے کچھ اور معنی سمجھے ہیں تو اسے خدا سمجھائے۔

میں کوئٹہ کیوں نہیں آتا؟ واقعی عجیب سوال ہے۔ احباب کا ایک فرقہ میرا شاکی ہے۔ کہ ''میں کوئٹہ کیوں نہیں آتا؟'' دیگر فرقہ نوحہ بلب ہے کہ ''میری آوارہ گردی سے آخر میرا مقصد کیا ہے؟'' حقیقت تو یہ ہے کہ میں خود حیران ہوں۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ میرا خیال ہے کہ میں اچھا کر رہا ہوں۔ اگر آپ ایسا نہیں سمجھتے تو آئیں اور مجھے لے جائیں۔ کیا آپ ''پھر پری خانہ'' بنا رکھا ہے۔ ہم نے اپنے ''زندان کو'' کے زیر عنوان میرا کوئی خط دیکھنا چاہتے ہیں؟ میں اس سے گھبراتا نہیں۔ میں اس کا، اگر خدا نے چاہا۔ شاندار خیر مقدم کرنے سے نہ ہچکچاؤں گا۔ مگر ابھی نہیں۔

وقت آنے دے بتا دیں گے تجھے اے......

ہم ابھی سے کیا بتائیں کیا ہمارے دل میں ہے

تمہاری خودداری یا استغنا اب ضدیت اور روکھی پھیکی علیگیت کا جامہ اختیار کر رہی ہے۔ اچھا بھائی، مت آئیں اور ہماری پہلی غلطی کو معاف فرمائیں۔

اگر یہی لیل و نہار رہے اور یہی حالت ہے تو کیا میں آپ کی تیاری اور انتظام پاسپورٹ وغیرہ کی طرف سے مایوس نہ ہو جاؤں؟ ایک پیکٹ ''سیرت'' جس میں کچھ انگریزی اور کچھ اردو کاپیاں ہیں۔ بغرض اشاعت بھیج رہا ہوں۔ اب طبیعت......

عزیزؔ

(پتہ:۔ بمطالعہ برادرم محمد امین خان کھوسہ بلوچ، ۲۵ میرس ہوٹل، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ یوپی)

اس خط کے لفافے پر محمد امین خان کھوسہ صاحب نے وصول کرنے کی تاریخ ۲۰ دسمبر ۱۹۳۱ء لکھی ہے۔

حوالہ:

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی، ص۔ 36۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۱۴

پنجگور (بلوچستان)

۱۴۔۲۔۳۲

پیارے بھائی امین!

وعلیکم السلام!

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

آپ کے متعدد خطوط، جن میں سے ہر ایک بجائے خود...... تھا عین اس حالت میں جب کہ دنیاوی دھندوں سے بالکل اکتا کر آپے سے باہر ہونے کی نوبت پہنچ جاتی، موصول ہوتے رہے اور میں ان سے تسکین حاصل کرتا رہا۔

خوشامد نہیں اور نہ مجھے اس کی عادت ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ کے ہر ایک خط میں سے کوئی نہ کوئی سبق حاصل کرتا رہا ہوں اور گذشتہ ایام جدوجہد میں تباہی صحت کے بعد مرگ یا اس کی کسی قریبی منزل تک پہنچنا لازمی ہے۔ میری موجودہ صحت (زندگی) کے بقا میں آپ کے چٹکلے دار خطوط کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

قسم ہے آپ کی کہ ہم بھی کبھی ''ملا'' رموزی کے (استاد نہ سہی) ہم پایہ سمجھے جاتے تھے اور تین تین چار چار صفحات پر بلا دھڑک و بلا سوچے گلابی اردو کا آسمانی لہجہ لکھتے تھے اور تھکتے تھے ہی نہیں۔

احباب کے جوابی خطوط اس پر گواہ ہیں کہ ہم ''ملا'' رموزی (ننھے میاں کی والدہ کے بغیر) ہوتے جاتے ہیں۔ مگر کیا کیا جاوے اس غیر متوقع اور بے محل ایام شباب کی لیڈری کو جو ہمارا عندیہ دریافت کئے بغیر قضائے میرم کی طرح گلے پڑ گئی ہے اور جیل بھیجے یا سر کو زیب دار کئے بغیر پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ ہم جیسے کور ذوق آدمی بھلا منشائے فطرت یا مصلحت الٰہی کو کیا سمجھیں،

سوائے اس کے کہ مولانا اور لیڈر کے خطابات نے ہمارے شباب اور اس کے لوازمات (تاثرات نہیں) کا خون کر دیا ہے۔امین بھائی! بخدامجھ سے زیادہ آپ میں لیڈر یا مولانا بننے کی اہلیت ہے۔ کہیے۔ یہ سودا منظور ہے؟ ماتم شباب کا ایک ننھا سا گیت، جو آج کل ہمارے وردزبان ہے، سناتا ہوں۔

یاد ایامیکہ میں لیڈر نہ تھا

آج بمشکل فرصت نکالی ہے۔ وہ بھی اس طرح کہ خیمے میں بیٹھا ہوا ہوں اور بیرونش ۵۰۰ سے زئد کا مجمع ہمارے درشنوں کا مشتاق، تمنائے دیدار میں ''اُباسیاں'' (میں اس سندھی لفظ کو اس مقام پر موزوں سمجھتا ہوں) لے رہا ہے۔

اپنے قائم گنج والے دوست کی ستم ظریفی ملاحظہ فرمایئے کہ گویا اس وقت زمرۂ عشاق میں مجنوں کی حیثیت رکھتے ہیں اور اپنے سلام کی اہمیت کو اس طرح ظاہر فرماتے ہیں کہ ''یہ ہمارے سلام اپنے حسین ہونے کے سرٹیفکیٹ کی صورت میں نہ پیش کریں'' کیا یہ سچ ہے کہ جسے آپ کے مجنوں صاحب (میں اب انہیں مجنوں صاحب کے لقب سے خطاب کرتا رہوں گا) سلام لکھ دیں وہ (چاہے کس قدر سیاہ ہی کیوں نہ ہو) حسین وجمیل بن جاتا ہے۔اگر ایسا ہے تو موجودہ اقتصادی بدحالی سے رستگاری کا ایک نیا اور زریں موقع ہے۔یعنی اشتہارات کے ذریعے مشتہر کر دیا جائے کہ ''حسین بننے کے تمنائی ''لیڈیز اور لیڈاز'' بجائے کریم اور پوڈر وغیرہ پر ہزاروں روپے خرچ کرنے کے فی الفور ایک عدد سلام حضرت مسیح الملک چودھویں صدی کے مجنوں علامہ قائم گنجی سے بہ نرخ......طلب فرما کر حسین بن جائیں''۔

اگر فی سلام ایک روپیہ بھی رکھ دیں تو فرانس اور امریکہ کی تمام دولت ایک سال میں داخل ہندوستان ہوسکتی ہے۔وہ کام (یعنی اقتصادی خوشحالی) جسے برسوں میں گاندھی اور مولانا شوکت علی اینڈ وغیرہ حل نہ کر سکے بآسانی حل ہوجائے گا۔ جب روپیہ ہاتھ آ گیا تو اسلحہ خریدنا بھی سہل ہوجائے گا اور اس طرح علامہ اقبال کے خواب (ہندوستان میں اسلامی ریاست) کی تعمیر کا سہرا حضرت قائم گنجی کے سر مبارک پر آجائے گی اور مفت کی بے مشقت ضیغمیت اسلام بھی، مجنونیت بھی اور مسیح الملکی بھی۔

میں خود ان کو مفصل لکھتا مگر افسوس کہ کوئی حسین اپنے عاشق کی اس قدر جلد حوصلہ افزائی نہیں کر سکتا۔آپ انہیں نفس مضمون یا اصل خط سے آگاہ کیجئے اور لکھ دیجئے کہ :

''اے ناشناختہ چاہنے والے! یقین رکھ کہ حسن یوسف بے نیاز ہے۔ تیرے سلام کو بطور سرٹیفکیٹ پیش کرنے سے اور میرا حسن یہ ہے۔محبت نوع انسان''۔

اچھا اب آپ اور قائم گنجی حضرت دونوں معاف فرماویں۔

امین بھائی ! آپ کے ملنے کی کشش مجبور کر رہی ہے کہ علی گڑھ پہنچوں۔ اگر چاہا اللہ پاک نے تو پہنچ جائیں گے بیچ مارچ سال رواں کے۔

اپنے علی گڑھ اور علیگوں کو ایک سلام۔

خان قلات کو جو ایڈریس پیش کیا گیا تھا۔ وہ بھیجتا ہوں۔ دوسری ڈاک میں بلوچی ترانہ دیکھیں۔

عزیز

(پتہ :۔ برادرم محمد امین خان متعلم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مورس ہوسٹل نمبر ۵ علی گڑھ یو۔ پی)

(جناب محمد امین نے لفافے پر لکھا ہوا ہے ''سرداری اولین مرتبہ حاصل کرنے کے بعد کا خط اولین'' لفافے پر گول مہر لگی ہوئی ہے۔ جس کے مرکز میں ''مگسی بلوچ'' اور باہر ''نوابزادہ ایم یوسف علی خان'' بزبان انگریزی موجود ہے)

حوالہ :

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی، ص۔ 38۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۱۵

[illegible]

اللہ اکبر

دی شیخ با چراغ ہمے گشت گردِ شہر
کز دام و دد ملولم و انسانم آرزوست
زیں ہمرہانِ سست عناصر دلم گرفت
شیر خدا و رستم دستانم آرزوست
تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزوست
بامن میا کہ مسلک شبیرم آرزوست

بھائی امین !

سلام ہو تجھ پر۔ میرا ارادہ ہے کہ ایک ہفتہ وار اخبار نکالوں اور اس کا نام ’’صراط مستقیم‘‘ رکھوں۔ جس کا مقصد تبلیغ دین الٰہی اور عالم اسلام کو دعوتِ اتحاد ہو۔ کیا آپ اپنے زریں مشورے سے مجھے مستفید کر سکتے ہیں؟ اگر ایک قدم آگے بڑھ کر یہ کہہ سکوں کہ اس بظاہر کٹھن اور پر خار مگر حقیقتاً آسان تر راہ میں آپ میرے رفیق بن سکتے ہیں۔ تو کیا اس کا جواب میری امیدوں کی شکست میں نہیں ہوگا۔ تسلیم کہ آپ نسبتاً خاندانی ہیں اور جائیداد کے مالک ہیں اور اس راہ میں پڑ کر والد صاحب کی خفگی کے علاوہ اور بھی ہر طرح کے خسارے ہی میں رہیں گے۔ مگر بھائی جان! کبھی دیکھا بھی ہے اپنے خالق کا یہ حکم کہ [illegible] ‘‘ [illegible] اور ایسی اولاد اور کوئی ایسی محبوب چیز جو راہ خدا میں مانع ہو اور راہ خدا پر چلنے سے مال اور اولاد کے تلف ہو جانے کا خطرہ رکاوٹ ہو، تو یقیناً یہ تمہارے لئے ایک فتنہ ہیں۔ اگر ذرا بامعانِ نظر دیکھیں تو ہمارا یہاں کچھ بھی نہیں۔ باپ سے تعلق نہیں، ماں سے واسطہ نہیں، بیٹے سے غرض نہیں۔ مال و جائیداد تو ویسے ہی ایک فساد آدمیت سے کم نہیں۔ [illegible]

[illegible] اللہ [illegible] لئے۔ پھر اگر یہ عقیدہ رکھتے ہوئے ہم عمل سے ہچکچائیں تو کیا ہماری حالت اس فوجی فرد یا رجمنٹ کے مطابق نہیں ہوگی جو اپنے اپنے ''بارکوں'' میں کمبل اوڑھے ''جارج پنجم'' کی رٹ لگائے رکھیں ؟ اور جرنیل کی طرف سے دعوت سرفروشی کے وقت ہزاروں حیلے اور بہانے بنا کر جنگ سے جی چرائیں ؟ کیا ایسا سپاہی اپنے جرنیل کی نظروں میں کبھی مستحق عزت ہوسکتا ہے؟

خیر بہرحال میں اپنی رائے کے متعلق مشورے کا خواہش مند ہوں۔

دہلی میں جب معالج کے سامنے پیش ہوا تو بعد معائنہ نبض ارشاد ہوا کہ اوہو ! آپ اس کو معمولی بات سمجھتے ہیں ؟ حرارت جگر اپنے انتہائی درجے تک پہنچ چکی ہے۔ سرد اور مقوی جگر شربت آپ کو بنا کر دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کسی ٹھنڈے مقام پر قیام کریں۔ کیا آپ شراب استعمال کرتے ہیں؟ نعوذ باللہ اس بے چارے کو کیا علم کہ یہاں تو یہ قصہ ہے کہ :

مشعل بنا کے تابش داغ جگر کو میں
راتوں کو ڈھونڈھتا ہوں تری رہگذر کو میں

اچھا...... خدا حافظ

محمد یوسف علی عزیز بلوچ

(یہ خط پیڈ کے کاغذ پر لکھا گیا ہے۔ ایک کونے میں انگریزی میں '' نوابزادہ محمد یوسف علی خان مگسی بلوچ '' اور دوسرے پر ''بلوچستان ، تاریخ ۱۹۳۲ء۔۴۔۱'' چھپی ہوئی ہے)

حوالہ:

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی ، ص۔42۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۱۶

اللہ اکبر

۱۹۳۲-۴-۵

حضرت امین!

۱۳۔اپریل کو علی گڑھ پہنچوں گا۔بس اور کچھ نہیں لکھتا کہ تمام مواد اگر تحریروں میں ہی ختم ہوگیا تو باتیں خاک ہوں گی۔

ہم نے آپ کو دعوت دی کہ کچھ عرصہ یکجا جنگلوں میں، پہاڑوں میں سیر کرتے پھریں اور اگر انسان نہیں سنتے یا بالکل انسان دنیا میں رہے ہی نہیں تو درختوں کو، پہاڑوں کو اپنا رونا سنائیں اور ساتھ ہی یہ سنت بھی کہ'' دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے'' پوری ہو۔چہ خوش کہ بغیر خطرے کے مجاہدوں میں داخل ہوجاویں۔مگر آپ نے تو'' سندھ'' کا آخری دم چھلا لگا کر اس قدر مایوس کر دیا کہ جی چاہتا ہے کہ نہ تو علی گڑھ آئیں اور بس آپ سے قطعاً القط کر دیں۔

اچھا دیکھیں گے کہ ۱۲ تاریخ کو ضمیر کا کیا ارشاد ہوتا ہے۔

امید تو کافی ہے۔

خدا حافظ

عزیزؔ

حوالہ:

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی،ص۔44۔جون 1978ء

مکتوب نمبر......۱۷

اللہ اکبر

۱۹۳۲-۴-۸

خریدیں جسے اپنے خوں سے نہ ہم بھی
مسلمان کو ہے ننگ وہ پادشاہی

میرے روحانی انیس امین !

اسلام علیکم ! تقریباً تین چار ماہ سے مجھے اس امر سے روحانی اذیت محسوس ہو رہی تھی کہ کیوں کاغذات پر، میرے بکسوں پر میرے نام کے آگے ''نواب زادہ'' کا ناجائز بدنما دھبا لگا ہوا ہے۔

اگر میں خود نواب نہیں تو کیونکر اپنے باپ کی نوابی سے اپنے آپ کو مشہور کروں۔ الغرض آج صبح اٹھتے ہی کسی بورڈ نویس کو دکان سے گھسیٹ کر لایا اور اسے کہا کہ جلدی اس ''نواب زادہ'' کے منحوس دھبے سے مجھے دھوڈالو۔ تین بکس تھے، سب کو صاف کروا کر صرف اپنا اصل نام لکھوا دیا اور مگسی کا لفظ بھی کھدوا ڈالا۔ صرف بلوچ لکھوایا۔ مجھے تو سچ اگر پوچھیں تو مسلمان اور بلوچ بس یہ لفظ ہی پیارے لگتے ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر ''انسان'' مگر اس کے سمجھنے کی تمیز ہے کہاں آج کل کے ڈارون زادوں کو جن کی عادات ہی ''بوزنے'' سے ملتی جلتی ہیں۔

باقی رہے کاغذات، تقریبا، چار سو سے زائد چھپے ہوئے فارم موجود ہیں۔ انشاء اللہ ایک ہفتے کے اندر جلا دوں گا۔ یا کہیں تو آپ کو بھیج دوں اور دہلی میں اور ایک دو پیڈ چھپوالوں گا۔

اچھا ۱۴ تک ضرور وہاں رہیں۔ میں ضرور علی گڑھ آؤں گا۔

اگرچہ گرمی کی برداشت مشکل نظر آتی ہے۔ خاص کر اس حالت میں جب کہ سرد مقام سے اچانک گرم میں داخل ہونا پڑے۔ مگر پرواہ نہیں۔ امین موجود ہے جس کی موجودگی میں یہ خطرہ تو ہرگز نہیں ہوسکتا کہ جنازہ اور کفن یتیم خانے پر بوجھ پڑے۔

خادمِ ملت آپ کا......عزیزؔ

حوالہ :

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی، ص۔ 45۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۱۸

13-5-1932

Dear Amin,

Having to day for Lahore in connection many matters with multani hindus. Amin be Shure that i remember you always and see you a always, though i am passing a full of worries life.

When your are coming Lahore to me? and what business you made for yourself in Sindh?

your looking glass is here write me recording it.

Yours Sincerely

M.Yousuf Ali Aziz.

Pay my best salams to your `Abba` and pay him congratulations on may behalf.

خطاب بہ ذاکر مرثیہ خواں

از جوش ملیح آبادی

سن کے بل مردوں کی تیوری پر نہ آنا چاہیئے
زندگی کے آنسوؤں پر مسکرانا چاہیئے

''مدینہ'' کی تازہ اشاعت دیکھئے، مجھے بقیہ حصہ یاد نہیں رہا۔

Write me c/o Post Master Lahore

Tell may Father request Yousuf

اپنا عکس بھیج رہا ہوں، اپنی یاد دلانے کو، گر بھول پڑے......

حوالہ:

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی، ص۔46۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۱۹

اللہ اکبر

Dear Amin,

To day i got a letter from you which was un-dated and neithere there was written the name of place. I am thinking that you might broken your journey. I worte you a letter yesterday.

Tomorrow or day after tomorrow i shall leave Lahore for Multan. I shall wait for your letter there c/o Post master.

What more i write about myself and except that:

تو اے کبوتر بامِ حرم چہ میدانی
تپیدن دلِ مرغانِ رشتہ بر پا را

Please don`t Laugh if you see mistakes in my English.

What about your "Abba" any letter from Him? and when he is reaching at Karachi and when you are leaving for Karachi?

Any letter From bachoo?

Please write him my Salams when you write him letter and pay my heartly "ASLAM ALEIKUM"(السلام علیکم) to Mr. Taj Mohammad Khan if you see him and tell him that ......

کٹ کے گر جائیں گے اے قیدی زندانِ ستم

تجھ کو احساس گراں باریِ زنجیر تو ہو

And tell him that O Commrade:

تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزوست

بامن میا کہ مسلک شبیرم آرزوست

(اقبال)

بلوچم و شجاعتِ بلوچم آروزوست

خیزید! باز نعرہ اسلام آرزوست

(عزیز)

آپ کا عزیزؔ بلوچ

حوالہ :

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی ص۔ 47 جون 1978ء

مکتوب نمبر......۲۰

لاہور

۳۲۔۹۔۳

پیارے بھائی امین !

اسلام علیکم ! سکھر آ رہا ہوں ۔ غالباً ۵ سے ۷ دن تک وہاں رہوں گا ۔ کیا آپ مجھے وہاں ملیں گے؟ میں ملنے ملانے کا قائل نہیں رہا۔صرف تمہاری تشفی کے لئے لکھا ہے ۔جیسی منشا ہو، ویسے کیجئے اور کیا لکھوں ؟ تنہا ہی میرا کمرہ ہے، ہو کا عالم ۔ نہ آدم ، نہ اس کے ہیجان پرور لوازمات ۔

خدا کرے ہمیشہ ایسی فضا ہو، ایسا عالم ہو۔فقط

ٹکٹ بھی موجود نہیں۔ آپ ضرور ملیں یہ جذبہ بھی دامنگیر ہے ۔اس لئے بے رنگ ارسال ہے ۔

ہاں ، بھول گیا۔مبارک ہو کامیاب ہونے کی پیچ امتحان ایف اے کے شاباش میرے بہادر تو نے محبت پر علم وغیرہ کو نثار کیا تو محبت بھی علم وغیرہ تمام اشیاء کو تم پر نچھاور کردے گی ۔

عزیزؔ

حوالہ :

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی ،ص ۔48۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۲۱

اللہ اکبر

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
وے طبیب جملہ علت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموسِ ما
اے تو افلاطون و جالینوس ما

پس بداں اے تغافل شعار بھائی امیں اسعدک اللہ تعالیٰ فی الدارین خیر، کل یہاں عید میلاد النبی پر جلوس اور جلسوں کی ہنگامہ آرائی تھی۔ آپ غالباً ڈاکٹر یعقوب ایڈیٹر ''دی لائیٹ'' کو جانتے ہوں گے۔ سر نواب صاحب زادہ عبدالقیوم ایم ایل اے کے زیر صدارت ڈاکٹر موصوف نے اسلام اور بانی اسلام کے اسوہ حسنہ پر ایک مُدلل اور پُر از معلومات لیکچر دیا۔ پہلے انگریزی میں انہوں نے شروع کیا۔ بعد میں حاضرین کی خواہش پر اردو میں کہنا شروع کیا۔ امین ! بخدا ایک بے خودی کا عالم تھا جو تمام حاضرین پر چھایا ہوا تھا۔ صاحب صدر سے لے کر گیٹ کیپروں تک کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں۔ زندہ باد اسلام، زندہ باد بانئ اسلام !

آج شام کو ڈاکٹر صاحب موصوف سے ملنے جاؤں گا۔ انہوں نے کل مہربانی کر کے وقت دیا تھا۔ واللہ کہ پر تاثیر آدمی ہیں۔

قسم ہے خدائے قدوس کی کہ اگر اس عید میلاد النبی پر تمام مسلمان وعدہ کریں کہ پیارے سرورکونین کے نقش قدم پر چلیں گے تو آج فی الفوری ہماری تمام بگڑیاں بن جائیں۔ اختتام لیکچر پر طبیعت ایک خاص حالت میں تھی۔ ٹاؤن ہال سے نکلتے ہی کمپنی گارڈن کے گراؤنڈ میں کوٹ اتار کر بیٹھ گئے فرش زمردیں پر۔ تقریباً ۱۱ بجے تک مولانا الطاف حسین حالی مرحوم کے شعر پڑے پڑے گا رہا تھا اور واللہ کہ کیا سماں تھا اور کیا حالت تھی دل کی ! کاش کہ تم ہوتے۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا

وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
ضعیفوں کا ملجا، غریبوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولا

یارسول اللہ تو پیدا و پنہان من (کذا)

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ تمام انبیاء بیک گراؤنڈ تھے ہمارے کملی پوش کے۔ بالکل صحیح، ہر کہ شک آرد کافر گردد۔

سناؤ جیکب آباد میں کس طرح گزری؟

کیا تم مجھے یاد نہیں کرتے؟ مانا کہ تم غیور ہو، خود دار ہو، بلوچ ہو، علیگ ہو، مگر آج یہ کیا انسانیت ہے کہ جواب تک سے جواب ہے۔

واللہ کے یہاں تمہاری رفاقت تمہارے اور میرے دونوں کے لئے اگر سود مند نہ سہی تو ضرر رساں بھی نہ ہوگی۔ یہ سبزے پر لیٹنا، یہ ہواؤں اور برساتوں سے تصادم کھانا وغیرہ وغیرہ کیا کم لطف دہ چیزیں ہیں۔ لو اب دل بھر گیا ہے، ختم کرتا ہوں۔ ڈاک لینے کا ٹائم آ گیا ہے۔ پوسٹ آفس جاتا ہوں۔

عزیز

حوالہ:

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی، ص۔ 61۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۲۲

امین بھائی!

کاش کہ آج کل میری حالت سے آپ واقف ہوتے۔آپ کے دوتین خطوط متواتر موصول ہوئے مگر یہاں ....

آپ کی فلسفیانہ طبیعت ناراض تو ضرور ہوگئی ہوگی۔اچھا ملنے پر منالیں گے۔حیران ہوں کہ کیا لکھوں۔کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

ایک غریب الوطن شخص ہزاروں کے مقابلے میں تن تنہا ڈٹا ہوا ہے اور اللہ پر ایک اندھا یقین رکھے ہوئے ہے۔

اچھا بھائی یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ پیارے حسین کی برسی منانی ہے۔ میں ادھر منا رہا ہوں،تو ادھر منانا۔مگر خدارا شغل گریہ کو نصب العین نہ بنانا۔ بلکہ ایک جشن مناؤ کہ یہی دن ہے ہر اسلامی زندگی کا:

من شیرِ نوجوانم و میدانم آرزوست
در دشت کربلا یکے جولانم آرزوست

اور ایسا ہو کہ:

یُوں اُٹھا برسی ہوئی آنکھیں کہ دریا کانپ اٹھے

عزیز مگسی بلوچ

حوالہ:

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی ص۔77۔جون 1978ء

مکتوب نمبر......۲۳

برادرم امین !

وعلیکم السلام۔ واللہ کہ آپ کے خطوط ایسے چٹکلے دار اور علیگ زدہ ہوتے ہیں جن کی تعریف کے لئے چاہتا ہوں کہ ملا رموزی کو بلالوں ۔اچھا جب تک وہ آئیں، میرا شکریہ قبول کیجئے آپ آزاد ہیں ۔سوچ سکتے ہیں اور اچھا لکھتے ہیں۔ یہاں یہ حالت ہے کہ :

پراگندہ...... پراگندہ دل

ایسی حالت میں جب کہ دل کی حرکت ۸۰ فی منٹ کی بجائے ۱۳۰ فی منٹ ہو تو کیا خاک لکھا جا سکتا ہے۔سکھر سے آپ کو تار دیا تھا۔عزیز آباد کے پتے پر کہ مجھے وہاں ملیں۔مگر جواب ندارد۔ پھر ۴ دسمبر سنہ ۱۹۳۱ء کی شام کے سات بجے جیکب آباد آیا۔علی الصبح معلوم ہوا کہ رات آپ تشریف لے گئے ہیں۔خیر اب دعا فرماویں کہ علی گڑھ میں مل سکوں ہز ہائی نس سے اس وقت تک دو ملاقاتیں ہوچکی ہیں۔ وہ بنفسہ سب کچھ ہیں مگر بدقسمت بلوچستان کے بدقسمت سرداروں کی بد اعتمادی اور آقایان سفید فام کی مسلط پالیسی نے انہیں قدرے کمزور کر رکھا ہے اور معاملات کی باگ ڈور ''میکڈ انلڈ ون'' کے ہاتھ رہ گئی ہے اب خد اہی نہروؤں، گاندھیوں کو بچائے ۔

اچھا بھائی صاحب اب رخصت، اطمینان قلب نہیں ورنہ افسانہ، درد و ماجرائے غم کو چھیڑ کر تجھے بھی صورت آئینہ حیران کر کے چھوڑ دیتا اوراس میں اپنا چہرہ دیکھتا۔

محمد یوسف علی عزیزؔ

حوالہ :

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی، ص ۔78۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۲۴

میرے فلسفی اور محبت پرست بھائی!

تو چلا گیا اور ہم بھی چلے گئے اپنی دنیائے تخیل میں۔ کوئی پہر سوا دن چڑھے اختر صاحب اور بھائی عظیم قضائے مبرم کی طرح'' [illegible] دیروزہ آدھمکے۔

آپ کا پوچھا، میں نے عرض کر دیا کہ وہ تشریف لے گئے (اور دل میں کہا کہ وہ تو پنہاں ہے میرے دل پاک باز میں) آپ کا ان سے مرخص نہ ہونا ان کے لئے باعث استعجاب تھا۔ ماڈل ٹاؤن گئے تو اس حالت میں کہ اختر صاحب بار بار اپنے مخصوص انداز میں پان کی گلوری کو چباتے ہوئے سخن سنج ہوتے تھے کہ آپ کا سکوت کیا معنی رکھتا ہے اور یہاں مکمل ہی سکوت تھا کیونکہ آپ تو میرے واقف طبیعت ہیں کہ میں خاموشی پسند واقع ہوا ہوں اور بالخصوص پیدل چلتے وقت یا موٹر یا یکے میں سفر کرتے وقت اپنی زندگی کے ٹریجڈی پروگرام میں محو ہو جایا کرتا ہوں۔ آج میرے سکوت کے اندر یہ تخیل کارفرما تھا۔ دیکھتا ہوں کہ ایک نہایت ہی وسیع اور دیدہ زیب باغ میں میلہ لگا ہوا ہے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر انسانوں کے جتھے اپنے اپنے مذاق کے مطابق طرب انگیزیوں میں مصروف ہیں اور یہ سلسلہ لکھو کھا میل تک چلا گیا ہے۔ میں بالکل اکیلا ہوں۔ تنہائی سے نہیں گھبراتا مگر چاہتا ہوں کہ ہر ایک جتھے میں بیک وقت میری شمولیت ہو۔ اسی جذبے کے زیر اثر کسی تماشے کو اچھی طرح سے نہیں دیکھ سکتا۔ میں نے عظیم بھائی کو کہا کہ کیوں یہ سب جتھے ایک جگہ اکٹھے نہیں ہوتے یا میں کیوں ایسا پھیل نہیں جاتا۔ انہوں نے (ہائے ''اُنھوں'' کے لفظ نے سلسلہ خیال کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ خدا اسے خوش رکھے) کہا کہ آپ باغ کے کسی بلند تر درخت پر چڑھ جائیں۔ تمام تماشے بلندی سے دیکھا کریں، اور ایک بیت کہا کہ:

منظر ایک بلندی پر اور ہم بنا سکتے
عرض سے پرے ہوتا کاش کہ مکاں اپنا

بات نہایت معقول تھی۔ ہم خاموش ہو گئے۔ یہاں آ کر آپ کو خط لکھنے بیٹھ گئے۔ اب ہم سوچیں گے کہ کیسے بنایا جا سکتا ہے۔ ایک منظر بلندی پر...... ہاں عرش سے بھی بلند تر۔ کیا تمہیں وہاں کسی کمرے کی ضرورت تو نہیں پڑے گی؟ اگر ایسا ہو تو جلدی Reservation کے لئے لکھیں۔ وگرنہ سب اکیوپائیڈ (Occupid) ہو جائیں گے۔

سچ لکھو کہ ہمیں یاد کرتے ہو؟ کسی کے سر کی قسم جو جھوٹ لکھا۔

میں ہوں اپنی کائنات کا خالق

عزیزؔ

حوالہ:

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی، ص، 79۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۲۵

بھائی امین !

آپ کے دو عنایت نامے ملے ہیں، شکریہ۔ میں بتدریج اچھا ہو رہا ہوں۔ آج کل نواب محمد جمال خان ایم ایل سی لغاری اور ڈیرہ غازی خان کے دیگر بلوچ سردار یہاں آئے ہوئے ہیں اور کانفرنس میں اپنی ہر ایک ہمدردی دکھانے کا اظہار کر رہے ہیں۔

مگسی وفد کے متعلق آپ کے تاثرات واقعی قابل مسرت ہیں۔

میرے بھائی ! آپ یقین رکھیں کہ میں اس پردے میں سرداری کا خواہاں نہیں۔ بمثل آپ کے دوست نواب زادے کے۔ مگر یہ ضرور چاہتا ہوں کہ ان کی تکالیف رفع ہوں۔ اس سے مطلب صرف یہ تھا کہ گورنمنٹ ریاست اپنے اقدامات سے باز آجائے۔ جس طرح کہ کل اطلاع ملی ہے کہ ایک ای اے سی پھر علاقہ جھل کی طرف بھی گیا ہے اور ایک جمعدار لیویز اب بتلائے کہ کیا کروں۔ اگر خاموش رہتے ہیں تو رہی سہی داخلی آزادی بھی جاتی ہے۔ بہر حال ہم نے اول تو اس کانفرنس کا کام کرنا ہے اور بعد میں کوئی اور۔ میں بلوچیت اور اسلام میں جو فرق محسوس کر رہا ہوں وہ اگر صریحاً بیان کروں تو تمام بلوچ مجھے کافر کہنے لگیں اور آپ میرے ان جذبات سے قدرے آگاہ ہیں۔ اول اسلام، بیچ میں اسلام، آخر میں اسلام۔ اس کے بعد بلوچیت، قومیت وغیرہ کے تخیل سے لمبی دوڑ مقصود نہیں۔ میں ایک بے یارو مددگار فرد ہوں اور تقریباً اقتدار پرست بلوچوں کا اعتماد بھی کھو چکا ہوں۔ مگر پرواہ نہیں۔ انشاء اللہ اگر [illegible] صحیح ہے تو ایک دن آئے گا جب بلوچوں کو مظلوم لڑکیوں کے حقوق دینے ہوں گے جو اسلام نے ان کو عطا کئے ہیں اور مظلوم قوم کا ایک ایک فرد ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے گا۔ آمین ! اس وقت ہم ہندوؤں کو طعنہ دے رہے ہیں کہ ان میں چھوت پنی ہے۔ ذرا غور کرو کہ کیا ہمارے بلوچوں میں چھوت پنی نہیں ؟ ایک بلوچ اپنے سردار کے مقابلے میں چارپائی پر بیٹھ سکتا ہے؟ کھانا کھا سکتا ہے؟ کہاں ہے آج کل؟

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز

یہ سب داغ مٹ جائیں گے، بشرطیکہ ایک مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان بن کر کمربستہ ہو جائے۔ گالیوں کی پرواہ نہ کرے۔ طعنوں اور ملامتوں کو مدح سمجھے اور قید و مصیبت کو شاندار میزبانی تصور کرے۔ آپ خدارا ۱۵ ر نومبر کو ضرور کالج چھوڑ دیں۔ ورنہ گناہ گار ہوں گے اللہ کے، اس کے پیارے رسول ﷺ کے اور ان کے سچے نام لیواؤں کے۔ کیا آپ مجھے تنہا چھوڑ دیں گے؟ اچھا چھوڑ دیں۔ مگر اللہ نہیں چھوڑے گا۔ جب تک میں اسی اعتقاد پر ہوں کہ اسی کی بادشاہت ہو جائے۔ صرف بلوچستان پر یا ہندوستان پر نہیں بلکہ زمین کے چپے چپے پر۔

بول اسلام کی جے۔ اللہ اکبر

آپ کا عزیزؔ

حوالہ :

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی، ص۔ 80۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۲۶

بھائی امین !

''البلوچ'' میں اس ناچیز کے متعلق آپ کے خیالات کا شکریہ۔ میرے موجودہ کاغذات پر بھی آپ نہ تو لفظ'' نواب زادگی'' اور نہ ہی سرداری دیکھیں گے۔ میں نے اس چیز کو اختیار کرلیا ہے۔ جو ازلی ہے جو کسی سرکار یا گورنمنٹ کے چھیننے نہیں چھینی جاسکتی۔

سخت بیمار ہوگیا ہوں۔ حتیٰ کہ چل پھر نہیں سکتا۔ علاج دیسی یونانی شروع ہے۔ مذاق زندگی میں اگر تبدیلی ہوگئی تو خدا حافظ ورنہ حیدرآباد میں بموقع کانفرنس ملاقات ہوگی۔ یہ خط آپ کو لکھ رہا ہوں۔ نہایت مشکل سے چارپائی پر پیٹھ آسمان کی طرف کئے ہوئے قلم چلا رہا ہوں۔ باوجود اس کے ایک گھنٹہ قومی معاملات کے کاغذات پر بھی دستخط کرنے کے لئے دیتا ہوں۔ دماغ کی خشکی سے رات کی نیند بالکل ختم ہوگئی ہے۔

اچھا خدا حافظ۔ والسلام

محمد یوسف علی عزیزؔ

حوالہ :

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی، ص۔73۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۲۷

اللہ اکبر

بھائی امین !

مختصراً یہ کہ میں وہی ہوں ۔ لائن آف ایکشن کی تبدیلی نے ، جسے میں منشاء قدرت سمجھتا ہوں۔ میرے اعتقادات اور میرے ایمان میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور جب تک اسلام میں جاذبیت موجود ہے۔ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ آپ کے تیر ونشتر اور شکوہ وشکایت بسر وچشم ۔ جماعت اگر اب حکم دے کہ واپس آ جاؤ۔ سرداری ترک کرو۔ میں تیار ہوں ۔ نہ منّت کر کے لی ہے ۔ نہ چھوڑتے وقت تکلیف محسوس ہوگی ۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ یہاں ایک ٹھوس عملی کام ہے جو کہ مستقبل کے لئے مفید ہے۔ اگر پسند خاطر نہیں تو کل استعفیٰ بھیجنے کو تیار ہوں ۔ یہ بس ہوگا۔

حکم کا منتظر!

محمد یوسف علی عزیزؔ

حوالہ :

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی ،ص ۔84۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۲۸

بھائی امین !

آپ کے دو خطوط پے در پے ملے، شکریہ۔

آپ کے خطوط کے لب ولہجہ سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ آپ نے مجھے محو سرداری سمجھ رکھا ہے اور سمجھ چکے ہیں کہ سرداری پر آکر میں نے اپنا جوہر انسانیت بھی کھودیا ہے۔ وقت بہترین جج ہے۔

البتہ یہ اور مسئلہ ہے کہ اس وقت میری پوزیشن ایک عجیب حالات میں گھری ہوئی ہے۔ بقول ''ملایان'' دین آپ نے 'پل صراط' کا نام سنا ہوگا۔ بال سے باریک اور تلوار سے تیز تر۔ بس سمجھ لیجئے کہ آپ کا دوست ایک ایسی ہی پگڈنڈی پر جا پہنچا ہے۔ آپ سے ضروری معاملات میں استصواب کرنا ہے جو خطوط کے ذریعے نہیں ہوسکتا اور اگر آپ نے یہاں آکر مجھے مدد نہ دی تو بعد میں یہ نہ کہئے گا کہ میرا فیصلہ غلط تھا۔ میں اب ایک مسئلے کو فیصل کرنے کے گرداب میں مصروف ہوں اور نہیں چاہتا کہ بسر خود اپنی ذمہ داری پر کروں۔ ایک ہفتے کی پیشگی اطلاع پر آپ ضرور جھل آویں۔ موٹر آپ کو شہداد کوٹ پر تیار ملیں گی۔

میر بلوچ خان کے معاملے میں میری دلچسپیوں میں ذرہ بھر کی کمی واقع نہیں ہوئی۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ :

آن قدح بشکست و آن ساقی نمائد

اب سوائے اس کہ :

ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر

کہہ کر کچھ کام نکالیں تو اور بات ہے ورنہ اب وہ ساقی کہاں ؟ سات سمندر پار کا ایک بوزنہ نما انسان زمام قلات کے گھوڑے کو تھامے سرپٹ محو جولانی ہے اور ہم پا پیادہ بے زادِ راہ ہیں۔ آپ ایک بلوچ خان کہتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ خدا ہماری موجودہ حکومت کو سلامت رکھے۔ آپ کو سال دو کے اندر ہزاروں بلوچ خان ملیں گے۔ روتے، چیختے، چلاتے اور انگریزی حکومت کے گن گاتے۔ اچھا بھائی ضرور آؤ۔

آپ کا عزیز بلوچ

حوالہ :

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی، ص۔85۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۲۹

بھائی امین !

خط ملا ......شکریہ

جام صاحب کے چارج لینے کے بعد بندہ آج کل فارغ زندگی بسر کر رہا ہے۔سوائے ایک چھوٹے سے باغ میں کام کرنے اور درختوں کی دیکھ بھال کرنے کے،تقریباً فارغ ہوں۔مگسی اسے محسوس کرر ہے ہیں،مگر میرے پاس اس کا کوئی علاج نہیں۔

جو کچھ ہوا ہے، واقعات کی اپنی رفتار ہے۔میں جھل کے لئے یہ کچھ نہیں چاہتا تھا۔جس طرح کہ ہو رہا ہے۔

بلکہ میرا ذاتی ششم حصہ بھی گورنمنٹ کے زیر انتظام ہے اور طرّہ یہ کہ سب کو الاؤنس مل رہا ہے۔مجھے اس سے بھی محروم رکھا گیا ہے۔خیر بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا علاج نہیں ہوسکتا۔جام نور اللہ بذاتہ میرے مہربان ہیں مگر پھر بھی ان کی موجودہ ذمہ داری بحثیت گورنمنٹ افسر ہے۔جس کے برخلاف یوسف اس وقت تک لڑتا رہا۔مگر قوم کے حالات نے قدرے شکستہ دل بنا رکھا ہے۔جب تک جھل میں ہوں۔میرا مرکز توجہ جامعہ کے بچے اور باغبانی ہے۔اب باہر جاؤں گا تو بھی خاموش دن گزارنے۔مجھے ڈیڑھ دو ون جانا ہے۔محبوب کے بچے (سیف اللہ) کو وہاں سکول میں داخل کرنا ہے۔محبوب نے بھی سرداری سے استعفیٰ دے دیا ہے۔

اب جھل کا کوئی سردار نہیں۔مالی اور سیاسی امورات سب جام کے ہاتھ میں ہیں۔اس وقت تک اچھا کامیاب چل رہا ہے آگے کون جانے۔

بھائی میری آوارہ باتوں کو نظر انداز کریں۔مجھے تنقید اور محاسبہ اعمال سے انکار نہیں۔مگر جب کہ زندگی ہی بے عمل ہے تو محاسبہ کون سے عمل کا کریں گے۔بہتر ہو اگر مجھے صرف بے عمل یا ناکارہ کہہ کر چھوڑ دیا کریں۔کیوں کہ تنقید کے لئے میرے پاس کچھ نہیں رہا۔

آپ کا یوسف

حوالہ :

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی،ص۔86۔جون 1978ء

مکتوب نمبر......۳۰

بھائی امین !

ہر دو خطوط ملے ۔ کاش کہ میں آ سکتا۔ میرے حالات کا اندازہ لگا کر احکام جاری کیا کرو سرداری کے بار گراں سے تو سبکدوش ہوا۔ اب گزارہ بھی تو آخر کرنا ہے۔ کاش کہ آپ کی مانند آزاد ہوتا۔ اگر میری اس دو ڈھائی ماہ کی نقل و حرکت کا سراغ لگاؤ تو خود اندازہ لگا سکو گے کہ کیسی سخت تر مصروف زندگی میں نے گزاری ہے۔ پرسوں رات دو بجے سویا۔ صبح ۹ بجے سے لے کر پھر ۶ بجے تک کام کیا اور ایک گھنٹہ کھانے کے لئے ہوا۔

پھر ے بجے سے ۳ بجے شب تک کام کیا۔ یہ کام کسی دفتر کا نہیں بلکہ یہ مختلف افراد سے مختلف مقامات پر مختلف معاملات پر باتیں کرنی ہیں۔ تخمیناً اس ۴۸ / گھنٹے کی محنت کے باعث ۴۸۰۰ روپیہ کما چکا ہوں ۔

Take care of pains and the pands with take care of them selves is as true personal habits as of anony.

میرے حالات نے مجھے مجبور کر دیا کہ شعریت چھوڑ کر ایک ٹھوس آدمی کی طرح کام کروں (تاچندے) اگر کام کے بعد تفریح کا وقت ہے تو زہے نصیب اور نہ ہے مسرت ۔ میرا جی یقیناً آپ کے ملنے کو بہت چاہتا ہے ۔ مگر...... انشاء اللہ جلد ملیں گے ۔

سنو ! میں نے اپریل کے آخر تک بہت کام کرنے ہیں۔ اپریل کے بعد میں ستمبر تک آزاد ہوں۔ اس درمیان میں جہاں ملیے ، جہاں حکم فرمایئے ۔ بندہ حاضر۔

خان قلات نے اپریل کے بعد بیس دن قلات میں آ کر ان کے پاس رہنے کی دعوت دی ہے ۔ کاش کہ آپ بھی چلتے۔ ان کے پاس سیاست لڑانے تھوڑا ہی جائیں گے ۔ یہ صرف ایک آزاد وقت تفریح میں گزارا جائے گا۔ میں نے خان کو بہت پسند کیا۔ ذرا سیانا سا آدمی معلوم ہوتا ہے اور شریف بھی ۔

مجھے آج کل کام سے زیادہ شغف رہتا ہے مگر یہ نہ سمجھو کہ بالکل کام ہی کا ہو کر رہ گیا ہوں۔ جب اطمینان ہوتا ہے کہ اب چند گھنٹے یا دن کام کرنے سے فارغ ہوں تو جی کھول کر کودتا ہوں ، ہنستا ہوں۔ الغرض اب زندگی ایک طرفہ معجون بن گئی ہے ۔ اسے کہتے ہیں ذمہ داری یا احساس ذمہ داری ۔

حضرت نقاد یعنی آپ کی تنقید کا ہر وقت ، ہر لمحہ خطرہ زیرِ احساس رہتا ہے۔مگر ’’ مرغان آبی راچہ غم‘‘ جب آشیانہ ہی نہ رہا تو غم برق......؟

دیکھو امین ! میں نے بہت کام کرنا ہے۔ میری ذاتی ملکیت (اللہ اس رواج پر لعنت بھیجے) سرداری اخراجات کے عوض زیر بار رہے ۔ ساری سندھ سردار گل محمد خان کے قبضے میں ہے۔ انہیں آزاد کرانا ہے۔نرخ کم ہو گئے ہیں۔ معیار زندگی اپنی فطری سادگی سے بہت ملمع سازی کی فضولیات پر پہنچ چکا ہے۔ ایسی حالت میں علی گڑھ کی ٹکٹ کا روپیہ اور ایک ہفتے کا وقت وقف کرنا تم جانتے ہو۔

کبھی تو سوچتا ہوں کہ چلو پرواہ نہیں ، گھر پھونک تماشا تو اب دیکھ لو۔ بعد میں اب تک ہندوستان میں کوئی انسداد گداگری کا قانون تو وضع ہوا نہیں کہ جیل جانا پڑے، اور پھر جیل کوئی شرعی یا سعودی علاقہ تو ہے نہیں جہاں ہر وقت رمضان لگا ہوا ہے۔ مگر یاد رکھو اب اس موجودہ ٹھوس و واقعاتی اور عملی زندگی کو حقیقی زندگی سے بدلنا مشکل ہے۔ کم از کم بڑی مدت تک ۔

بہت لکھ چکا ہوں ۔ اب مجھے تمہیں چھوڑ دینا چاہئے اور تمہیں مجھے میرے حال پر چھوڑ دینا چاہئے ۔ دیائے زندگی کی لہروں نے ملایا تو بغل گیر ہوتے ہوئے پھر مجھے مشرق تو آپ کو مغرب کی سو علیحدہ ہونا پڑے گا ۔ ہائے وہ پرانی دنیائے شعریت اور ایّام طفولیت ! مگر اب اس اتلاف کا کیا غم :

سفینہ جب کہ کنارے پہ آلگا غالبؔ
خدا سے کیا ستم و جور نا خدا کہیے

آپ کا یوسف

حوالہ :

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی۔ص، 87۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۳۱

امین بھائی!

نوازش نامے حسب دستور ملے۔ شکریہ۔ بھائی صاحب! آپ کی ناراضگی بجا مگر خدا کے بندے آپ نے کسی اور کی پریشانیوں کا اندازہ بھی تو لگایا ہوتا! اور کسی پر اعتماد بھی تو کیا ہوتا۔ کیا آپ نہیں سمجھتے تھے کہ مجھے سرداری پھر حاصل کرنے کی کس قدر تمنا تھی اور میں ٹھوس، عملی خدمت کے اس موقع کو پھر سے حاصل کرنے کے لئے کس قدر مضطرب تھا۔ بایں ہم حالات و واقعات اور حکومت کے ارباب اقتدار کے انداز و اطوار کو جانچ کر اس کے مطابق کوشش بروئے کار لانا، یہ سب چیزیں ایسی تھیں کہ اگر اس جذبے کے حاصل کرنے کی تمنائیں نظر انداز کی جاتیں تو وہی بات ہوتی:

بات بھی کھوئی التجا کر کے

میری عادت ہے کہ جب ایک کام کا حصول ناممکنات میں سے ہو جائے، تو اسے بجائے اس کے کہ شکست خوردہ اور ناکامیاب ہو کر، ذلتیں کھا کر ضائع کیا جائے۔ کیوں نہ خود اس سے دستبردار ہو جانا چاہیئے۔ مجھے معلوم تھا اور قلات و کوئٹہ کے اس سفر میں جو، ہز ہائی نس خان قلات کے ساتھ ذاتی ملاقات کی بنا پر اختیار کیا تھا۔

معلوم ہو گیا کہ گورنمنٹ مجھے سردست سرداری پر دیکھنا نہیں چاہتی۔ میں نے بجائے اس کے کہ ایک معزول شدہ سردار کہلاتا اور گورنمنٹ کی خدمت میں آہ وزاری کے بعد اس سے بھی مایوسی کا جواب پاتا، خود بیزاری کا اظہار کرنا شروع کیا۔ بس اتنی سی بات تھی۔ خیر کئی باتیں ہیں جو لکھ نہیں سکتا۔

دراصل میں دنیا۔ ہاں وہ دنیا جس میں چند برس اچھے گزرے، سے کنارہ کش ہو چکا ہوں۔ سردار کا فیصلہ ہو چکا، محبوب سردار رہے گا۔ گورنمنٹ کا ایک افسر ہفتہ دو کے اندر جھل جا کر سارا نظام اپنے ہاتھ میں لے گا۔ محبوب کو ایک مقرر تنخواہ ملے گی۔ صرف برائے نام سردار رہے گا۔ بتا تیرا نواب یوسف کیا کرے۔ بہر حال مجھے مت چھیڑو۔ بھائی صاحب! کیا اس وقت میں چھیڑے جانے کا مستحق ہوں؟

پہلے آتی تھی حال دل پہ ہنسی

اب کسی بات پر نہیں آتی

ایک طویل مستقبل سامنے ہے ۔ سرمایہ ختم اور ہمت بے تجربہ ۔ کبھی تجارت کا سوچتا ہوں مگر تجربہ ندارد ۔ اتنے پیسے باقی نہیں رہے کہ گھر بیٹھ کر کھاتا جاؤں ۔ ملازمت کے لئے جس تعلیم کی ضرورت ہے وہ میسر نہیں اور پھر طرہ یہ کہ تم ۔ ہاں تم ! امین ہو نہ؟ کیا ہندوستان کے کسی گمنام گوشے میں بھیجنے کا ارادہ رکھتے ہو؟

آپ کا یوسف

حوالہ :

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی، ص ۔ 90 ۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۳۲

ڈیر امین !

سلام شوق ! کل کوئٹہ سے روانہ ہو کر سبی پہنچا ہوں ۔ آج پہلی گاڑی میں ارادہ ہے کہ روانہ ہو جاؤں ۔ آپ کے تقریباً درجن خطوط نہیں بلکہ ایک مکمل خطوط کے کتب ملے ۔ کاش کہ میں ان کے جواب دینے کا اہل ہوتا :

عشق سے فرصت اگر ملتی تو اچھا کام تھا

آپ کا اصرار ہے کہ کچھ لکھوں، یا دوسرے لفظوں میں آپ میرے جذبات کو عریاں دیکھنے کے متمنی ہیں ۔ میں کہتا ہوں کہ خدا را اس قصے سے باز آؤ ۔ '' داستان بلاکشاں نہ سنو'' وہ جذبات ہی کیا ہیں جو کہ ادا کئے جا سکیں یا قید تحریر میں بند کئے جا سکیں ۔

خیر بہر حال آپ کے خطوط کا شکریہ ! اور اپنے تساہل کے لئے استدعائے عفو ۔

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

آپ کا عزیزؔ

حوالہ :

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی، ص ۔ 92 ۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۳۳

میرے منطقی ،فلاسفر،ضدی دوست ! جہاں رہو خوش رہو۔

ایک خط پہلے اور ایک اب، جب کہ میں سونا مرگ سے دس دن کے سفر کے بعد یہاں بیمار ہو کر پہنچا ہوں۔ بیمار ہوں اور تکلیف میں ہوں۔ کیا لکھوں اور پھر تم کو! تمہارے خط کی ہر سطر اور ہر لفظ نمک پر جراحت سے کم نہیں مگر:

پر چہ از دوست رسد نیکو است

آپ کا خیال ٹھیک ہے۔ مجھے اپنی خامیوں کا اعتراف ہے۔ اپنی کافریت کی تردید لا حاصل، فضول، اپنی بے ریشی اور اسی وجہ سے صف اسلام سے اخراج کے الزام پر بھی سرافگندگی۔ دعا فرمائیں کہ میں آپ کے خیال کے مطابق بن جاؤں:

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا

اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں

اپنی کم مائیگی، احباب کی جانب سے شکست اعتماد، ارباب اقتدار کے حبس و زندان کا خوف اور حصول تعلیم کیلئے تلاشِ فرصت نے مجھے اس قدر سراسیمہ بنا دیا ہے کہ اب وہ بھی؟

جن سے امید وفا تھی ہم کو

میرے قول و فعل اور مرے ظاہر و باطن کو برعکس اور متضاد سمجھنے لگے ہیں۔ کاش......

اس وقت ایک تو تکلیف بدنی۔ دوسرے نو بجے شب کے عمل اور دماغی پراگندگی نے کچھ ایسا پراگندہ دل بنا رکھا ہے کہ بے سوچے جو جی چاہتا ہے لکھ رہا ہوں۔ اس لئے معاف سمجھا جاؤں۔ اگرچہ آپ کے نقطہ نگاہ کی رو سے کائنات ارضی میں اس بے چارہ مظلوم و ناری کے بالمقابل فقط میں ہی وہ ہستی ہوں جس کے لئے باب عفو دائماً بند ہو چکا ہوا ہے:

مخمورِ بادہ عرقِ انفعال ہوں

آج ہی اختر صاحب سے یہ گفتگو ہو رہی تھی، جب وہ میری عیادت کو تشریف لائے، کہ بایں حالت کوئٹہ پہنچوں تو جیل، جسے کبھی ہم نے پری خانہ بنا رکھا تھا۔ بہترین آسائش گاہ ثابت ہوگی علاج کے لئے۔ مگر ان کے اصرار نے کل تک کسی فیصلہ کرنے سے محترز رکھا اور کل وہ کرنیل نیوے میرے متعلق مشورہ دیں گے کہ آیا میری غیر ضروری ہستی سے پاکوں کی بستی کب تک صاف ہوگی۔ ممکن ہے اس سلسلے میں آپریشن تک نوبت پہنچے اور ممکن ہے غلبہ جنون سے اس حالت میں ہی یہاں سے نکل پڑوں۔ نہیں کہہ سکتا کہ کوئٹہ آؤں گا یا:

جوش وحشت میں کسی سمت نکل جاؤں گا

ایک فہرست مرے پاس ہے ویرانوں کی

کبھی انور کے نقاب میں، کبھی کسی اور کے لباس میں غیر مسلم، جاہل، خودغرض، مکار بنایا جارہاہوں۔کبھی کیا۔کبھی کیا اور اللہ میرے لئے یہ آپ کی تمام شاعری شبلیانہ پھول سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔آخر میں حیران ہوں کہ کیا کروں۔ پہلے کی حالت کو چھوڑے مکمل ایک عشرے کی غیر حاضری میں یہاں تقریباً تین درجن خطوط جمع تھے جن میں جناب کا الہامی صحیفہ ایک نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔۱۲ خطوط کے کاتب حضرات فرماتے ہیں کہ بلوچستان نہ آؤ۔جن میں قومی دردمند اور معزز ہستیاں بھی شامل ہیں،اور بقیہ خطوط میں سے چند ایسے ملے کہ میں جلد بلوچستان پہنچوں۔اب میں کیا فیصلہ کروں۔اگر آپ یہ سمجھیں کہ مجھے وہاں آنے سے خوف زنداں مانع ہے تو سوائے اس کے کہ آپ کی تنگ نظری یا اپنی بدقسمتی کا ماتم کروں اور کیا کرسکتا ہوں۔اگر بقول ہمارے ریاستی خرافاتی پیغمبر خواجہ فیروز الدین ریونیو منسٹر (جوظلی و بروزی الہامات میں پاپائے قادیان کے خلیفہ اول کی حیثیت رکھتے ہیں) کے آپ یہ سمجھیں کہ میں یہاں رنگ رلیاں منا رہا ہوں اور:

جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

بسر کررہا ہوں، تو شہادت کے لئے سوائے اس کے کہ میں خالق ارض وسما کی طرف رجوع کروں (جس نے میرے ہم نام بے گناہ کی عصمت کی شہادت بے زبان نو ماہ کے بچے سے دلوائی تھی) اور کیا کرسکتا ہوں

اس وقت کی حلاوت کو میں اپنی صفائی کے دماغ سوز استدلال سے زائل کرنا نہیں چاہتا اور نہ ہی مقصود تھا:

بلا سے میری جو مجھ کو بُرا سمجھے، بھلا سمجھے۔

بقول جناب عرب کے ایک ایسے آدمی (رازدانِ کائنات) کی زندگی اور استقلال ہمارے لئے ایک ناقابل تقلید مثال ہے۔مگر کیا آپ نے فخر کائنات فداہ آمہاتنا و آبائنا کے چہل سالہ سکوت اور غاروں میں تکمیل ایمان پر نظر نہیں ڈالی۔

میں کہتا ہوں کہ ایک انسان کو کسی کام کے شروع کرنے سے پہلے اپنے آپ کو اس کام کے اہل بنانا چاہیئے۔دس من کے بوجھ اٹھانے سے پہلے ایک آدمی کو ورزش کے ذریعے اپنے آپ کو اس بوجھ اٹھانے کے قابل بنانا چاہیے۔ورنہ وہ ہنگامی و جذباتی کوشش یا تماش بینوں کی اکساہٹ پر اپنی طاقت کا موازنہ کیے بغیر ضد آمیز ہٹ کا نتیجہ شکست کمر یا خندیدگی جہان کی شکل میں پائے گا۔

چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن

میں ایک جاہل علاقے کا جاہل فرد ہوں۔سیاسیات سے نابلد ہوں اور اب تک بقول امین صاحب ڈاڑھی منڈواتا ہوں۔نماز نہیں پڑھتا اور ایک ایسا غلام ہوں جو اپنے آقا کی زبان بھی نہیں سمجھتا، اس لئے قبل از تکمیل خود اس وادی پر خار میں

کودنے سے ہچکچاتا ہوں اور ادھر میرے غلط فہم و غلط بین قدر دان بھائیوں کا اصرار ہے کہ...... اور میری جھجک پر مجھے سب کچھ ...... سمجھا اور گردانا جاتا ہے۔ ان جذبات کے تحت پرسوں ''کنگن'' میں ہی کہا تھا نہ کہ :

دھوکے میں پڑا دیکھ کے ظاہر مرا کم ہیں

اے تنگ نظر دیکھ تو میرا نہاں اور

یہ جملہ سات صفحات دیکھ کر آپ اندازہ لگائیں کہ کیا اس کا محرر بلحاظ منطق بیمار ہوسکتا ہے۔ یا کہلایا جا سکتا ہے؟ میں منطقی نہیں اس لئے جواب بھی نہیں دے سکتا۔

ہاں کہتا ہوں اور لکھتا ہوں کہ حقیقتاً بیمار ہوں۔ نہ صرف بیمار ہوں بلکہ تکلیف میں بھی ہوں اور لکھنے بیٹھا ہوں۔ کیونکر اور کیوں؟ اس کا اندازہ ساحل پر بیٹھا ہوا شخص نہیں لگا سکتا۔ اگر کوئی اعتبار نہیں کرتا نہ کرے۔ میں اور بھی لکھتا مگر......

ایک ہفتے کے اندر اندر اپنے لئے کوئی لائحہ عمل بناؤں گا کہ آیا مجھے طعن و تشنیع اور قبل از وقت اکساہٹ پر خلاف ضمیر اپنی استطاعات سے زیادہ بوجھ اٹھانے کے لئے میدان میں کودنا چاہئے یا اپنی اصلاح ؟

اور اس کے لئے مالک یوم الدین سے ہی استعانت اور صراط مستقیم پر چلنے کی ہمت مانگتا ہوں:

تقلید کی روش سے بہتر ہے خودکشی

رستہ بھی ڈھونڈ، خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

امین صاحب ! خدارا چند لمحات کے لئے مسخرہ پن چھوڑ دیں اور سنجیدگی سے سوچیں اور مجھے میرے ذیل کے سوال کا جواب واپس لکھیں۔

اگر میں قومی وملی خدمت کے کارزار میں کودوں یا کوئی اور مجھ سے قابل اور موزوں بلوچ میدان میں آئے تو کیا آپ شرکت کریں گے اور ملت وقوم کے سلسلے میں اپنا اسلامی فرض ادا کریں گے؟ یا یہ تمام کاغذی ڈینگیں صرف دیگراں رانصیحت وخود رافضیحت کے مصداق ہیں؟

کیا آپ مزید حصول تعلیم کو ملت اور قوم پر قربان کریں گے۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو الحمد اللہ!

اس کے جواب پر پھر عرض کروں گا۔

بندہ عزیز

حوالہ :

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی، ص۔92۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۳۴

۲۴۔۳۔۱۹۳۴

بمبئی

بھائی امین!

خدا حافظ!

بیمار ہوں، اس پر اضافہ یہ کہ بے چین ہوں، لہٰذا خدا حافظ! جار ہا ہوں۔

بلوچستان جدید کے ذریعے یاد کیا کرو اور مجھے بھی دیکھا کرو۔ اگر چاہو۔

خداحافظ

آپ کا عزیزؔ

(پتہ:۔ بمطالعہ میر محمد امین کھوسہ بلوچ متعلم بی اے آفتاب ہال مسلم یونیورسٹی علی گڑھ یو۔ پی)

حوالہ:

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی، ص۔98۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۳۵

از بمبئی

۲۵/مارچ ۱۹۳۴

رفیق محترم

مجبوراً یورپ جارہا ہوں۔ مجھے کافی احساس ہے کہ میری غیر حاضری آپ کے لئے کس قدر اذیت کا باعث ہوگی۔ مگر کیا کیا جائے کہ اس کے سوا چارہ کار نہیں۔ آپ کا بادہ بھی تو نیم رس ہے اور شوق بھی تو ابھی نارسا ہے۔ یہی بہتر ہے کہ سر پر خشت ہی رہنے دی جائے۔

ز جوان خام سوزے سخنم تمام سوزے
غزلے کہ می سرایم، بتو سازگار بادا

آپ جانتے ہیں کہ میں نے، جس قدر بھی میرے عزائم کا احاطہ تھا۔ اس کے مطابق خلوص اور بے غرضی سے اپنی قوم اور ملک کی خدمت کی اور بس خدمت کا معاوضہ اگر چاہا بھی تو صرف یہی کہ میرا ضمیر اور میری روح مطمئن رہے اور کہہ سکتا ہوں کہ :

حاصل عمر نثارِ رہِ یارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

اگر زندہ رہا اور صحت جسمانی بھی معاون رہی تو انشاء اللہ پھر جلد ہی آپ کے درمیان میں ہوں گا اور آپ یقین رکھیں کہ میں بہر حال آپ کے درد اور تکالیف کے احساس سے آزاد نہیں رہ سکوں گا۔

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

میں ۲۷ ماہ حال لندن روانہ ہو رہا ہوں۔ پرنم آنکھوں اور خوں ریز دل کے ساتھ

آپ کا درد سینے میں دبا کر جانے والا

یوسف عزیز

حوالہ :

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی۔ ص، 104۔ جون 1978ء

مکتوبات

بنام مولانا عبدالکریم صاحب

مکتوب نمبر......۳۶

بھائی صاحب!

نوشتہ ملا۔ خامی انسانیت کی ایک ایسی قدیم تر موروثی خاصیت ہے۔ جس سے (بتقاضائے بشریت) اولوالعزم رسل کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا جاسکتا ہمیں انسانوں کا جائزہ ان کی سرشت کے اجزائے اجتماعی سے لینا چاہئے۔ البتہ مستحق تحسین وستائش ہیں وہ چند ہستیاں جن کی خامیوں سے ان کی قابلیتیں زیادہ ہیں۔ میں بحیثیت آزاد نقاد و محاسب اعمال کے جس طرح اپنے تئیں خامیوں سے مبرا نہیں سمجھتا اسی طرح بصد افسوس (آپ کے جذبات کی رعایت کے لئے) آپ کے لئے بھی یہی لفظ استعمال کروں گا۔

یہ حق ہے کہ آپ کی افادیت اور نافعیت خامیوں سے کہیں زیادہ تر ہے۔ یہ معاملہ تو یہاں ختم ہوگیا۔ اب رہا لطف علی خان! اسے آپ جانتے ہی ہیں۔ اس کی افتاد طبیعت نے اسے مجبور کر رکھا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس نے اس سے آزاد ہونے کی کوشش تو بجائے خود خیال تک بھی نہ لایا یا بہ الفاظ واضع اسے اپنا حسن اور زیور سمجھنے کی علت میں گرفتار ہے۔ حالات کی غیر سازگاری نے اسے موقع نہیں دیا کہ اپنے دل و دماغ کو بلند خیالات کے لئے خالی چھوڑ سکے۔ خوداعتمادی نادانستگی وجہالت سے ملتی ہے تو غرور وگھمنڈ بلکہ کبھی کبھی دعویٔ خدائیت کے اس تباہ کن مقام تک لے جاتا ہے۔ جہاں سے میرے اس عرض کردہ اعتقاد کی تحقیق کا سراغ ملتا ہے کہ ''انسان خامیوں سے مبرا نہیں''۔

مفصلات سے قطع نظر اگر آپ بھی لطف علی خان کے طریق کار کے مقابلے میں ویسا ہی طریق کار اختیار کریں تو انصاف سے فرمادیں کہ اپنے متعلق آپ کا کیا فیصلہ ہوگا؟

بھائی صاحب!

دل کو کام میں ایک منتخبہ دھن میں اس قدر مصروف اور محو رہنے کا عادی کرنا چاہئے کہ اس کے علاوہ نہ تو کچھ سننے میں آئے اور نہ سمجھ میں۔ ایک آپ کے کافرساز ملاؤں کی تخلیق کا فرنے ایک پتھر کے بت سے ایسا گہرا معاملہ رکھا کہ اسے محمود کے

حملے اور برسر آمد شمشیر کا علم تک نہ ہوا۔ میں لطف علی خان کو واپس آنے پر سمجھاؤں گا ،مگر میرے خیال میں میرے سمجھانے سے زیادہ دست قدرت کی تنبیہ نے انہیں سمجھانے کے لئے بہت کچھ کر دیا ہے۔ پس اگر فطرت ہی سرے سے سرکش اور جاہل ہے تو اس کا خمیازہ کسی اور کو تھوڑا ہی بھگتنا پڑیگا۔

اب رہا میرا معاملہ ! جب تک میں آپ کی اور آپ کے جامع کی نافعیت کو ادنیٰ انسانی خامیوں کے مقابلے میں زیادہ مفید اور نافع سمجھوں گا تب تک میں سرتاپا آپ کی اور آپ کے رفقاء کار کی اعانت کو اپنا فرض سمجھونگا ،جس طرح اس وقت تک کرتا رہا ہوں ۔ البتہ یہ مجھے شاید مشکل ہو کہ اپنی ہر اعانت کے وقت ضرورت سے پہلے اعلان کرتا پھروں اور کرنے کی بجائے کہنے میں وقت صرف کروں، بمبئی سے تا بہ ایں دم میں نے کہا بہت تھوڑا ہی ہے ۔تقریباً دو ہفتہ ہوتے ہوں گے کہ شہداد کوٹ روانگی سے پہلے وہ شام کے وقت آپ کا تشریف لانا اور اس داستان کو چھیڑنا، تاہم آپ کو یاد ہوگا کہ آپ مجھے تقریباً کوئی خاص حوصلہ افزاء جواب دیکر نہیں گئے ۔مگر کیا واقعات آپ کی کامیابی پر دال نہیں؟ کیا میں نے عملی طور پر آپ کی حوصلہ افزائی نہیں کی بجائے زبانی ہمدردی میں وقت صرف کرنے کے؟ مجھے امید ہے کہ میرا اختصار اپنی واضح شکل میں جلوہ گر ہوگا ۔

آپ کا محمد یوسف عزیزؔ

حوالہ جات :

سالنامہ الحنیف جیکب آباد ،ص ۔72 ۔ ماہ فروری 1937ء

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی ،ص ۔112 ۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۳۷

مولانائے جامعہ!

عزیز کا باغ خشک ہورہا ہے، حکومت نہیں رہی، مگران بدنظمیوں کا علاج کیسے کیا جائے؟ میں اپنے رفقاء سمیت جوتقریباً آٹھ سات آدمی ہیں، کام کرنے جارہا ہوں۔

آپ بلا جبر بورڈنگ میں رہنے والے بھائیوں کو کہیں، اگر وہ تکلیف محسوس نہ کریں تو آئیں اوراس شب خیزی کے شریک بنیں، ان کو مجبور نہ کیا جائے۔

ایک یادو جس قدر، وہ بھی بشرطیکہ تکلیف محسوس نہ کریں، آئیں ورنہ ہم کافی ہیں، آپ خود تکلیف ہرگز نہ کریں۔

آپ کا

محمد یوسف عزیزؔ

حوالہ جات:

سالنامہ الحنیف جیکب آباد، ص۔73۔ ماہ فروری 1937ء

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی، ص 111۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۳۸

اللہ اکبر

در سلوک از ہرچہ پیش آمد گذشتن داشتم

کعبہ آمد نقش پائے رہروان نامید مشن

مولانا!

آپ کا عنایت نامہ ملا، پڑھا اور مسرؤر رہوا!

کیسے گزرتی ہے؟ کب تک ہوں؟ اور اس سلسلے کے مزید تفصیلی کوائف بھائی محبوب سے معلوم کر سکتے ہیں۔

ہاں اگر میری محبت کی کہانی میری ہی زبانی سننے پر اصرار ہے۔ تو سنئیے ! کہ دو انجکشن ہو چکے ہیں، بارہ اور ہونے ہیں اور ہر دو انجکشنوں کا درمیانی وقفہ پانچ یوم قرار پا چکا ہے۔ اس کے بعد تیس یوم منہ کی دوائی استعمال کرنی ہے۔ بھائی نوے (۹۰) دن کا کورس ہے ہمارے علاج کا! دو تین یوم بخار بھی رہا، آج چھٹا دن ہے۔ مگر بستر نہیں چھوٹا، الغرض ہم اور ہماری حالت کا نچوڑ یہ ہے کہ:

جیتا ہوں اس لئے کہ مرتا نہیں ہوں میں

اور

شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

آپ کے اشعار میں سے اکثر شعر تو بہت اچھے ہیں، بقیہ میں تخیل اچھا ہے۔ البتہ وزن سے گرے ہوئے ہیں۔ جنہیں معمولی ترمیم کے ساتھ درست کیا گیا ہے۔ دو تین قابل حذف سمجھ کر مٹا دیئے گئے ہیں۔ میں نے دو خط محبوب کو لکھے ہیں۔ جن میں اسے اسکول اور اس کے لوازمات کے نشو و ارتقاء کے تعلق میں بھی بہت کچھ لکھ چکا ہوں۔ مجھے یقین ہے

کہ آپ میری غیر حاضری میں اپنے فرض کو میری موجودگی کے مقابلے میں دگنا اہم سمجھ کر حق وصداقت کے اس پودے کی تربیت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے ۔ خواہ اس کی آبیاری کے لئے خون جگر ہی بہانا پڑے۔ایسا نہ ہو کہ بادصرصر کے تھپیڑے اپنا کام کر جائیں اور مہینوں کی جدوجہد کا حاصل ایک لمحہ غفلت کی نذر ہو جائے ۔

میں ہر عشرے کے انجام پر آپ کے خط کا منتظر رہوں گا۔جس میں کم از کم چند سطریں اسکول کی حالت ،بچوں کے شوق علم اور تعداد حاضری میں ترقی وغیرہ کے متعلق ضرور ہوں،ایک بے کار بیمار کی دلی تمنا ہے کہ ایک با کار بیمار صحت یاب ہو۔

والسلام

آپ کا عزیز (بلوچ)

حوالہ جات:

سالنامہ الحنیف جیکب آباد،ص ۔73۔ ماہ فروری 1937ء

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی ،ص ۔108۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۳۹

اللہ اکبر

محترمی مولوی عبدالکریم صاحب!

آپ نے اس سلسلہ میں جو پارٹ ادا کیا ہے، اس کا شکریہ ادا کرنا میری عاجزانہ بساط سے باہر ہے۔

میر رُواں رُواں، میرا ذرہ ذرہ آپ کا مشکور ہے۔ باایں ہمہ آپ اپنے فرض سے اب تک آزاد نہیں ہوئے، جب تک جھل میں تعلیمی معیار کو اس بلندی پر نہ پہنچائیں جہاں آپ کا پیارا یوسف۔ ہاں اپنی افتاد طبیعت اور نرالی فطرت کی بدولت جلاوطن، در بدر یوسف، اسے لانا چاہتا تھا محبوب کا فرض ہے کہ وہ آپ کی ہر قسم کی مدد کرے۔ خدانخواستہ اگر یہ سکیم برباد ہوگئی، رفتار کو گل محمد کی عہد جاہلیت کی حالت پر لایا گیا۔ تو محبوب کو کہہ دو کہ یوسف باوجود والد کی بے انتہا محبت کے انبار سینے میں چھپائے ہونے کے اور باوجود اور حالات کے، خونِ جگر پی کر صبر اختیار کریگا مگر جاہل بزدل جھل میں کبھی نہیں آئے گا۔ آپ کے تمام رفقائے کار کو محبت بھرے سلام! بھائیو! تم میرے رفیق تھے۔

اور

ماومجنون ہم سبق بودیم در دیوان عشق

مگر

اوبصحرا رفت، مادر کوچہا گردیم ہنوز

نیاز، منظور، کمبو، عبداللہ، پیر بخش صالح محمد اور سب کو پیار!

آپ کا عزیزؔ

از، لندن

حوالہ جات:

سالنامہ الحنیف جیکب آباد۔ ص، 75 ماہ فروری 1937ء

ماہنامہ حقیقت۔ سبی۔ ص،5۔ 25 مئی 1956ء جلد 6۔ شمارہ 9

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی۔ ص، 114 جون 1978ء

مکتوب نمبر......۴۰

مکرم بندہ!

وعلیکم السلام! ورحمتہ اللہ و برکاتہ،

آپ کا نغمہ نواز شفقت نامہ فردوس گوش و جنت نگاہ ہوا،

شکریہ!

مفصل لکھتا، مگر بیمار ہوں، اور بیماری بھی کرب آمیز ہے سونا مرگ سے کشتی پر بمشکل پرسوں یہاں پہنچا ہوں۔ ڈاکٹر ''نیو'' کے زیر علاج ہوں۔ ممکن ہے نوبت بہ آپریشن رسد با ایں ہمہ کوشش کر رہا ہوں کہ تھوڑا سا افاقہ محسوس کرتے ہی جلد ہی وہاں پہنچ کر برادران وطن کے دُکھ درد میں شریک ہوجاؤں اور قبل از رسید گی بہ بلوچستان ایک اعلان زیر عنوان ''اعلان حق'' چاہتا ہوں کہ شائع ہوجائے، اس حالت میں کہ بستر پر ہوں روزانہ صفحہ آدھ اس کے لئے لکھ مارتا ہوں۔

چوہدری صاحب سے فرمادیں کہ نوابزادہ صاحب کا مکتوب مجھے یہاں پہنچا ہے۔ فیض کے سلسلہ میں عرض ہے کہ مولوی صاحب خواہ مخواہ بندہ پر ناراض ہوا ہے۔ حقیقت میں فیض سے مجھ کو صرف اس قدر تعلق ہے جس قدر کہ ایک ایرانی افغانستانی مسلم کے ساتھ ہند کے کسی دردمند مسلم کا ہونا چاہئے۔ میں نے اس کی چھٹی کا جواب تک اسے نہیں دیا۔ مولوی صاحب خواہ مخواہ مجھے ہدف مطاعن بنا رہے ہیں۔

مولوی صاحب کو کہئے کہ میرے پیچھے پہلے ہی کافی اتہامات و افترا باندھے جا چکے ہیں۔ اگر آپ مزید کسی کمی کو پورا کرنا چاہتے ہیں تو میں یہ کہہ کر خاموش ہوجاؤنگا۔

این ہم اندر عاشقی بالائے غمہائے دِگر واللہ اعلم بالصواب۔

دعا فرماویں کہ اللہ پاک میری موجودہ تکلیف رفع کرے۔ تاکہ میں وہاں حاضر ہوسکوں۔ کیا آپ جرگہ کے حالات سے مجھے مطلع فرماسکتے ہیں۔

آپ کا محمد یوسف علی عزیزؔ

حوالہ جات:

سالنامہ الحنیف جیکب آباد۔ ص،75۔ ماہ فروری 1937ء

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی۔ ص، 107۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۱۴۱

اللہ اکبر

خطر تاب و توان را امتحانست
عیار ممکنات جسم و جانست

اے خالق کائنات کی تخلیق کی ایک بہترین چیز! سلامتی ہواوپر تمہارے اور اوپر دیگر مومن بھائیوں کے۔آپ کے خط نے بے حد محفوظ کیا۔شکریہ

ایبٹ آباد صوبہ سرحد میں ہوں۔موسم متعدل ہے۔بارش کا بلا ناغہ روزانہ برسنا، ہواؤں کا چلنا،شہر کی پاکیزیت اس خطے کے مکینوں کے جنتی ہونے کا ثبوت دے رہی ہے۔ باایں ہمہ میری سوختی سامانی میں کوئی فرق نہیں آیا۔زمیندار ۲۰/ جولائی سنہ ۱۹۳۲ء کا پرچہ دیکھئے جس میں میری تصویر ہے آپ کی تکلیف نے مجھ پر کیا اثرات ڈالے؟اس کی تشریح کو کسی اور موقع پر رکھے دیتا ہوں۔کسی وقت مسلم سے میں نے ایک اپیل کی تھی۔جس کا ایک شعر ہے

”رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جو آنکھ سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے“

اب اس کا اطلاق عین مجھ پر ہوتا ہے اگر میں یہ عرض نہ کروں کہ بندہ بھی عمل اعداد کے لئے حاضر ہے۔دو، تین یوم سے طبیعت پر ایک خاص حالت طاری ہے۔جس کے تحت ”پیغام عمل واحسانات سرور کائنات“ کے زیر عنوان پر بہت کچھ کہہ چکا ہوں۔

’زمیندار‘ اور ’سیاست‘ کی معرفت آپ دیکھ سکیں گے۔چوہدری صاحب نے مجھے اب تک کچھ نہیں لکھا تکلیف فرما کر ان کو اگر یہ پیغام پہنچا دیں کہ بندہ خدا! تمہیں علم نہیں کہ ایک غریب الوطن کے لئے اس قدر استغنا کس قدر اذیت دہ ہوا کرتا ہے۔تو آپ کا شکریہ ہوگا۔ بھائی فیض کو بہت بہت السلام علیکم۔

میں ہوں اور ”بے مہری اہل وطن“ غالب کہ دل

دیکھ کر طرز تپاک اہل دنیا جل گیا۔

آپ کا محمد یوسف خان مگسی

حوالہ جات:

سالنامہ الحنیف جیکب آباد،ص۔76۔ماہ فروری 1937ء

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی ،ص۔108۔جون 1978ء

مکتوب نمبر......۴۲

اللہ اکبر

محترم بندہ، مولانا صاحب

وعلیکم السلام!

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

عقل ہے، محو تماشائے لبِ بام ابھی

آپ کے ہر دو خطوط کل مجھے موصول ہوئے۔شکریہ!

وجہ تاخیر اغلباً میرا ایک مقام پر مستقل قیام نہ ہونا ہی ہے۔کراچی جاتے ہوئے ٹرین کے ہچکولوں میں لکھ رہا ہوں۔اغلباً ۲۵ ماہ رواں کے اندر ہمیں قلات جانا پڑے گا۔ہمیں جدید خان آف قلات کی یہی فرمائش ہوئی ہے، مگر ابھی تک فیصلہ نہیں ہوا۔ ہمیں کہا جاتا ہے کہ قلات میں بصورت عدم فیصلہ ہماری واپسی میں رکاوٹ ڈالی جاویگی اور شاید آزادی بھی سلب کر لی جاوے مگر یہ خوف ہمارے ارادوں میں مانع نہیں ہوسکتا۔

اگر تیغ عالم بہ جنبدز جائے

نہ بردرگے تائے برد خدائے

آپ کے رنگین خط کا رنگین جواب دینا آج کل میرے لئے از بس مشکل ہے۔اطمینانِ قلب نہیں۔ وہ سکون نہیں، وہ یکسوئی نہیں جس کی اس کے لئے ضرورت ہوا کرتی ہے اس لئے مطلب ادائی پر ہی مکتفی ہوتا ہوں۔

السلام

بندہ محمد یوسف علی عزیزؔ

نوٹ ......مولانا عبدالکریم صاحب کے متعلق آپ حضرات نے نواب یوسف علی خان کے تاثرات صفحہ قرطاس پر ملاحظہ فرمائے ہونگے اور یہ بھی اندازہ لگایا ہوگا کہ ہمارے مجاہد اعظم یوسف علی خان کو مولانا محترم کی ذات گرامی سے کس قدر عقیدت تھی در حقیقت جامعہ عزیزیہ کی کامیابی کا راز مولانا صاحب کی اعلیٰ تنظیمی قابلیت میں مضمر تھا اور یہ حقیقت اس وقت اور بھی زیادہ روشن ہوئی جب یوسف کے بعد قدر نا آشنا لوگوں کے خیال کے مطابق مولانا موصوف کو جامعہ عزیزیہ سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔

جامعہ کے اس وقت کے طلباء جن کو صرف دو تین سال اس بہتی گنگا سے استفادہ کا شرف حاصل ہو چکا تھا۔ کئی تحریریں ہمارے مشاہدہ میں آ چکی ہیں اور ہم حیران ہیں کہ کیا یہ بھی ممکن ہے کہ پانچویں چھٹے درجے کا ایک طالبعلم اس قدر روانی سے اپنے مفہوم کو بہترین الفاظ میں ادا کر سکتا ہے؟

مولانا صاحب کی جُدائی جامعہ کے لئے جس قدر نقصان کا باعث ہوئی وہ اس امر سے بھی بخوبی معلوم ہوسکتا ہے کہ اب وہاں کے بچوں میں نہ وہ تعلیمی شوق رہا ہے اور نہ تعداد انتظام سٹاف جامعہ ہے نہ اس کی تنظیم غرض مولانا صاحب کے بعد کی حالت بالکل دن اور رات کی مثال ہے، شاہد موجودہ کارکنان جامعہ کی ناتجربہ کاری اور عدم قابلیت اس میں کارفرما ہے۔

توقع ہے سردار محبوب علی خان اپنے موجودہ بھائی کی اس آخری یادگار کو اعلیٰ بلندی پر پہنچانے کی تدابیر کریں گے۔ (مدیر)

(بشکریہ: سالنامہ الحنیف فروری ۱۹۳۷ء)

یہ تھا میر یوسف عزیز کی سرپرستی میں نکلنے والے جریدہ الحنیف کا نوٹ !

مصنّف کا نوٹ:

میر یوسف عزیز مگسی کی ناگہانی وفات کے بعد نہ ان کے ورثا میں یہ قابلیت رہی کہ وہ یوسف کے مشن کو جاری رکھ سکیں اور نہ ہی اس کی وصیت پر اس کے ورثاء نے عمل کیا جس میں میر یوسف عزیز نے اپنی آدھی جائیداد، جامعہ یوسفیہ اور دیگر قائم شدہ تعلیمی اداروں اور یوسفی دور میں جاری فلاحی کاموں پر خرچ کرنے کی غرض سے وصیت کی تھی۔ یوسف عزیز کی وصیت میں آدھی جائیداد درج نامزد کمیٹی کے حوالے کرنے کی تحریر موجود ہے۔ بعد از شہادت یوسف عزیز نہ ان کے ورثاء میں قابلیت رہی اور نہ آدھی جائیداد نامزد کمیٹی کو حوالہ کرنے کی توفیق کی گئی اور نہ ہی ہمارے سیاسی اکابرین وقبائلی عمائدین نے اس جانب توجہ دیا۔ حالانکہ جامعہ بلوچستان کے پروفیسر محمود علی شاہ کے مطابق کہ ''جامعہ یوسفیہ'' کا رقبہ اب بھی بلوچستان یونیورسٹی سے بڑا ہے اور جامعہ یوسفیہ کے اس دور میں تعمیر ہاسٹلوں کی تعداد بلوچستان یونیورسٹی کے ہاسٹلوں سے زیادہ ہے اور جامعہ یوسفیہ موجودہ حالت میں بھی یونیورسٹی بننے کے قابل ہے'' لیکن تعلیم کی طرف توجہ کون دے۔ ہمیں تو اپنے پیٹ کی پڑی ہے۔ ہمیں تو پیسے بنا کر جدید ترین گاڑیوں اور عالیشان محلات میں انجوائے کرنے کی ہوس ہے۔

حوالہ جات:

سالنامہ الحنیف جیکب آباد۔ ص،76 فروری 1937ء

ڈاکٹر انعام الحق کوثر مکاتیب یوسف علی عزیز مگسی۔ ص،110۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۴۳

12-08-28

بخدمت مشفق (و) مہربان دوستاں میر سہراب خان صاحب! دام ظلکم

اسلام علیکم!

عنایت نامہ آں مہربان کا دستی موصول ہوکر باعث مست ہوا۔ یاد آوری کے لئے مشکور ہوں۔ سخت خوشی حاصل ہوئی۔ بندہ آج کشمیر جانے کو تیار ہے۔ جلدی میں مفصل خط نہیں لکھ سکا۔ زمین لینے کے بارے میں پھر صلاح کریں گے۔

فقط

محمد یوسف علی خان بقلم خود

حوالہ:

ڈاکٹر انعام الحق کوثر......مکاتیبِ یوسف عزیز مگسی، ص19

مکتوب نمبر......۴۴

بخدمت مشفق مہرباں دوستاں برادرم میر سہراب خان صاحب

دام ظلکم

اسلام علیکم !

عنایت نامہ موصول ہوا۔نہایت خوشی حاصل ہوئی۔ بندہ پندرہ دن کیلئے بغرض تبدیل آب و ہوا کشمیر چلا گیا تھا۔ایک ہفتہ ہوا کہ واپس آ گیا ہوں۔افسوس کہ اس موقع پر بندہ جناب کی دعوت کھانے کے قابل نہیں، کیونکہ کل کوئٹہ تیار ہوں۔ دو تین دن سندھ میں لگ جائیں گے اور ایک دن جیکب آباد اترنا پڑے گا۔اگر جناب مجبور کریں گے تو کام میں قدرے نقصان کا احتمال ہے۔انشاء اللہ تعالیٰ واپسی پر تعمیل حکم کے لئے حاضر ہوں۔انشاء اللہ تعالیٰ اگر ممکن ہوسکا اور موقع ملا تو شاید جیکب آباد میں چند گھنٹوں کے لئے موقع ملاقات مل سکے۔ دوسرا حال عرض خدمت مستقیم کرے گا۔

فقط

محمد یوسف علی خان بقلم خود

حوالہ :

ڈاکٹر انعام الحق کوثر......مکاتیبِ یوسف عزیز مگسی، ص20

مکتوب نمبر......۴۵

ملتان سٹی

23-04-29

مکرمی!

وعلیکم السلام

آپ کے لا تعداد عنایت نامہ جات موصول ہوکر باعث مسرت ہوئے یاد فرمائی سے مشکور ہوں۔ لاہور گیا ہوا تھا۔ واپس ہونے پر، جس کو پانچ دن ہوئے، طبیعت قدرے بیمار رہی۔ آپ کے خط کا بحالت کمزوری جواب نہ لکھ سکا۔ آج طبیعت ٹھیک معلوم ہورہی ہے۔ قلم اٹھائی اور آپ کی خدمت میں لکھ رہا ہوں۔ آپ اب خوش رہیں کہ مجھ میں اب وہ دیوانہ سری جو کہ تھی نہیں رہی۔ البتہ اس کا خمار ہے۔ ایک ہفتے کے اندر جھل جاؤں گا۔ میر محبوب علی خان کل بطرف جھل جارہے ہیں۔

فقط

محمد یوسف علی خان بقلم خود

حوالہ:

ڈاکٹر انعام الحق کوثر......مکاتیبِ یوسف عزیز مگسی، ص 21

مکتوب نمبر......۴۶

سبی

01-02-30

بخدمت مکرمی جناب!

تسلیم۔عنایت نامہ موصول ہوا۔عنایت کا مشکور ہوں۔

آپ کے آدمی کو واپس کیا جاتا ہے اور ہر طرح سے خیریت ہے۔ ابھی تک یہاں سے روانہ ہونے کی بابت کوئی علم نہیں ۔ رمضان شریف کی آمد کی مبارک قبول ہو۔

بندہ محمد یوسف علی خان بقلم خود

حوالہ :

ڈاکٹر انعام الحق کوثر......مکاتیبِ یوسف عزیز مگسی۔ص،21-22

مکتوب نمبر......۴۷

سبی

21-01-30

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا اب زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

مکرمی جناب!

اسلام علیکم!

مزاج شریف! عنایت نامہ موصول ہوکر باعث مسرت ہوا۔ یاد آوری کا مشکور ہوں۔ افسوس کہ مصروفیات زمانہ سے مجبور ہوکر جناب کو اتنا عرصہ کچھ نہ لکھ سکا۔ برادرم! زمانے کے نشیب وفراز، بھائیوں کی بے وفائیاں، قوم کی بے اعتنائیاں کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ ان سب باتوں نے میرے دل و دماغ پر ایک سخت برا اثر کیا ہوا ہے۔ مرض نسیاں تو بالکل اب ڈیرے جمائے بیٹھا ہوا کہ نکلنے کا نام تک نہیں لیتا۔ علیٰ ہذا القیاس دماغی وقلبی مرض ملحق ہو چکے ہیں کہ میں اپنے مہربانوں کے آگے سخت شرمندہ و نادم ہوں۔ امید (ہے) کہ آپ میرے مجبوریات پر نظر فرما کر مجھے معاف فرمائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ایک ہفتے کے بعد شاید جیکب آباد آؤں اور وہاں ملاقات میسر ہو۔

ازطرف میر محبوب علی خان عرض و مضمون (واحد)

بندہ محمد یوسف علی خان بقلم خود

حوالہ:

ڈاکٹر انعام الحق کوثر......مکاتیبِ یوسف عزیز مگسی، ص 22-11

مکتوب نمبر......۴۸

رفیق محترم سردار میر تاج محمد خان ڈومبکی سلامت باشید۔

سلام ممنون!

آپ کے ساتھ نامہ و پیغام کا سلسلہ اچانک بند ہوگیا اور یہ آپ کی علالت اور میری مصروفیت کے باعث ہوا۔لیکن آپ کے خیریت نامے سے ظاہر ہوا کہ آپ نے مجھے بھلایا نہیں ۔قریبی عرصے سے میرا ارادہ سندھ بالخصوص جیکب آباد میں (جو مرکز ہے بلوچوں کا) بلوچ بھائیوں کی امداد سے فی الحال ایک انجمن حزب اللہ یعنی خدائی فوج کی بنیاد ڈالنے کا ہے۔جس کے غرض و مقاصد واضح ہیں۔یعنی دین الٰہی اور قیام بر دین الٰہی کی تبلیغ ۔ باقی جو کچھ ہوگا ان دوشقوں کے تشریحی سلسلے میں محسوب ہوگا۔

''خیر الناس من ینفع الناس'' یعنی لوگوں میں سے بہتر وہ ہے جو دوسرے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔آپ کی رائے اور مشورے کا منتظر رہوں گا۔

آپ کا مخلص

ایم یوسف عزیز ، جھل مگسی

11/ مئی 1932ء

حوالہ :

ڈاکٹر انعام الحق کوثر......مکاتیبِ یوسف عزیز مگسی،ص 23

مکتوب نمبر......۴۹

خدا آپ کو تاج اسلام کا بہترین نگینہ ثابت کرے۔(آمین)

سلام ہو تجھ پر میرے خالق کا

نوازش نامہ ملا، شکریہ

میرے متعلق جناب کا حسن ظنی نظریہ مجھے مجبور کرتا ہے اس عرض کرنے پر کہ

ہر کسے از ظنِ خود شد یار من

وز درونِ من نجست اسرارِ من

سر من از نالہ من دور نیست

ہر یکے را لیک چشم و گوش نیست

اپنی شخصی آزادی کے سلسلے میں عرض ہے کہ اس غلامی اور اس پابندی کے بغیر، جو مخلوق کو اپنے خالق کے ساتھ ہے اور ہونی بھی چاہئے۔ بفضل خالق جلیل میں ہر قیود سے آزاد ہوں۔ کسی ملک کے قانون کا کوئی دفعہ مجھ پر اثر انداز نہیں ہوسکتا۔ سوائے قانون الٰہی کے جو بشکل قرآن میرے سینے میں ہے۔

قریبی عرصے میں میرا ارادہ ہے، سندھ، بالخصوص جیکب آباد (جو مرکز ہے بلوچوں کا) آنے کا، اور بلوچ بھائیوں کی امداد سے فی الحال ایک انجمن ''حزب اللہ'' (یعنی خدائی فوج) کی بنیاد ڈالنے کا، جس کے اغراض و مقاصد واضح ہیں۔ یعنی تبلیغ دین الٰہی وقیام بر دین الٰہی۔ باقی جو کچھ ہوگا اندوشقوں کی تشریحی سلسلے میں محسوب ہوگا۔

باقی ابھی بہت جی چاہتا ہے کچھ اور لکھنے کو۔ مدت کے دبائے آہ و نالہ بر سر پیکار و آمادہ بغاوت ہیں۔ مگر بلوچ قوم کی بلوچیت مانع ہے۔

وہ اپنی ضد نہ چھوڑیں گے

ہم اپنی وضع کیوں بدلیں

سبک سر ہوکے کیوں پوچھیں

کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

اگر یہ اعتباری امر ہوسکتا ہے کہ کوئی ایک سمندر کے کنارے کھڑے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا اٹھا کر طوفانوں کو دعوت دے رہا ہو تو وہ بلوچ ہی ہوسکتے ہیں :۔

مٹادوں گا تری بلوچیت کو ہاں مٹا دوں گا
تجھے پھر خالد و حیدر سا مسلم کر کے چھوڑوں گا

مگر...... کاش گلشن میں سمجھتا کوئی فریاد مری۔

(حاشیے پر کسی کا نوٹ ’’کیوں جی! اور کوئی ہو نہ ہو، ہم تو ہیں۔ بفضل ایزدی آپ کے بنائے ہوئے۔ تیری فریاد کو سمجھنے والے‘‘)

آپ چند صدیاں پیچھے چلے جائیے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ بارہا انسانیت معرض خطر میں پڑ چکی ہے اور ہمیشہ کسی جماعت نے نہیں۔ کسی دردمند دل کی صدائے درد نے ہی اسے بچایا ہے اور جب تک نظام کائنات قائم ہے اور اس کا اس دستور پر قیام منشائے فطرت ہے۔ تب تک عروج و زوال کی تبدیلیاں ہوتی رہیں گی۔

ان ایام (عسرت وراحت) کو آدمیوں میں ہم تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ جو قوم یا جماعت بقائے اصلح کے اصولوں پر کاربند ہے وہ راحت میں ہے۔ خلافت ارضی کا خدائی پروانہ اس کے لئے جاری ہو چکا ہے اور وہ اسی حالت میں رہیں گی۔ جب تک کہ اُن اصولوں کو ترک نہ کرے اور صراط مستقیم سے نہ بھٹکے۔ مگر یاد رہے کہ خدائے قدوس کے نزدیک انفرادی زندگی کی صلاحیت جماعتی منفعت کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ قران مجید میں جہاں کہیں ہمیں طریق استدعا بتلایا گیا ہے۔ وہ جماعت کی طرف سے ہے۔ فرد کی طرف سے نہیں۔ سورۃ فاتحہ کو دیکھئے ہے ہیں۔ افسوس کہ میں آج کل چند الجھنوں میں الجھا ہوا ہوں ورنہ بتلاتا اور یقیناً ثابت کرتا کہ وجہ تخلیق دین اسلام صرف خلافت ارضی کیلئے سابقہ جماعتوں کا نا اہل ثابت ہونا ہے۔ اگر پیروان موسیٰؑ اہل رہتے تو عیسائیوں کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اگر عیسائی اہل رہتے تو مسلمانوں کی کوئی ضرورت نہ تھی اور اب اگر مسلمان اس کے اہل نہیں رہے تو یہ امانت، یہ ذمہ داری گر پھر عیسائیوں کے پاس عارضی طور پر چلی گئی ہے تو کوئی مقام حیرت نہیں۔ اب دیکھیے کہ عیسائی بھی نا اہل ہوتے جارہے ہیں۔ مدت ’’الیکشن‘‘ (انتخابات قریب تر ہے۔ اگر مسلمانوں نے سعی و عمل کو پھر اختیار کیا۔ اپنے نصب العین کی وسعت میں کوشاں رہے۔ اصلاح اور خلیفہ خدا کے ہیجان انگیز ولولوں نے سینوں کو معمور کیا اور اللہ تعالیٰ والے بنے۔ اپنے روٹھے ہوئے خالق کو منانے کے لئے پھر اس کی طرف بے اختیار دوڑ پڑے۔ تو تمام کائنات و مافیہا پر اس کی حکومت اس کی قسمت ہوگی۔

اقرار ایمان کے ساتھ شرط ہے کہ اعمال صالح بھی کرو تو خلافت ارضی یقیناً تمہاری ہے۔ لفظ صالح کی تشریح کے لئے جہاں فرصت کی ضرورت ہے وہاں سامعین کی بھی اور یہاں فی الوقت دونوں مفقود ہیں۔

بہر حال ہم یاس وحرماں کی رٹ (حاشیے پر کسی نے لکھا ہے بلکہ بین السطور ''ہوئے تو دوست کسی ''رٹ'' لگانے کے لئے پیدا وہ پاس وحرماں نہ بھی ہو اور کچھ سہی'') لگاتے رہنے کے لئے پیدا نہیں ہوئے۔ چاہے فضا اور جماعتی جمود کی حالت اس سے بدتر ہوجائے

من ہر چہ شرط بلاغ است با تو میگویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

جہاں کہیں میں نے قرآنی آیات کا غیر مکمل خلاصہ پیش کیا ہے، آپ کا فرض ہے کہ اس کو مکمل کر کے اس کا مطلب سمجھیں۔ مجھے ان کے بقیہ حصے اولاً تو فی الوقت یاد نہیں رہے اور ساتھ ترجمہ لکھنے سے عدیم الفرصتی مانع تھی اور قرآن حکیم کا نسخہ اس وقت موجود نہ تھا۔ اس لئے جلدی میں چند اشارات پر ہی مکتفی ہوا۔

اخیر میں عرض ہے کہ دل کو بندہ کے اس ذیل کے فی البدیہہ شعرا سے معمور رکھیئے گا۔

من شیرِ نوجوانم و میدانم آرزو است
در دشتِ کربلا یکے جولانم آرزو است

باقی باقی

آپ سب کا غمخوار، خادمِ ملت،

عزیزؔ

مکتوب نمبر.......۵۰

مکرم بندہ جناب سردار میر بلوچ خان صاحب

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

ہم نے طے کیا ہے کہ آل انڈیا بلوچ کانفرنس بماہ دسمبر جیکب آباد میں منعقد کریں اور ہم نے اس کے لئے زور شور سے کام شروع کر دیا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ بلوچ قوم میں افلاس اور غربت کس قدر موجود ہے۔ اس لئے مکانوں کی اور دیگر فروعی چیزوں میں آپ کی امداد کی سخت ضرورت ہے۔ کیا آپ اس سلسلے میں ہماری مدد کریں گے؟ میر غلام سرور خاں میرا یہ عریضہ آپ کی خدمت میں پیش کرے گا اور ساتھ ہی متعلقہ ضروریات بھی بیان کرے گا۔ مجھے کامل توقع ہے کہ آپ ہر ممکن مدد دیں گے اور کانفرنس کی کامیابی میں کوشش کریں گے۔ بلوچ قوم آپ کے اس احسان کو کبھی بھی فراموش نہیں کرے گی۔ اس کے بعد جب آپ کو بعد میں باقاعدہ دعوت ملے تو بنفس نفیس آپ ضرور شمولیت فرماویں گے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کانفرنس کے لئے جیکب آباد کو ہی منتخب کرنا صرف آپ کی توقع پر ہی ہوا ہے۔ بندہ بھی عنقریب اس سلسلے میں جیکب آباد آئے گا۔

زیادہ خیرت ہے۔ دعا ہے خدائے برحق آپ کو بمعہ لواحقین خیر و عافیت سے رکھے۔

تحریر۔ ۳۰ رستمبر ۱۹۳۲ء

الراقم

نوابزادہ میر محمد یوسف علی خان عزیز مگسی بلوچ

بمقام ملتان

بندہ محمد یوسف علی خان بقلم خود

حوالہ :

ڈاکٹر انعام الحق کوثر......مکتوباتِ یوسف عزیز مگسی، ص ۲۸۔ جون۔ ۱۹۷۸ء

مکتوب نمبر......۵۱

ترا نادان امید غمگساری ھازافرنگ است

دل شاہین نہ لرزد بہرآں صیدے کہ درجنگ است

برادرم محترم !

وعلیکم السلام ۔مزاج شریف

شفقت نامہ موصول ہوا۔

شکریہ

توقعِ انصاف اور امیدِ غم خواری کا جواب تو شعر بالا عرض کرے گا۔ باقی رہی میری کوشش اور اس کے متعلق آپ کا عدم اطمینان ، برادرِ عزیز ! آپ کو معلوم ہے کہ میں اس وقت اگر عملاً حکومت کا معتوب نہیں تو محبوب بھی نہیں۔ یہی اس حکومت کے نزدیک میری سفارش کی پذیرائی کامل کی توقع رکھنا یا عدم پذیرائی کی صورت میں اسے میری بد دلانہ سفارش پر محمول کرنا۔جس کا شیوہ ہی یہی ہے کہ محبوب نہیں بناتی۔ الا سوائے اس کے کہ اس میں اس کے اپنے شاہانہ مقاصد مضمر ہوں۔ اگر ناواقفیت نہیں تو اور کیا ہے۔

میں نے اپنی حقیقی کوششیں آپ کے معاملے کے تعلق میں صرف کر دی ہیں اور حکومت کے اصول معروضہ کے باوجود میں کہہ سکتا تھا کہ آپ کامیاب ہوں گے اور اپنی توقعات سے بڑھ کر کامیاب ہوں گے۔ کب؟ اس کا علم سوائے اس ذات قدوس کے کسی غلط کار انسان کو نہیں ہوسکتا۔

یقین رکھئے گا کہ آپ کے عہدۂ موجودہ...... کے سردار صاحبان کی مثل بندہ کی کوششیں اور وعدے نہیں ہو سکتے اور نہیں ہوں گے،جب تک میرا خالق میری فطرت کا نگہبان اور میرے اعمال کا محافظ ہے۔

میرے معاملات اگر اچھے نہیں تو برے بھی نہیں اور حقیقتاً زندگی کا لطف بھی اس میں ہے۔

زندہ ہر اک چیز ہے کوششِ ناتمام سے

میری خواہش ہے اور دعا ہے کہ آنے والی عید قربان مظلوموں کے لئے پیام مسرت بن کر آئے۔شاید بموقع عید آپ سے بمقام سبی یا ڈھاڈر ملاقات ہو۔

(سلاموں کی بارش برسانے والے پر رحمت خدا کی)

آپ کا بندہ

محمد یوسف علی خان بقلم خود

۱۹۔۰۳۔۳۳

حوالہ :

ڈاکٹر انعام الحق کوثر......مکتوباتِ یوسف عزیز مگسی،ص29۔1978ء

مکتوب نمبر......۵۲

۴؍نومبر ۱۹۳۳ء

برادر عزیز!

خدائے قدوس ہمیشہ اپنے فیض و کرم سے آپ کو نوازتا رہے۔ میرے متعلق آپ کے نیک خیالات جہاں میرے لئے ذہنی کشمکش کا باعث ہوتے ہیں، وہاں یہ آپ کے حسن خیال اور خوبی نظر کا خاموش پروپیگنڈہ بھی ہیں۔

چوں غلامِ آفتابی ہمہ ز آفتاب گوئی
نہ شبی نہ شب پرستی کہ حدیثِ خواب گوئی

سردی کا عالم شباب اور موسم کی خوشگواریت کی کہانی بالخصوص آپ کی زبانی درس عبرت و تماشا ہے ہم جیسے شکستہ رباب، سوختہ دلوں کے لئے اور سامان بصیرت و تحیّر ہے۔ ہم سے متاعِ حسن باختہ سرد ذوقوں کے لئے:

اے مسرت آبادِ بہار کے مکیں
تیری مسرتوں کی عمر دراز!

عزیز! یقین جانو ہزاروں بہاریں آئیں اور اپنی یاد خشک پتوں اور بے برگ درختوں کی صورت میں چھوڑ کر چلی گئیں۔ باور نہ ہو تو ہمیں دیکھ لو کہ ہم ایسی بیسیوں بہاروں کی ''مجسم یاد'' ہیں۔ اس سے زیادہ روشن یاد دیکھنا چاہتے ہو تو بدقسمت ہندوستان اور بدنصیب بلوچستان کی خزاں ہی دیکھ لو۔ پھر ایسے میں اگر بہار کی مستانہ یاد نے ہمیں بھی تھوڑا سا صرف ترقعن (؟) رکھا تو جائے حیرت نیست۔

تا کجا ایں ماتم فصلِ بہار
خیز و خلاقِ بہارِ تازہ شو

باقی رہی ہماری خیریت اور اس کم نصیب کی حالت کا آپ کو انتظار، سو وہ بھی لگے ہاتھوں دو فقروں میں سن لیجئے۔ کھانے کے ذمہ دار ہم ہیں:

دستِ خود دامان بودن ندارد لذتے

دستِ گستاخ دگر خواھم و دامانِ دگر

رہ گئے یہاں کے ملکی اور قومی حالات، سو یہ حقیقتاً ایمان افروز اور ہمت افزا ہیں اور قادر مختار، خالق قوت کی کریمانہ نوازش کا بدیہی ثبوت کہ کس طرح ایک ناچیز ذرے کو اپنی کامرانی کے لئے منتخب کرتا ہے اور پھر اس سے اپنے مقاصد صالحہ کی تکمیل کراتا ہے۔اس موقع پر یہ آیت کیا خوب یاد آ گیا:

[illegible]

بھئی سچ تو یہ ہے کہ:

حکایت از قدِ آن یارِ دل نواز کنم

بایں فسانہ مگر عمر خود دراز کنم

اپنے والد گرامی اور برادر محترم محمد شفیع کو میرا اسلام کہیں۔

خدا حافظ!

دنیائے جنگ و نفرت آباد کا ایک شکستہ نصیب

ایم یوسف عزیزؔ

حوالہ:

ڈاکٹر انعام الحق کوثر......مکتوباتِ یوسف عزیز مگسی۔ص،۳۱۔۳۲۔ جون،۱۹۷۸ء

مکتوب نمبر......۵۳

مکرم من بھائی صاحب!

اسلام علیکم وحمت اللہ و برکاتہ

حسبِ حکم وزیر اعظم کے نام چھٹی آپ کو پہنچا رہا ہوں جو دستی وہاں پہنچائیں۔
میں نے چھٹی میں رونا تو اچھا سارا رویا ہے۔ مگر

کاش گلشن میں سمجھتا کوئی فریاد مری

خیر پرواہ نہیں۔ اگر کسی نے بھی نہ سمجھا اور کوئی بھی میرا ہم نوا نہ بنا تو:

میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شور فشاں ہوگی آہ میری، نفس مرا شعلہ بار ہوگا

ملتان میں ہوں۔ دنیاوی جھمیلوں سے آزاد ہوکر خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ مگر محسوس ہورہا ہے کہ لیلائے آزادی تک پہنچنا کارے دارد ہے۔ بہر حال

[illegible]

خدا حافظ

بندہ عزیزؔ

اگر دعائے ذیل کا ورد کرتے رہیں تو بہتر ہوگا۔ مگر پڑھتے وقت معنوں پر نظر ہو اور اللہ پر یقین۔ وہ یقین جس نے آگ کو گلزار بنا دیا تھا۔ ورنہ خالی پڑھنا بے کار اور تضیع اوقات ہوگا۔ معنی کو سمجھ لیں۔ پھر چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ہی ورد ہو۔

واللہ کہ بڑا لطف آئے گا:

[illegible]

(اے رب! ہمارے دلوں کو صبر کے لئے فراغ کر دے اور ہمارے قدموں کو جمائے رکھ اور نصرت بخش ہمیں اوپر کفار کے)

یعنی ظلم کے مقابلے میں صبر کی طاقت دے اور صراط مستقیم اور ہمارے قدموں کو مضبوط رکھ اور کفار پر فتح دے۔ یہی دعا شعیب علیہ السلام، یہی دعا موسیٰ علیہ السلام اور تمام انبیائے کرام نے وقتاً فوقتاً لڑائیوں کے موقع پر مانگی تھی۔ مگر یہ ضروری ہے کہ پڑھتے وقت یہ عین الیقین اور حق الیقین ہو کہ اللہ ایک ہے اور ہم مسلم ہیں اور حق پر ہیں اور ہر تکلیف میں پڑ کر بھی اپنے اصول سے نہیں ہٹیں گے۔ خدا آپ کی مدد کرے گا۔

عزیز

حوالہ:

ڈاکٹر انعام الحق کوثر......مکتوباتِ یوسف عزیز مگسی، ص33۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۵۴

۲۔۶۔۳۴

بھائی! خط ملا۔ آپ کی مصیبت اور تکلیف نے میری تکلیفوں میں ایک اور روحانی تکلیف کا اضافہ کر دیا ہے۔ بہرحال ہمیں اس ٹھونسے ہوئے نظام قدرت سے ایسے حوادث کے علاوہ اور کیا توقع رکھنی چاہیئے۔

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
مرگ سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

اچھا بھائی! میری خواہش ہے دلی تمنا ہے کہ آپ اچھے رہیں اور لایکلف اللہ نفساً الا وسعکم (؟) صحیح ثابت ہو۔ میری تمام ہمدردیاں آپ کے اور آپ کے اقربا کے ساتھ ہیں۔ ایک جلاوطن، آوارہ و بے خانماں اس کے علاوہ کر بھی کیا سکتا ہے۔ آپ مجھے سردار نہ لکھا کریں خدا نے اس نحوست سے نجات دلا دی ہے۔

آپ کا عزیز

ایڈریس:

M.Y.Khan
Riven Bank Penton Road
Staines London

حوالہ:

ڈاکٹر انعام الحق کوثر...... مکتوباتِ یوسف عزیز مگسی، ص 34۔ جون 1978ء

مکتوب نمبر......۵۵

شغرڈ یر ہوٹل قاہرہ

۳/اپریل

برادر عزیز اسلام وعلیکم

میں آج ۷/دن متواتر سفر کے بعد پورٹ سعید صبح پہنچا اور ۷/بجے وہاں سے تقریباً پچاس دیگر یورپین مسافروں کی پارٹی کے ساتھ موٹروں پر ۸۰ میل سفر طے کر کے ۱۱/بجے یہاں قاہرہ مصر پہنچا ہوں اور یہاں کا میوزیم (عجائب گھر) جو دنیا کے عجائبات میں اول نمبر پر ہے دیکھ کر ابھی ہوٹل میں جو جہاز کمپنی کے انتظام میں ہے لنچ کھا کر آپکو یہ خط لکھ رہا ہوں۔ دو گھنٹہ اور یہاں کی قابل دید چیزیں دیکھ کر ہماری پارٹی واپس جہاز کو روانہ ہوگی اور پھر رات کے دس بجے ہمارا جہاز پورٹ سعید سے وینس (فرانسیسی علاقہ) کے لیے روانہ ہوگا۔ ہم ۷/اپریل کو وینس پہنچ کر وہاں سے لندن کو روانہ ہونگے اور تین دن میں لندن پہنچیں گے۔ تمام دن میں دوائی کا استعمال برابر کرتا رہا ہوں۔ تم اور والدہ صاحبہ اور تمام بھائی یہ سن کر بہت خوش ہوں گے کہ اس رات کے سمندری سفر کی آب و ہوا اور دوائی کے مسلسل استعمال نے میری صحت پر بہت اچھا اثر کیا ہے۔ یہ دوائی ڈاکٹر نے انجکشن کی بجائے دوائی پینے کو لکھی ہے۔ میں دوسرا خط آپکو لندن سے لکھوں گا۔ آپ وہاں کے حالات مفصل مجھے لکھیں۔ بعد ملاحظہ اس خط کو "بلوچستان جدید" اخبار میں بغرض اشاعت بھیج دیں تا کہ میرے احباب جو میرے حالات سننے کا اشتیاق رکھتے ہیں یا جن کو میری صحت عزیز ہے وہ بھی مطلع رہ کر تشویش میں نہ رہیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو متفق، مستقل اور شاد رکھے۔

آپکا ہزاروں کوسوں دور بھائی

محمد یوسف علی عزیزؔ

حوالہ:

بلوچستان جدید ۱۶/مئی ۱۹۳۴ء جلد نمبر ۱۔ شمارہ نمبر ۹۔ ص ۸،

مکتوب نمبر......۵۶

بھائی عنقاء!

سلام علیک

باور کرلو تمہارے خط نے بے قرار کیا، آنکھیں بھر آئیں۔ میں اپنے شگاف سینہ اور غم آلود دل کے ساتھ سخت مصروف ہوں علاج کے بعد فرصت میں ہمہ تن مصروفِ تعلیم ہوں۔

خان کو تین سال کی سزادی گئی! کیا یہ صحیح ہے۔

عنقاء یقین کرلو اس وقت جب یہ سطریں لکھی جارہی ہیں، دل، جگر، جسم کا ذرہ ذرہ آنسوؤں سے بھرا ہوا ہے، مگر باوجود اس کے کچھ نہیں کرسکتا ہے۔آپ لکھتے ہیں کہ بلوچستان جدید کے لیے کچھ لکھوں۔کس کو خطاب کروں اور کیا لکھوں بہرحال اگلے ہفتہ کچھ نہ کچھ بھیجنے کی سعی کروں گا۔

''مایوس ہونا مرنے سے بدتر ہے اور انسانیت کے خلاف احمقانا بغاوت ہے۔ مایوسیاں زندگی کے ہر قدم پر ہمیں ملیں گی، اُن سے بغل گیر ہوکر روانہ ہوجانا ہی زندگی ہے۔ٹھہرنا موت ہے اور موت نام ہے مٹ جانے کا۔میں بھی مایوس ہوتا رہتا ہوں، مگر یکسر مایوس ہو نہیں چکا، ہو چکنا ختم ہوجانا ہے'' تمہارا اگلا خط بلوچستان کے تفصیلی حالات پر ہونا چاہیے۔

بھائی نسیم کو پیار۔الغرض وطن (بلوچستان) کے ذرے ذرے کو پیار اور آنسوؤں کا تحفہ، مادروطن کی گرم تپتی دھوپ اور اُڑتی ہوئی خاک کو پیار، مادروطن کی گلیوں میں پھرنے والے گدھوں اور کتوں کو پیار، مادروطن کے اندر رہتے ہوئے زندانوں میں وطن کے رہنے والے شیدایان کو پیار، زندان کے محتسب اول سے لیکر آخر تک کو پیار، ان کی خوش نصیب آنکھوں کو بھوسہ جو مقدس ہستیوں کو ہر وقت دیکھا کرتی ہے۔

(او دیس میں بسنے والے بتا کس رنگ میں ہیں یارانِ وطن)

جنہوں نے وی پی واپس کر دی ہے کیا اب تک زندہ ہیں؟

جہل کی سرداری کے بارسے مجھے آزاد کر دیا گیا۔ اگر صحیح ہے تو الحمد اللہ

صمد اور کرد کے جیل جانے کے بعد میرے لیے سرداری ایک لعنت تھی، جس سے قدرت نے آزاد کر دیا۔

(آپکا بدنصیب ہمہ تن اشک عزیزؔ)

حوالہ :

بلوچستان جدید ۲۴/مئی ۱۹۳۴ء۔ جلد نمبر ۱۔ شمارہ نمبر ۱۰

مکتوب نمبر......۵۷

ادارہ ''بلوچستان جدید'' کے نام

رفیقان محترم بھائی نسیم اور عنقاء

اسلام وعلیکم وجہتہ اللہ

مجھے معلوم ہوکر بہت ہی مسرت ہوئی ہے کہ آپ نے ''بلوچستان جدید'' کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار نکالنے کا ارادہ کیا ہے اور جس کی پالیسی خالص قومی ترقی کے ذریعے انسانیت کی خدمت کرنا ہوگی۔

میں اس اقدام مُستحسنہ پر جہاں آپ دونوں کو اپنے قلب کے عشق سے نکلا ہوا ہدیہ تہنیت پیش کرتا ہوں، وہاں اہل بلوچستان سے بھی اسلام، انسانیت، قومیت اور وطینت کے مقدس اور عزیز نام پر اپیل کروں گا کہ وہ فراخدلی سے اپنے اس ننھے قومی جریدہ کا استقبال کرتے ہوئے اس کی قلمی اور درمی امداد کریں۔

میری قلبی آرزو ہے کہ ''بلوچستان جدید'' پھلے پھولے اور حقیقی معنون میں بلوچستان کے لئے آنے والے عہد جدید کا پیامبر بنے۔

آپکا یوسف عزیز

حوالہ :

بلوچستان جدید یکم مارچ ۱۹۳۴ء۔ جلد نمبر ۱۔ شمارہ نمبر ۱۔ ص ۴

مکتوب نمبر......۵۸

کیلے سے خط

میر یوسف علی خان عزیز مگسی بلوچ کا ایک خط اپریل ۱۹۳۴ء کو ادارہ ''بلوچستان جدید'' کو موصول ہوا تھا جس میں تحریر فرماتے ہیں:

کہ ''وہ خیریت سے کیلے پہنچ گئے ہیں'' اور لندن کے لئے روانہ ہونے والے ہیں۔

حوالہ:

(بلوچستان جدید ۲۴/اپریل ۱۹۳۴ء۔ جلد نمبر ۱۔ شمارہ نمبر ۹)

مکتوب نمبر......۵۹

ایک دوست کو خط

نواب محمد یوسف علی خان عزیز مگسی لندن سے اپنے کسی دوست کو لکھتے ہیں کہ

''ان کی صحت اب کافی اچھی ہو چکی ہے۔ اس کا وزن کافی بڑھ گیا ہے اور بڑھا جا رہا ہے وہ انگریزی تعلیم بھی حاصل کر رہے ہیں اور اپنی تعلیم میں اس قدر اچھے ہیں کہ ان کے استاد نے ان کو مسٹر فلاسفر کا خطاب دے رکھا ہے''۔

حوالہ:

(بلوچستان جدید ۱۹، جون ۱۹۳۴ء۔ جلد نمبر ۱۔ شمارہ ۱۲)

مکتوب نمبر......٦٠

مکتوب لندن

(وزیراعظم ریاست قلات مسٹر ویکفیلڈ کی متوقع لمبی رخصت پر جانے سے وزارت عظمیٰ کے مسند پر براجمان ہونے کے لیے ریاست قلات کے سابق مطلق العنان وزیراعظم میر شمس شاہ نے بھاگ دوڑ شروع کی، سابق عبوری وزیراعظم نواب گل محمد خان بھی اس مسند کے امیدوار تھے اسی مسند کے لیے ایک اور امیدوار خان بہادر شربت خان بھی میدان میں وارد ہوئے تھے۔

اس ناگفتہ بہ حال صورت حال پر میر یوسف عزیز مگسی اپنے ایک دوست کو بعض اہم امور کے متعلق رقم طراز ہوئے ہیں اس خط کے ضروری اقتباسات جو ہفتہ وار نجات میں ۲ر دسمبر ۱۹۳۴ء کو شائع ہوئے وہ یوں ہیں)

آپ نے وزارت عظمیٰ کے موجودہ پیچیدگیوں کے بارے میں لکھا ہے کہ ''مسٹر ویکفیلڈ کو اس قدر لمبی رخصت پر جانے کی ضرورت کیوں لاحق ہوئی، نائب وزیراعظم ارباب کرم خان اسے سنبھال نہیں سکتے اور کیا کسی خاص آدمی کی ضرورت ہے؟

مسٹر ویکفیلڈ کی وزارت یقیناً اپنے سابق وزراء سے زیادہ کامیاب رہی ہے۔ اگر مسٹر ویکفیلڈ دوبارہ وزارت عظمیٰ کی آسامی پر آئیں گے تو نواب گل محمد خان کو چارج دلایا جاتا جو اب تک اسی سلسلے میں رخصت پر ہیں اور حکومت نے ان کو دوبارہ وزارت پر متعین کرنے کا اخلاقی طور پر وعدہ بھی کیا ہے۔

اگر مسٹر ویکفیلڈ دوبارہ نہیں آئیں گے تو پھر قومی نوجوانوں کے مطالبہ کو پائے استحفارانہ ٹھکرانا چاہیے اور اس پر پوری طرح سے غور کر کے چار ملکی سیاستدان، ارکان کا کابینہ وزارت قائم کر کے رعایا کا اعتماد حاصل کرنا چاہیے۔ بلوچستان کے سیاسی قیدیوں کے بارے میں لکھا ہے کہ

''مجھے چیف کمشنر مسٹر کیٹر اور پولیٹیکل ایجنٹ مسٹر سکرین کے اخلاق اور تدبر سے امید ہے بلکہ قوی امید ہے کہ وہ بھی باقی صوبہ جات ہند کی حکومتوں کا تتبع کرتے ہوئے اپنے سیاسی قیدیوں کو کرسمس ڈیز تک رہا کر دیں گے۔

اپنے آنے کے متعلق میر یوسف علی خان عزیز مگسی نے لکھا ہے کہ وہ جنوری کے پہلے ہفتے میں لندن سے روانہ ہو جائیں گے''۔

حوالہ:

بلوچستان جدید۔

مکتوب نمبر......۶۱

میر شیر علی بنگلزئی کے نام خط

۲۵۔۵۔۱۹۳۵

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا
اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں

بھائی صاحب!

عید مبارک

آپ زخم ہائے دل کو دیکھنے کے متمنی اور یہاں خودداری مانع ہے۔ بنے تو کیسے؟

مجھے سب کچھ معلوم ہے جو میرے متعلق کہا جاتا ہے۔ یہ ایک نئی بات نہیں۔ ہمیشہ اس طرح کیا گیا ہے اور ہو رہا ہے۔ بلکہ ہوتا رہے گا۔ پبلک کے کمزور حافظہ سے فائدہ اُٹھانے والے ان کے خادموں کو ہمیشہ رسوائے خلق کرنے کے لیے الزامات بناتے رہتے ہیں اور اکثر و بیشتر کامیاب ہو جاتے ہیں۔ خیر یہ داستان طویل ہے۔ میں بالاختصار صرف آپ کے سوالات کا جواب دوں گا۔ اپنی صفائی مقصود نہیں۔

مجھے سرداری کے لیے نہیں کہا گیا۔ اس لیے مجھ پر انکار کا بوجھ نہیں آ سکتا۔

شرائط اب تک بدستور قائم ہیں۔ مجھے سرداری سے اے۔ جی۔ جی کے منظوری سے ہٹایا گیا ہے۔

میرا یورپ واپس جانا۔ کوئی ارادہ نہیں، کوئی سابقہ فیصلہ نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ بلوچستان اور اس کے بعد ہندوستان کی زمین کسی بھی خدمت کے لیے مجھے قبول نہ کرے اور یہاں پیٹ پالنا دشوار ہو جائے۔

آپ جانتے ہیں قومی خدمت ہو یا مذہبی جب تک اس بدبخت پیٹ کے منہ سے فارغ البال نہیں تب تک کوئی بھی خدمت تقریباً ناممکن۔ اس لیے بعینہ ایسی میری حالت ہے۔ میں کسی آزاد تجارت کا سوچتا ہوں۔ اگر یہاں کامیاب ہو گیا تو زہے نصیب کہ۔۔۔۔۔ کے اندر رہ کر ہی اس پر آنسو بہاتا۔ ورنہ

ہر ملکِ ماہ است کہ ملکِ خدا است

تو مسلمانوں کا قدیمی شیوہ رہا ہے۔

دل و دماغ منتشر ہیں۔ لہٰذا رخصت چاہتا ہوں۔

محمد یوسف علی مگسی

بشکریہ: ڈاکٹر شاہ محمد مری

میر یوسف عزیز مگسی

کی

شاعری

قومی نظم

(دسمبر ۱۹۳۲ء جیکب آباد کانفرنس کے موقع پر لکھی گئی)

خزاں رسیدہ ہے مدت سے گلستانِ بلوچ
نوائے بلبل نالاں ہے، نوحہ خوانِ بلوچ

نگاہِ اوج میں پستی کا مٹ چکا احساس
زمین بھی نظر آتی ہے آسمانِ بلوچ

جمود ایسا کہ آثار زندگی مقصود
جہاں سے ہے نرالا مگر جہانِ بلوچ

تمہاری چاہ میں یوسف نے سختیاں جھیلیں
تجھے خبر بھی ہے گم کردہ رہ جوانِ بلوچ

قریب تر نظر آتی ہے منزل مقصود
علی نواز ہے جب میرِ کاروان بلوچ

خدا کے واسطے اے قوم ہوش میں آجا
دکھا دے دنیا کو کیسی ہے آن بان بلوچ

☆☆☆

میں اگر چاہوں

میں اگر چاہوں تو ذرے کو بیاباں کر دوں
قطرہِ آب میں پیدا سرِ طوفاں کر دوں

یہ ارادہ ہے کہ اسلام کا خادم بن کر
ساری دنیا کو نئے سر سے مسلماں کر دوں

پھر وہی بھولا سبق یاد دلاؤں سب کو
ہر بلوچی کو غرض عاملِ قرآں کردوں

جی میں آتا ہے کہ پھر طور کو آباد کر دوں
آتشِ دل سے پہاڑوں میں چراغاں کر دوں

گاندھی و مالوی کے وعظ دھرے رہ جائیں
میں اگر قولِ محمدؐ کو نمایاں کردوں

جوش میں آکے اگر نعرہِ اللہ ماروں
حق و باطل کے تفاوت کو نمایاں کر دوں

میں وہ مجنوں ہوں اگر چاہوں جہاں کو یکسر
طرّہِ یار کی مانند پریشاں کردوں

اس قدر شعلہ فشاں بزمِ جہاں میں ہو جاؤں
ذرے ذرے میں بپا حشر کا ساماں کر دوں

میں وہ مالی ہوں، اگر کھول دوں دل کی سوتیں
خشک صحراؤں میں پیدا گل و ریحاں کر دوں

اسی ایقانِ براہیم کا وارث ہوں عزیزؔ
اب بھی آتش کو اگر چاہوں گلستاں کر دوں

☆☆☆

روشنیءِ علم

(جامعہ عزیزیہ جھل کے طلباء سے خطاب)

شعاعِ علم سے روشن کرو تم اپنے سینے کو
تمہیں ہے ڈھونڈنا اِک گمشدہ قومی دفینے کو

عزیزی جامعہ ہے درحقیقت دولتِ نایاب
کچھ اس کے سامنے سمجھو نہ قاروں کے خزینے کو

یہ انمول صنعت ہے، اسے اچھی طرح سیکھو
بنانا ہے تمہیں گوہر، بلوچوں کے پسینے کو

کرو صد جانفشانی سے سبق اسلام کے ازبر
اسی توشے کو لے کر چل سکو گے تم مدینے کو

چھپا کب تک رہے گا آہ! جھل کے تنگ گوشے میں
سرِ بازار لاؤ حسنِ ''یوسف'' کے خزینے کو

☆☆☆

پیغامِ عمل

ہوئی حق کی خلافت تم کو عطا، مایوس نہ ہو، اٹھ ہمت کر
پھر نعرہِ باطن سوز سے تُو دنیا کو جگا، اٹھ ہمت کر

وہ زیبِ عرب، وہ فخرِ عجم روتا ہے تمہاری غفلت پر
اٹھ تھام لے باگیں دنیا کی، غازی کہلا، اٹھ ہمت کر

ایک ہاتھ میں نیزہ ایوبی، اک ہاتھ میں سیفِ خالد ہو
مشرق بھی ترا، مغرب بھی ترا، اللہ کے لیے اٹھ ہمت کر

آلاتِ حرب کے فقداں سے اور سیم و زر کے کتماں سے
مایوس نہ ہو، اللہ پہ رکھ، اللہ کو پکار، اٹھ ہمت کر

ہے وقت عجب امت پہ پڑا، تاخیر کے معنی موت کے ہیں
تاخیر نہ کر، تعجیل سے اٹھ، ایمان سے اٹھ، اٹھ ہمت کر

تجھے سیم وزر سے واسطہ کیا، اور توپ مشینوں سے کیا کام
تکبیر سے اٹھ، تبلیغ سے اٹھ، شمشیر سے اٹھ، اٹھ ہمت کر

معمور گناہوں کی دنیا کسی مردِ خدا کی تاک میں ہے
اے ارضِ خدا کی قوت اٹھ، دنیا کو سنوار، اٹھ ہمت کر

اس عالم رنگ و بو میں اگر آئی ہے خزاں تو خیال نہ کر
کر اور نیا تعمیر جہاں، معمارِ جہاں، اٹھ ہمت کر

بدیوں کے سلاسل کی کڑیاں اندر سے تو یہ سب کھوکھلے ہیں
بس ایک ضرب تکبیر کی پھر اے سیفِ خدا، اٹھ ہمت کر

فاروقی سطوت لے کر اُٹھ، اور خالد کی پھر سَیف بھی تھام
اے نائبِ حق فتنے کو مٹا، فتنہ ہے برا، اُٹھ ہمت کر

تقدیر کا رونا یہ کب تک، تقدیر تمہاری خادم ہے
تو اپنے لیے اک اور نئی تقدیر بنا، اُٹھ ہمت کر

تو مورث ابراہیمؑ کا ہے، پھر آذر کی تقلید ہے کیوں
بت توڑ، خدا سے جوڑ کہ تو ہے عبدِ خدا، اُٹھ ہمت کر

تو فرزندِ توحید ہے گر، توحید پہ کٹ، توحید پہ مر
سرمایہ ترا، سامان ترا، ہے ذاتِ خدا، اُٹھ ہمت کر

اعلون ہے تو، پر شرط ہے یہ، ایماں کی شعاعیں پیدا کر
اور دل کو امنگوں سے گرما، اے حزبِ خدا، اٹھ ہمت کر

☆☆☆

اے مطربِ نغمہ نواز!

ہاں گائے جا، مہاں گائے جا
تانوں سے جی بھرمائے جا
اہلِ بلوچستاں کو پھر
شرمائے جا شرمائے جا
اے مطربِ نغمہ نواز!

سُن او غلامی کیا ہے تو
اک پیکرِ لعنت ہے تو
جس قوم پہ نازل ہے تو
اُس قوم پہ ذلت ہے تو
اے مطربِ نغمہ نواز!

اے انقلابِ دہر جاگ
پھر کھول دے بوتل کے کاگ
امرا تو کھائیں مرغیاں
مزدور کھائیں دال ساگ
اے مطربِ نغمہ نواز!

اے گردشِ ایام تو
قسمت کی باگیں موڑ دے
جو رہنما غدار ہو
تُو اس کی گردن توڑ دے
اے مطربِ نغمہ نواز!

یہ نغمہ ہائے حریت
سُن او بلوچی قوم سُن
اٹھ اور آنکھیں کھول دے
اے مست سکّرو قوم سُن
اے مطربِ نغمہ نواز!

اس کو مٹا جلدی مٹا
سردار ہو انگریز ہو
جو قوتِ شیطان ہو
جو ثانیِ چنگیز ہو
اے مطربِ نغمہ نواز

(1934)

ضرورت ہے

ضرورت ہے کہ پھر شمع وطن پر نذر ہونے کو
وطن زادوں سے ہر آتش بجاں پروانہ ہو جائے

فقط دانائیوں سے ہی مرادیں بر نہیں آتیں
ضرورت ہے کہ داناؤں میں اک دیوانہ ہو جائے

ضرورت ہے اک ایسے کاسہء سر شعلہ دیدہ کی
شرابِ آتشِ الفت کا جو پیمانہ ہو جائے

☆☆☆

عافیت کوش احباب سے

کرم ہے تیغِ جفا کا بقدرِ وسعتِ شوق
جسے ہو ذوقِ تماشا کفن بدوش آئے

بنے گا کام نہ یاں اب قراردادوں سے
وہ سربلند ہے جو بن کے سرخ پوش آئے

نوائے گاندھی و جیکر سے کام بن نہ سکا
کمال سا کوئی اب سازِ پُرخروش آئے

اب آگے مرحلہ آتا ہے سخت کوشی کا
ہمارے ساتھ نہ اب کوئی عیش کوش آئے

نہ ہوسکے جو حریف خُمار جام تو کیا
مزہ تو جب ہے کہ پینے سے اور ہوش آئے

جناب شیخ کو چلتے ہی بن پڑی آخر
کچھ ایسی شان سے محفل میں بادہ نوش آئے

اٹھ اے بلوچ! بدل دے نظامِ فطرت کو
جگر پہ تیر چلیں اور دل میں جوش آئے

(20رفروری1934)

☆☆☆

قسم نامہءآزادی

قسم اس جوش کی حصے میں آیا جو نبوت کے
قسم اس درد کی پہلو میں آیا جو محبت کے

قسم اس تیغ کی لرزش سے جس کی آسماں لرزے
قسم اس آنکھ کی سرگوشیِ دل کو جو بھانپے ہے

قسم ہے ان نیازوں کی جو نازِ عشق بن جائیں
قسم ہے ان نمازوں کی جو نازِ عشق بن جائیں

قسم ہے اس جنوں کی جو نصیبِ مست دانا تھا
قسم ہے ان لبوں کی جن پہ الفت کا ترانا تھا

قسم اس بادہ تیگانہ سازِ کلفتِ دنیا
قسم اس سوزش بے ہوش سازِ الفتِ دنیا

قسم رسوائیوں کی جو کہ آغازِ محبت ہیں
قسم بربادیوں کی جو کہ انجامِ محبت ہیں

قسم ہے غزوۂ بدر و اُحد میں مرنے والوں کی
قسم ہے کربلا میں پیاس سے جاں دینے والوں کی

قسم اس شور کی جو رونقِ خم خانہ ہوتا ہے
قسم اس ذرے کی جو زینتِ پیمانہ ہوتا ہے

قسم اس نا خدا کی جو ندیمِ جوشِ طوفاں ہو
قسم اس بادباں کی جو رفیقِ باد و باراں ہو

قسم اس برق کی جو مشعلِ شب ہائے نعمت ہو
قسم بادل کی جس کو فصلِ دہقاں سے محبت ہو

قسم چنگھاڑ کی جو مست شیروں سے نکلتی ہو
قسم تلوار کی جو خونِ اعدا سے بہلتی ہو

قسم بندوق کے ہیبت فزا صوتِ دھنا دھن کی
قسم ہے قوم کے جوشِ زنا زن کی

قسم اس مرد کے جو سر کٹانے پر بھی راضی تھا
جو وقتِ ذبح بھی خندہ زناں تھا اور نمازی تھا

قسم ہے اُمیِّ بطحا کے ایثار و صداقت کی
شکم پر سخت پتھر باندھنے والی سخاوت کی

قسم ہے کُرد اور عبدالصمد خاں کی صداقت کی
قسم اہلِ بلوچستان کے خونِ شجاعت کی

قسم ہے مادرِ ہندوستان کے رام کرشن کی
قسم ہے اس کے گاندھی اور جواہر لال نہرو کی

کہ اپنے ملک سے داغِ غلامی دھو کے چھوڑوں گا
بلوچستاں کو آزادی کی مئے پلوا کے چھوڑوں گا

پکڑوا کر تمہارے ہاتھ میں چپو صداقت کا
تری ساحل نشیں کشتی کو یم میں لا کے چھوڑوں گا

وطن کی تار راتوں کو چراغستاں بنانے میں
میں اپنے عرقِ خوں سے شمعِ دل جلوا کے چھوڑوں گا

جلا کر استخواں کے مغز سے شمعِ دلِ مضطر
عزیزانِ وطن کی بزم کو چمکا کے چھوڑوں گا

کٹا کر چند سر اور گردنیں اپنے رفیقوں کی
زکوٰۃِ فرض اپنی قوم سے دلوا کے چھوڑوں گا

میں پھر اندازِ نو سے نغمہِ حبِ وطن گا کر
سکوت اندوہِ تار قوم کو بجوا کے چھوڑوں گا

میں پھر افسانہِ دار و رسن کے شعر گا گا کر
کئی مہ پتر اپنے ملک کو دلوا کے چھوڑوں گا

سبق دے کر اخوت کا، شجاعت کا، محبت کا
میں پھر بگڑی بلوچستان کی بنوا کے چھوڑوں گا

میں پھر اعلان کرتا ہوں میں پھر اقرار کرتا ہوں
میں اپنی بات پر پھر یوسفی اصرار کرتا ہوں

بلوچستانیو! جس وقت تم مجھ کو پکارو گے
مُجھے سرباز پاؤ گے، مجھے جانباز پاؤ گے

(قاہرہ 3؍اپریل 1934)

☆☆☆

☆

کہاں ہے قوتِ حق اور کہاں مرّوتِ خلق
سنا کے تھک گئے ہم تو یہ حالِ زار اپنا

عزیز موت کا جب ایک دن معین ہے
مجاہدوں میں کرائیں نہ کیوں شمار اپنا

☆☆☆

☆

زجوان خام سوزے سخنم تمام سوزے
غزلے کہ می سر ایم، بتو سازگار بادا

حاصلِ عمر نثار رہ یارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

گو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

(25؍مارچ1934)

☆☆☆

☆

ما الفتِ ترا بدل و جاں خریدہ ایم
از دو جہان مہرِ تو در دل گزیدہ ایم

باما بگو آتشِ نمرود اے رفیق
ما از شراب عشق خلیلی چشیدہ ایم

گنجد کجا بہ دیدہ ما لشکرِ یزید
در کربلا شہادت شبیر دیدہ ایم

نازم و شکر گویم ایں قید و بند را
زیں ہر مقام عشق حسینی رسیدہ ایم

☆☆☆

☆

دِل بہ مزدوران بہ بست از ما گسست
شانِ سرداری ز طرزِ او شکست

شانِ مسجودیِ مانا بود شُد
نوجوانان را خُدا معبُود شُد

قدر ما کردہ برابر با غُلام
میخورد با خانہ زادہ خود طعام

این فساد و این شرارت تا بہ کی
وین خموشی ای حکومت تا بہ کی

ای کہ خانِ ما تو مارا منصفی
بشکن افسوں نوای یوسفؔی

کُن از منصب، تو یوسفؔ را بدر
کُن گروہِ خوفناکش منتشر

☆☆☆

☆

داری کہ زیبِ گردن منصُور کُشتہ است
او کم نظر! بیا!! کہ ہمان دارم آرزو ست

خاری کہ در خلید بپای جنابِ قیس
بگذار ای رفیق، ہماں خارم آرزوست

زیں ہمرہانِ کاذب و بُز دِل دلم بکوفت
صدیقم و صَداقتِ بوبکرم آرزوست

از شیطنتی ''بوزنہ'' یا رَب دِلم بسوخت
رخصت بدہ کہ نعرہِ فاروقم آرزوست

تهذیبِ نو کہ در بغلش بی مروتی است
بگذار! گو، مروتِ عُثمانم آرزوست

از بہرِ خیبری کہ بہ بازوی ہندیاَن
نشکست باز بازوی کرّارم آرزوست

باز از برای زندگیِ دین حق رفیق !
یک خالد و خلیل و شبیرم آرزوست

بر عصمت و صداقتِ من یوسفی گواہ
حقا کہ یوسف ہستم و زندانم آرزوست

☆☆☆

☆

مستی ما نہ زصہبا ست نہ زجام است این جا
بے خبر بادہ و پیمانہ کدام است این جا

غم نہ داریم زتاریکیِ شبہائے فراق
داغِ حسرت صفتِ ماہ تمام است این جا

پرکا ہیم و نداریم ز طوفان باکے
میل غم نیست اگر تند حرام است ایں جا

سفرِ عشق نہ منزل نہ مقامے دارد
رفعتِ عرش درایں راہ دوگام است اینجا

ابرِ غم مطلع مارا نہ گرفت است چناں
کہ بدانیم اگر صبح کہ شام است ایں جا

ساقیِ من کہ مراد اد دو چشمِ پُرنم
کرد اشارت کہ نصیبِ تو دو جام است ایں جا

ہر کجامیِ نگرم جلوہ نما افرنگ است
مصر و ایران و عراق این ہمہ نام است اینجا

ازسر افگندگیِ خویش نداریم غمے
گفت یوسفؔ پئے ہر سجدہ قیام است ایں جا

☆☆☆

باب نوزدہم

معصوم خواہشات

ادھورا عشق:

(ایک خط کے پس منظر میں)

درمیانہ قد، چہرے پر سجی ہلکی سی داڑھی، مونچھیں قدرے گھنے، گندمی رنگت کے ساتھ خون کی سرخی کی لطیف آمیزش، کاغذی ہوٹنوں پر بلوچی متانت، بے قرار آنکھوں میں محبت کی جھلک، سنجیدہ چہرے پر ابھرا ہوا ناک اور پرکشش جوانی!!

سماجی پرت کے حوالے سے تمندار مگسی۔

یہ تھے یوسف کے خدوخال اور پرکشش شخصیت، جو کسی بھی حسینہ کو گرویدہ بنانے کے لئے بے پناہ جاذبیت رکھتے تھے اور جان چھڑکنے کی کیفیت طاری کر سکتا تھا۔

نوجوان یوسف عزیز جو ایک لکھاری کے ساتھ ساتھ شاعر بھی تھے، اس لئے ایک حساس دل کے مالک تھے۔ وطن کی مٹی سے جنون کی حد تک وابستگی، غلامی کے بندھنوں میں جکڑی ہوئی قوم کی ابتری اور زبوں حالی نے اس حساس دل پر گہرے اثرات مرتب کئے تھے۔ اس لئے آپ نے زندگی کے ارمانوں کو وطن کی آزادی کے ارمان کے ساتھ مربوط رکھا۔ ایک شاعر ہونے کے ناطے عشق سے بے بہرہ نہیں رہا جا سکتا تھا۔ غنیمت مشروط عشق میں جانا۔

"عشق و آزادی ہی میری زیست کا سامان ہے
عشق میری جان، آزادی میرا ایمان ہے
عشق پر کردُوں فِدا میں اپنی ساری زندگی
لیکن آزادی پر میرا عشق بھی قربان ہے"

زندگی کے آخری دنوں یورپ کی عطر بیز فضاؤں میں آپ کے حساس دل نے صنف نازک کی قربت اور گرمائش کو بدن کے انگ انگ میں انتہائی بردباری اور صبر و تحمل سے برداشت کیا آپ نے ان دنوں ایک یورپی حسینہ سے قربت کے باعث عشق کی نغمگی سن لی تھی اور دوسری جانب یوسفی خدوخال اور پُرکیف جوانی یورپین حسینہ کے دل میں گھر کر تمام تر توجہ اور محبتوں کا مرکز بن گئے تھے۔

پھر روزانہ ڈھلتے سورج سے قبل کبھی یوسف اس کے پاس جاتا تو کبھی انہیں یوسف کے پاس آنا پڑتا کبھی کالج کے گھنے درختوں کی چھاؤں میں اور کبھی کسی پارک کے لہلہاتے ہوئے پھولوں کے درمیان دو پیار بھرے دل آپس میں ملتے، مچلتے ہوئے جذبات عالم سکوت میں چلے جاتے۔ فضا میں سکون کی سی کیفیت چھا جاتی۔ ''پر لطف باتوں سے فضاء مہک اٹھتی''۔ کبھی حسن کا قصہ چھڑتا اور کبھی عشق کا ساز بجتا۔ یوسف ''مشرقی روح کے ترانے گا کر انہیں سناتے اور وہ مغربی ساز کے بین بجا کر رومان طاری کرتی''۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور بار بار کی ملاقاتوں نے حسینہ کے دل میں پیار کا روپ دھار لیا تھا۔ یوسفی قربت اور رس بھری جوانی نے یورپین تشنہ لب حسینہ کو شدت سے ستانے لگا۔ آخر کار بڑی سوچ بچار کے بعد ''ایک روز اُس نے یوسف عزیز کے سامنے دل میں مچلتے ہوئے دلی جذبات کو ہونٹوں پر لاتے ہوئے پیار و محبت کا اظہار کیا''۔ اس خواہش کے اظہار نے یوسف عزیز کو سوچوں کی گہرائی میں ڈبو یا۔ یوسف عزیز نے جلد ہی اپنے خیالات کو سمیٹتے ہوئے پیار سے حسینہ کے سر پر ہاتھ پھیر کے سب کچھ بتا دینا مناسب سمجھا اور انتہائی پیار بھرے لہجے میں حسینہ کو مخاطب کرتے ہوئے سچائی کا یوں اظہار کیا۔

میری پیاری۔ ''ہم اپنی قوم و وطن کی آزادی اور شوق و آرزوؤں کی تکمیل کے لئے امانتاً زندگی جی رہے ہیں اور نہ جانے کب، کس لمحے کسی سیسہ پلائی ہوئی گولی کا نشانہ بنیں اور اگر زندہ بھی رہے تو نہ جانے کتنے دکھوں کا بوجھ اپنے ان کندھوں پر اٹھانا پڑے''۔ یوسف عزیز کی باتیں سن کر حالات اور خیالات جان کر اس کی بے چینی اور بے قراری بڑھتی گئی اور اس نے حق اور آزادی کی خاردار وادیوں اور پُر خطرہ پُر پیچ راستوں میں ثابت قدمی سے ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔

حالانکہ یوسف عزیز اس کی بے چینی و بے قراری اور اضطرابی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے اسے روز ہی سمجھانے اور قائل کرنے کی کوشش کرتے کہ ''کیوں قسمت کو خراب کرتی ہو''۔ یوسف عزیز کی ان ہی کوششوں سے برطانوی نژاد حسینہ کا عشق تھمنے کی بجائے اور بھی بڑھنے لگا فرمانے لگیں کہ ''اگر تمہارے اندر یہ ہمدردی ملک و قوم کا جذبہ نہ ہوتا تو میں شادی کرنے کے لئے ہرگز نہ کہتی۔ آپ کی ظاہری وضع و شکل سے زیادہ باعث تحریک میرے لئے آپ کے جذبات ہیں''۔

آخر کار یوسف عزیز کی باحیا نگاہیں حسینہ کی تشنگی نظر مٹانے ان کی بے قرار نگاہوں سے دوچار ہوئیں اور زندگی بھر کے دکھوں کو خوبصورت اور پُر کیف قربتوں سے بدلنے کے وعدے وعید ہوئے اور ساتھ نبھانے اور ساتھ رہنے کا اٹل فیصلہ!!

یوں یوسف عزیز نے عشق و آزادی کو ایک دوسرے سے مربوط رکھا۔ وقت نے وفا نہ کی ......شاید کاتب تقدیر کو عشق و آزادی کا یہ ملاپ چھبنے لگا اور پل دو پل میں موت نے آزادی اور عشق کے اس حسین امتزاج کو آدبوچا......!

اور تاریخ اب تک میر یوسف عزیز کا خلاء پر کرنے سے قاصر ہے اور نہ جانے کب تک ۔۔۔؟

حوالہ :

ماخوذ از مکتوبات، ص 42۔ 1937ء

ادھوری خواہش

درخواست

بجانب :۔ پولیٹیکل ایجنٹ قلات، قلات ڈسٹرکٹ سبی

جناب !

مجھے شرف بخشیئے کہ آپ کی مہربانی اور غور وخوض کے لئے مندرجہ ذیل چند سطور پیش کروں۔

دنیا کے اندر ایک اچھا انسان بننے کے لئے اچھی تعلیم حاصل کرنے کی خواہش عرصہ دراز سے میرے دل میں رہی تھی۔ مجھے احساس ہے کہ ایک ان پڑھ شخص محض زندہ رہ سکتا ہے۔لیکن انسان کہلانے کا لائق نہیں ہوتا اور یہ کہ حصول تعلیم ایک عظیم سرمایہ ہے۔جس کی ملکیت ہر کسی کے پاس ہونی چاہئے۔ میرے جاری اور نہ تھکنے والے جذبات کے باوجود درحقیقت میرے بڑے بھائی سردار گل محمد خان چیف آف مگسی کی لاتعلقی کی وجہ نے میری اس خواہش کو تقویت بخشی ہے۔اگرچہ میں جانتا ہوں کہ میں جھل مگسی سے باہر رہنے کا پابند نہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے ایک تیر سے دو شکار کرنے چاہئیں۔اپنے بھائی کو خوش رکھنے کے لئے مجھے جھل مگسی سے باہر رہنا ہوگا اور اسی طرح میں اپنی دیرینہ خواہش بھی پوری کرسکوں گا۔ جو کہ ناگزیر حالات کی وجہ سے مایوسی سے دوچار تھا۔

مجھے یقین ہے کہ میری عدم موجودگی ،میرے بھائی کی نظروں میں تو میری قدر بڑھائے گی اور میری واپسی پر میرا بھائی میرے بارے میں اچھی رائے رکھے گا۔ میں اپنی جائیداد کا حصہ آپ کے پاس امانت کے طور پر رکھ رہا ہوں ۔اپنے چھوٹے بھائی محبوب علی خان کی سرپرستی کرنے اوران کی رکھوالی کے لئے جوایک کامل امن پسند نوجوان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ نہ صرف اپنی اور میری جائیداد کا خیال رکھے گا بلکہ ضرورت کے وقت وہ برطانوی حکومت کے لئے خدمات سرانجام دینے سے نہیں ہچکچائے گا۔اگر اسے ایسا کرنے کے لئے کہا گیا۔

مجھے یقین ہے کہ میری عدم موجودگی میں آپ کا رویہ اس کے ساتھ اچھا ہوگا۔ میں آپ کا انتہائی مشکور ہوں گا۔ اگر آپ انگلینڈ میں کی کسی اچھی یونیورسٹی کا نام تجویز کریں، جہاں میں پڑھنے کے لئے داخلہ لے لوں۔

آپ کی مہربانی کا بہت شکریہ!

آپ کا تابعدار

دستخط

محمد یوسف علی ولد مرحوم نواب قیصر خان

چیف آف مگسی

سبی۔۲۲/جنوری ۱۹۳۰ء

جواب بنام یوسف علی خان

از دفتر پولیٹیکل ایجنٹ قلات

بتاریخ کیمپ سبی ۴ر فروری ۱۹۳۰ء

بنام

میر محمد یوسف علی

فرزند۔ مرحوم قیصر خان چیف آف مگسی

آپ کے مراسلہ ۲۲ر جنوری ۱۹۳۰ء کی درخواست کے جواب میں مجھے خوف ہے کہ میں انگلینڈ میں کسی بھی یونیورسٹی کا نام تجویز کرنے کا اہل نہیں ہوں۔ جہاں آپ پڑھ سکیں تعلیم حاصل کر سکیں۔

میرے خیال میں آپ کی جو تعلیم ہے وہ شاید انگلینڈ کی کسی بھی یونیورسٹی میں داخلے کی اہل ہے۔

دستخط

لیفٹیننٹ کرنل

پولیٹیکل ایجنٹ، قلات

حوالہ:

ماخوذ از سرکاری دستاویزات۔

ادھورا مشن

یوسف علی خان ۱۹۳۴ء میں جلا وطنی کے دوران اپنی بوئی ہوئی فصل کی دیکھ بھال سے غافل نہیں رہے۔ جھل کے گاؤں گاؤں میں صحت عامہ، ابتدائی سکولز اور اپنے دور کا بہت بڑی لاثانی تعلیمی درسگاہ جامعہ عزیزیہ کے بعد جھل میں ایک بہت بڑی یونیورسٹی کے قیام کی ٹھانی۔ اس سلسلے میں انہوں نے انگلینڈ کی درس گاہوں کا سروے کیا، وہاں کے تعلیمی نظام کو قریب سے دیکھا اور ایک ایسی ہی درس گاہ (یونیورسٹی) کو اپنے ہی دشت بے آب و گیاہ دور افتادہ، پہاڑوں اور صحراؤں میں گرے ہوئے علاقہ ''جھل'' میں امپلیمنٹ کرنے کے مشن کو پایہ تکمیل تک پہچانے کی ٹھانی۔ انگلینڈ میں وہ زیر تعلیم ہندوستانی طلباء جو وہاں اعلیٰ تعلیم ''پی ایچ ڈی'' کے مراحل سے گزر رہے تھے سے رابطے کئے، ان سے کئی ملاقاتیں کیں اور ان میں سے اکثر کو تعلیم کے مکمل ہونے کے بعد جھل مگسی کی یونیورسٹی میں درس و تدریس کے لئے آمادہ کیا۔

یوسف علی خان کے اس عظیم مشن کے بارے میں میر گلزار خان مری ایک گفتگو میں یوں ہمکلام ہوتے ہیں۔

1960ء میں، مَیں یونیورسٹی آف دی پنجاب لاہور میں زیر تعلیم تھا۔ انہی دنوں ہماری یونیورسٹی میں پاکستان میں بولی جانے والی زبانوں کی ''آل پاکستان لینگویج کانفرنس'' منعقد ہوئی۔ کانفرنس کے میزبان شعبہ فارسی کے سربراہ پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر صاحب تھے۔ اس کانفرنس میں پاکستان میں بولی جانے والی زبانوں کے اہل قلم حضرات کو مدعو کیا گیا تھا۔ بلوچی زبان کی نمائندگی کے لئے کراچی سے میر شیر محمد مری، لالا لال بخش رند، مراد ساحر، اشرف سربازی، بیگ محمد بیگل اس کانفرنس میں شرکت کے لئے لاہور آئے۔ میں (گلزار مری) ظفر بلوچ، عاقل خان مینگل جو اس وقت پنجاب یونیورسٹی لاہور میں زیر تعلیم تھے اور اس کانفرنس میں ہم بلوچی زبان کے نمائندے کے طور پر کام کر رہے تھے۔ آل پاکستان لینگویجز کانفرنس کے اختتام پر میزبان ڈاکٹر پروفیسر محمد باقر نے باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کے لئے بہت بڑی دعوت کا اہتمام کیا۔ دوران گفتگو انہوں نے میر شیر محمد مری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ''آپ بلوچ بڑے بدقسمت ہیں کہ نواب یوسف علی مگسی وقت سے پہلے اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ اگر قدرت انہیں کچھ عرصہ اور زندہ رہنے کا موقع دیتی، تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ بلوچستان کی کایہ پلٹ کر رکھ دیتے'' انہوں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ''جب ہم لندن میں پی ایچ ڈی کر رہے تھے تو نوجوان یوسف علی نے مجھ سمیت کئی افراد سے تعلیم سے فراغت کے بعد جھل مگسی میں اپنے ساتھ کام کرنے کی کمٹمنٹ لے لی تھی

انہوں نے جھل مگسی میں ایک عالی شان یونیورسٹی بلکہ ایشیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی کے قیام کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔وہ اس یونیورسٹی کے قیام،نصاب،درس وتدریس کے حوالے سے سروے مکمل کر چکا تھا۔

جب آپ لندن سے واپس اپنے وطن آرہے تھے تو ہم سے الوداعی ملاقات کی اور مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ''آپ حضرات تعلیم مکمل کرنے کے بعد سیدھا جھل مگسی آئیں۔جہاں ہمیں اعلیٰ تعلیم یافتہ اساتذہ کی اشد ضرورت ہے''۔یوسف نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا کہ ''بلوچ قوم کو صرف تعلیم کی ضرورت ہے،تعلیم،تعلیم،تعلیم۔میری قوم اور سرزمین کو تعلیم کے علاوہ کسی بھی چیز کی کمی نہیں،ہم طویل ساحل سمندر کے مالک ہیں،ہم دریاؤں کے مالک ہیں،ہمارے پہاڑ اور میدان زیر زمین خزانوں سے بھرے ہوئے ہیں اور ہماری سب سے بڑی خوش بختی یہ ہے کہ ہم بحیثیت قوم اپنی ایک ریاست رکھتے ہیں۔بلوچ قوم کو اپنے ان وسائل کو بروئے کار لانے کے لئے تعلیم یافتہ ہنرمندوں اور دانشوروں کی ضرورت ہے''۔انہوں نے ہم سے امید کا اظہار کیا کہ آپ لوگ تعلیم مکمل کرنے کے بعد میرے اس تعلیمی مشن کو پورا کریں گے۔انہوں نے مزید کہا کہ ''آپ لندن میں پڑھتے ہیں۔انگریز کے مزاج ونفسیات سے اچھی طرح واقف ہیں۔ہم آپ کے اس تجربے سے بھی استفادہ کرنا چاہتے ہیں لیکن افسوس اور شومئی قسمت دیکھئے کہ اس عظیم تعلیمی منصوبے پر عملدر آمد کرنے والے اپنے وقت سے بہت پہلے اپنا یہ مشن ادھورا چھوڑ کر ہم سے جدا ہوئے''۔

حوالہ :

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر

بہ روایت میر گلزار خان مری

گفتگو بمورخہ ۱۶۔۰۶۔۱۰

نئی روایت

ریاست قلات میں قبائلی نظام اپنی مضبوط اور منظّم شکل میں رائج تھا۔ قبائل (جو کہ خاندان اور برادری کے اشتراک سے وجود میں آئے تھے) نے مل کر اصول اور قواعد ترتیب دیئے تھے۔ قبائلی علاقون کی حد بندی، ایک دوسرے کا احترام، قبائلی نظام کے اصول وقواعد کی پابندی قبائلی اقدار، مذہبی عقائد کا احترام، ریاست قلات کے اندر تمام قبائل میں مروج تھا اور ریاست کے باہر آباد بلوچ قبائل ان اصولوں اور قواعد کے پابند تھے۔

قبائل کے مابین تنازعات کا فیصلہ ان اصولوں اور قواعد کے حوالے سے کیا جاتا تھا۔ قبائلی تنازعات کے دوران ایک ثالثی جرگہ تشکیل پاتا، جس کے ذریعے متحارب قبائل کے سرکردہ افراد کو بٹھایا جاتا۔ ان کے مابین وقوع پذیر ہونیوالے تنازعے کے متعلق گفت وشنید و دلائل سننے کے بعد ثالثی جرگہ فیصلہ صادر کرتا تھا۔ قبائلی نظام کے یہ اصول وقواعد آج بھی بلوچ قبائل میں مروج ہیں۔

میر یوسف علی خان مگسی جو والد کی ملتان میں نظر بندی اور بڑے بھائی نواب گل زیب مگسی کی قبائلی معاملات میں عدم دلچسپی کی وجہ سے لڑکپن سے جوانی میں قدم رکھنے کے ساتھ ہی قبیلے کے خاندانوں اور برادریوں کی خبر گیری اور قبیلے کے اندر و قبیلے سے باہر قبائلی تنازعات کے حل کے لئے متحرک ہوئے۔

پہلے قبائلی جرگہ میں مگسی قبیلے کی سربراہی تقریباً ۱۶ یا ۱۷ سال کی عمر میں کی۔ یہ جرگہ سندھ میں مگسی اور چانڈیہ قبائل کے مابین رونما ہونے والے ایک تنازعے کے حوالے سے تشکیل پایا تھا۔

جرگہ کے بیٹھنے سے ایک دن قبل میر یوسف علی خان ایک فقیر کا بھیس بدل کر شام کو چانڈیہ سردار کے مہمان خانہ گیا۔ مہمان خانے میں چانڈیہ قبیلے کے معتبرین سر جوڑ کر بیٹھے ہوئے تھے اور اسی تنازعے سے متعلق محو گفتگو تھے۔

فقیر کے بھیس میں یوسف علی خان مہمان خانے کے ایک کنج میں بیٹھا ان کی تمام باتیں غور سے سنتا رہا۔ دوران گفتگو کھانا لایا گیا اور کنج میں بیٹھے فقیر کو بھی کھانا دیا گیا۔ مجلس کے برخاست ہونے سے قبل فقیر کچکول لئے چانڈیہ سردار کی طرف بڑھا اور اللہ کے نام پر کچکول میں کچھ ڈالنے کا کہا۔ چانڈیہ سردار نے آٹھ آنے کا سکہ کچکول میں ڈالا۔ پھر فقیر نے یہی کچکول اردگرد

بیٹھے ہوئے معتبرین کی جانب بڑھایا کسی نے چار آنے، کسی نے دو آنے، کسی نے ایک آنہ کچکول میں ڈالا۔ یوں یوسف علی خان نے فقیر کے بھیس میں اس تنازعہ کے متعلق چانڈیہ قبیلے کے معتبرین کے موقف سے آگاہی حاصل کی اور اپنی حکمت عملی بنائی۔

اگلے دن جب مگسی اور چانڈیہ قبائل کا جرگہ سج گیا۔ چانڈیہ قبیلے کی سرکردگی چانڈیہ سردار کر رہے تھے اور مگسی قبیلے کی سربراہی نوخیز نواجوان میر یوسف علی خان مگسی نے کی جو کہ چانڈیہ وفد کے صلاح ومشورہ اور حکمت عملی سے باخبر تھے۔

جرگہ اس تنازعے کے سلسلے میں سر جوڑ کر بیٹھ گیا۔ یوسف کے دلائل بھاری تھے۔ چانڈیہ سردار نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے اپنے ساتھی کو کہنی مار کر اپنی جانب متوجہ کیا اور دھیمے لہجے میں اس سے کہا کہ اس نوجوان لڑکے کو اس سے قبل بھی میں نے کہیں دیکھا ہے۔ اس کے ساتھی نے کہا کہ سردار صاحب یہ نوخیز نوجوان نوابزادہ یوسف علی خان ہے جو کل رات فقیر کے بھیس میں ہمارے درمیان موجود تھا اور ہماری تمام باتیں سن لی تھیں۔ یہ سنتے ہی چانڈیہ سردار کے پسینے چھوٹ گئے اور فیصلہ یوسف عزیز نے حق وانصاف سے کیا۔

بحوالہ

گفتگو یوسف علی مگسی فرزند نواب محبوب علی مگسی

بھتیجا میر یوسف عزیز مگسی

بہ روایت لالا محمد یوسف بنگلزئی

گفتگو بتاریخ ۷ر جولائی ۲۰۱۵ء

راوی: نواب یوسف علی خان، دوئم

عظمتِ کتاب

کتابیں سماج میں علم و ادب کو پروان چڑھانے میں اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ یہ سماجی ارتقاء میں بنیادی رول ادا کرتی ہیں، سماج میں صحت مندر رجحانات کو پیدا کرتے اور سماجی ارتقاء میں رہنمائی کے فرائض سرانجام دیتی یں۔ یوسف علی خان جو خود کتاب دوست تھا اور کُتب بینی کا رسیا۔ انہوں نے اپنی علمی استطاعت بڑھانے کے لئے کتب بینی سے فائدہ اٹھایا اور یہی ذوق عام کرنے کے لئے انہوں نے جامعہ عزیزیہ جھل میں ایک لائبریری قائم کی۔ انہوں نے انتہائی محنت ولگن سے مختلف علوم پر مبنی بڑی تعداد میں کتابیں خرید کرانہیں لائبریری کی زینت بنایا۔ اپنی لائبریری کے لئے ایک لائبریرین مقرر کیا۔ طالب علموں اور پڑھے لکھے لوگوں سے کتابوں سے حاصل معلومات کو شیئر کرتا رہا اور لوگوں کو کتاب بینی کی طرف توجہ دلانے میں پیش پیش رہا۔ یوسف کی لائبریری میں تاریخ، زبان، ثقافت، سائنس اور دیگر علوم کے متعلق کتابوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ کتابوں میں پوشیدہ علوم کا سیکھنا کسی بھی قوم، زبان اور تاریخ کے نشوونما کے لئے اتنی ہی ضروری ہے جتنی زندگی کے لئے آکسیجن یا زمین کی زرخیزی کے لئے پانی اہمیت کا حامل ہے وہ یہ بھی جانتے تھے کہ آدمیت وتہذیب کتابوں کے علوم کو جاننے سے شائستہ ہوتی ہیں۔ علم و آگاہی شعور و دانش کتابوں میں پوشیدہ ہیں اور کتب بینی سے ذہنوں میں معلومات وعلوم کا پودا پروان چڑھتا ہے کتابیں روشنی بکھیرتی ہوئی سماجی ارتقاء میں معاون ہوتی ہیں یوسف علی نے لائبریری میں کتابوں کی سلیکشن انتہائی محنت ولگن سے کی۔

یوسف علی خان اکثر جامعہ عزیزیہ کے لائبریری آتا، رجسٹر چیک کرتا، کتب بین طالبعلموں اور دیگر افراد کی تعداد دیکھتا ان سے رابطہ کرتا، پڑھی گئی کتاب کے بارے میں قاری سے سوال و جواب کرتا اور کتاب سے اخذ معلومات شیئر کرتا اور لوگوں سے ملتا اور انہیں کتب بینی کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتا۔

ایک بار یوسف علی خان جب تین چار ماہ بعد جھل آیا۔ حسب سابق جامعہ عزیزیہ کا دورہ کیا۔ طلباء و اساتذہ کرام سے ملے، ان سے تبادلہ خیال کیا، طلباء اور عوام میں کتب بینی کا ذوق دیکھنے لائبریری کا رجسٹر چیک کیا۔ دوران رجسٹر چیکنگ انہوں نے مکسی قبیلے کے ایک بااثر شخص کو لائبریری کی ایک کتاب کو طویل مدت تک واپس جمع کرانے سے قاصر پایا۔ یہ دیکھ کر

یوسف علی خان رجسٹر لے کر سید ھے اس شخص کے گھر گئے ۔دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ کھلتے ہی اس شخص نے نواب یوسف علی خان کو رجسٹر ہاتھ میں لئے دروازے کی چوکھٹ پر پایا تو حیران و ششدر رہ گیا۔نواب صاحب سے ہاتھ ملایا مصافحہ کے بعد مہمان خانے کا دروازہ کھولا حال واحوال پوچھا۔اسے یہ سن کر انتہائی شرمندگی کا احساس ہوا کہ نواب صاحب چائے پینے نہیں بلکہ رجسٹر لے کر وہ کتاب واپس لینے آئے ہیں جو اس نے پڑھنے کی غرض سے لائبریری سے کئی ماہ پہلے لی تھی اور کافی عرصہ گزرنے کے باوجود واپس جمع نہیں کی۔نواب صاحب نے کتاب وصول کی اور خود رجسٹر پر اس کا اندراج کیا اور رجسٹر پر نوٹ لکھ ڈالا کہ ''کتاب پڑھنے کے بعد انہیں واپس لائبریری کی زینت بنانا چاہئے ،یہ صدقہ جاریہ ہے۔ لائبریری کی کتابیں فرد کی نہیں اجتماع کی میراث ہیں''۔

گفتگو......عبدالغفار مگسی

سیکشن آفیسر بلوچستان سیکٹریٹ ۔۲۰۱۴ء

قانونِ جرگہ میں تبدیلی

بلوچ سماج میں قائم قانونِ جرگہ نسل درنسل سے آئے ہوئے سرداروں، وڈیروں، اورٹکریوں کی دماغوں کی پیداوارتھی، جس سے سردار خاندان کو عام قبیلے سے بالاتر سمجھا جاتا تھا اور وہ جرگہ کے قوانین سے مبرّا تصور کئے جاتے تھے۔ جرگہ کے قوانین تو عام رعایا پر لاگو ہوتے تھے لیکن سردار اور قبائلی اشرافیہ پر نہیں، سردار خاندان، قبائلی اشرافیہ اور رعایا کے مابین فیصلوں میں طرف داری سردار خاندان قبائلی اشرافیہ کے فرد کے حق میں صادر کیا جاتا تھا اور اس فیصلے کو چیلنج کرنے کا حق رعایا کے کسی بھی فرد کو حاصل نہیں تھا۔ جو قانونِ قدرت کے حوالے سے کسی طور پر بھی مساوی، فطرتی اور شرعی نہ تھا۔ رعایا میں سے اگر کوئی بھی فریق دلائل و منطق وسچائی سے جرگہ ممبران کو قائل کرنے کی کوشش کرتا، یا یہ کہتا کہ یہ ظلم و استبداد و ناانصافی ہے تو اسے یہ کہہ کر چھپ کیا جاتا کہ وہ سردار زادہ ہے، سردار فیملی سے تعلق رکھتا ہے جو ہمارے ہست ونیست کا مالک ہے اس کے مقابلے میں تم ایک عام آدمی، تمھارے اوران کے درمیان یہ فرق قدرت کا عطا کرتا ہے۔

میر یوسف عزیز نے سرداری کا مسند سنبھالتے ہی اِس ناروا قانونِ جرگہ میں تبدیلی کی اور ''مگسی قبائل جرگہ میں ایک قانون نافذ کروایا کہ قبیلہ مگسی کے معاملات میں سرداریت اور غیر سرداریت (بالائی طبقہ اور عام رعایا) کو نکال دینا چاہیے۔ جو سردار خاندان واشرافیہ کی بالا دستی اور امتیازی حیثیت کو قائم کرتا ہے۔ تا کہ ہر آدمی کو بلِا تفریق خاندان قانون کے نظروں میں مساوی حیثیت رکھنے کا حق حاصل ہو''۔

خود یوسف علی خان راوی ہیں کہ اِس انوکھے قانون کے پاس ہونے کی افواہیں جب چارسمت جھل میں پھیلیں تو ایک عجیب اضطراب کی کیفیت پیدا ہوگئی، لوگ بے تحاشا دوڑے، انقلابی سردار کے پاس آئے کہ صاحب یہ کیا قیامت کی نشانی نظر آنے لگی کہ سردار کی برابری کرنے لگا ایک معمولی آدمی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم اپنے آقاؤں کی جگھوں میں پاؤں ڈالیں، ہم غلام، نمک خوار، ہم خاک پر بیٹھنے والے آج اُٹھ کر سردار کے ساتھ برابر کیسے بیٹھ جائیں؟

میرے خیال میں بہت سے بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں اِس داڑھی صاف، کھدر پوش سرداری کی اِس تحریک کا سن کر حیران و پریشان ہوگئی ہوں گی اور ان کی آنکھوں سے آب جاری ہوگیا ہوگا کہ خدا معلوم آئندہ چل کر کون سی نئی بدعتیں جاری ہوں گی''۔

یہ تھے بلوچستان میں اصلاحی تحریک کے روح رواں، نواب یوسف علی خان مگسی، جس نے دیگر اصلاحات کے ساتھ ساتھ نچلے و کچلے ہوئے عوام کو اپنے برابر ایک ہی چارپائی پر بٹھا دیا، اس کے اثرات طول وعرض تک پھیل گئے اور لوگ یہ سمجھنے لگے کہ یہ نابرابری قدرت کا عطا کردہ نہیں بلکہ ظلم و استحصال کا پیدا کردہ ہے اور بلوچستان میں بسنے والے دیگر قبائل میں بھی سرداروں کے اس ظلم و ناروائی کے خلاف سدائے احتجاج بلند ہونے لگا۔کڑیاں ملتی رہیں زنجیر بنتا گیا اور آخر کار ایسا زنجیر جس نے پورے ریاستی اور انگریز کے پیدا کردہ جرگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ایک نا قابلِ تسخیر اور جاندار تحریک کی شکل اختیار کی، جس کی گونج بلوچستان اصلاحی تحریک کے حوالے سے برصغیر بھر میں سنائی دینے لگا۔جس سے خوف زدہ ہو کر ریاستی اور برٹش بلوچستان کے حکمرانوں نے اپنے جبراً استبداد کو بروئے کار لاتے ہوئے رہنماؤں کی گرفتاریوں اور کارکنوں کی ملازمتوں سے برخاست کو وطیرہ اپنایا۔

افسانہ......

تکمیلِ انسانیت

محمد یوسف عزیز مگسی

1

عزیز احمد شباب کی رعنائیوں کا مجسمہ۔ لمبے قد، نرگسی آنکھوں، بلوریں اور غزالی گردن والا عزیز احمد ابھی عمر کے اکیسویں بہار میں قدم رکھنے والا تھا کہ والد کے سایہ سے محروم ہو گیا۔

جس طرح کہ قدامت پرست رئیسوں کا شیوہ ہے کہ ہر ایک فائدہ بخش اور نفع رساں چیز سے جس کا حصول خاص کر فی زمانہ عزت اور آرام سے رہنے کے لیے ضروری ہے، ہمارے باپ دادوں نے ایسا نہیں کیا۔" ہماری اولاد کو ملازمت تھوڑی کرنی ہے۔ اسلاف کی روایات اور طرزِ معاشرت کے لیے انگریزی تعلیم مضر ہے، خطرناک ہے" وغیرہ وغیرہ کہہ کر اپنی اولاد کی بربادی کا باعث بنتے ہیں۔ اسی طرح عزیز احمد کو باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے سے محروم رکھا گیا۔ البتہ احباب کے مجبور کرنے پر عزیز احمد کے والد صرف اس حد تک آمادہ ہوئے کہ عزیز احمد کے لیے ایک اردو فارسی کا معلم 80/روپیہ ماہوار مشاہرہ پر رکھا گیا۔

2

عزیز احمد فطرت سے ایک خاص قسم کا دل و دماغ لے کر آیا ہوا تھا اور نہایت ہی ذہین تھا۔ جس طرح کہ رئیس زادے اکثر اُسیر و شکار کھیل وکود کے دلدادہ ہوتے ہیں، عزیز احمد کو ان باتوں سے نفرت تھی۔ اس کو بچپن سے ہی حصولِ تعلیم کا شوق نہ تھا بلکہ جنون تھا۔ چار بجے منہ اندھیرے اٹھ کر نوکر کو ساتھ لیے استاد کے ہاں جانا، اور شام منہ اندھیرے گھر واپس آنا۔ گھر میں بھی کتابیں ساتھ لے آنا، کھانا کھانے کے بعد چراغ سامنے رکھ کر پڑھے ہوئے سبق کو پوری طرح حفظ کر لینا یہ اس کا روز کا معمول تھا۔ بارہا ایسا ہوا کہ اس کی والدہ نے پہلی نیند کے بعد کروٹ لینے پر جو اپنے سعید بیٹے کو یوں مصروفِ کتاب دیکھا تو جذبہ محبتِ مادری سے مغلوب ہو کر بستر سے اٹھ کر عزیز احمد کے گالوں پر مہرِ محبت ثبت کرتے ہوئے کہا۔" میرے لال اب بہت وقت گذر گیا ہے۔ دیکھو اتنی تکلیف سے دماغ خراب ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اپنی ماں کا کہنا مان، چل سو جا"۔ عزیز احمد بیچارہ والدہ کی تعمیل حکم میں چپ چاپ کر بستر پر لیٹ جاتا۔ بستر پر بھی کافی دیر تک زیرِ لب کچھ گنگناتا رہتا۔ شاید وہ باقی حصہ کو جسے والدہ کی خاطر ترک کرنا پڑا تھا حفظ کرتا ہوگا۔

بالآخر چار سال کی سرگرم تعلیم کے بعد جب عزیز احمد کے والد نواب محمد عثمان خان نے عزیز احمد کے معلم کو خلعت جو چار سو روپیہ نقد، ایک لنگی ریشمی اور چند دیگر ریشمی پارچات پر مشتمل تھی، دے کر رخصت کیا تو عزیز احمد اُس وقت فارسی اور اردو کی ہر ایک مشکل سے مشکل کتاب با آسانی پڑھ اور سمجھ سکتا تھا۔ اُسے اگر افسوس تھا، ہاں نا قابل تشریح افسوس، تو عدم حصول تعلیم انگریزی کا......

3

عزیز احمد کے دو بھائی اور تھے۔ ایک تو نواب اشفاق احمد جس کی عمر تقریباً پینتالیس (۴۵) برس تھی اور یہ سوتیلی ماں سے تھے۔ چونکہ بڑے صاحبزادہ ہونے کی حیثیت سے والد کے مسند کے جانشین ہونے والے تھے، اس لیے چھوٹے نواب کہلاتے تھے۔ اس احساس نے کہ اب چند دنوں میں ۱۵/ ہزار رعایا کے قسمت کے مالک ہونے والے تھے اور ساتھ مال کی کثرت خود مختارانہ حکمرانی کا نشہ اور بچپن کی تربیت کے فقدان نے نواب اشفاق احمد خان کو قدرتی طور پر ایک بے رحم اور پتھر دل انسان بنا دیا تھا۔ اپنی بہیمانہ خواہشات کی تکمیل کے لیے وہ ہر ایک ذلیل سے ذلیل ننگ انسانیت افعال کے ارتکاب سے بھی نہ جھجکتا۔

دوسرے چھوٹے بھائی جو عزیز احمد کے ''ماں جائے'' تھے، اس کا نام رشید احمد تھا اور اس کی عمر 15 برس تھی۔ یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب کہ نواب محمد عثمان خان کو انتقال کیے ایک ہفتہ گذر چکا تھا۔ نواب مرحوم چونکہ ایک نہایت ہی متمول رئیس اور اپنے شہر کے سردار تھے۔ ان کے انتقال کے بعد کچھ دن تو عزاداری اور آنے جانے والوں کے انتظار خدمت گزاری میں صرف ہوئے۔ اِن رسمی مظاہروں سے فراغت کے بعد نواب اشفاق احمد کی رسم گدی نشینی سنائی گئی۔ جس میں شہر کے تمام معزز رُؤسا، وکیل، ڈاکٹر، مجسٹریٹ، ڈپٹی کمشنر، کمشنر شریک ہوئے۔

آخر کار وہ لمحہ بھی آ گیا جس میں کہ عزیز احمد اور اس کے چھوٹے بھائی رشید احمد کی قسمتوں کا اہم فیصلہ ہونے والا تھا۔ نواب اشفاق احمد نے خود ہی اپنے چند ہم جیسوں کی وساطت سے تقسیم جائیداد کے متعلق سلسلہ جنبانی شروع کی۔ عزیز احمد نے اس کا جواب یوں دیا کہ نواب اشفاق احمد صاحب میرے بزرگ بھائی اور میرے لیے پدرانہ حیثیت رکھتے تھے۔ ہم دونوں یتیم بھائی اس کو ہی اپنا باپ سمجھ کر اُس کے سایۂ عاطفت میں زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ ہم علیحدگی کے ہرگز خواہشمند نہیں۔ اگر وہ اس پر مصر ہیں تو ہم بہ حالت مجبوری صرف ان کی خواہش کی تکمیل میں خلل انداز ہونے کی بناء پر سب اختیارات ان کو دے دیتے ہیں۔ وہ جس طرح مناسب تصور فرماویں، کریں۔

نواب اشفاق احمد کے لیے یہ مژدہ ہلالِ عید سے درجہا بڑھ کر سامعہ نواز تھا۔ انہوں نے جھٹ ایک مسودہ (جسے ان کے کیفیتِ باطن کی زندہ تصور کہنا مبالغہ نہ ہوگا) تیار کروایا۔ جس کے رُو سے تمام جائیداد غیر منقولہ کے دوحصوں کا حقدار نواب اشفاق اور 1/3 حصہ کے حقدار دونوں بھائی عزیز احمد اور رشید احمد ٹھہرتے تھے۔ غیر منقولہ جائیداد جو 5 لاکھ روپیہ نقد اور 3 سو گھوڑوں اور 150 اونٹوں اور دیگر مال پر مشتمل تھی، میں سے گھوڑے اونٹ اور مال مویشی تو نواب اشفاق احمد نے اپنے لیے محفوظ رکھے۔ صرف روپیہ کی تقسیم یوں کی کہ دو لاکھ عزیز احمد اور رشید احمد کے لیے، اور تین لاکھ اپنے لیے رکھ لیے اور اس تقسیم کو صحیح ثابت کرنے کے لیے یہ جواز لکھا گیا کہ چونکہ نواب اشفاق احمد کو فرائضِ گدی نشینی اور انتظامیہ امورات بجالانے کے لیے زیادہ طاقتور ہونے کی ضرورت ہے اس لیے فریقین کی رضامندی سے یہی طے پایا۔ اس غیر قانونی، غیر شرعی اور غیر اخلاقی فیصلہ کو جانتے ہوئے بھی عزیز احمد نے اپنی شرافتِ نفسی سے مسودہ پر خود بھی دستخط کر دیے اور رشید احمد سے بھی دستخط کروادیے۔ فیصلہ ریاست کے پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ میں پیش کیا گیا۔ چونکہ فریقین راضی تھے، کسی قسم کا اعتراض نہ ہوا۔

4

عزیز احمد کو باپ کے ورثہ سے ملی ہوئی جائیداد باوجود غیر منصفانہ تقسیم کے اس قدر تھی کہ عزیز احمد تھوڑے عرصہ میں اپنی سخاوت اور طبعی شرافت کے وجہ سے ہر ایک کے دل میں گھر کر گیا۔ شہر کے اعلیٰ طبقات کے افراد عزیز احمد سے گفتگو کرنا، تعلقات بڑھانا اپنا فخر سمجھتے تھے۔

ہمدردی اور خداترسی چونکہ فطرتاً ودیعت شدہ تھی، اس لیے غریب طبقہ عزیز احمد کو اپنا محبوب لیڈر کہا کرتے تھے۔ دولت مندی، سخاوت، شرافت، بہادری، ہمدردی، خداترسی، خوبصورتی جو ایک عطیہ الٰہی ہے، عزیز احمد ان تمام خوبیوں کا سرمایہ دار تھا۔ وہ چند ملکوتی صفات جو ایک انسان کو سطحِ انسانی سے بلند اُس اعلیٰ وارفع آسمانِ شہرت تک پہنچانے کا ذریعہ ہوتی رہتی ہیں، کا بھی مالک تھا۔

عزیز احمد ان اخلاق حسنہ اور صافِ نادرہ سے بھی کافی حد تک بہرہ مند تھا۔ حد درجہ کا ملنسار، منکسر المزاج تھا۔ حصول تعیش کے اسباب کی فراہمی کے باوجود تعیش کو لعنتِ الٰہی سمجھتا تھا۔ جس طرح کہ کنول کا پھول پانی میں رہ کر تر دامنی سے پاک رہتا ہے۔ اسی طرح مادی دنیا کے اسبابِ تعیش سے اس کو کسی قسم کی دلچسپی اور وابستگی نہ تھی۔ مطالعہ کے بے حد شغف سے احباب بھی اکثر شکوہ طراز رہتے۔ متعدد رسالہ جات اور اخبارات کے مستقل خریدار تھے۔ علامہ سر اقبال اور مولانا الطاف حسین حالی کی تصنیفات کے مطالعہ سے اُس نے ایسے عقائد کو ذہن کے سانچے میں ڈال دیا تھا۔ قوم کی موجودہ بے کسی اور بے حسی نے اس کے خیالات میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا تھا۔ وہ اکثر ذیل کے اشعار گنگناتا رہتا۔۔۔

عمر یست کہ آوازۂ منصور کہن شد
من از سرِ نو جلوہ دہم دارورسن را

بے خطرہ کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کرسکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو
جومشکل ہے، تو اس مشکل کو آساں کرکے چھوڑوں گا

پھر مایوسی کے لہجہ میں کہتے:

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

پھول بے پرواہیں، تُو گرمِ نواہو یا نہ ہو
کارواں بے حس ہے، آوازِ درا ہو یا نہ ہو

5

دسمبر کا شروع ہے۔ اخباری دنیا میں ہلچل مچی ہوتی ہے۔ ''انڈین نیشنل کانگرس کا 44 واں اجلاس لاہور میں منعقد ہوگا'' کے عنوان موٹی قلم سے چھاپے جاتے ہیں۔ ہر ایک حریت کا شیدائی ہمہ تن انتظار اور شمولیت کے لیے تیار ہے۔ بھلا یہ وقت عزیز احمد کے لیے گھر بیٹھنے کا کہاں۔ ملوکیت پرست احباب کے نشیب وفراز سمجھانے کے باوجود 24 دسمبر کو لاہور روانہ چل پڑے۔ کانگرس کے کُھلے اجلاس میں گئے۔ لیڈروں کی تقاریر سنیں۔ قربانی و ایثار کا مادہ قدرت سے پہلے ہی ودیعت تھا۔ اس اجتماع عظیم اور نعرہ ہائے ملوکیت شکن سے جلتی پر تیل چھڑکا۔ دوسرے دن ایک مقامی اخبار میں عزیز احمد کے نام سے ایک آرٹیکل شائع ہوا۔ جس میں قوم کو ہدایت تھی کہ نعرہِ اللہ اکبر سے استعمار پسندی کی زنجیریں جھٹک کر پھینک دو، اور میدان جہاد میں سر بکف ہو کر نکلو۔ اور باقی حصہ مرزا آفتاب احمد چیف کمشنر ریاست جبل پور کے فرعونی مظالم کے خلاف تھا۔ جس کو عزیز احمد کا حساس دل نہایت بری طرح محسوس کر رہا تھا۔ مرزا آفتاب احمد چیف کمشنر ریاست جبل پور 18 سال سے اس عہدے پر مامور ہیں۔ ان کے عقیدہ میں اگر کوئی چیز قابلِ اعتبار ہے تو زور اور چالبازی۔ اس کی دنیا جبر وتشدد اور مکر تک محدود تھی۔ کسی چیز کے ارادہ کر لینے پر اس کے حصول کے لیے ہر ایک مذموم حرکت عمل میں لانی کوئی بڑی بات نہ تھی۔ کسی بیوہ کی فریاد، کسی یتیم کی آہ وزاری اُن کو اپنے فیصلہ سے باز نہیں رکھ سکتی تھی۔

الغرض وہ ایک ایسی طاغوتی قوت کے اوتار تھے جس کی مثال دنیا کو پیدا کرنا تقریباً دشوار ہے۔ چونکہ گورنمنٹ برطانیہ کے بڑے خیر خواہ تھے اور ریاست کی تمام پیداوار اُن کی خوشنودی مزاج پر صرف کی جاتی تھی اس لیے پبلک کی چیخ و پکار واویلا کے باوجود وہ زیادہ مضبوط پوزیشن حاصل کرتے گئے۔ تعلیم صرف پرائمری تک محدود تھی۔ مگر مشہور ہے کہ روپیہ قاضی الحاجات ہے، اس لیے تمام برٹش پولیٹیکل آفیسر اُن کے اس عیب کو نظر انداز کیے جاتے تھے۔

6

بالآخر 3 جنوری کا وہ منحوس یا سعید دن بھی آ پہنچا۔ جب اس ناز و نعم کے پروردہ نوجوان کو پولیٹیکل ایجنٹ ریاست جبل پور نے طلب کیا۔ اور وہ آرٹیکل عزیز احمد کو پڑھ کر سنایا گیا۔ عزیز احمد نے کہا کہ انگریز پولیٹیکل ایجنٹ ایک ثالث کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اس کا فرض ضرورت پڑنے پر ریاست کے راعی اور رعایا کے درمیان انصاف کو قائم رکھنا ہے۔ چونکہ مجھے کامل احساس ہے کہ آپ مرزا آفتاب احمد چیف کمشنر ریاست کے زیر اثر اپنی حقیقی پوزیشن قائم نہیں رکھ سکتے۔ اس لیے میں خاموش ہوں۔

تین مہینہ کی پیشی پڑی۔ عزیز احمد کو پولیٹیکل ایجنٹ نے مرزا آفتاب احمد کے حوالہ کر دیا کہ وہ اپنے عزم کو ریاست کے جیل میں تا تاریخ پیشی رکھے۔

عزیز احمد کو جیل میں کسی قسم کے اخبار یا رسالہ جات یا مطالعہ کے لیے دوسری کتب نہیں ملتی تھیں۔ مرزا آفتاب احمد کے ہدایت کے بموجب عزیز احمد کو ہر قسم کی روحانی تکالیف دی گئیں۔ اس تین ماہ کے عرصہ میں مرزا آفتاب احمد کی ریشہ دوانیاں پایہ تکمیل تک پہنچ چکی تھی۔ تاریخ پیشی پر پولیٹیکل ایجنٹ نے آٹھ ہزار روپیہ جرمانہ اور ڈیڑھ سال سزائے قید کا فیصلہ سنا دیا۔ آٹھ ہزار تو عزیز احمد کی جامہ تلاشی سے بوقت گرفتاری برآمد ہوا، داخل جرمانہ کر دیا گیا اور عزیز احمد کو جیل بھیج دیا گیا۔ بس اب اس کا واحد مشغلہ جیل میں نماز اور تلاوت قرآن شریف تھا جو کہ پانچ ترجموں والا تھا اور حاشیہ پر تفسیر بھی تھی۔ وہ قرآن شریف کے معنی نہایت ہی غور و انہاک سے ذہن نشین کرتا اور اُس وقت تک کہ کسی آیت کے معنی اور شانِ نزول کے متعلق اس کو پوری تسلی نہ ہوتی، آگے نہ بڑھتا تھا۔ وہ نماز کے اصلی مقصد تک پہنچنے کی کوشش میں رہتا جو مقصد خداوند پاک کو نماز سے مقصود تھا۔ قرآن پاک کی رسمی تلاوت اُس کے عقیدہ میں بے معنی اور جہل تھا۔ وہ قرآن حکیم کو صحیفۂ فطرت کا جامع خلاصہ اور خدا کا آخری فرمان ایک خالق حکیم و علیم کا اپنی مخلوق کی طرف اس کے لیے دنیا میں خوش اسلوبی کا سامان سمجھتا تھا۔ اس کے علاوہ رات کو بعد نماز عشا دو گھنٹہ اللہ سے خالی الذہن ہو کر یادِ حق میں گزارنا اُس کا معمول تھا۔ جیل میں گیارہ مہینہ کے درمیان آخر، اُس نے اپنی صادقانہ ان تھک کوششوں سے گوہرِ صداقت کو پالیا۔ فلسفہ اسلام اور حق و باطل کی جنگ کے اسباب اس کے فہم میں آ گئے۔ اب وہ ایک نڈر توحید پرست تھا۔ باطل کی بہیمانہ باطل آراؤں نے اس کو ''حق'' سے آگاہ کر دیا تھا۔ وہ براھیمی عشق اور قربانی کا جذبہ چاہتا تھا، اس کو وہ حاصل ہو گیا۔ وہ حسینؓ کی سی تڑپ اور شہادت کی زبردست تمنا مانگتا تھا، اس کو مل گئی۔ وہ اپنی کوٹھڑی میں 1 بجے سے 3 بجے مجنونانہ اٹھ کر یہی کہتا سنائی دیا کرتا تھا:

تیروسنان و خنجر و شمشیرم آرزوست
بامن میا کہ مسلکِ شبیرم آرزوست

پھر کہتا:

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

پھر کہتا:

خویش را بر نوکِ مژگان ستم کیشاں زدم
آں قدر زخمے کہ دل میخواست در خنجر نہ بود......ش م)

الغرض اس عرصہ میں انوارِ الٰہی کی فیاضانہ بارش نے اس کو اپنی اصلیت سے باخبر کر دیا تھا۔ اس کے چہرہ سے الوہیت برستی تھی۔ وہ عزیز احمد جو کبھی اعلیٰ قسم کے کشمیرہ کے سوٹ میں ملبوس تھا۔ اب ایک سفید لٹھ کی شلوار، کھلے گلے کی خاکی قمیض اس کے اوپر سفید لٹھ کی چادر اُس کا لباس تھا۔ سردی ہو یا گرمی وہ اس لباس میں رہتا۔ سر برہنہ رہنے سے وہ خوش رہتا۔ الغرض وہ سادگی کا ایک مکمل مجسمہ ہو گیا۔

7

عزیز احمد کے جیل جانے کی وجہ سے رشید احمد اب تنہا بے یار و مددگار رہ گیا۔ اُدھر سے نواب اشفاق احمد جس کا ضمیر احساسِ محبت اور جذبہ ہمدردی سے قطعاً بیگانہ تھا۔ مزید براں عزیز احمد کی روز افزوں قابلیت اور ہر دلعزیزی نے اس کو رقیبانہ جذبات کی پرورش پر مجبور کر دیا تھا۔ عرصہ سے ایسے موقع کے انتظار میں تھا۔ اب عزیز احمد کی اسیری اور رشید احمد کی خوردسالی و ناتجربہ کاری سے اُس نے نہایت ہی سرعت سے فائدہ اٹھانے اور اپنی خودغرضانہ خواہشات کے تکمیل کی ٹھانی، اور افسرانِ مقامی کے کان بھرنے شروع کیے۔ عزیز احمد کو ایک مادرزاد انقلاب پسند اور دشمنِ حکومت ثابت کرنے کی کوششیں شروع کیں۔ مرزا آفتاب احمد چیف کمشنر ریاست جبل پور نام کا تو صرف چیف کمشنر تھا، مگر اصلیت میں تو والیِ ریاست بھی وہ تھا اور مجسٹریٹ بھی۔ پولیٹیکل ایجنٹ اُس کے اشارہ پر ناچتے تھے۔ ان کی سخت گیری کی وجہ سے اب تک ریاست میں کسی قسم کی تحریک نے جنم نہ لیا تھا۔ پبلک جلسہ تو کجا، دس بیس کی مجلس میں بھی اگر کوئی ملکی اصلاحات اور موجودہ نقائص کا ذکر غلطی سے کر بیٹھتا تو بے مقدمہ چلائے سالوں تک جیل کی چکی پیستا۔ ویسے تو ریاستیں اکثراً قانون و انصاف سے مستثنیٰ سمجھی جاتی ہیں۔ مگر جس قسم سے قانون و انصاف کا خون اس ریاست میں بالخصوص مرزا آفتاب احمد کی حکومت میں ہوتا رہتا ہے، اس کی مثال تمام دنیا کے کسی گوشہ میں نہ ملے گی۔ عوام کو تعلیم سے دانستہ بے خبر رکھا گیا۔ تمام ریاست میں تلاش کرنے پر چند گنتی کے پرائمری پاس ملیں گے اس لیے اس ریاست میں مارشل لا جاری تھا۔

چونکہ مرزا صاحب تو عزیز احمد کو زیادہ سے زیادہ تکلیف دیکھنے میں متمنی تھے۔ ان کو عزیز احمد سے ایک ذاتی اور ناقابلِ معافی کدورت پیدا ہو چکی تھی۔ ان کی دلی حالت یہ تھی کہ عزیز احمد پر سخت سے سخت تر تکالیف ڈالی جائیں اور وہ روئے گڑگڑائے، ان سے معافی مانگے۔ عزیز احمد نے سزا سے قبل بالواسطہ یا بلاواسطہ تحریری یا زبانی معافی مانگی بھی ہوتی مگر اب تو وصولِ صداقت کے بعد وہ ماسوا اللہ کے کسی کے سامنے ناجائز طور پر جھکنا شرک اور کفر سمجھتا تھا۔ مرزا آفتاب احمد نے نواب اشفاق احمد کی آڑ میں یا نواب اشفاق نے مرزا آفتاب احمد کی مدد سے بہرحال جو سمجھ لو، ایسا جال تیار کیا کہ نواب اشفاق کی ایک درخواست پر عزیز احمد اور رشید احمد کی جاگیر جو اُن کو حصہ میں دی گئی تھی، تا حکمِ ثانی کورٹ آف وارڈز میں داخل کی گئی۔ رشید احمد

ناتجربہ کاری کی وجہ سے کچھ نہ کرسکتا تھا اور کرتا بھی کیا۔ جبکہ پولیٹیکل ایجنٹ سے ریذیڈنٹ تک آفتاب احمد کے زیرِ اثر تھے۔ ان پے درپے مصیبتوں کے نزول سے بے چارہ رشید احمد جس نے کبھی غم کی شکل تک نہ دیکھی تھی، کس حالت میں ہوگا، اس کا اندازہ وہ دل کرسکتا ہے جس پر کبھی ایسی گذری ہو۔ بھلا بیس تیس افراد پر مشتمل کنبہ اور امیرانہ حیثیت سے رہنے کے عادی اب کیسے گزارہ کرتے۔ بارہا ایسا ہوا کہ دنوں سے گزر کر ہفتوں تک فاقہ پر نوبت پہنچی۔ عزیز احمد پابندی کی حالت میں اپنے پسماندگان کی یہ حالت سن کر خاموش ہوجاتا اور کبھی اُس کی زبان سے حرفِ شکایت نہیں نکلا۔ ہر الم انگیز سانحہ کی خبر پر الحمد لِلّٰہ علٰی کُلِ حال کہہ کر خاموش ہوجاتا۔

8

عزیز احمد کو تقریباً ایک سال اس حالت میں ہوگیا ہے۔ دو بجے رات کا عمل ہے۔ عزیز احمد کی کوٹھڑی میں ایک ہریکین لیمپ جس کی روشنی نہایت مدھم ہے جل رہی ہے۔ عزیز احمد ایک دری پر چادر اوڑھے دوزانو بیٹھا ہوا ہے۔ اس وقت وہ ماحول کے اثرات سے بے خبر کسی خاص شعف میں آنکھیں بند، گردن نیچے کیے ہوئے بیٹھا ہے۔ اچانک بلند آواز سے السلام علیکم کی روح پرور صدا سکوت کو چیرتی ہوئی اُس کا کانوں میں پہنچی۔ گردن اوپر ہوئی۔ آنکھیں نیم وا تھیں۔ اپنے سامنے دو نورانی مجسمے انسانی شکل میں کھڑے تھے۔ کوٹھڑی کا دروازہ بدستور مقفل پا کر عزیز احمد حیران سا رہ گیا۔ مسرت و استعجاب کے مشترکہ جذبات کے زیر اثر چند ساعتوں تک خاموش رہنے کے بعد وعلیکم اسلام رحمتہ اللہ و برکاتہ کہا اور گویا ہوا ”کیا میں اپنے معزز مہمانوں کی تعریف اور مقصدِ تشریف آوری سے آگاہ ہوسکتا ہوں؟“۔ یہ کہتے ہوئے عزیز احمد نے کچھ ہٹ کر اُن مہمانوں کو وہاں بیٹھنے کے لیے اشارہ کیا۔ وہ دونا معلوم مہمان وہاں بیٹھ گئے۔ عزیز احمد بھی ان کے نزدیک بیٹھ گیا۔ اُن دو میں سے ایک شاید عہدہ میں اس سے اعلیٰ ہوگا، نے کہنا شروع کیا ”ہم دونوں فرشتہِ انصاف ہیں۔ کائناتِ ارضی میں انصاف قائم رکھنے کے لیے بارگاہِ ایزدی سے مامور ہیں۔ مرزا آفتاب احمد چیف کمشنر اور نواب اشفاق احمد کی چیرہ دستیاں، آپ کی مظلومیت اور صابریت اپنے انتہائی معراج کی کمال پر پہنچ چکی ہیں۔ اس ایک سال میں آپ نے حقِ بندگی کو خوب نبھایا۔ ہم آپ کو بارگاہ ایزدی سے ”صابر“ کا خطاب عطا ہونے کا مژدہ سنانے اور آپ کی تکالیف کا خاتمہ کرکے انصاف پہنچانے اور مرزا آفتاب احمد اور نواب اشفاق احمد کو اُن کے کیفرِ کردار کے انجام پر پہنچانے آئے ہیں۔ عنداللہ تو اُن کا شمار ظالموں میں کبھی سے قرار دیا گیا ہے۔ مگر اب عندالناس کو ان کے اصلی رنگ میں پیش کرکے ان کی فرعونیت کا حشر ان کو یہاں بھی بھگتنا ہے“۔ پھر چند لمحہ ساکت رہ کر ”آپ خاموش اور مضمحل کیوں ہوگئے۔ اب تو آمدِ بہار ہے۔ آپ کی تکالیف و مصائب کا آج سے خاتمہ ہوگیا۔ آپ کے معاندین کو آپ کے حسبِ منشا سنگین سزائیں دی جائیں گی۔ مگر آپ تو برعکس اس کے زیادہ اُداس ہوتے جاتے ہیں“۔ فرشتہ نے کہا۔

''اے انصاف کے فرشتو ؟ میں تابع نہیں کہ میری متاعِ زندگی جو میرا ایک فطری کے عیوض کسی چیز کے عطا ہونے کا مژدہ مجھے مسرور کرسکتا ہے۔ میری بندگی جزا کے لالچ سے بے پرواہ ہے۔ مرزا آفتاب احمد بنی آدم کی حیثیت سے میرے بھائی ہیں۔ مجھے اُن سے کسی قسم کی کدورت رنجش نہیں۔ واللہ باللہ میں اس کی بربادی کا خواہاں نہیں۔ میں اس کو عقوبت کے شکنجہ میں گرفتار دیکھنا نہیں چاہتا۔ بلکہ میں اس کی ہدایت کا منتظر ہوں۔ خدارا جاؤ۔ جلدی جاؤ۔ آپ کو خدائے واحد کی عظمت کا واسطہ ہے۔ جاؤ درگاہ ایزدی سے اُس حکم کو اِن لفظوں میں تبدیل کرواؤ کہ مرزا آفتاب احمد کی بے نور آنکھوں کو نورِ ہدایت کا سرمہ لگایا جاوے۔ اُس کے مُردہ ضمیر کی صدائے اللہ اکبر سے مسیحائی کی جاوے۔ اس کے مفلوج قدم کو صراطِ مستقیم کی شاہی سڑک پر راجع کیا جاوے۔ ''بنی آدم اعضائے یک دیگرند'' کے معنی اس کو ذہن نشین کرائے جاویں۔ بس یہی میرا انتہائے زندگی ہے۔ یہی میری تمنا ہے اور یہی میری زندگی کا اجر ہے۔ اور یہی میرے لیے میرے مولائے پاک کی خوشنودی کا تمغہ ہے۔ مرزا آفتاب احمد کی سزا یافتگی میرے لیے ''میری جزائے بندگی کی فوتیدگی اور میری رفتارِ بندگی میں مخل ہونے کے مترادف ہے۔ اس کی ہدایت میری تن آسانی اور سُست گامی کے لیے ایک تازیانہ ثابت ہوگی''۔

یکا یک عزیز احمد خاموش ہوگیا۔ اس کی آواز گلو گیر ہوگئی تھی۔ اس کی دونوں آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو اُس کے رُخسار کو وضو کروا رہے تھے۔ اچانک مجنونانہ حالت میں وہ اُٹھ تن کر کھڑا ہوگیا۔ فرشتوں کی طرف مخاطب ہوکر کہنے لگا۔ ''اٹھو اے فرشتو۔ مالک کی بارگاہ میں ہم آہنگ ہوکر عرض کریں''۔ اس وقت عزیز احمد کی حالت ایسی رُعب انگیز ہورہی تھی کہ فرشتوں کو تعمیل کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ عزیز احمد کے دونوں ہاتھ اوپر سر تک گئے۔

''اے میرے خالقِ ارض وسما! اے قسامِ ازل۔ اے رحیموں کے رحیم۔ اے دنیا کے آقا کہلانے والے بندوں کے آقا! مرزا آفتاب احمد پر رحم کر۔ سزا دینے کے بجائے اُسے ہدایت عطا فرما۔ اس کے ساتھ میری رنجش سوائے اس ایک امر کے کچھ اور نہیں کہ وہ اپنی بے بصری سے تیرے بنائے ہوئے احکام پر چلنے سے گریز کرتا ہے۔ پھر تُو کیوں نہ اُس کو ہدایت سے منور کرتا ہے میرے مولا۔ تو منصفِ حقیقی ہے مگر تیرے انصاف پر تیرے رحم کو تقویت ہے۔ پھر کیوں بیچارہ آفتاب احمد تیرے رحم سے محروم رہے۔ اسی طرح بے چارہ نواب اشفاق احمد میرے بزرگ بھائی وہ بھی چاہِ ضلالت میں غلطان ہے۔ آپ کے دریائے رحمت کی ایک موج اُن کے راہِ راست پر لانے کو کافی ہے۔ مولا رحم کر۔ جب تک کہ رحمت کی سطح میں امواج حرکت میں نہ آئیں گے، میں الحاح وزاری کا چپو چلاتا جاؤں گا''۔ یہاں آکر عزیز احمد کی ہچکی بندھ گئی۔ آنسوؤں کا ایک سیلاب تھا کہ دو چھوٹے چشموں سے اُمڈتا ہوا نکل رہا تھا۔ ایک دولمحہ میں عزیز احمد بے ہوش ہوکر فرش پر گر پڑا۔

دونوں فرشتوں نے عزیز احمد کے بے ہوش جسم کو اٹھا کر تعظیم وتکریم سے فرش پر لٹا دیا اور خود غائب ہوئے۔

9

فضا میں ایک ہلچل سی مچی ہوئی ہے۔فرشتوں میں ایک ایسی خوشی کا سماں بندھا ہوا ہے جیسے کہ آج اُن کا کوئی سالانہ جشن ہے۔ ہر ایک مقام پر 40,40,20,20 فرشتوں کا مجمع ہے اور ہر ایک کی زبان پر یہی گیت جاری ہے۔

مکمل ہوگئی انسان پہ تعلیم قرآنی
ہوئی ہے آج کی شب جیل میں تکمیلِ انسانی

اسی شب پچھلے آسمان پر جلی حروف میں لکھا ہوا پایا گیا۔

تکمیلِ انسانیت

بشکریہ: یوسف عزیز مگسی

قول

’’وطنیت کا محدود تخیل نوع انسانی سے عام اور ہمہ گیر محبت کا کفیل نہیں ہوسکتا۔میں بین الاقوامیت کا حامی ہوں اور کائنات کیلئے اسے ضروری سمجھتا ہوں‘‘۔ [1]

یہ قول ہے میر یوسف عزیز مگسی کا جو دنیا کو سمجھنے، جانچنے اور پرکھنے کے لئے فلسفیوں کے ایک مخصوص گروہ کے نظریات، مفاہیم اور تصورات کا احاطہ کرتی ہے۔

قوموں کی یک جہتی کے معنی رکھنے والا بین الاقوامیت کی یہ اصطلاح نظریاتی و سیاسی حوالے سے دو مخالف کیمپوں میں منقسم ہیں اور طبقاتی خصلت رکھتا ہے۔ایک طرف سرمایہ دار طبقے کی بین الاقومیت جو قومی وطبقاتی جبر و استحصال سے وابستہ ہے، اور دوسری طرف یہ اصطلاح محکوم قوموں اور استحصال زدہ مظلوم طبقات کے ان رشتوں سے وابستگی رکھتا ہے جو امن، سماجی انصاف اور استحصال سے پاک سماج کی تعمیر کے لئے عالمی استحصالی نظام سے نبرد آزما ہیں اور ان کے نظریات و سیاست کی ترجمانی کرتا ہے۔

میر یوسف عزیز مگسی بھی جہاں بینی کے اس وسیع النظر نظریئے سے استفادہ کرتے ہوئے کائنات اور سماجی زندگی کے خدوخال کو علمی انداز میں گہرائی سے مطالعہ کرتے تھے۔

عالمگیریت کا یہ نکتہ نظر فلسفے، معاشرتی و سیاسی نظریات کے ساتھ ساتھ اخلاقی، فنی و طبعی علوم سے تعلق رکھنے والے نظریات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔جو ٹھوس منطق اور سائنسی عقائد سے پیوست ہے۔

بین الاقوامیت کی بنیاد قوموں کی برابری اور رضا کارانہ اتحاد پر قائم ہے جو قومی وطبقاتی نا برابری، تعصب اور لوٹ کھسوٹ کے مقابلے میں قومی و سماجی نشونماء کو پروان چڑھاتا ہے۔قومی وطبقاتی مشترکہ مفادات کی شاہراہ پر کاربند رہتے ہوئے خوشحالی امن وسلامتی کے پودے کی آبیاری کرتا ہے۔

میر یوسف عزیز مگسی بین الاقوامیت کے اس فلسفے کے مفہوم کو عمل کی چھان بین کے ساتھ سماجی تبدیلی کے لئے اسے ضروری گردانتے تھے۔قوموں اور محنت کشوں کی خوشحالی، آزادی اور نوح انسانی سے ہمہ گیر محبت اور کائنات کی تسخیر کے لئے اسے ضروری سمجھتے تھے۔

میر یوسف عزیز کا یہ قول میں تنگ نظری، موقع پرستی، خودفریبی، قومی شاؤنزم کے انتہا پسندانہ شکل، انسان دشمن رویوں اور بالائی طبقات کی انسانی اقدار سے پرے قوموں کی یکجہتی اور غیر طبقاتی سماج کے قیام کے لئے امن، محبت، خوشحالی اور انسان دوستی کے فکر کی نمائندگی کرتا ہے اور قومی ووطنی احساسات ثقافت، زبان، قومی اقدار کے احترام وقومی وطبقاتی ہم آہنگی کا درس دیتا ہے اور جو محکوم قوموں و نچلے وکُچلے ہوئے طبقات کی جبر کے بندھنوں سے آزادی، برابری اور استحصال سے پاک سماج کی عالمگیر تحریک کو پروان چڑھاتا ہے۔

حوالہ:

میر یوسف عزیز مگسی بلوچستان جدید (کراچی) یکم مارچ 1934 جلد نمبرا شمارہ نمبرا

وصیّت

(اہلِ بلوچستان کے نام الوداعی پیغام)

از سونا مرگ

۲۵ / مارچ ۱۹۳۴ء بوقت ۵ بجے شام

بس یہی آرزو ہے کہ اسلام پہ مروں
ناموسِ مصطفیٰ ؐ کے بڑے نام پر مروں

ٹھہر جا ٹھہر جا اے جسمانی مرض کی صورت میں میرے مکافات عمل! ذرا رک جا۔ مجھے آخری آنسو بہانے دے۔ ایک تکلیف نہیں۔ بمصداق اس انگریزی مقولہ: Troubles never Comes alone کے اس ہجوم امراض میں گرا ہوا ہوں۔ ایک ایسے مقام پر جہاں تازہ برفانی ہواؤں اور اشجار کے ماسوا نہ کوئی معالج ہے، نہ کوئی غمگسار، اگر یہاں نہ ہوتی ذات مولانا اختر علی خان کی تو شاید ایک ہفتے کی جان شکن تکلیف کے بعد اس وقت مجھ میں ان سطور کو لکھنے کی اہلیت کبھی نہ ہوتی۔ مرنے سے غم نہیں کھاتا اور نہ ایک مرد توحید پرست کو موت سے گھبرانا چاہئے۔

صرف اس قدر حسرت لئے جاتا ہوں کہ میرے پیارے برادران وطن کی صدائے درد بلند کر رہے ہیں اور کسی مرد خدا کی تلاش میں میری نگاہیں ہر شمس جہالت سے بصد یاس وحسرت ناکام واپس ہو کر میرے سینہ وجگر میں کھب جاتی ہیں۔ اچھا بہر حال جو میرے خالق کی منشاء میرے یہ چند آخری کلمات کسی دردمند مسلمان کی نگاہوں سے گزریں تو اس کا اخلاقی اور شرعی فرض ہوگا کہ میرے برادران وطن کو میرا یہ آخری پیغام پہنچا دے۔ قلوب میں تبدیلی پیدا کرو، جماعت سوز جمود کو ترک کرو۔ اپنا نصب العین بلند معیار پر ذہنوں میں متشکل کرو، سیدھے راستے پر چلو، اپنی اولاد کو علم کے زیور سے آراستہ کرو۔ خاص طور پر اپنی بچیوں کو زیور علم سے محروم نہ کرو۔

میری والدہ، بھائی، بیوی اور پیارے سیف اللہ کوایک چراغ سحری الوداع کہنا ہے۔کاش وہ اس وقت مجھے مل سکتے ۔

میری تمام جائیدادمنقولہ، غیرمنقولہ کا نصف حصہ مساوی طریقے پر میرے بھائی ، والدہ ، بیوی اور منے سیف اللہ پر تقسیم ہونا چاہئے۔باقی نصف حصہ مولانا ظفرعلی خان، مولانا ابوالکلام آزاد، میر عبدالعزیز کرد، میر محمد امین کھوسہ کے مشورے سے کسی اسلامی کام میں خرچ کرنا چاہئے۔بخدا اس روپے میں سے کسی نئے فرقے کی ایجاد یا فرقہ بند جماعت کی امداد نہ کی جائے۔ یہ روپیہ خالص اسلامی کام پرخرچ ہو۔

اچھا برادران اسلام ومحبانِ وطن ......اسلام علیکم !

یہاں مجھے یاد آیا، ایک عرصے سے مجھے ایک خیال ذہن نشین ہوگیا ہے کہ انگریز جزیرہ عرب پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اور ان کے پولیٹیکل معالج کی رو سے یہ ضروری ہے کہ وہ اسلامیان عالم کے مرکز اور سببِ اتحاد کو مٹائیں ۔

اورتمہارا خالق ارض وسما کہتا ہے:

اے برادران اسلام !

اب تمہاری منشاء ہے کہ انگریزوں کے ہوائی جہازوں اور مشین گنوں سے ڈرو یا حشر کے دن اپنے رب کعبہ کے سامنے جواب دینے سے ڈرو۔ محمد یوسف عزیز بلوچ آف بلوچستان ۔

نوٹ: (درج بالا پیغام لندن روانگی سے دو دن قبل لکھا گیا)

باب بیست

لمحہ فکریہ

۳۱ مئی کی ایک صبح جب ہم بی ایس او(سُہب) کے اراکینِ سنٹرل کمیٹی کے ہمراہ اپنے ایک مہمان، یوسفی درد رکھنے والے ایک حساس دل شاعرعوام کی خاطر سماجی تبدیلی کے لئے لاٹھی، گولی، کوڑے اور زندان کی اذیتوں کے تمغے پانے والے ایک درویش نما مست و ملنگ شخصیت کو برسی کی مناسبت سے یوسف عزیز کے سنسان مقبرے پر حاضری دینے کانسی قبرستان لے گئے۔ جوں ہی ہم مقبرے کی چار دیواری کے اندر داخل ہوئے مقبرے کی حالت زار ہمارے آئے ہوئے مہمان سے دیکھی نہیں جاسکی۔ وہ مقبرے کے سرہانے بیٹھ کر دھاڑیں مار مار کر زار و قطار رونے لگے آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ رہا تھااور زبان سے روتے ہوئے آواز میں دل پھاڑ دینے والے کلمات ...... یقیناً ایسا حساس دل رکھنے والا شخص حبیب جالبؔ ہی ہوسکتا ہے...... جی ہاں، حبیب جالب! شاعرعوام، عوام کے دکھ درد کا ساتھی، عوامی درد دل میں سمیٹے ہوئے اپنے بچوں کے فکر معاش سے بے نیاز، ہر آمر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے والا جالب!

حبیب جالب گڑگڑاتے ہوئے آنکھوں اور بلکتے ہوئے زبان سے درد بھرے انداز میں کہے جا رہا تھا، یہ تو بلوچستان میں سیاست کے بانی کا مقبرہ ہے اور وہ بھی ایک نواب کا۔ عوامی نواب کا ...... اس کی یہ حالت زار...... مجھ جیسا ایک غریب شاعر وہ بھی پنجاب کا رہنے والا اگر یہاں دفن ہوا تو پھر میرے مقبرے کی حالت زار کیا ہوگی؟

جالب کی سوالیہ نظریں ہم سے پوچھ رہے تھے، بلوچ عوام سے، بلوچستان میں قومی اور عوامی سیاست کے نام لیواؤں سے، زبان پر مہر لگی ہوئی دانشوروں سے، یوسف عزیز کے عزیز و اقارب سے، ان کے پوتوں اور نواسوں سے جو خود بھی نواب ہیں، نواب زادے ہیں اور ہر دور میں حکومت کا حصہ چلے آ رہے ہیں۔ حکمرانی کی دوڑ میں وہ وزیراعلیٰ بھی بنے، جی ہاں وزیراعلیٰ ...... اور گورنری کے مسند ...... پر بھی براجمان رہے۔ بلوچستان اور سندھ میں وزارتوں میں بھی شامل ہیں بلکہ شامل چلے آ رہے ہیں۔

چند سال قبل جب یوسف عزیز کے پوتے نے وزارت اعلیٰ کی بھاگ دوڑ سنبھالی، تو اگلے دن غالباً ۳۱رمئی کا دن تھا انہی دنوں میں لالا صدیق کے روزنامہ بلوچستان ایکسپریس سے منسلک تھا اخبار کا اداریہ میں نے لکھا مقبرے کی حالت زار پر اگلے دن چند دنوں کے لئے میں کوئٹہ سے باہر رہا واپسی پر جب میں گھر پہنچا تو لالا صدیق کا پیغام ملا کہ آتے ہی مجھ سے رابطہ کرنا میں سیدھا اخبار کے دفتر واقع سورج گنج بازار گیا، وہاں پتہ چلا کہ وزیراعلیٰ ہاؤس سے فون پر فون آ رہے ہیں کہ یوسف عزیز کا مقبرہ کہاں واقع ہے؟ ہمیں لے چلو میں نے صدیق سے کہا کہ اگلے دن انہیں دس بجے بلوالو۔

اگلے دن صبح دس بجے (V.V.I.P) گاڑی میں بیٹھے ہوئے وزیراعلیٰ بلوچستان نواب ذوالفقار علی مگسی کے مشیر فریدون آباوان انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ کے فوٹوگرافروں اور افسران کے ہمراہ لالا صدیق کے دفتر پہنچے، جہاں سے میں لالا صدیق کے ہمراہ انہیں کاسی قبرستان میں واقع یوسف عزیز کے مقبرے پر لے گیا۔

صبح کا وقت تھا مقبرے کا کمرہ آس پاس کی آبادی کے فضلات سے بھرا ہوا تھا۔ تازہ تازہ فُضلات اور یورین سے گیلی فرش ہم تو مقبرے کی چار دیواری کے اندر گئے لیکن وزیراعلیٰ کا مشیر ناک پر رومال لئے مقبرے کی چار دیواری کے باہر کھڑا رہا جیسے کسی زہریلے سانپ نے سونگھ لیا ہو۔ فوٹوگرافروں نے مختلف زاویوں سے تصاویر بنائیں۔

کچھ عرصہ بعد سننے میں آیا کہ مقبرے کی مرمت کے لئے چار لاکھ روپے وزیراعلیٰ فنڈ سے منظور ہوئے ہیں نہ جانے وہ چار لاکھ کہاں گئے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا...... کوئی بھی والئی وارث نظر کی عینک سے...... بھی دکھائی نہیں دے رہا، فکری وارثوں کا بھی یہی حال ہے، یہ دور ہی بے حسوں کا ہے۔ سماجی اقدار، اپنے اسلاف کی روایتوں اور انسانی حس سے عاری لوگوں کا۔

تاریخی جبر کہیں اسے، ستم ظریفی یا اپنی بے حسی ......!

آج اس شہر میں تاریخ کے دو پہلو مدفون ہیں۔ مثبت اور منفی پہلو۔ یوسف عزیز مگسی اور اپنے دور کا مطلق العنان وزیراعظم ریاست قلات سرشمس شاہ۔ دونوں ایک ہی دن ۳۱رمئی ۱۹۳۵ء کے ہولناک زلزلہ کی نذر ہوئے۔ وزیراعظم ریاست قلات سرشمس شاہ شاہانہ جاہ وجلال کے ساتھ ریلوے سوسائٹی کے قبرستان میں اپنی میڈم کے ہمراہ سخی سمندر شاہ بابا کے پہلو میں دفن ہیں، جہاں گلاب وچمبیلی کی بھینی بھینی خوشبوؤں سے فضاء مہک رہی ہے اور دوسری جانب اس بے حس عوام کے شہر کوئٹہ کے کوہ مردار کے دامن میں واقع کاسی قبرستان کے اندر بلوچستان کا اولین قائد میر یوسف عزیز مگسی محوخواب ہے، چند ماہ قبل مقبرے کی چار دیواری گندگی کے ڈھیر کے طور پر استعمال ہو رہی تھی اور چاروں طرف بدبودار غلاظت ...... بابو عبدالکریم شورش جو کہ یوسف عزیز کی تحریک کے اولین کارکنوں میں سے تھے۔ وہ آپ سے بے انتہا عقیدت رکھتے تھے بابو جب تک زندہ رہے ہر جمعۃ المبارک کے دن تسلسل کے ساتھ آپ کے مزار پر حاضری دیتے تھے۔ یوسف عزیز کے مزار کا احاطہ ۱۹۷۴ء سے قبل آہنی جنگلوں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ ایک دن بابو شورش جب مقبرے پر حاضری دینے گئے تو انہیں انتہائی کرب کے حالات سے گزرنا پڑا۔ یوسف کے مقبرے کے سنگِ مرمر کے پتھر توڑے گئے تھے، بابو نے اپنا کرب نوکین دوَر کے اداریہ ''شکستہ مزار کے نوحہ'' لکھ کر بے حس عوام تک پہنچایا۔

۱۹۷۲ء میں بلوچستان میں نیشنل عوامی پارٹی کی حکومت کے دوران بابو نے اس وقت کے گورنر بلوچستان میر غوث بخش بزنجو کو ساتھ لے کر مقبرے کی حالتِ زار دکھائی۔ میر غوث بخش بزنجو نے اگلے مقبرے کی چار دیواری کو پختہ کرنے کے

احکامات صادر کیئے۔جلد ہی نیپ کی حکومت برخاست کی گئی پھر۱۹۷۴ء میں میر غوث بخش بزنجو کے احکامات پر عمل ہوا، چار دیواری پختہ اور ایک بڑے عالی شان کمرے کی شکل میں بنایا گیا۔جس کا دروازہ لوہے کا تھا اور دروازے کے آس پاس دو بڑی آہنی کھڑکیاں بنائی گئی تھیں۔جب تک بابو شورش کی صحت تھی سائیکل پر پیڈل لگا کر آتے فاتحہ پڑھتے، مقبرے کی چار دیواری کی صفائی کر کے واپس چلے جاتے تھے۔عمر کے آخری ایام میں رکشہ میں بیٹھ کر آتے اور جھاڑو اٹھا کر خود صفائی کرتے اور فاتحہ پڑھتے یہاں تک کہ علالت کو بھی تقاضا میں نہیں لاتے تھے۔دیواروں کی مرمت کرتے جنگلہ چوری ہونے پر واپس جنگلہ لگاتے اور برسی پر نوکین دور کا کارڈ سٹائل کا کیلنڈر نکالتے تھے۔

مقبرے کی طرح یہی حال کاشانہ یوسف کا ہوا، کاشانہ یوسف پرنس روڈ پر واقع یوسف عزیز کی ملکیت تھی، اسی کاشانہ میں بلوچ کانفرنس کے کئی اجلاس منعقد ہوئے اسے آپ کی شہادت کے بعد آپ کے بھائی نواب محبوب علی خان نے ۱۹۴۶ء میں ازسرِ نو تعمیر کر کے اس کے گیٹ پر ''کاشانہ یوسف'' کنندہ کیا۔یہ عمارت ۱۹۷۰ء کی دہائی تک ایک قومی ورثے کی شکل میں موجود تھا۔ہوسِ زر کی خواہشات کے بل پہ قومی ورثہ فروخت کیا گیا،جس کا اب وجود ہی نہیں۔

اب ہم میں کوئی بھی حبیب جالب نہیں رہا جو مقبرے کی حالت زار پر آنسو بہاتا نہ کوئی شورش بابو جو مقبرے کے لئے جنگلے لگاتے اور چار دیواری کی مرمت وحفاظت کرتا اور نہ کوئی ہاشم خان غلزئی جو اپنے دل میں یوسفی درد رکھتا ہو۔حالانکہ گزشتہ ڈھائی دہائیوں سے قوم پرست نامی پارٹیاں پارلیمنٹ میں موجود ہیں۔حکومت کا حصہ رہے ہیں وزیر اعلیٰ بھی بنے اور اب بھی پارلیمنٹ کی کرسیوں پر براجمان ہیں لیکن اس جانب توجہ دینے والا کوئی بھی نہیں۔کوئی بھی ......!!

بھلا ہو گورکن کا جس نے شاید اپنے مادی فائدے کے لئے مقبرے کی چار دیواری اور چھت گرا کر یوسف عزیز کے مقبرے کو اس غلاظت سے نجات دلا دی۔اب نہ وہاں چار دیواری ہے اور نہ ہی اس کی چھت۔مقبرے کے احاطہ کی زمین پر قبریں بن گئیں ہیں اور یوسف عزیز کے مقبرے کے اردگرد لگے ہوئے نایاب کتبے بھی غائب ...... !! چند سال قبل ایک قوم پرست پارٹی نے یوسف عزیز کی برسی کے موقع پر سیمینار کا انعقاد کیا اس سیمینار میں راقم الحروف نے مقبرے کی حالت زار سامعین کے سامنے رکھے تو یکدم قوم پرست پارٹی کے رہنماؤں نے دوران سیمینار ایک کمیٹی قائم کی۔مقبرے کی مرمت اور یوسف عزیز کی خدمات پر ڈاکومنٹری بنانے کا اعلان بھی کیا۔اعلان کے ایک سال بعد ان کی قیادت نے برسی سے ایک دن قبل جب راقم الحروف سے مقبرے کی نشاندہی کے لئے رابطہ کیا تو پتہ چلا قیادت تو اپنی جگہ ان کے اس شہر میں موجود سینکڑوں کارکنوں کو بھی مقبرے کا علم نہیں۔خیر راقم نے مقبرہ انہیں دکھا دیا اور ساتھ ہی تجاویز بھی۔وہ بھی کارکنان کو کیونکہ قیادت یوسف عزیز کے پوتے نواب ذوالفقار مگسی کی طرح اس بدبودار اور غلاظت بھری جگہ پر آنا کہاں گوارہ کر سکتی تھی۔وہ بھی کیوں اپنے استری وکلف شدہ اور عنبر وعود کی خوشبو لگائے ہوئے کپڑوں کو اس بدبودار ہواؤں کی نظر کرتا۔غالباً ۲۰۱۰ء میں بلوچی دنیا ملتان میں راقم الحروف کا

مقبرے کی (اس وقت کی) حالت زار پر ایک آرٹیکل چھپا، جسے اس وقت کے ایک وزیر اسداللہ بلوچ نے پڑھ کر راقم الحروف سے رابطہ کیا۔ اپنے پرائیویٹ سیکرٹری اور سی اینڈ ڈبلیو کے کچھ انجینئروں کو بلا کر سروے کے لئے میرے ساتھ قبرستان روانہ کیا۔ قبریں ایک دوسرے کی ساتھ جڑی ہوئی تھی، سائبان بنانے کے لئے پلر اٹھانے کی جگہ نہیں تھی، بسیار سوچ و بچار کے بعد معروف آرٹسٹ اکرم دوست نے ہلکی سی دوفٹ اونچی دیوار ڈیزائن کر کے اپنے زیر نگرانی بنوایا۔

وزیر موصوف نے میری تجویز پر ''یادگار یوسف عزیز'' بنانے کا وعدہ کیا۔ کچھ ہی دنوں بعد مبلغ چالیس لاکھ روپے اس یادگار کے لئے منظور کیے۔ اکرم دوست کو یادگار بنانے کے ٹینڈر کی منظوری ملی۔ یادگار کے لئے ہم نے جی، پی، او چوک کا انتخاب کیا۔ اس جگہ کے انتخاب پر حکام بالا نے روڑے اٹکائے، وزیر موصوف کی بسیار کوششوں کے بعد اجازت ملی، یادگار تعمیر ہوا، بڑے شان وشوکت سے یادگار کا افتتاح ہوا، اور پھر ۲۰۱۳ء میں بلوچستان کے اس عظیم بطل جلیل کی یادگار خودکش ٹرک سے بھرے ہوئے بارود کی شکار ہوئی۔

اس واقعہ کے اگلے دن میں نے یادگار کا سروے کر کے بلوچستان کے اس وقت کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ سے ملاقات کر کے اس بابت بات کی، اور اسے یادگار کی مرمت کے بارے میں ایک درخواست بھی دی۔ وزیر اعلیٰ ڈاکٹر عبدالمالک جو کہ ایک زمانے میں میرے جوڑ یا دوست کے حوالے سے پہچانے جاتے تھے سے ادبی سیمیناروں میں جب بھی ملتے اسے اس جانب توجہ دلاتا رہا۔ آخر اس وقت تک جب تک وہ وزیر اعلیٰ کے منصب پر براجمان تھے۔ اس موضوع کی مناسبت سے میرے دوستِ خاص عبدالقادر رند بھی وزیر اعلیٰ سیکریٹریٹ درخواستوں پر درخواستیں بھیجتا رہا۔ آخر ہماری یہ ساری کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ اب تو یوسف کی یادگار برائے نام ہے۔ یادگار پر بنائے گئے یوسف عزیز کا عکس سیسہ پلائی ہوئی گولیوں سے چھلنی ہے چاروں طرف سے وہاں پر موجود سیکورٹی کے خیموں کے حصار میں دکھائی ہی نہیں دے رہا۔

اگر اسی طرح کوئی پرسان حال نہیں رہا، تو ایک دن یوسف عزیز کا یادگار بھی مقبرے کی چار دیواری کی طرح مسمار کیا جائے گا۔

حرف آخر

میر یوسف عزیز مگسی کا دور کرہ ارض کے ایک تہائی رقبے پر محیط سوویت انقلاب کا دور تھا۔ جس کے اثرات استحصال، ظلم و جبر کے خلاف دنیا بھر کے قومی وطبقاتی تحریکوں پر مرتب ہوئے۔ جس نے معاشی و سیاسی آزادی اور سماجی تبدیلی کے لئے قومی وطبقاتی تحریکوں میں ایک نئی روح پھونک دی۔ سامراج دشمن و جاگیردار دشمن اہداف قومی وطبقاتی تحریکوں کا نصب العین ٹھہرے ترقی پذیر اور پسماندہ خطوں میں نیشنلزم کی فکر اپنے دور کی سچائیوں کو ساتھ لیکر جدید شکل میں نمودار ہوئی۔ جس کے اثرات، افریقہ، ایشیا اور لاطینی امریکہ میں سیاسی، معاشی اور سماجی بندھنوں میں جکڑے ہوئے نظاموں پر ایک آسیب کی طرح منڈلانے لگے۔ ہمارے قرب و جوار میں ترکی، افغانستان، مصر ہندوستان کی قومی آزادی بخشی تحریکات دنیا بھر میں چلائی جانے والے قومی وطبقاتی تحریکات کے ساتھ جدلیاتی طور پر مربوط ہوئیں۔ ان تحریکات کے اثرات سے کوئی بھی ذی شعور شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

۱۹۲۰ء میں پہلی بار جدید فکر ونظر سے سرشار بلوچ نوجوانوں کی ایک کھیپ نے میر عبدالعزیز کرد کی قیادت میں انجمن نوجوانان بلوچ کے نام سے سیاسی و جمہوری تحریک کی داغ بیل ڈالی اور خفیہ طور پر سامراج دشمن، جاگیردار دشمن اور جمہوری حقوق کے لئے سرگرم عمل ہوئے۔

۱۹۳۰ء میں نوجوانوں کی اس تنظیم کو ۲۱ سالہ نوخیز نوجوان کی قیادت نصیب ہوئی۔ جسے ہماری سیاسی تاریخ میر یوسف عزیز کے حوالے سے جانتی ہے۔ یوسف عزیز کی عملی زندگی پانچ برسوں پر محیط ہے ان پانچ برسوں میں ایک برس نذرِ زندان ہوا، اور تقریباً دس ماہ انگلینڈ میں گزرے، بقیہ تین سالوں میں اس نوجوان قائد کی سماجی، سیاسی اور ادبی میدان میں کارگزاری ہم سب کی ایک صدی پر مبنی اجتماعی کارگزاری پر بھاری ہے۔ یوسف عزیز کی عمر رفتہ کے ان تین سالہ سیاسی معاشی وفلاحی جدوجہد پر میری بیس (۲۰) سالوں سے زائد عرصہ پر مبنی تحقیق بلوچستان کے اس عظیم بطلِ جلیل کی اب تک منظر عام پر آنے والی خدمات اس کتاب میں موجود ہیں اور نہ جانے اور کتنے گوشے ہوں گے جو ہماری نظروں سے اب تک اوجھل ہیں۔

میر یوسف عزیز نے اپنی زندگی کے متحرک انہی تین برسوں میں معاشی، سیاسی اور علمی بنیادوں پر اپنی تحریک کا بالائی ڈھانچہ استوار کیا۔ اپنے دور کی ضروریات اور لوازمات کو سمجھا، اپنے ہی سماج کا طبقاتی جائزہ لیا اور اپنے سماج میں بنیادی وکیفیتی

تبدیلی کے لئے آگے بڑھے۔ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے انقلاب کے خالق طبقہ صنعتی مزدور کو وجود میں لانے کے لئے بلوچستان بھر میں صنعتکاری کی ضرورت پر زور دیا، چرواہوں کی چراہگاؤں کی حفاظت کے لئے آواز بلند کی، قومی ترقی کے لئے تعلیم کو ضروری گردانا، خاص کر لڑکیوں کی تعلیم، وسیع علاقے میں اپنے ہی خرچ پر سکولوں اور ڈسپنسریوں کا قیام عمل میں لایا، کئی نئے دیہات تعمیر کئے، اپنے ہی آپ پر زرعی اصلاحات لاگو کیا۔ ذاتی ملکیت کو طوق لعنت گردانا، اپنے ہی خرچ پر کیر تھر نہر کی کھدائی کی اور پہلے غریب مزارعوں کے زمینوں کو سیراب کیا، نوکریوں میں غیر ملکیوں کی جگہ مقامی لوگوں کو ملازمت دینے پر زور دیا، غرض کہ ہر شعبہ ہائے زندگی پر اپنی توجہ مرکوز کی۔

عوامی بہبود کے لئے کئی منصوبے سامنے لائے، اِن منصوبوں پر اپنے ہی خرچ سے عمل درآمد کرواتا، اِن کی دیکھ بھال کرتا اور اس سے ظاہر ہونے والے دورس نتائج حاصل کرتا۔ اس نے اپنی آدھی جائیداد انسانی بھلائی کے لئے وقف کرنیکی وصیت بھی کی۔ کیونکہ اسے یقین تھا کہ وہ زیادہ دیر تک جی نہیں سکتا۔ وہ جلد ہی سرکار یا کسی سردار کے سیسہ پلائی ہوئی گولی کا نشانہ بنے گا یا سماجی برائیوں سے لڑتے ہوئے ناگہانی موت کا شکار ہوگا۔

میر یوسف عزیز روشن خیال، وطن دوست وقوم دوست انسان تھے۔وہ عظمت انسان کے داعی تھے۔محبت و امن کے پیغامبر تھے۔ وہ اشرافیہ کی قوم پرستی سے پرے قوموں کی یکجہتی و برابری کے قائل تھے۔قومی جدوجہد کو طبقاتی جدوجہد سے منسلک سمجھتے تھے۔ وہ قومی اشرافیہ کی خواہشات پر حامل مہا قوم پرستی کو انقلاب دشمن رجحان تصور کرتے تھے۔وہ قومی تعصب، قومی نفرت اور قومی استحصال سے نفرت کرتے تھے۔وہ قومی رشتوں کے تعین کو طبقاتی فلاسفی کے فارمولے سے ممکن سمجھتے تھے۔وہ قومی شاؤنزم و قومی بالادستی کی بجائے اپنی جدوجہد کو محنت کش طبقات کی جدوجہد سے مربوط رکھنے کے خواہاں تھے اور محنت کش طبقات کے جدوجہد کے اہداف کو اپنا نصب العین قرار دیتے تھے۔وہ قومی وطبقاتی استحصال کو ریاستی مشینری پر ایک گروہ کی اجارہ داری سمجھتے تھے۔وہ نسل، رنگ، زبان، برادری کے رشتوں سے زیادہ انسانی اقدار کو اوّلیت دیتے تھے۔

وہ سامراجی بالادستی کو ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے۔ وہ برٹش بلوچستان کو اجارے میں دی گئی بلوچ سرزمین کی برٹش مفادات کے تحت مختلف ملکوں میں بندر بانٹ سے مطمئن نہیں تھے۔ وہ تاریخی، جغرافیائی، معاشی اور لسانی بنیادوں پر قوموں کی تشکیل کے خواہاں تھے۔

وہ منفی اقدار کی جگہ مثبت اقدار کو، آمرانہ رویوں کی جگہ جمہوری رویوں کو، ڈرائنگ روم کی سیاست کی جگہ عوامی سیاست کو رواج دینا چاہتے تھے۔

وہ درپیش سماجی، سیاسی و معاشی مسائل پر سنجیدگی سے غور وخوص سماجی پسماندگی، معاشی تباہی و بربادی، عدم استحکام کا

ادراک سچائی کی کھسوٹی پر کر کے عملی طور پر اپنے ذاتی وسائل کو اجتماعی وسائل کے لئے بروئے کار لانے پر صرف کیا۔ وہ عوام کے بنیادی، پیدائشی، سیاسی، معاشی اور قانونی حقوق کے خواہاں تھے۔ سماجی واقتصادی وسائل کی مصنفانہ تقسیم کے علمبردار تھے۔ وہ سماجی زندگی میں مرحلہ وار نشوونما کے فلاسفی سے بھی واقف تھے وہ غیر محسوس انداز میں رونما ہونے والی چھوٹی چھوٹی تبدیلیوں کو ایک بڑی تبدیلی کا پیش خیمہ سمجھتے تھے۔ وہ ایک ایسے انصاف پر مبنی نظام کے لئے برسر پیکار تھے، جس میں تمام انسانوں کو بلا رنگ، نسل، ذات پات و پیشہ باعزت زندگی گزارنے کے مواقع میسر ہوں۔ معاشی، سیاسی و سماجی سرگرمیوں میں ہر ایک کی باہمی شراکت داری ممکن ہو۔ ریاست انسانی حقوق کے تحفظ کی ضامن ہو کسی طاقتور کو یہ حاصل نہ ہو کہ وہ بزور جبر کسی دوسرے انسان کا حق سلب کرے۔

یہ تھے یوسفی فلاسفی کے نقاط! آیئے ہم اپنا جائزہ لیں۔

آج یوسف عزیز کا ہم سے بچھڑنے کو ایک صدی ہونے کو ہیں۔ آج ہم کہاں کھڑے ہیں کس صورتحال سے دوچار ہیں، ہمارے مسائل کیا ہیں۔ ان مسائل کا ادراک کیا کسی نے کیا ہے؟ ان کے سدباب کے پروگرام کو کسی نے عملی جامہ پہنایا ہے؟ حالانکہ ہمارے ہاں ایک درجن کے لگ بھگ سیاسی پارٹیاں ہیں۔ سب کے سب یوسف عزیز کے سیاسی وراثت کے نام لیوا ہیں تقریباً تیس (۳۰) برسوں سے یوسف عزیز کے سیاسی وراثت کی سیاسی پارٹیاں مسندِ حکمرانی پر بیٹھے ہیں۔ کیا ان تیس برسوں میں کسی نے اپنے ہی علاقے میں اپنا خرچ چھوڑا ہے۔ حکومتی فنڈ سے ایک کارخانہ تعمیر کیا؟

کیا کسی نے کوئی مِثالی تعلیمی ادارے کی بنیاد ڈالی؟

کیا کسی پارٹی نے اَسی (۸۰) ہزار سے زائد کوئلہ کی صنعتوں میں کام کرنے والے مزدوروں کے دکھوں سے آشنائی حاصل کی؟

کیا کسی نے ۷۵۰ کلومیٹر ساحل کے ماہی گیروں جن کا ذریعہ معاش سمندر سے وابستہ ہے کے استحصال کے حربوں کی بیخ کنی کی کوششیں کیں؟

کیا کسی حکمران قوم پرست پارٹی نے زمینوں کی سیراب کے لئے کوئی بند باندھا؟ (حالانکہ وندر ڈیم ایوب خان کے وقت سے ورک آرڈر کا منتظر ہے)

کیا ہم نے روایتی وقبائلی سیاست کو قومی واجتماعی سیاست پر ترجیح نہیں دی؟

کیا ہم نے سماجی اقدار پر اپنی انا، ذاتی خواہشات اور اقتدار کو ترجیح نہیں دی؟

کیا ہم سرداروں اور سرکار کی ''ڈگڈگی'' پر بندر کی طرح ناچ نہیں رہے؟

کیا ہم عوامی گلی کُوچوں میں اجتماع منعقد کرنے کی جگہ فائیو سٹار ہوٹلوں میں سیمینارز و جلسے منعقد نہیں کر رہے؟

کیا ہم عوام کو پیسنے والے استحصالی مشینری کے کل پرزے نہیں؟

کیا ہم نے کیڈر پالیٹکس کی جگہ کمرشل پالیٹکس کو رواج نہیں دیا؟

ہم تو VIP عالی شان بنگلوں، نئے ماڈل کی کروڑ ہا روپے مالیت کی گاڑیوں میں زندگی کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ بینک بیلنس بنا رہے ہیں۔ نجی ملکیت بنانے کی ہوس کو گلے لگائے ہوئے ہیں۔ سرکار کے استحصالی مشینری کے چھتری تلے زندگی جی رہے ہیں اور عوامی استحصال میں شریک سرداروں کی بیساکھیوں پر چل رہے ہیں۔ روز بروز معاشی پسماندگی کے دلدل میں ڈوب رہے ہیں۔ سیاسی و معاشی طور پر عدم استحکام کے شکار ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک انا پرستی، خود پسندی کے مرض میں مبتلا ہے، ذاتی غرض و غایت پر توجہ مرکوز کیئے ہوئے ہیں۔

اب بھی وقت ہے کہ ہم درک لگائیں اس نقطے کا کہ ہم کہاں سے بھٹک گئے؟ ہم یوسفی فلاسفی کے اجتماعی سوچ سے کہاں منحرف ہوئے؟ ہماری پسماندگی کے وجوہات کا حل کس فلاسفی میں پنہاں ہے؟

کیا ہم میں سے کوئی یوسفی فلاسفی کے مندرجہ بالا نقاط کے کسی ایک پر گامزن ہے؟

ہمیں اپنی خباثت پر نظر ڈالنی چاہیئے۔ اپنی ناکامیوں کو تسلیم کرنی چاہیئے۔ اپنے سماج میں بنیادی و کیفیتی تبدیلی لانے کے لئے سیاسی، معاشی و نظریاتی طور پر یوسفی فلاسفی کو انجیکٹ کرنا چاہیئے؟

یوسفی تحریک کا ایک ادنیٰ کارکُن

ڈاکٹر سلیم کُرد

شال ۲۶ /اپریل ۲۰۱۶ء